

جنت

خدا بخش لائبریری



خدا بخش اورینٹل پبلیک لائبریری

رجسٹریشن نمبر: ۳۳۲۲۴/۷۷
 سالانہ: ۳۰۰ روپے
 شمارہ: ایک سو تین
 ۴۰ ڈالر ایشیا، ۱۲۰ ڈالر غیر مالک

اس شمارے کی قیمت: پچھتر روپے

۱۹۹۴ء

مصطفیٰ کمال ہاشمی نے پاکیزہ آنسٹ شاہ گنج پین میں چھپوا کر نوا بخش لاہور پرنٹس سے شائع کیا۔

فہرست

جلد ۱۳

اردو مسئلہ: ————— ۱-۱۱۲

مقالہ نگار: ۵ — ۷۲

جناب شمس کنول	جناب فرخ جلالی	عابد رضا بیدار
جناب ستیہ لکھراشی	جناب جاوید اشرف	ڈاکٹر مسعود حسین خان
جناب اردن خاں شروانی	جناب شفیع عالم	جناب جمن داس اختر
جناب ریحان فنی	پروفیسر محمد حسن	جناب شاہد رام سنگری
جناب غلام سرور	جناب ستیہ ایشم علی	جناب ستیہ حامد
	جناب بیات مدنی	

بحث کے شرکاء: ۷۲ — ۹۳

ڈاکٹر حبیب الرحمن (پٹنہ)	جناب مفضل احمد ریاضیاتی جی تیار	جناب ابو الفیض محمد (دہلی)
جناب شمس حسن خاں (دہلی)	ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (دہلی)	جناب اقبال انصاری (علیگڑھ)
ڈاکٹر ریحان فنی (پٹنہ)	ڈاکٹر محمود الحسن (مدینہ منورہ)	جناب بیات مدنی (پٹنہ)
جناب عبدالمجید خاں (طابہ)	نوبہت متھان شروانی (علیگڑھ)	جناب ستیہ حامد (دہلی)
جناب فرخ جلالی (علیگڑھ)	ڈاکٹر اخلاق انوار (مومباہ)	ڈاکٹر حنین انجم (دہلی)
پروفیسر محمد حسن (پٹنہ)	ڈاکٹر انصاری (علیگڑھ)	ڈاکٹر رضی الدین احمد تروپتا
جناب سید محمد رفیع (کراچی)	جناب فی رحیم (پٹنہ)	ڈاکٹر سواتی سید (فیض آباد)

جناب اردن رشید دہشتہ،	جناب عبد اللطیف اعظمی (دہلی)،	ڈاکٹر سفینہ کسنی (دہلی)،
جناب اسلم پرویز راناچی،	عزیزہ قاضین حیدر (دہلی)،	ڈاکٹر رضوان احمد خان (دہلی)
جناب ابن کریم دہشتہ،	ڈاکٹر حفصہ الحسن (لاہور)،	جناب شفیع شہیدی (پٹنہ)
جناب جمال عبد الجبار (دہلی)،	جناب منظور اکبر (پٹنہ)	جناب غلام سرور (پٹنہ)
ڈاکٹر حسن حیدر دہشتہ،	جناب سید ہاشم علی (علی گڑھ)،	ڈاکٹر کمال الدین (درہنگہ)
ڈاکٹر رضوان احمد خان (پٹنہ)،	ڈاکٹر اعجاز علی ارشد (پٹنہ)	ڈاکٹر محمد من (دہلی)
جناب شاہد ارم سرگرمی (پٹنہ)	جناب انیس رفیع (گتہ)	ڈاکٹر نسیم اختر (پٹنہ)
	جناب حبیبہ قرر راناچی،	

رسائل کا اشاریہ

• برہان کا اشاریہ ————— ڈاکٹر شائستہ خان ————— ۱۱۳

باز یافت

• ڈاکٹر اخلاق الرحمن صدوائی کی پچاس سال — ڈاکٹر اخلاق الرحمن صدوائی — ۱۹۳
بلائی دو اردو تحریروں

شیعہ سنی مسئلہ

• نادر شاہ ایرانی اور اتحاد اسلامی ————— ۲۲۱

یادِ ذکر

• برصغیر کے علمائے معقولات اور انکی تعیناتات — محمد عبدالسلام خاں ————— ۲۳۱

جناح

• محمد علی جناح ————— ایم۔ آر۔ اے۔ بیگ ————— ۲۲۲

ہندو مسلم مسئلہ

• ہندو مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ————— مولوی سرفراز خان (نظامِ اہلیہ سنی ۱۳۱۱ء) ————— ۳۶۷

انوار

* تفسیر سورہ فاتحہ و اخلاص (ندا بخش خاں) ————— تحفہ مہر الہی ۳۹۵

* انتخاب نمبر ۱: تحریرات انجمن طبعیہ صوبہ بہار، ۱۸۹۶ء
 لارڈ بیکن کی دو تحریریں (ترجمہ خدا بخش خاں) وغیرہ
 سید فرخ جلالی ۴۲۷

صلاح الدین خدا بخش

* غنیمت کی سوزنا تیں ————— صلاح الدین خدا بخش زاناظر، نومبر ۱۹۲۱ء ۴۳۷

شیعہ سنی مسئلہ

* شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا ایک مکتوب گرامی سید شاہ محمد فخر عالم ۴۳۹

مناظر آسن گیلانی

* کوہِ عشق رسول میں ————— مناظر آسن گیلانی ۴۵۲

تذکرے

* مرآۃ الکاملین / آئینہ کاپی ————— الطاف حسین خاں شروانی ۴۵۵
 ۵۱۲

حصہ انگریزی

* فرنگ ہلالی مرتبہ ڈاکٹر شیخ غلام مقصود ہلالی ————— ترتیب، ڈاکٹر کلیم سہبازی ۱
 عربوں کی تاریخ کے لیے ایک قدیم مأخذ کتاب المودہ فقہ خدا بخش ————— فریڈ ایم ڈونر ۳۳

اردو مسئلہ

جرمنوں کی آبیاری کا پانیوں پر چھڑکاؤ

حرفے چند

اردو دانشوری پر پیشینہ ۱۹۸۹ء میں ایک انفرمینار ہوا۔ اس بار کے دانشوری سیمینار میں اردو زبان کے مسئلے کی بات بھی چھڑی۔ اردو کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ دانشوری کا مسئلہ اس سے بڑی گہرائی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ہمارے دانشور کس سطح پر اور کس سطح کے ہیں، اردو دانشوری کہاں ہے اور کیسی ہے؟ اس سے بڑی حد تک متعین ہوتا ہے اردو کا مقام اور وہ مسائل جو اردو کو درپیش ہیں۔

اس لیے پہلے خیال یہ تھا کہ اس اردو مسئلے کے مباحث و مقالات کو دانشوری مقالات و مباحث کے ساتھ ہی شائع کیا جائے، لیکن بھر پے یہی ہوا کہ اسے الگ رکھا جانا ہی بہتر ہو گا۔ اس لیے یہ الگ سے پیش کیا جا رہا ہے؛ تاہم ادب کی سطور میں جو اشارہ ہوا وہ ذہن میں رکھ کے مطالعہ کیا جائے اور اردو دانشوری کے مباحث و مقالات (جو الگ مجلہ میں شائع ہو رہے ہیں) بھی پیش نظر میں تو اچھا ہو گا۔

— صاحب

پیشگفتار

اردو مسئلہ پر آپ ہم سے کہیں بہتر کلمے ہوئے پیشے گفتار کیوں نہ
پڑھیں۔ جگہ گلدیپے نیو صاحب کے ایک بڑی خوب صورت تحریر جو
بہلہ اردو کونٹیشن (۱۹۸۳ء) کے افتتاحی جلسہ میں صدارتی خطبہ کے طور سے
پیشے کے گئے تھے:

”میرے آغا اردو کے تعریفے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اردو زبان کے مطالعے سے
خوبصورتی، الفاظ، شاعری کے تعریفے دلے راتے ہوتے رہتے ہیں
ہر پلٹے نام سے ہوتے ہیں لیکن اردو کے بنیادی مسائل پر بات
کم ہوتے ہیں اس لئے میں اردو سے متعلقہ مطالعے میں کچھ باتیں
کہے اردو والوں کو غفلت کے نیند سلانے کے بجائے کچھ کڑی باتیں
کہنے کے اپنے غفلت سے جگانا پسند کروں گا۔

آغا سے پندرہ برس پہلے میں نے پٹنہ شرمیے اردو ایڈیٹر کے کانفرنس سے
میں کچھ باتیں کہے تھے انے باتوں کو میں پیر سے دہرا نا چاہوں
گا۔ میں نے کہا تھا کہ جو ہے تاکہ اردو کو اقتصادیات سے نہیں جوڑا جائے گا۔
اسے مستقبل محفوظ نہیں ہو سکتا۔ جب تک اردو زبان کے تعلیم
روڈے روزی کے کاڈریو نہیں بنے گئے وہ اسے تیزی سے ترقی
نہیں کر سکے گئے جیسے کہ اسے کرنا چاہیئے۔ بہار میں اسے ملے میں
کچھ پیشے رفتے ہوئے ہیں۔ کچھ علاقوں میں اردو کو دوسری زبان
کا درجہ دیا گیا ہے۔ لیکن زبانیں کسی حکومت یا برسر اقتدار گروہ کے

حدودِ احیائے سے نہ تو ہمتے ہیں اور نہ ہی وہ محسوس کیا جائے کہ وہ ختم کرنے کے
 طاقتور رکھتے ہیں۔ اردو کو آگے بڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ اردو دوا
 پورے جذبہ کے ساتھ اٹکے اٹکے اور سرکار کے دفتر سے لے کر ہر گھر کے
 کونے تک اردو کے فروغ کے لئے جدوجہد کریں۔

دوسری چیز جس کے خلاف ہیں لڑنا ہو گا وہ یہ ہے کہ اردو صرف
 مسلمانوں کے زبان ہے یہ بات اردو کے دانشمندانہ اور نادانوں
 دوستوں کے درمیان سے ہی کہتے ہیں۔ اردو دشمنی یہ بات کہہ کر
 زبان کے معاملے کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کے کوشش کرتے ہیں۔
 ہندوستان کے سرزمین سے جنہ لینے والے اسے زبان
 کو فرنگی کے زبان ثابت کرنے کے کوشش کرتے ہیں۔ دوسرے
 طرف اردو کے نادانوں دوستوں نے مسلمانوں کے زبان کو اس
 کے ساتھ ہونے والے قصے اور سخیلے پرتاؤ کا رونا رو لے لے ہیں۔ اگر اردو صرف
 مسلمانوں کے زبان ہو تو اردو کا سب سے زیادہ کثیر الاثاعت
 اخبار پنجاب سے شائع نہ ہوتا۔ اگر اردو صرف مسلمانوں کے زبان
 ہو تو آج ہندوستان میں اردو بڑھنے پر لے والوں کے، نقد
 دہے کر دے کے قریب ہونے چاہیے تھے۔ لیکن ایسا نہیں ہے
 اردو کو کسی ایک مذہب یا فرقہ کے ساتھ جوڑنا اردو کے ساتھ بدترین
 دشمنی ہے۔

وہ لوگ جو اردو کے دوست نہیں ہیں جو اردو کے دروازے بند
 رکھنا چاہتے ہیں۔ جو دوسرے زبانوں کے الفاظ کو اردو کا حصہ بناتے
 ہونے ڈرتے ہیں۔ جو فارسی کے زور اور بولنا اور لکھنا اردو کے زندگی کے
 ضامن سمجھتے ہیں۔ میں ایسے لوگوں کو تباہی بھڑکاتا ہوں کہ کہیں نہ
 نکلے دنیا کے کسی بھی زبان کا ذہن نہیں ہوتا ہے۔ آج کے اردو کے

مقبولیت کے وجہ ہم پر بھیجے گئے کہ اس نے دنیا کے ہر زبان سے بہتر الفاظ بلا بھیجے اپنے دامن سے نئے سمیٹ لئے نیکونے کچھ عرصہ سے اردو والوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اردو میں کمی کے قسم کے لادے پند نہیں کرتا۔ حالانکہ سچا ڈے یہ ہے کہ جسے یہ لادے کہتے ہیں وہ اردو کے قوت سے ہے۔ اردو اپنے اندر دوسرے زبانوں کے الفاظ جتنے زیادہ سموئے گئے اتنے ہی اس کے مقبولیت میں اضافہ ہوگا۔

اردو ہندوستان کے پانچوں کے مشترک زبان ہے۔ آج ہر ایک دوسرے کے قریب آنے کے کوشش کر رہے ہیں۔ پانچوں کے علم سے اردو بہت اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ ان کے دونوں ملکوں کے درمیان نفرت کے چاہے جتنے دیوار سے کھڑی ہو جائے اردو وہ پانچوں جو نفرت کے دیوار سے پر سے گذرتا ہوا ہمیشہ دونوں ملکوں کے درمیان رابطہ کا ذریعہ بنا رہے گا۔ ہمیں اسے پلے کو قائم رکھنا ہے اسے مشترک سرائے کے حفاظت کرنے ہے۔

آئیے اب ہم اردو اکیڈمی کے بانیوں کے بارے میں آج ہندوستان میں درجنوں اردو اکیڈمیاں اور انجمنیں ہیں۔ نیکونے ان اکیڈمیوں میں اردو کیلئے کیا کام ہو رہا ہے؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کچھ مجموعہ نہیں ہے۔ ایسے موقوفات پر ریسرچ کرنے کا زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے ادیبوں اور شاعروں کو ایوارڈ جو ادب کے لئے نہیں اردو کے لئے نہیں۔ عوام کے لئے نہیں۔ صرف ایوارڈ حاصل کرنے کے لئے نکلتے ہیں۔ اور کتابیں چھپواتے ہیں۔ جو پیسہ اور انرجی اردو کے فروغ کے لئے خرچ ہونے چاہئے تھے۔ جو پیسہ اردو کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے پر استعاروں سے ادب سے بچوں کیلئے کتابیں وغیرہ

شائع کرنے پر خرچ ہونا چاہیے تھا۔ وہ رقم چند اردو فروشوں کے جیب سے چلے جاتے تھے۔ میرے ان اکیڑھویں کے معیار کو بہتر بنانا ہوگا ان کے کاغذات سے رابطہ جوڑنا ہوگا۔

آئیے اب اردو ادیبوں اور شاعروں کے ہاتھ سے اردو کے فروغ میں اسے مقبول عوامی زبان بنانے میں اردو کے ادیبوں اور شاعروں کا اہم رول ہے۔ غالب سے لے کر فیض تک اردو شاعرانہ جذبہ نے عام آدمی کے نظریات، دکھ درد اور روزمرہ کے زندگی کے عکاس بنایا۔ لیکن آج جیسے اردو ادیب اور شاعر عام آدمی سے بالکل کٹ کر رہ گئے ہیں۔ آج اردو کے کہانیاں اور افسانے روزمرہ کے درد کو الفاظ میں نہیں سمیٹتے۔ آج اردو ادیب نہ سماج کے لئے نثر کا کام کرتا ہے اور نہ مرہم کا۔ اس کے باوجود اردو ادیب اور شاعر کو یہ شکایت رہتی ہے کہ اس کے کتاب میں بکتے نہیں ہیں، آپ عام آدمی کے زبان میں بات کیجئے۔ پھر دیکھئے کہ آپ کے کتاب میں کیسے نہیں لکھتے کیسے آپ کو عوامی مقبولیت حاصل نہیں ہوتی۔

خدا کے لئے اردو کو محدود مت کیجئے۔ اردو کو خواہ اس کے زبان سے مستے بنائیے۔ اردو کو اکیڑھویں اور لائبریری سے باہر نکالے جس گاہے دیہات میں پہنچائیے۔ اردو نے بازاروں اور گلیوں میں جنم لیا اور دباؤ کے زبان سے کبھی نہیں رہے آج آپ اسے گلیوں سے اٹھا کر درباروں میں پہنچانا چاہتے ہیں یہاں اردو کا دم گھٹے جائے گا۔ اسے واپس گلیوں اور بازاروں میں لے جائیے پھر دیکھئے اردو کی پھلتی پھولتی ہے؟

کلا پیپ نیر کے مختصر مگر ہمہ جہت تحریر گیارہ سالہ بارہ سال کے بعد
 آج بھی تازہ لگتی ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑا ہے نہ اردو مسئلوں میں
 اور نہ اردو والوں کے بے حس میں۔ اردو زندہ ہے تو صرف دو ٹوٹے کے
 سبب؛ اور وہ سبب بگم غنیمت ہے۔ ٹیکٹ یہ منحنی جینا دوسرے کے ہاں
 جینا، اور مثبت طور سے اپنے آپ کچھ نہ کرنا منحنی کہ اپنے بچوں کو اردو سکھانے
 کے لیے کسی کے پاس گھنٹہ آدھ گھنٹہ بھی میسر نہ ہونا اصل مسئلہ ہے۔ اسے
 کے ساتھ اسے بھی جوڑ لیجئے کہ حکومت کے طرف سے جو مالی عنایات و
 عطیات میسر ہیں وہ بگم اردو کے بجائے اردو والوں کے مالی مسائل
 حل کرنے میں کام آجاتے ہیں اور بس 'لات' عنایات کے مصارف کے
 نگران کے لیے بھی اردو والوں میں زندگی کے کوئی رتق نہیں
 ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خوام اردو مسئلہ سے واقف نہیں ہیں خواہ اسے کو اردو
 سے کوئی غرض نہیں ہے

دیکھتے کیا گزرے ہے قطرے 'پہ' گہر ہونے تک
 آپ مجھے انتظار کیجئے ہم بھی اکہ :

رگ دپے میں جب اتمے شیشے غم تب دیکھئے کیا ہو
 ابھی تو لمحے کام دہنے کے آزمائش ہے

— ضرب

فہرست

مقالہ نگار: ۵ — ۷۲

عابد رضا بیدار .. جناب سید حامد .. پروفیسر محمد حسن .. جناب سید ظفر ہاشمی
 ڈاکٹر مسعود حسین خان .. جناب فرخ جلالی .. جناب سید ہاشم علی .. جناب اردن خاں شروانی
 جناب جمن داس اختر .. جناب جاوید اشرف .. جناب بیتاب صدیقی .. جناب ریحان غنی
 جناب شاہد رام بگری .. جناب شفیع عالم .. جناب شمس کنول .. جناب غلام سرور

بحث کے شرکاء: ۷۳ — ۹۳

جناب ابو الفیض محمد دہلی .. ڈاکٹر اخلاق اثر (محبوبال) .. جناب اسلم پرویز (راپٹی) .. ڈاکٹر اعجاز علی ارشد (پٹنہ)
 جناب اقبال انصاری (علیگٹھ) .. ڈاکٹر نصار اللہ (علیگٹھ) .. جناب انوار کریم (پٹنہ) .. جناب انیس رفیع (کلکتہ)
 جناب بیتاب صدیقی (پٹنہ) .. جناب تقی رحیم (پٹنہ) .. جناب جمال عبدالواحد (دہلی) .. جناب جمشید قر (راپٹی)
 جناب سید حامد (دہلی) .. کامرینہ حبیب الرحمن (پٹنہ) .. ڈاکٹر حسن عمید (پٹنہ) .. ڈاکٹر حنیف کھنڈی (دہلی)
 ڈاکٹر خلیق انجم (دہلی) .. جناب شہید حسن خاں (دہلی) .. ڈاکٹر رضوان احمد خاں (پٹنہ) .. ڈاکٹر رضوان احمد خاں (دہلی)
 ڈاکٹر رفیع الدین احمد (ترجمہ) .. ڈاکٹر ریحان غنی (پٹنہ) .. جناب شاہد رام بگری (پٹنہ) .. جناب شفیع شہیدی (پٹنہ)
 ڈاکٹر طارق سمید (فیض آباد) .. جناب عبدالسلام خاں (لاہور) .. جناب عبداللطیف اعظمی (دہلی) .. جناب غلام سرور (پٹنہ)
 جناب فضل احمد ریاناؤ آئی جی بہار .. جناب فرخ جلالی (علیگٹھ) .. فخر قرعہ امین حیدر (دہلی) .. ڈاکٹر کمال الدین (درہنگ)
 ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (دہلی) .. پروفیسر محمد حسن (پٹنہ) .. ڈاکٹر محمد طاہر الحسن (کلاں) .. ڈاکٹر محمد حسن (دہلی)
 ڈاکٹر عمود الحسن (خدا بخش) .. جناب مسعود احمد برکاتی (کراچی) .. جناب ظہیر لاکا (سری نگر) .. ڈاکٹر نسیم اختر (پٹنہ)
 نوبہ حسن خان شروانی (علیگٹھ) .. جناب اردن رشید (پٹنہ) .. جناب سید ہاشم علی (علیگٹھ) ..

ماں کی ردِ دل۔ جو ذل ہوئے نیلام ہو چکی

اردو میری وہ ماں ہے جس کی ردِ دل پچھلے چالیس سال میں ریزہ ریزہ نیلام ہو رہی ہے۔ میں نیلام پر چڑھی اس ردِ اکواب واپس لینا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ جس جس نے اس ماں کا دودھ پیسا ہے اس سے دودھ اپنا حق مانگ رہا ہے۔

پٹنہ میں ادارہ تحقیقات اردو اور خدا بخش لائبریری کے اہتمام میں منعقد ہونے والی اردو ریسرچ کانگریس میں پچھلے تین برسوں سے اردو مسائل پر غور و فکر کے لیے جو سلسلہ چھڑا ہے، اس بار کی تیسری اردو ریسرچ کانگریس میں ادھر ادھر کے مسائل کو چھوڑ کر براہِ راست بنیادی مسئلوں کو موضوع بحث بنایا گیا۔ پہلا مسئلہ اردو دانشوری کا جائزہ تھا اور دوسرا خود اردو زبان کی بقا کا مسئلہ تھا۔

اردو دانشوری کا جائزہ، یہ خصوصی موضوع اردو دوستوں کو اس امر کی طرف موٹنے اور توجہ دلانے کے لئے اختیار کیا گیا تھا کہ اب سے پہلے ہمارے لکھنے والے اپنے ارد گرد سارے مسائل پر سوچا کرتے تھے اور اپنی سوچ کو سمجھہ تحریروں میں قلمبند بھی کیا کرتے تھے اور صرف یہ نہ ہوتا تھا کہ اہل قلم نظمیں غزلیں، افسانے، ادبی تنقیدیں، ادبی تحقیقیں لکھ کر نبٹ جاتیں: سرسید شعرائے دہلی کے احوال لکھتے تھے تو آثار قدیر پر بھی روشنی ڈالتے تھے، اکبر اور فیروز شاہ کی تاریخوں کو بھی مرتب کرتے تھے، معاشرتی مسائل پر بھی قلم اٹھاتے تھے۔ شبلی اگر انیس و دہرہ کا موازنہ کرتے تھے تو ابعد الطبیعیاتی، فلسفیانہ اور کلامی مسائل پر بھی لکھتے تھے، تاریخ اسلام پر بھی لکھتے تھے، تہذیبی تاریخ کو بھی اپنا موضوع بناتے تھے اور ان علوم کی تمام شاخوں کے مطالعہ میں اور ان کے لکھنے میں اپنا وقت لگاتے تھے جو ان کے عصری سماج پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ آج ویسا کیوں نہیں ہوتا۔ اس پر بھرپور بحث کرنی تھی خاصی بحث ہوئی بھی!

لیکن بات وہیں پر آگئی کہ دانشوری جاندارِ ادب کی پہچان ہے مگر یہ ادب جس زبان کا ادب ہے؟

اس زبان کا حال ہی درگروں ہے، تو ادب میں وہ جان کہاں سے آئے، دانشوری جس سے عبارت ہے! تو، اصل، اہم، بنیادی مسئلہ تو خود اردو زبان کا مسئلہ ہوا! جس پر چالیس سال کی مدت میں ریزہ ریزہ تو سوچا گیا مگر سنجیدگی سے سر جوڑ کر بھرپور انداز میں کبھی بات نہ ہوئی۔ مقصد تھا کہ اس پر کچھ دیر بات ہو کہ ہر سال سرکار اردو پر مجموعی طور سے تیس کروڑ کی رقم صرف کرتی ہے تو اس سے اردو کا بنیادی کام کس حد تک ہو جاتا؟ ریسرچ کا گریس نہ یہ اجلاس اس لیے بلایا تھا کہ مخلص لوگ سر جوڑ کر بیٹھیں اور بنیادی مسائل پر سنجیدگی سے کچھ دیر بات کر سکیں۔ اپنے وقت کی اپنے آرام کی، اور اپنی توہانیوں کی قربانی دیں تاکہ سامنے کے مسائل سے آنکھیں چا کر سکیں اور آنے والی نسلوں کے سامنے ہم کسی جگہ تو سرخرو ہو سکیں۔ اس پر گفتگو کر لیں کہ اگر اردو کا بنیادی کام نہیں ہو رہا ہے تو اس میں سرکار کی بستی ہے، باوجود ہم اردو والوں کو سانس لے کر، ٹھہر کر، یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا ہے کہ ہماری ترجیحات کیا ہیں۔ اس پر گفتگو کر لیں کہ تینوں پر پھر کلو کب تک؟ جہیں کب تک سوکھتی رہیں گی؟ اس پر گفتگو ہو لے کہ اردو کی موجودہ تحریک اور ادب کے سرمایہ موجودہ ادارے، اداروں کے نگہبان اور موجودہ تنظیموں کے ذمہ داران اور سرکار کی تیس کروڑ کی رقم، اردو کے لیے امداد کے مستحقین، زیادہ سے زیادہ اگلے چالیس سال اور زندہ رہیں گے! لیکن اس کے بعد نئی نسلوں کا ایک قافلہ بھی تو آئے گا، اور اس کے بعد اردو تہذیب اور اردو زبان اچھی بری جس شکل میں رہی اس کا نام تو تاریخ کا حصہ بنا ہی رہے گا!

پھر براہ راست ایک سوال کا جواب تلاش کرنا تھا کہ: آنے والی تاریخ میں ہم سب اپنے لیے انفرادی فائدہ اٹھانے کے بجائے اس مشن کو تقویت دینے کے لیے کیا کر رہے ہیں جس اہم مشن کی کامیابی اور ناکامی ہماری زندگیوں کے بعد اردو کی تقدیر کا انحصار ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس دنیا سے رخصت ہوں اور آنے والے سوالوں کے جواب دینے کی پوزیشن میں ہی نہ رہیں کیا یہ اچھا نہیں کہ آج اس وقت ہم اپنے آپ سے سوال کر لیں اور اپنے آپ اپنی سکت بھر کر جواب تلاش کر لیں ایسے جواب جن میں سود و نیاں کے ادبار سے بے نیاز ہو کر اپنی تہذیب کو بچائے گا پھر سامان کر لیا جائے، وہ تہذیب جو اس ملک کا قابل فخر ورثہ ہے۔

بہت سی باتیں ہوتی ہیں کچھ بھی گئیں۔ ہم لوگ اب جیسے ہی ہیں! ہیں۔ (آرڈر پر بلانے تو نہیں جاسکتا) اس لیے سب کسی قومی مسئلے پر بات ہوتی ہے تو گرمی زیادہ ملتی ہے، روشنی کم۔

اردو مسئلہ میں بنیادی بات اس باصرف اس نکتہ پر کرنی تھی کہ سرکاری یا نیم سرکاری اردو اداروں اور تنظیموں کو حکومت ہوا دیتی ہے، اس کے جو جو مصرف ہیں ان میں اس صدی کے بعد بھی اردو پڑھنے والے ملیں اس نکتہ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے یا نہیں! اور یہ کہ اگر ایسا نہیں ہو رہا ہے تو محض بے خیالی ہے یا پھر ان کے دستور میں کوئی کمی ہے۔

اجلاس میں اردو اداروں اور تنظیموں کی قابل لحاظ نمائندگی سے افہام و تفہیم کی فضا قائم رہی، ساتھ ہی اردو تحریک اور اردو ادب کے اہم لوگ بھی جلسے میں موجود تھے۔ تین مرکزی جامعات میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے خود اس چانسلر سید ہاشم علی صاحب تھے۔ جامعہ ملیہ کی نمائندگی اردو کے پروفیسر حنیف کیفی کر رہے تھے، دہلی یونیورسٹی سے ڈاکٹر عبدالحق تھے، انجمن ترقی اردو ہند کے صدر سید حامد صاحب اور جہلی سکریٹری ڈاکٹر خلیق انجم تھے، ساہتیہ اکادمی سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اکادمی کی نمائندگی کر رہے تھے، ترقی اردو بورڈ نے ڈاکٹر ابو محمد سکونہ نمائندہ بنا کر بھیجا تھا، اردو اکادمیوں کی نمائندگی سراج الدین صاحب، شاہ مشتاق صاحب شین مظفر ٹوہڑی صاحب، ڈاکٹر عبدالاحد صاحب، حفیظ اللہ نوپوری صاحب، علاوہ ازیں بہار اعلیٰ کمیشن کے فائس بیرمین اعلیٰ کمیشن کے رکن کمین، ہمدرد نیشنل فائونڈیشن کے ایجوکیشن ایڈوائزر، این سی ای آر ٹی کے مشیر، اردو کنسٹبلک کارپوریشن کے اردو مشیر آل انڈیا ریڈیو اور دور درشن کے (بجی طور سے شریک) ماہرین دس اہم اخبارات کے، دیار اردو دہلی سے زیادہ اردو مسئلہ سے شغف رکھنے والے مخلص مفکر اور ادیب اجلاس میں شریک رہے۔

اردو کے سلسلے میں جہاں اصل مسئلہ پر باتیں ہوئیں وہاں اردو روٹی روزی کی بات، اردو کے لیے ترکوں پر نکل آنے کی بات، پبلک مغل سے اردو کے رشتہ کی بات، اور اندر رسم الخط کی بات، بھی ہوئی! یہ سب اردو مسئلے کی جہات ہیں، ادا ان امور پر باتیں کرنی ضروری ہیں۔ شرکاء میں سے بہتوں نے اپنی خامی گفتگو ان مسائل پر کی تھی۔ لیکن میں سنا نے توجہ مرکوز کرنے اور غیر محدود و محدود بنانے کی عادت نہیں رہی ہے، اس لیے مرکزی خیال کا دامن ہمیشہ ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ جاتا ہے۔ یہاں لوگ اس لیے نہیں جج جوتے تھے کہ سرکار سے کچھ مطالبے کریں۔ جج اس لیے ہوتے تھے کہ اپنے آپ سے کچھ مانگیں۔ مسئلہ اس وقت قطعی یہ نہیں تھا کہ کس ریاست میں قسری اور قسری سرکاری زبان بنوایا جائے، بلکہ صرف اتنا کہ خود اردو والوں کے گھر کی زبان تو یہی رہ جائے! کوئی مالک رام یہ تو نہ کہے کہ اب میرے بعد کچھ دن میں میری کتابوں اور میرے ذخیرے کو استعمال کرنے والا گھر میں تو کوئی رہے گا نہیں!

اس لیے اس سارے اندوختے کا کرنا کیا ہے! مسلم یونیورسٹی میں بیٹے والے بچے کا باپ اس پر تو مغرور کرے کہ میرے بچے کو اردو نہیں آتی، وہ انگریزی یا ہندی میں خط لکھتا ہے۔ میں اردو کی اس قدر کے خلاف رہنا چاہتا ہوں جو ہم خود بنائے ہیں! یہ اس کی قدرتی سرفروشت نہیں ہوتی تھی جو ہمارے ہاتھوں لکھی جا رہی ہے!! یو۔ پی اور بہار، دہلی اور حیدر آباد، بمبئی اور ٹونک، بنگلور اور مدیسور کا اردو بولنے والا مسلمان ۱۹۷۱ء کے بعد، بھڑک بلی غصے پر اب کراچی یا دھاکہ کا رخ نہیں کرتا، اس کی یہ کشتیاں جل چکیں! پنجاب اور دہلی کا سکھ، ہند سماچار کا ہندو قادی اور پریم چند سے گیان چند تک کی نسل کے اردو استعمال کرنے والے ان گنت ہندو بھی اپنے گنگا جمنی درخت سے دست بردار ہونے کے لیے کسی طرح تیار نہیں۔ آئندہ نرائن ملا اس تائیدی قافلہ کا تھہرا رہی نہیں جو کہتا ہے میں اپنے مذہب سے دست بردار ہو سکتا ہوں، اپنی ماں کی زبان نہیں چھوڑ سکتا! لیکن اردو والے ایک مدت سے بے حسی کا اس بری مزاج شکار ہیں کہ گستاخے کہیں کوئی ایک کڑی ٹوٹ گئی ہے جس سے مکمل عرصہ خیال شکستہ ہو گیا ہے، نتیجہ میں ساری منصوبہ بندی (اول تو منصوبہ بندی ہے ہی کہاں!) جو بھی ہے گستاخ، شکستہ، شکست خوردہ ہے۔

ہماری عرض یہ ہے کہ ابھی اور کچھ نہیں کرنا ہے، صرف مل کے بیٹھنا ہے، بار بار ملنا ہے، جلد جلد ملنا ہے اور اردو کو اس صدی کے بعد بھی باقی رکھنے کا منصوبہ بنالیا ہے۔

اردو مسئلے کے سفر کے پورے پھیلاؤ کو یکدم حل کرنے کی کوشش زیادہ سودمند نہیں۔ میرے خیال میں اس کی چار پانچ منزلیں تقسیم کر کے یہ سفر طے ہو تو کچھ حاصل بھی ہوتا جائے گا اور ہم جھکنے سے بھی بچ جائیں گے۔ اور پہلی منزل ان قلم اردو اداروں (اکادمیوں، بورڈوں، رینل سنٹروں، ریاستی آرگنوں، مرکزی اور ریاستی سرکاری تعلیمی تنظیموں، انجمنوں، اجماعات کے اردو شعبوں) کو اردو کے بنیادی کام کی طرف توجہ کے ساتھ ایک موڑ دینا ہے تاکہ اس صدی کے بعد بھی ہمارے پڑھنے والے ہیں مل سکیں۔ بس صرف دن پوائنٹ پروگرام لے کر چلا جائے اور اس کے لیے پانچ دہائیوں کی ضرورت ہو تو دس سال لگا دیئے جائیں تاکہ پچھلے چالیس سال کا پراشیٹ ہو سکے۔ اس وقت ایک ہی بنیادی کام ہے۔

اور پھر اس مذکورہ بنیادی کام میں ہر شخص میں کتنا خلوص ہے، یہ بھی بتا چل جائے گا، کیونکہ اس میں ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دینا ہو گا، اسے لے گا کچھ بھی نہیں! اردو کا کاروبار تو بہت ہو چکا اب کچھ بنیادی کام بھی ہو جائے!



گاندھی کی زبان

اردو ہندی کے علاوہ گاندھی کی زبان ہندوستان کی بات بھی چھڑی۔ یہ وہ زبان ہے جو بعضوں کے خیال میں گاڈ سے کی گولی سے مہاتما کے ساتھ ختم ہو چکی۔ کچھ دوست اس سے متفق نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ زبانیں نظریوں عصبیتوں کے ساتھ نہیں چلتیں، بلکہ مفاد کی کوئی بھی چیز صرف اس مفاد کے موافق ہی چل سکتی ہے اور یہ کہ ہلکے مفاد نے جناتی ہندی کو آہستہ آہستہ رو کر دیا ہے، اور اس کے نتیجہ میں ہندوستانی حاوی آتی جا رہی ہے۔

اردو ہندی ہندوستان

ہندوستانی کے حاوی آتے جانے کی بات ایک اور رخ سے بار بار چھڑی کہ فلم، مشاعرہ، ریڈیو سب جگہ وہی آسان زبان استعمال ہو رہی ہے (مارنگ، حبیب الرحمن) بلکہ ایک دے تو یہ بھی سنی کہ اخبارات تک میں یہی زبان حاوی آرہی ہے (شاہد رام نگری)۔

ان باتوں کے درمیان کچھ صاحبان لفظ ہندوستانی کے بجائے لفظ اردو کا استعمال کر رہے تھے لیکن ظاہر ہے ان کا مطلب بولی سے تھا، زبان سے نہیں۔ اور بولی بغیر رسم الخط میں ہندوستانی کہیں جاسکتی ہے جو فکری رسم الخط میں لکھی جائیں تو اردو اور ناگزی میں لکھی جائیں تو ہندی۔ ذہن میں دھندلکے نہیں رہنے پائیں اس سے کوئی بھی ایسا صاف نہیں ہو پاتا۔ مثلاً یہی ہندوستانی اور اردو کی بات ہے۔ بار بار کہا جاتا ہے کہ فلم اور مشاعرہ کے ذریعہ اردو زندہ ہے، اردو مر نہیں سکتی، اردو گھر گھر پھیل رہی ہے۔ پتا نہیں ہمیں بے وقوفوں کی جنت میں رہنے میں اتنی دلچسپی کیوں ہے بے شک فلم اور مشاعرہ ہی نہیں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی زبان بھی وہ ہوتی جا رہی ہے جو عوام سمجھتے ہیں، لیکن یہ تو غوامی بولی کی جیت ہوئی، اردو کہاں سے آگئی۔ یہ تو مہاتما کی جیت ہوئی، جو کہتا تھا آسان زبان ملے کے بڑے حصے کی زبان، ہندوستان کی زبان، ہندوستانی ہے جو دو رسم الخط میں لکھی جاتی ہے مگر ابھی مہاتما کی آدمی جیت ہوئی ہے اور وہ جیت بھی مہاتما کی نہیں بلکہ مفاد کا جبر ہے۔

مہاتما کی شکست خوردگی

مہاتما کی آدمی شکست خوردگی آج بھی قائم ہے، آج بھی اس ملک کی کروڑوں کی آبادی کو گوڑگا بہرا بنانے کا عمل جاری ہے اور جمہوریت کے تمام تر مظاہر کے باوجود اتنی بڑی آبادی کو اس کا رسم الخط دلہا نہیں ملے۔ اس کے لیے آئین جدوجہد جاری ہے اس جدوجہد کے نتیجہ میں ایک ریاست میں ایک ملک

اس کے آئین حق کو تسلیم کیا جا چکا ہے جس پر غلامد کی جوشکاتیں ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ دود ہو جائیں گی۔ جدوجہد جاری ہے جس کے نتیجہ میں اس ریاست میں مزید اچھے نتائج کی امید کی جاسکتی ہے۔ بعض اور ریاستوں میں بھی اردو آبادی اپنے حقوق کی طلب میں آئین جدوجہد میں لگی ہوئی ہے۔ لیکن اب ایسا خیال ہونے لگا ہے کہ حق ملے کم نہیں اس لیے حق جھیننے کی بات ہونی چاہئے۔ خصوصاً جب دوسرے سارے راستے آزمائے جا چکے۔ اسی لیے متعدد صاحبوں نے کہا کہ وقت آگیا ہے کہ اردو تحریک کو عوامی تحریک کی شکل میں چلا جائے۔

عوامی تحریک

عوامی تحریک ضرور چلے لیکن اس طرح نہیں جس طرح بعض اناقبت اندیش ذاتی اغراض کے لیے جذباتی عوام کو استعمال کر کے اپنا کھیل کھیل جاتے ہیں۔ یہ عوامی تحریک اگر اس طرح چلی کہ بقول ڈاکٹر ارننگ لسانی اقلیت کو مذہبی اقلیت بنائے پیش کیا گیا کہ اس گمراہ کن طریقے سے شرکوں پر تو بہت سوں کو لے آ سکتے ہیں لیکن سپانی کا راستہ یہ نہیں ہے۔ سچ یہ نہیں ہے کہ اردو، برنگالی اور مدراسی مسلمان کی مادری زبان ہے لیکن سچ یہ ضرور ہے کہ یوپی اور بہار اور کشمیر اور پنجاب اور ہماچل پردیش اور ہریانہ اور دہلی اور مدھیہ پردیش اور راجستھان اور حیدرآباد اور بنگلور اور میسور کے بہت سے ہندوؤں سکھوں اور عیسائیوں کی زبان اردو ہے۔ سچ یہ نہیں ہے کہ کیرالا کا مسلمان اردو بولتا ہے اردو استعمال کرتا ہے، لیکن یہ سچ ضرور ہے کہ یوپی کے متعدد ضلعوں میں اردو ایک بڑی اکثریت کی زبان ہے جس میں ہندو مسلمان دونوں شامل ہیں اور دوسری مذکورہ ریاستوں میں بھی اردو نے ہی حد بندیوں کو ہمیشہ توڑے رکھا ہے۔ اس لیے عوامی تحریک کو اس کا لحاظ رکھنا ہو گا کہ زبان کا مسئلہ مذہبی مسئلہ یقیناً نہیں ہے۔

گنگا جمن تہذیب کو بچانے کا مسئلہ

غلط فہمی اہل میں کہاں سے ہوئی اس نکتہ کی گرفت سے باتیں غیرومج نہیں رہیں گی۔ ہوا یہ کہ آزادی کے بعد بیکایک ایسا لگا کر صدیوں میں جو ایک مابجا کلوچر، ایک گنگا جمن تہذیب اپنے سارے سین مظاہر کے ساتھ ابھر کر دونوں پرقضہ کر چکی تھی وہ ملک کی تعلیم کے ساتھ ایسا لگا بھیجے جو میں اُن کی پاکستان میں اسیلے اسکے واسطے جگہ نہ تھی کہ پاکستانی نظریہ سازی کی بنیاد اور نقطہ آغاز ہی اس شریک تہذیب کے خلاف تھا اور ہندوستان کے ظلمت پسند طبقہ کے نزدیک اب اس تہذیب کی جگہ یہاں اسیلے نہیں تھی کہ اگر پاکستان کی قوم کو ایک مضبوطی نظریہ کی بنا پر نئے تہذیب بنانے کا حق تھا جو پنجاب اور سندھ اور پٹا اور کے ہوتے ہوئے موہن جو دڑو اور ہڑپا اور نکشلا کو

نظر انداز کر سکتی تھی۔ تو ہمیں وہ حق کیوں نہیں پہنچا کہ ایک ہزار سال کے پورے تہذیبی دلوں کی تشکیلات کو اس کے مظاہر کو، اس کے اثرات کو تاریخ سے نہ سہی نئے ہندوستانی سماج سے تو کھرچ کے پھینک دیں!

بہت کوشش کی دوستو! اپنی سی کر کے دیکھو!! لیکن ہوا یہ کہ دونوں طرف، نفرت کے لادے میں، نفرت پیدا کرنے والے جلتے چلے گئے۔ ادھر وہ معنوی نظریہ ۲۴ سال چل کے ۱۹۷۱ء میں اپنی قدرتی موت مر گیا۔ اب ادھر بٹھلا ہے! اور یہ بٹھارا میں آپ جیسے سمیناروں میں بیٹھ کر نہیں کر پائیں گے، ہم نے آپ سے زیادہ تو انا معنہ کا علم، خاموشی سے فیصلہ لکھنے میں مصروف رہے لیکن ملحد صاحب کے بقول اگر اس فیصلے میں آپ کا کوئی ہاتھ نہ ہوا تو آنے والی نسلیں آپ کو معاف نہیں کریں گی۔

زمانہ اپنا فیصلہ لکھتا جا رہا ہے۔ مگر اس کے ہر پیرا گراف کا عنوان کہیں جواہر لال نہرو ہے (جس سے سردار پٹیل نے پوچھا تھا آٹھویں شیعہ دل میں جوار دوڑ رہا ہے ہو کیس کی زبان ہے؟ اور اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا تھا سردار یہ میری زبان ہے میری مادری زبان!) کہیں گاندھی (جو کہتا تھا اس ملک کی زبان وہ ہندوستانی ہے جو دو خطوں ناگری اور فارسی رسم خط میں لکھی جاتی ہے) کہیں انڈل ("اردو شاندار اور جاندار زبان ہے، ہماری زبان ہے، اس ملک کی زبان ہے یہیں پیدا ہوئی یہیں بولی بڑھی اس کا اس دیش پر حق ہے") کہیں تیج بہادر سپرو کہیں ہوسے ناتھ کنزرو کہیں برجوبن دتاتریہ کیغی کہیں آنند نرائن ملا!!

زمانے کے اس فیصلے کے آخری پیرا گراف لکھے جانے کا وقت آ گیا ہے۔ اب بھی اگر ہم ان کچھ کچھ سطروں کا ایک معمولی سا حقیر عنوان بس نہ بن سکے تو تاریخ ہمارے کلنک کو بھی بھولے گی نہیں اور قیامت تک کے لیے یہ کریڈٹ ہماری نسل کا طرہ امتیاز بن رہا ہے گا کہ ہندوستان کا پبلک مفاد یہاں تک تو خود ہی لے آیا تھا۔ اس کے بعد اس نسل کو صرف یہ بتانا تھا کہ تہذیبی ورثہ کو فنا کرنے سے پوری قوم بابر جا رہی ہے پوری قوم ایک بیش قیمت شے سے محروم ہو رہی ہے اور اس کی قیمت جاننے والے یہ بتانے کی زحمت بھی نہیں کرتے کہ کیا قیمتی چیز ہاتھ سے نکل جا رہی ہے۔



ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا تھا، آزادی کے دس گیارہ برس بعد وہ پلٹ کر میں ادارہ تحقیقاتِ اردو کی ایک نالٹش کا افتتاح کر رہے تھے، انہوں نے کہا تھا: اور اسی پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں کہ ایک وفادار ہندوستانی شہری کی حیثیت سے مجھے یہ زبان اس زندگی کے پھلے پھولوں اور پروان چڑھنے کی بشارت دیتی ہے جو ہم سب ہندوستانی اپنے آزاد دہیں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس زندگی کی روح کیا ہے؟ اس کی روح ہے اور ہمیشہ سے رہی ہے کثرت میں وحدت کی تلاش! الگ الگ اور طرح طرح کے عناصر سے ایک ملی جلی لنگا جھنی تہذیب کے بنانے کی آرزو، جو نہایت چمک چمکاتے رنگ رنگ کا نتیجہ جانتی ہے جو رنگ برنگے تمدنی پھولوں کو وحدت قومی شے دوسرے میں پرو کر دیا اور بنایا جاتی ہے کہ وہ ہار گوند کر انسانیّت کی گردن میں ڈالا جائے تو اس کی شوبھا کو بڑھانے، جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ جو رنگ رنگ کی شوبھا کے لیے کھینچنے کی ہمت رکھتی ہے کہ ہر رنگ میں بہاؤ کا اثبات چاہیے، جہاں کل اپنے کو جزو کا رقیب نہیں سمجھتا۔ اس کی طاقت کو اپنا بل جانتے۔ ہندوستانی زندگی کے تمدنی مظاہر میں مجھے یہ روح آردو زبان میں بڑے شکر سے اور شکر سے ہونے روپ میں دکھائی دیتی ہے، فریقہ کی زبان آردو نہ کسی فرقہ کی زبان ہو، نہ کسی مذہب کی زبان ہو، نہ کسی حکومت کی زبردستی چلائی ہوئی زبان ہو، نہ کسی خاصیت سے مبنی ہوئی ہو، نہ کسی زبان ہو۔ یہ تو جنما کی بولی ہے! لوگوں کی زبان ہے! آپس کے میل جول کا پھل ہے، سینوں، ٹھیلوں، بازوؤں

منظموں کی ریل پیل میں رلی ہوئی زبان ہے، زندگی کے میو ہارے کانٹوں میں
 تلی ہوئی زبان ہے، چیزوں کے لین دین کے ساتھ وپاروں کے سین دین کا
 نتیجہ ہے، یہ فقیروں اور مندوں کی زبان ہے جو اپنے پریم سے چھلکتے ہوئے دل
 کی بات اوروں تک پہنچانے کے لیے بے کل تھے اور جن کی من مریں باتیں
 سننے کو عام لوگ کان ٹھکاتے تھے اسی لیے یہ محبت اور پریم کی زبان ہے، رواداری
 کی زبان ہے، میل ملاپ کی زبان ہے، اس کا دل بھی بڑا ہے اس کی بھولی بھی
 بڑی ہے۔ یہ نئے انداز سے جگتی نہیں، نئی بات پر بہکتی نہیں، لفظوں سے گھنٹیاتی نہیں
 دچاروں سے چھوت چھات نہیں کرتی۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس اُردو کے یگانہ خواہ مخواہ گارباہوں، ان کا ذکر اس لیے
 کرتا ہوں کہ ہمیں جو سماج بنا نا ہے اس میں جوڑنے والی طاقتوں کو ابھارنا ہے،
 توڑنے والی طاقتوں کو دبانا ہے۔ زبان جوڑنے والی طاقت ہے، ہر زبان جوڑتی
 ہے، ہر زبان دلوں سے اپنے کو دوسروں سے الگ کرنے کا آلہ بنا لیتے ہیں، اس پر لڑتے
 ہیں نکلنے کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر تہمتیں باندھتے ہیں۔ ایک ہی دس میں ایک
 زبان والا علاقہ دوسری زبان والے علاقے سے ایسا براؤ کرتا ہے جیسے کوئی پرایا دس ہو۔
 یہ سب ہی بھول کی باتیں ہیں اور آج جب کہ دس کو اپنی آواز زندگی کی پہلی کھٹن
 منزل درمیشی ہے اتنا قومی ازبس ضروری ہے۔ ان جھگڑوں میں بچس کر ہم
 ان خشکوں کا سامنا کیسے کریں گے جو آگے دکھائی دے رہی ہیں۔ اُردو چونکہ دیس کے
 کسی ایک علاقے میں محدود نہیں ہے، ہر جگہ ہی اس کے بدلنے اور سمجھنے والے موجود
 ہیں اس لیے اس کو تو وحدت قومی کے پیدا کرنے میں سب سے آگے ہونا چاہیے لیکن

بکھلی تاریخ نے اس میں بھی بہت سی چیز ڈال دیے ہیں۔ کوئی کہتا ہے یہ مسلمانوں کی زبان ہے کوئی کہتا ہے یہ پرتگیزی زبان ہے مگر کچھ یہ کہہ کر کہ یہ نہ خالی مسلمانوں کی زبان ہے نہ پرتگیزی زبان۔ اور اچھا مان لو کہ یہ مسلمانوں ہی کی زبان ہوتی تو بھی تو ہماری آواز دھوری زندگی میں یہ کوئی عیب کی بات نہ ہوتی۔ ہر آدمی جو ہمارے دس میں بسا ہے اسے اپنا دس جانتا ہے اس کے دوہان کو مانتا ہے، اس کے مطابق چلتا ہے، وہ ہمارا بھائی ہے سہتی ہے دوست ہے، اس کی ترقی ہماری ترقی ہے، اس کی بھلائی میں ہماری بھلائی ہے مگر آواز دو تو خاص مسلمانوں کی زبان ہے بھی نہیں۔

کوئی فہرست نہیں بنائی ہے جو نام اس وقت یاد آگئے وہ لیتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ ترمچون ناتھ، جرجا والا پرشاد برقی، رتن ناتھ سرشار، پروفیسر رام چندر، سدیش، کرشن چنہ، راجندر سنگھ بیدی، برج بھون ناتھ، نسیم، چکبست، سرور جہاں آبادی، فراق گورکھپوری، منشی نوٹکشور، لالہ مری رام صاحب، مخاناہ جاوید، منوہر لال زتشی، دیاندرائن سنگھ کی زبان کوئی مسلمان کی زبان کیسے بتاتا ہے اور اس نے ان پر مذہبی ٹانگی اور فرقہ پرستی کی تہمت کیسے باندھ سکتا ہے؟ جن نے ان میں آریہ سماج کا تمام تر مذہبی لٹریچر موجود ہے اسے مسلمانوں کی

زبان کہ کر ٹانگی اور رنگ نظری کی پرورش کرنا کون سی دیانت ہے؟ کون سی فراست ہے؟ پھر اردو نہ بلیوں کی زبان ہے نہ بلیوں کی زبان ہے۔ ذرا دیکھیے تو قدم قدم پر اسکی تہمت لگتی جائیگی۔ لسانی نقطہ نظر سے اسکی افعال اور حرکات اور عام ضرورت کے اسم سب ہندی ہی ماسکی آواز نہی پر کان دھریے تو ایران اور عرب کے کوئی رشتہ نہیں ملتا۔ آوازوں کی بہت بڑی

تعداد خاص ہندوستانی ہیں۔ عربی لفظوں میں جو سامی آوازیں آتی ہیں انھیں بھی بل چال میں ہند یا لیا ہی لگائی میں بھی کہ اس کے پردیسی ہوتے پر بہت زور دیا جاتا ہے جنوں ہندوستانی آوازوں کے ظاہر کرنے کا اس میں سامان ہے اس میں 'ڑ'، 'ڈ'، 'سٹ'، 'ٹھ'، 'ڈھ'، 'پھ'، 'بھ'، 'چھ' اور کھ کیا پردیسی آوازوں کے نشان ہیں؟

دوستو! شاید اس وقت یہاں اردو دوست زیادہ جمع ہوں، آپسے یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپکا فرض ہے کہ اپنی عزیز زبان کی روح کو آپکی حال میں مسخ نہ ہونے دیں، کوئی اس روح سے ناواقف ہو تو اسے بتائیں کہ یہ روح کیا ہے۔ اس روح کو تازگی بخشیں کہ ایک اچھی سماجی زندگی کے بنانے میں آپکا ادب کسی اور سے پیچھے نہ ہے۔ زبان اور ادب کا مقابلہ نہیں کہ کسی سے روٹھ گئے، کسی کو بڑا سمجھ لیا، کسی کو دبا دیا، اس میں جیت اس کی ہے جو خدمت کے میدان میں اور دلوں سے بازی لے جائے۔ مقابلہ اس میں کیجیے کہ کس زبان کے گیت قوم کے دل کو بڑھاتے ہیں، کس کا ادب صالح اقدار کی ترویج کا ذریعہ بنتا ہے۔ کون اچھے آدمی، اچھی ریاست اور اچھے سماج کے بنانے میں، اس کو عدل و انصاف، صداقت و امن کی بنیادوں پر مضبوط کرنے میں، غلطی کرنے پر جرات سے ٹوکنے میں، نیکی کو فرائضی سے سرانے میں، دماغوں کو تنگ نظری اور تنگدلی کے جاووں سے صاف کرنے میں، علم کی سرحدیں آگے بڑھانے میں، آدمی نے جن سچائیوں کا سراغ لگا لیا ہے، کہیں لگایا ہو کسی نے لگایا ہو، ان سے اپنے ہم وطنوں کے ذہنوں کو منور کرنے میں، جذبہ قومی کو ایک قومی اور ٹوٹر جذبہ بنانے میں، وطن اور اہل وطن کی اچھائیوں اور خوبیوں سے وہ

ذہنی وابستگی اور روحانی وابستگی پیدا کرنے میں جو قومی وفاداری کی جڑ ہے کون زبان دوسری زبانوں سے زیادہ کارگر ہے۔ یہ نیکی کا مقابلہ ہے۔ اس میں جیت اور ہار نہیں ہوتی۔ اس میں مقابلہ کرنے والے ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں اور دوسرے کے آگے بڑھ جانے پر بھی اتنا ہی خوش ہوتے ہیں جتنا خود اپنے آگے نکلنے پر۔

میری التجا ہے اور مجھے امید ہے کہ تاریخی اتفاقات نے اردو ہندی کے تعلق میں جو گتھیاں سی ڈال دی ہیں وہ اردو اور ہندی دونوں کے کام کرنے والے اپنی سوجھ بوجھ اور صاف دلی سے اس طرح سلجھائیں گے کہ یاد بھی نہ رہے گا کہ کبھی یہ ابھینیں پیدا بھی ہوئی تھیں۔ محبت سے کہتے ہیں ٹوٹے دل جڑ جاتے ہیں اور الے جڑتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں بال پڑا تھا

دل شکستہ در آں کوے ممکنہ درست

چنائیوینشناسی کہ از کجا بشکست

میں نے پہلے بھی کہا ہے اقداب بھی کہتا ہوں کہ اردو کسی طرح ہندی کی رقیب نہیں ہے۔ سب ہندوستانی شہری، ان کی زبان کچھ بھی ہو، دستور ہند کے مطابق ہندی کو دیں گی سرکاری زبان مانتے ہیں اور اس کی ترقی میں ہاتھ بٹانا اپنا فرض سمجھتے ہیں، اردو والے بھی اس سے باہر نہیں ہیں۔ پھر اردو ہندی کی رقیب کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ بھی ہندوستانی دستور کی تسلیم کی ہوئی قومی زبانوں میں سے ایک ہے اور ہندی سے سب سے قریب ہے۔



شیش محل میں بیٹھ کر اعتراضات کے پتھر اور دھڑ بھینکا بڑی خطرہ طلب بات ہے۔ اردو کی بقا کے متعلق جو سوال اٹھا گیا، اس میں سبھی جنرل فانی خطے آجاتے ہیں: اردو کی بقا کا جہاں تک تعلق ہے، ہم کو ہندوستان کے متعلق سوچنا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ پاکستان میں اردو باقی رہے گی۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ وہاں اردو کو دوسری علاقائی زبانوں کے مقابلے میں دشوار لوں کا سامنا بھی کرنا پڑا، لیکن پھر بھی وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اردو وہاں ترقی کرے گی اور فروغ پائے گی۔ اب ہندوستان میں اردو کی بقا کے کیا امکانات ہیں، اس کے متعلق ویسے تو میں ہمیشہ ایک رجحانی نقطہ نظر رکھتا ہوں لیکن مجھ کو اندیشہ یہ ہے کہ جس رفتار سے اردو زوال پذیر ہے اس وقت ہندوستان میں اگر اسی رفتار سے وہ چلتی رہی تو یہ زیادہ دنوں کی مہمان نہیں ہے، اور اس کے شعاں آپ کو اپنے ملک میں ہر طرف ملتے ہیں، اور جس صوبے سے میرا تعلق ہے وہاں تو تقریباً دو پڑھیاں اردو سے بے بہرہ ہو چکی ہیں اور وہ صوبہ اس کا زعم کرتا تھا کہ ہماری زبان گسالی زبان ہے اور اردو کا گھر ہے۔ بہت سی مستثنیات بھی ہیں جن کا سبب ان مستثنیات کی بنا پر غرض فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اردو کو قبول عام حاصل ہو رہا ہے، یہ بات بھی اپنی جگہ پر ہے لیکن قرآن یہ بھی ہیں کہ اس قبول عام کے باوجود اس کی حیثیت صرف ایک بولی کی رہ جائے گی، زبان کی حیثیت نہیں رہے گی، — ہندی، اردو، ہند آریائی زبان، گودو شاخیں ہیں اور ان میں بابہ الا نیا صرف رسم خط ہے؛ اگر رسم خط کو ہم نے مضبوطی کے ساتھ نہیں پکڑا اور رسم خط کی ترویج کی کوشش نہیں کی تو کچھ عرصے کے بعد آپ کی زبان باقی نہیں رہے گی۔ آپ اس بات سے متعلق فرود ہو جائیں گے کہ ٹیلی ویژن کی زبان، ریڈیو کی زبان اور بعض ہندی اخباروں کی زبان دراصل اردو ہے۔

کسی پیر کے لیے جہاں جڑیں بہت ضروری ہوتی ہیں وہاں اس کی نشوونما کے لیے چٹان بھی درکار ہوتی ہیں، اگر آپ کسی پودے کو پتوں سے محروم کر دیں تو وہ پودا مر جھا جائے گا، کیونکہ پیر کے تنقبے کا سامان نہ صرف جڑوں سے ہوتا ہے بلکہ پتوں سے بڑے پتے پر ہوتا ہے۔ یہ تعلق رسم خط اور زبان کا تعلق، نہ جسم اور مزاج کا تعلق ہے، نہ جسم اور جلد

کا تعلق ہے؛ یہ جسم اور روح کا تعلق ہے اور اگر آپ اس کو اشجار کے سباق میں دیکھنا چاہیں تو رسم خط کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بقیان ہیں۔ اگر زبان کو اصلاً آپ جڑ کہتے ہیں تو رسم خط اس کی پتی ہے اور پتیوں سے آپ کسی بیڑ کو محمد کر دیں تو زبانیاب کو اندازہ ہوگا کہ بیڑ سے کون سا اردو زہ پڑ زیادہ دفنیک زندہ ہے گا۔ رسم خط کی ضرورت دراصل اس لیے بھی ہے کہ آپ کو حولے کے لیے لوٹنا پڑے گا بار بار۔ تلفظ میں الفاظ اپنا چولابد لیتے چلے جاتے ہیں اور بھر آپ کو یہ انداز ہی نہیں رہ جائے گا کہ تلفظ اصلاً کیا تھا۔ ایک میاں آپ کے پاس زبان کا ہے، لکھی ہوئی زبان کا۔

لکھی ہوئی زبان کا اگر ————— میاں زرباقو قاعدہ کچھ دونوں میں قید ہو جائے گا، معصور مسور ہو جائے گا اور تفریق ہو جائے گا۔ طرح طرح سے الفاظ بدل جائیں گے بھر آپ کے پاس کوئی میاں نہیں رہے گا، ان الفاظ کی صحت تلاش کرنے کا۔ جائز دن کا بھی شجرہ رکھا جاتا ہے، الفاظ شجرہ اور شناخت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لحاظ سے رسم خط انتہائی ضروری ہے۔ یہ میں نہیں کہ رہا ہوں کہ ہم نے رسم خط کے لیے کچھ کیا، وہ دوسری داستان ہے جس پر میں آؤں گا۔

ہم اس بات کا خیر مقدم کرتے ہیں کہ ہندی دولے اردو کی طرف متعلق ہو رہے ہیں اور تجارتی نقطہ نظر سے ہماری کتابیں ناگری رسم خط میں منتقل ہوتی ہیں تو اس کا اثر بھی اور نتیجہ بھی وہی ہوتا ہے جو ادب کے نقطہ نظر سے منتقل ہونے کی صورت میں ہوتا۔ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں اور دونوں ایک مانگ کی تشفی کر رہے ہیں لہذا ہم کو اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے، اس سے یہ نتیجہ تو ہرگز نہیں نکلتا کہ ہم اردو رسم خط کو چھوڑ کر اپنی توجہ اردو کی کتابوں کو ناگری رسم خط میں چھپوانے پر صرف کر دیں۔ جناب سید ہاشم علی صاحب نے دراصل یہ فرمایا، انھوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم کو اردو رسم الخط ترک کر کے ناگری رسم الخط اختیار کر لینا چاہیے، انھوں نے یہ کہا تھا کہ جہاں تک کہ فارسی رسم الخط ہے اس کو ہمیں برقرار رکھنا چاہیے اور ان لوگوں کے فائدے کے لیے جو فارسی رسم خط سے ناواقف ہیں، ان کتابوں کو ناگری رسم الخط میں بھی منتقل کرنے میں ہمیں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے۔

ہم ہندی گریں گمان لوگوں کی کوششوں کی جو دوسری زبان سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے ادب کو اپنے رسم خط میں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ میرے خیال میں اس پر اتفاق دلانے ہونا چاہیے کیونکہ ہم ہندی گریں ہیں اپنے ہندی کے بھائیوں کی۔ اور انہیں ترقی اردو نے تو بڑی واضح پالیسی یہ اپنائی ہے کہ ہم ہندوستان کی دوسری زبانوں کے اہل قلم کے ساتھ رابطہ استوار کریں گے اور کوشش یہ کریں گے کہ ان کی کتابیں ان کے شامکار ہماری زبانوں میں منتقل ہوں اور ان سے یہ قطع کریں کہ وہ ہماری کتابوں کو اپنی زبان میں منتقل کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ اردو کا سرمایہ صرف عربی ہے۔

اردو کے پاس اور بھی ادب عالیہ ہے جس کو منتقل کرنا اردو زبان کے حق میں ہوگا اور اردو زبان کے متعلق جو تاثرات ہیں ہمارے اہل وطن کے، ان تاثرات کی تصحیح بھی اس طور پر ممکن ہوگی کہ ہم اپنے ادب کو بھی دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کی کوشش کریں۔ ہندی کا جہاں تک تعلق ہے، یہ کہا گیا ہے، حال ہی میں کئی اردو کی مقامات پر کہا گیا ہے، یہ ایک غماز سا ہے اگر ہندی یا اردو والے یہ سمجھیں کہ ہندی سے اردو کی نقابت ہے تو یہ ایک غلطی ہے اس دور کا جب اردو اور ہندی میں مقابلہ ہو رہا تھا ہندوستان کے رابطے کی زبان بننے کا۔ یہ مقابلہ ختم ہوا اور اردو والوں نے خوش دلی کے ساتھ ہندی کی بالادستی کو اس ضمن میں تسلیم کر لیا اور ہم سب کو تسلیم کرنا چاہیے۔ اب یہ مقابلہ ہے ہی نہیں، اب مقابلہ ہے کہ اردو زبان اپنی ساری خصوصیات، اپنے رسم خط، اپنے ادب کے ساتھ ترقی کرے، اس ترقی کے لیے ہم نے کیا کوشش کی یہ داستان دراصل جتنا تک ہے جتنا کہ ایک صاحب نے کہا کہ اردو اگر زندہ رہے گی تو ہمارے گھروں میں زندہ رہے گی اور اپنے گھروں کا نقشہ ہم دیکھ لیں گے۔ بہت کم اردو کے اہل قلم ایسے ہیں جو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا بچہ اردو جانتا ہے۔ تو کم و سب سے بڑا علاج اس بے حسی اور بے تعلق کا کرنا ہے۔ میں نے عرض کیا ہے، ایک دوسرے متوجہ ہو کر کہ اردو کے لیے تین محاذ ہیں اردو کی جدوجہد کے، اور میں دہراؤں گا اس بات کو مگر اختصار کے ساتھ۔

ایک محاذ تو آئینی محاذ ہے جس پر ہمارے اردو والوں نے دلچسپی لی اور خط کے فضل سے انھیں کامیابی حاصل ہوئی، ہندوستان بھر میں اس محاذ پر اردو والوں کو سرگرم عمل ہونا چاہیے۔

دوسرا محاذ یہ ہے کہ ہم ہندی والوں سے بالخصوص رابطہ چھانٹیں اور ان کی غلط فہمیوں کو دور کریں، ہندی والوں کو جلد یا بدیر یہ احساس ہو کر رہے گا کہ اردو سے قرب میں ان کے لیے توانائی کے ذخائر ستور ہیں۔ یعنی اگر اردو اور ہندی ساتھ ساتھ چلتی ہیں اولین دین کا سلسلہ اردو اور ہندی کا برابر چلتا ہے تو ہندی زبان یقیناً توانا ہوگی اور اردو بھی اگر ہندی سے الفاظ لے گی تو اردو زبان بھی تنول ہوگی۔ ہم کو تو یہ احساس ہے لیکن ہندی والوں کو یہ احساس نہیں ہے کہ اردو زبان میں ملاقات اور توانائی، روانی اور شگفتگی کے اتنے ذخائر جمع ہیں۔ ان کو کچھ سمجھا سکتا ہوں، اس بات کو واضح طور پر کسی ہندی والے نے غالباً نہیں کہا ہے کہ اردو سے ہم کسب فیض کر سکتے ہیں اور یہ بڑا کام جلد یا بدیر ہوگا، لیکن غور فرمائیے کہ ہمارا اس میں کیا رول ہوگا اگر ہم صرف ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں اور یہ کہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے والا ہے کہ ہندی والے اور دوسری زبانیں اردو کی پذیرائی کریں گی۔ اپنے گھر میں اس کو جگہ دے کر؟ تو ہم نے کیا کیا، ہم نے کیا تیرا، اردو والوں نے اردو کے ساتھ حق دنا کہاں ادا کیا، اگر رفتار زمانہ پر چھوڑتے ہیں تو یہ دوسرا محاذ رابطے کا تھا، ابتلے وطن کو قریب لانے کا، دوسری زبانوں سے بالعموم اور ہندی زبان سے بالخصوص۔

تیسرا محاذ جو میری دانست میں سب سے اہم محاذ ہے اور جس پر رتی برابر کام نہیں ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے بچوں تک ہم اردو منتقل کریں؛ یہ بنیادی اور محسوس بات ہے، اس کے علاوہ جو کچھ بھی باتیں ہم کریں گے ان کے نتائج صفر ہوں گے۔ ہیں سب سے بڑا کام یہ کرنا ہے، یہ کام کوئی دشوار نہیں ہے، بغیر کسی صوفے کے یہ کام ہو سکتا ہے کہ والدین اپنے بچوں تک اردو زبان منتقل کریں اور ہمسائے اپنے ہمسائے کے بچوں کو اردو پڑھائیں۔ یہ کام بہت آسانی سے ہو سکتا ہے، بشرطیکہ شوق اور لگن اس سلسلے میں ہم پیدا کر سکیں اور یہ لگن اگر کم ہے پیدا نہیں کی تو ان شکایتوں اور منصوبوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اور ایک بات میں عرض کر دین گا۔ ایک اہم چیز جو تھی ہے احساس زبانی؛ کہ ہمارا نقصان ہوا ہے، اگر یہ احساس نہیں ہے کہ ہمارا نقصان ہوا ہے تب تو ہم کوئی قدم آگے نہیں بڑھائیں گے۔ اور اگر یہ احساس ہونے کے بعد اس احساس زبانی کو ہم اپنے سینے سے لگائے رہے، اور ہم نے مل کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھایا، تو یہ احساس زیادہ محترم نہیں رہتا۔ یہ ماسور بن جاتا ہے اور عملی طاقت بالکل سلب ہو جاتی ہے؛ اس وقت ہمارا عالم یہی ہے کہ ہم اردو کے متعلق کہتے ہیں کہ اردو میری رہی ہے لیکن کوئی عملی قدم کسی قسم کا اردو کے سلسلے میں سوائے آپ کے صوبے ہمارے جہاں کام ہوا، بہار میں دوسری سرکاری زبان کا مطالبہ منوالیا گیا، اس کے علاوہ کوئی بڑا کام کوئی چھوٹا کام اردو کے سلسلے کا ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا ہے۔

اردو ادب کے سلسلے میں، ہندوستان کی دوسری زبان کے ادب پر میری گہری نظر نہیں ہے، لیکن سرسری نظر میں نے ڈانٹا ہے۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ اردو والے اپنے آپ کو سمیٹتے ہوئے چلے آ رہے ہیں، زندہ تو یہ کچھ مرے تک رہے گی، لیکن جب محوِ رسم خطِ لاختم ہو گیا، حوالہ نہیں رہا، استناد کے لیے کوئی میاں نہیں رہا تو اس کے بعد زبان اپنے سانچے پر قائم نہیں رہ سکتی۔ زبان بکھر جائے گی۔

ہم خیر مقدم کرتے ہیں اپنے ان بھائیوں کا جو ہماری زبان کو اپنے رسم خط میں شائع کر رہے ہیں لیکن اس خیر مقدم کے سطن سے یہ غلط فہمی پیدا نہ ہونی چاہیے کہ ہم کو اپنی زبان کے تحفظ کے لیے جدوجہد بالکل ترک کر دینی چاہیے۔ یہ میں رعایت کر کے کہ رہا ہوں اپنی اور آپ کی؛ در نہ کوئی قابلِ لحاظ جدوجہد دراصل ہم کر نہیں پا رہے ہیں۔



میں نے اردو کو مردہ زبان کہا ہے، اس پر لاچار غایاں ہیں۔ میں نے جو کہا ہے اسے دلیل کے ساتھ غلط ثابت کیجئے۔ ایک بار پھر کہتا ہوں کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے عربی اردو جانتا تھا اور مختار بھی۔ وکیل کے کلہو بار کی زبان اردو تھی اور فاضل بیج بھی اپنے فیصلے اردو میں لکھتا تھا۔ مگر آج کوئی مولیٰ بھی اردو زبان میں عرضی نہیں دے سکتا۔ سینما کے پوسٹر اردو میں چھپتے تھے۔ پردے پر فلم کا نام بھی اردو میں آتا تھا۔ فلم کے تمام مکالمے اور نغمے بھی اردو ہی میں لکھے جاتے تھے۔ اسی لیے پارسی پروڈیوسر آرڈیشیر ایرانی کے حکم پر سلوینا جی سی ہون کو اردو زبان سیکھنا پڑی تھی اور ہر اب مودی کی ہدایت پر اینگلو انڈین ایکٹر نام آٹھ اردو ٹیوشن رکھنے پر مجبور ہوا تھا۔ لیکن آج گیت بھی ہندی میں لکھے جاتے ہیں، اور مکالمے بھی ہندی میں کہانی کا مسودہ بھی ہندی ہی میں قلم بند کیا جاتا ہے۔ پوری فلمی دنیا سے اردو ختم ہو چکی ہے۔ کبھی کچھ رویوں اور ٹیوشن پلٹیوں کے ہر دفتر میں اردو بڑے مکھے ہی رکھے جاتے تھے۔ حد یہ کہ فون کی زبان بھی اردو ہی تھی جو رومن رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ خرابی کی ریٹ اور تھانیدار کا روزنامہ اردو ہی میں قلم بند کیے جاتے تھے، یعنی ملازمت چھوٹی ہو یا بڑی اردو جانیے بغیر نہیں ملتی تھی۔ لیکن آج اردو جلنے والا احساس جرم میں مبتلا ہے۔ ایک دکاندار اپنی دکان کا حساب بھی اردو میں نہیں لکھ سکتا۔ شمع میگزین کی تعداد اشاعت کبھی ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی، مگر آج بہت کم ہے۔ رحمان زیر حسیا کا میاب کا ردو باری انسان اپنی نور چشمی روٹی کو سرمہ نفعت کی طرح کسی کو دے دینے پر مجبور ہوا مگر گود لینے والا بھی اسے زندہ نہ رکھ سکا۔

اگر اردو زندہ ہوتی تو دی اردو اکادمی کے آرگن الجوان اردو کو ہر برس اٹھ دس لاکھ روپے کا خسارہ نہ ہوتا۔

اگر اس کے بعد بھی یہ

جاننا چاہتے ہیں کہ اردو زبان ہندستان میں کس حد تک زندہ ہے تو فروری ۱۹۹۴ء کے کتاب نمائیں سید ظفر ہاشمی کا جہانِ ادارہ پر پڑھیے۔

ان لوگوں کے بھکائے میں مت آئیے جو مشاعروں کو کامیابی سے اردو کی درازی غر کو ناپتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آج کے مشاعرے، مشاعرے نہیں نوٹنگیاں ہوتے ہیں اور ان نوٹنگیوں کے آدے سے زیادہ گویے اپنے نغمے دیوانگری ہی میں لکھ کر لاتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر آج مشاعروں میں معاوضہ ملنا بند ہو جائے تو کل ہی سے کتنے ہی

بشیر بدر اور عنوان چشتی شاعری تیاگ کر اپنے اپنے گھر جا بیٹھیں گے۔

بات معترضہ ہے مگر تنقید گئی سے سنئے۔ مذہب پیغمبری دین ہوتا ہے۔ اس کے استحکام کے لیے حکومت کی سرپرستی ناگزیر ہوتی ہے اور مولوی پنڈت یا پادری، سنت سادھو یا صوفی اپنی تسلیخ کے ذریعہ اسے فروغ دیتے ہیں۔ اسی طرح زبان عوام بناتے ہیں مگر حکومت اسے زندہ رکھتی ہے۔

میں نے اپنے ملک کے سیکولرائٹین کے زعم میں اردو قلم کاری کو اپنا شغل اور پیشہ بنایا تھا اور اپنی آبائی جائداد کو ٹھکرا دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ گاندھی کے اس دیش میں اردو زندہ رہے گی لیکن بمبئی میں تیس برس دو ماہ اور ۲۰ دن گزارنے کے باوجود میں اپنے فارغ بال سر کے لیے ۱۰-۱۰ کی ایک چھوٹی سی چھت بھی تعمیر نہ کر سکا اور آخر پسپا ہو کر اپنی ٹھکرائی ہوئی جائداد کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ یہ تو ممکن ہے کہ میں نے کسی اردو ناخن یا اکادمی سے اپنا حق طلب کیا ہو، مگر اپنے حق کے لیے گڑگڑایا کبھی نہیں۔ اس لیے کہ ان کرسیوں پر جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ سب —
ہی مجھ سے جوئیر ہیں۔

(”قومی آواز“ ۱۹ فروری ۱۹۹۳ء)

جذب سیہ نظر برہمی
۱۔ شاہ عالم ہاؤسنگ سوسائٹی
چندولایک، احمد آباد، گجرات



موجودہ ہندوستان میں اُردو کی حالت زار کا مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر جائزہ لیا جائے اور وہ بات خدا کو حاضر و ناظر جان کر صاف صاف کہہ دی جائے جو ہر ایک کے دل میں ہے تو نتیجہ عام خیال سے بالکل مختلف نکلے گا۔ اُردو کے بارے میں چاروں سیاسی، سماجی، علمی اور ادبی شخصیتیں جس قسم کیے بیانات دیتی رہتی ہیں وہ عموماً مصلحت کے مارے ہوئے ہیں۔ حقیقت ہے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اسیسویں صدی اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں یہ بات سچ تھی کہ اُردو ہندوستان کے ایک بڑے طبقے کی زبان تھی۔ اُس طبقے میں مسلمان بھی تھے ہندو بھی تھے اور سکھ بھی تھے۔ سبھی اُردو پڑھتے تھے لکھتے تھے اور بولتے تھے۔ مولوی کریم بخش ہوں یا رام اوتار تیواری یا کرتار سنگھ یا پریم کمار نارنگ سب اُردو جانتے تھے اور سکھوں کے بچے مدریوں اور اسکولوں میں اُردو پڑھتے تھے۔ اُردو پورے ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ اُس سے پہلو ہتی کر جانا ناممکن تھا۔ اُسی فاصلے پر فرقے میں اُردو کے تیز فالوں، شاعروں اور ادیبوں کو پیدا کیا۔ اُن دنوں اُردو گلیوں اور بازاروں میں دفاتروں اور دکانوں میں، میلوں اور میلوں میں گھروں اور محلوں میں، محلوں اور تقریباتوں میں، محلوں اور عجوبہ خانوں میں، مٹھلاقی پھرتی تھی۔ یہ واحد زبان تھی جسے ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی نمایندگی کا فخر حاصل تھا۔ جس کا کوئی مذہب نہ تھا۔ جو کسی ایک علاقے تک محدود نہ تھی اور یہی ایک زبان تھی جس کا مزاج صحیح معنوں میں سیکولر تھا اور ہندوستان کے مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ تھا۔

لیکن آزادی کے بعد ہندوستان کا نقشہ ہی نہیں بدلا گئی دوسری تبدیلیاں بھی آئیں۔ اُن میں ایک اہم تبدیلی یہ بھی تھی کہ اُردو کو دیس نکال لایا گیا اور یہ سمجھ لیا گیا کہ ہندوستان کے وہ مسلمان جو ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے وہ اپنے ساتھ اُردو بھی لے گئے۔ اس لیے اُردو اب ہندوستان میں باقی نہیں رہی۔ تقسیم کے حادثے نے جس نفرت اور طعنے کو جنم دیا اس کا اثر اُردو پر سب سے زیادہ مست پڑا۔ شمالی ہند کے ہندوؤں نے ہندی اپنائی، پنجابیوں پر ہندی لاد دی گئی

دوسرے صوبے مقامی زبانوں کے خول میں سمٹ گئے اور باشعور اپنی اپنی دیکھ کے معدنی سبھی اپنی زبانیں لے کر بیٹھ گئے اور اردو کو سب بھول گئے۔ اردو گلیوں اور بازاروں سے دفتروں اور دکانوں سے، میلوں اور ٹھیلوں سے، اسکولوں اور کالجوں سے بھاگ کر کشتی لٹائی ہے۔ آبرو ہوئی مسجدوں اور دینی مدرسوں میں پناہ گزین ہو گئی کیونکہ اس کا اپنا کوئی صوبہ نہ تھا۔ کشمیر تھا لیکن ہائے کشمیر تیرا بھی کیا مقدمہ ہے۔

یہی حقیقت ہے باقی سب معلومت، مطلب پرستی، دھوکہ فریب اور جھوٹ ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے حوالے سے اردو کے مقام کا تعین آج نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت اردو راجہ اوتار تیواری بھی پڑھتے تھے۔ گرتا رسنگھ بھی پڑھتے تھے اور پریم کمار ناننگ بھی، اس لئے اردو ان سب کی زبان تھی۔ گلے گلے تھی۔ وہ سب اردو کے پرستار تھے۔ دل و جاں سے چلانے والے لوگ تھے۔ ان کی شخصیت پر اردو کی گہری چھاپ تھی اور ان کے گھروں میں ان کی معظلوں میں اردو کی گھن گرجن تھی۔ اس وقت یقیناً اردو کا کسی خاص مذہب یا فرقے سے تعلق نہ تھا۔ اس وقت اگر ہم فکر کرتے تھے کہ اردو ہماری مشترکہ تہذیب کی غائندہ ہے۔ ہماری گونا گونی تہذیب کا مظہر ہے، ہماری ملی علی روایت کا ایک حصہ ہے۔ ہم سب کی وراثت ہے اور ہمارے وجود کا ایک حصہ ہے، اسے مذہب یا فرقے میں بانٹا نہیں جاسکتا، اس پر سب کا حق ہے اسی طرح جس طرح اس دھرتی پر سب کا حق ہے۔ تو یہ بات غلط نہ تھی، لیکن کب تک پیرم سلطان بود کا غرہ لگا یا جائے گا، کب تک خوابوں کے جزیرے میں مت غلامی جاری رہے گی۔ کب تک تاریخ کے سنہرے اوراق سے جھانک جھانک کر تنویر صورت چہرے پر نہا رہتے رہیں گے اور کب تک اس حقیقت سے آنکھیں بند رکھیں گے کہ ہندوستان میں اردو اب سب کی زبان نہیں رہی اور یہ صرف مسلمانوں کی زبان بن گئی ہے۔

یڈرول کی بات چھوڑیے کہ وہ حتی بات کبھی نہیں کہتے۔ ان ادیبوں کو بھی چھوڑیے جو اکیڑیسویں اور سترہویں صدیوں میں لکھے بیٹھے ہیں۔ اور طرح طرح کی سرکاری مراعات، انعامات اور اعزازات حاصل کر رہے ہیں ان کتب سادوں کو بھی چھوڑیے جو کتابوں پر کت اب لکھ لکھ کر اپنے لیے ہاتھوں سے سرکھڑی اداروں میں بھاری قیمتوں پر ڈھکیل دیتے ہیں جہاں پڑی وہ مٹتی ہیں۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اردو کو آج بھی ایسی زبان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جو سب کی زبان ہے اور جس کا تعلق کسی خاص فرقے سے نہیں ہے تاکہ ان کے نام نہاد کیکولرزم کا بھگم قائم رہے اور وہ اس کے طفیل سرکاری مراعات، اعزازات اور انعامات سے شرفیاب ہوتے رہیں۔ لیکن ان لوگوں سے پوچھیے جو تھڑا کلاس ہوٹلوں اور چائے خانوں میں تہذیبی کنونشن اور کرسیوں پر اکڑوں بیٹھے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں اردو کا اخبار یا رسالہ ہوتا ہے، جو چند صفحات میں رہتے ہیں جن کے طاقوں پر قرآن شریف بڑے پیلے سے جزدان میں لپیٹا رکھا ہوتا ہے اور نیچے ٹوٹی ہوئی نیزہ جیڑا ایک طرف لے کر خالوں، واجدہ تبسم، علامہ راشد، انجیری، صادق، سوسو اور مولانا عبدالمعین شکر کے ناول ہوتے ہیں اور دوسری طرف آسان نماز، بہشتی زیور اور

شاہ نامہ اسلام دھرا ہوتا ہے جنہیں چراغ کی مثلثی روشنی میں بڑے شوق سے پڑھا جاتا ہے اُن لوگوں سے پوچھیے تو وہ یہی کہیں گے کہ اُردو اُن کی زبان ہے۔ اسی لیے وہ لوگ اپنے بچوں کو اُردو اسکولوں میں بھیجتے ہیں تاکہ وہ اپنی زبان سیکھ سکیں اور اس کے ذریعہ وہ اپنے مذہب اور اپنی ثقافت سے واقف ہو سکیں۔ اُردو ان کے لیے سائنات کا پتارہ نہیں اور نہ ہی سائنات کا کوڈ جس پر بیٹھ کر وہ اندرونی بحارات اور خرافات سے فارغ ہو سکیں نہ انہیں تنقید کے اگا لدان میں دلچسپی ہے اور نہ ہی تجربہ دیت کی مادی دوسری شعری و نثری تحریروں میں انہیں اُس اُردو میں دلچسپی ہے جو اُن کے بچے پڑھتے ہیں۔ اُس اُردو میں دلچسپی ہے جس میں آسان نماز ہے، یہ مغبول اور سولوں کے احوال ہیں۔ بزرگوں کے ملفوظات اور مخطوطات ہیں، درویشوں اور فقیروں کی حکایتیں ہیں، اُن کہا نیوں اور ناولوں میں دلچسپی ہے جن سے اُن کے اخلاق مدھرتے ہیں۔ ذاتی سکون ملتا ہے اور زندہ رہنے کی انگ تیر ہوئی ہے، اُن فلموں اور غزلوں میں دلچسپی ہے جس کی فلم کی سے اُن کے دلوں میں گرما ہٹ پیدا ہوتی ہے اور جہروں پر گرمی اور آنکھوں میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ اُردو انہیں لوگوں کی زبان ہے۔ لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اُردو پڑھتے ہی لوگ ہیں اور فیصلے وہ کرتے ہیں جن کے بچے انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور جن کے ڈرائنگ روموں میں مکمل میز پر انگریزی کے رسلے اور کتا ہیں ہوتی ہیں اور دکنی شریف میں سائنات سائنات اور تنقید کی کتا ہیں بڑے پلٹے سے رکھی رہتی ہیں اور قرآن شریف اور ہشتی زبور (اگر وہ مکان ان کتا بوں کا ہے تو اس کس میں بند رہتا ہے جو اُن کی محترمہ جہیز میں ملائی تھیں۔ یہ کون ہوتے ہیں کہنے والے کہ اُردو سب کی زبان ہے۔ اُردو اُن کی زبان بھلا کیسے ہو سکتی ہے جبکہ ان کے بچے اُردو کی الف بے سے ناواقف ہیں، اُردو کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اُردو پڑھتے والے بچوں کو کمتر اور ذلیل سمجھتے ہیں۔ اُس قوم کو ذلیل اور گرا ہوا سمجھتے ہیں جو اُردو بولتی لکھتی اور پڑھتی ہے۔ جو اُردو اسکولوں کا مذاق اڑاتے ہیں — ایک مرتبہ ہمارے ایک ملاقاتی نے اپنا صاف ستھرا کھایا پیا گد رایا ہاتھ ہوا میں لہر لہر بڑے جوش میں کہا — ”ان جھونپڑے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو اُردو پڑھائیں“ ہم نے پوچھا کیوں بھینا۔ کیوں یہ جھونپڑے والے ہی کیوں آپ کیوں نہیں بولے؟ اس لیے کہ یہ لوگ اپنے بچوں کو انگریزی اسکولوں میں نہیں بھیج سکتے۔ تو کم از کم اُردو اسکولوں میں تو بھیجیں؟

یہی ذہنیت ہر اس شخص کی ہے جو مدلل کلاس سے لے کر اچھ موٹ کلاس سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ سب یہی چاہتے ہیں کہ اُردو پچھلے طبقے کے لوگ پڑھیں اور وہ اُن کے لیے کوڈ اور اگا لدان بنائیں۔ لیکن ان پچھلے طبقے کے لوگوں کو کوڈ اور اگا لدان کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ ٹاٹ کے پردے کے پیچھے بیٹھک بیت الخلاء میں، جھاڑوں کی اوٹ میں یا سلم کوڑوں کے قدموں میں اپنے عُجانات کھاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں ٹوٹک دیتے ہیں۔ میں ملاؤں کی بات کر رہا ہوں۔ اور یہی مدلل کلاس سے لے کر اچھ موٹ کلاس اُردو کو اپنی

زبان کہتے ہوئے شرماتا ہے۔ کس بلی بڑھتے پر کہے کہ اردو اس کی زبان ہے۔ مخصوص حالات کے دھارے میں بہ کر اتفاقاً اردو تو اس نے سیکھ لی ہے۔ بڑا ادیب بھی بن گیا ہے۔ بڑا ادیب بھی پیدا کر رہا ہے اور اکثر بڑوں پیدا کر رہا ہے لیکن اب وہ نہیں چاہتا کہ اس کی نئی نسل بھی اس مقبوض زبان سے رشتہ استوار کرے۔ اسی غلبت سے بچنے کے لیے یہ طبقہ غیر مسلوں کو بھی ساتھ رکھتا ہے اور دونوں مل کر غرور بلند کرتے ہیں کہ اردو کسی ایک فرقے کی زبان نہیں۔ اکثر وہ یہ کہہ دے کہ اردو اب ہندوستان میں صرف مسلمانوں کی زبان ہے تو وہ مراعات انعامات اور اعزازات جو انھیں سرکار سے مل رہے ہیں ختم ہو جائیں گے۔ انھیں اسی کام پر لگایا گیا ہے کہ وہ اردو کے ساتھ منافقت کرتے رہیں۔ یہ وہ ایجنٹ ہیں جنھیں اردو دشمن حکومتوں نے اردو قوم میں پلانٹ کیا ہے۔

رہ گئے ہمارے غیر مسلم احباب تو میں اُن کے متعلق قدر بہتر رائے رکھتا ہوں لیکن نہایت احترام کے ساتھ ایک سوال پوچھتا ہوں کہ کس بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ آج ۱۹۹۴ء میں اردو ان کی بھی زبان ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں وہ کیا پیش کرنا چاہتے ہیں صرف اتنا ہی نہ کہ وہ خود ادیب و شاعر ہیں۔ ادیب اور شاعری کے فطیل نام اور پسہ کار ہے ہیں اردو فطیلوں میں بڑی اداسے اردو بولتے ہیں اور شاعروں اور سیناروں میں نے دھار غرور سسلتے ہیں اور دھواں دھار تعزیریں کرتے ہیں اور کہاں ہیں مکہ مکہ کر سکراد کے کھاتے ہیں ڈالنے رستے ہیں یہ معزز حضرات اس زمانے کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جب ہندوستان تقسیم نہیں ہوا تھا اور اردو نے ہجرت نہیں کی تھی۔ لیکن ان لوگوں نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ اُن کے اپنے گھروں میں اردو کا کیا مقام ہے۔ وہ اپنی نئی نسل میں اردو کو مستقل کرنے کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ ان کی اس پود کا اردو کے ساتھ کیسا رویہ ہے اور سب سے بچی اور کھری بات تو یہ ہے کہ وہ مرمی شماری یا دوسرے سرکاری یا غیر سرکاری کاغذات یا اندراجات میں مادری زبان کے کالم میں کیا لکھواتے ہیں۔ اردو؟

یہی وہ سچ ہے جو تمام جموٹ کا پردہ فاش کرتا ہے اور میں اپنے غیر مسلم احباب کو رعایت اس بات پر دیتا ہوں کہ وہ جتنا بھی کہتے ہیں اردو پر احسان ہی کہتے ہیں۔ ان کا مذہب اردو میں نہیں ہے۔ اُن کی ثقافت پر اب اردو کا قطعی اثر نہیں، ان کے رسم و رواج پر اب اردو اثر انداز نہیں اور ان کا سماج مجموعی طور پر اردو کو ملک بدر کر چکا ہے۔ ان حالات میں اگر وہ اردو میں اب بھی دلچسپی رکھتے ہیں تو بلاشبہ وہ احسان ہی کہتے ہیں اُن کی اردو میں یہ دلچسپی ملک کے بخوارے سے قبل کا ہنگامہ اور ہے جس سے وہ جیتے جی کچھ نکال نہیں پاسکتے لیکن اردو صرف اُن کی شخصیت کے ساتھ چسپی ہوئی ہے اور صرف ان کے ذہنوں اور سوجھ بوجھ میں ہی ہوئی ہے اس سے پرے کچھ بھی نہیں۔ خود فریبی کا نقاب اٹھا کر دیکھیے تو صاف نظر آئے گا کہ اردو گھبرائی ڈری رہی ہے پچھلے طبقے کے مسلمانوں کی پناہ میں پڑی ہوئی ہے اور مولانا مہدی علیہ الرحمہ کی ناولیں، سہشتی زیور اور شاہنامہ اسلام پڑھنے والا مسلمانوں کا یہ طبقہ اس کے آسواں پوچھ رہا

ہے اور اپنی بچی کو سفید چہرہ اور شلوار پہنا کر اردو میڈیم کے اسکولوں میں پیدل بھیج رہا ہے اور اسی وقت کو ٹینٹ کی ٹیلی بس کھڑی اور اگلا دن بتلے والے ادب ہول کے پتھوں کو بغیر بھونچو بھائے سرسراتی ہوئی شکل رہی ہے۔

تو سوال صرف یہ ہے کہ اردو پڑھتا کون ہے؟ میں یہ سوال ان سبھوں سے پوچھتا ہوں جو اپنے چہرے پر خوں چڑھائے ولی کی آواز دہلائے، مٹھ سے بولتے اور قلم سے لکھتے ہیں۔ ان کے اندر ایک اور آدمی جو بیٹھا ہوا ہے وہ کیا کہتا ہے۔ اس سے پوچھیے تو وہ یہی کہے گا کہ اردو صرف مسلمان پڑھتے ہیں کہ اردو ان کی مادری زبان ہے۔ اس زبان میں ان کا مذہب ہے۔ ثقافت ہے۔ اس زبان سے ان کی انفرادیت قائم ہے۔ یہ زبان ان کی شناخت ہے۔ وہ آگالہ لان اور کوڑی ادب کے لیے یا رونی خریدنے کے لیے اردو نہیں پڑھتے۔ وہ مولانا مہد علی شرر اور صادق سردھوی کی ناولوں کے لیے پڑھتے ہیں، آسان غار اور بدھستی زیور کے لیے پڑھتے ہیں بزرگوں کے مخطوطات اور غلطیات کے لیے پڑھتے ہیں غالب اور میت سدر کی غزلیں کے لیے پڑھتے ہیں۔ ہمارے بڑے ادیب اور نقاد غالب اور میت سدر کو تو میں رکھ کر باقی سب پر زبردست تہقیر لگا دیں گے لیکن جس وقت وہ تہقیر لگاتے ہوں گے ان کے اندر کا وہ دوسرا آدمی انھیں چھٹی دکھاتا ہوگا اس لیے کہ وہ خود کو دھوکہ دے رہے ہوں گے۔ ہندوستان کے اردو اسکول کا سروے کیجیے، ان طالب علموں کا سروے کیجیے جو اپنے درجات میں اردو مضمون لیتے ہیں تو صرف ایک بات سامنے آئے گی کہ ان میں ۹۹ فیصد مسلمان ہیں۔ ہاں ایک فیصد دوسرے لوگ بھی ہوں گے لیکن یہ لوگ شوق یا مصلحت کا شکار ہوں گے اس سے آگے کچھ نہیں۔ ایک قدم اور آگے بڑھیے ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے فارم میں مادری زبان کے خانے میں جمانیے ۹۹،۹۹ فیصد مسلمان ہوں گے۔ پھر اس بات کا کٹلے عام اعتراف کرنے میں کیا چیز مانع ہے کہ موجودہ ہندوستان میں اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ تمام ہندوستانی مسلمانوں کی زبان اردو ہے یہ میں نہیں کہتا۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ آج اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اردو میری مادری زبان ہے اور سرکاری کاغذات اور اندراجات میں بھی وہ یہی کہتا ہے تو وہ یقیناً مسلمان ہی ہوگا۔ یہ بات الگ ہے کہ کوئی زبان کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی۔ اردو بھی نہیں ہے۔ اُسے سیکھنے پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی آزادی ہر ایک کو ہے اسی طرح جس طرح بچے انگریزی لکھنے پڑھنے اور بولنے کی آزادی ہے اور میں اس آزادی کا فائدہ بھی اٹھاتا ہوں۔ میں اچھی انگریزی جانتا ہوں لکھتا ہوں بولتا ہوں لیکن انگریزی میری مادری زبان نہیں۔ اسی طرح کسی غیر مسلم کو اردو سے محبت ہو سکتی ہے عقیدت ہو سکتی ہے، دلچسپی ہو سکتی ہے اور اس کا اُسے پورا حق بھی ہے۔ ایک غیر مسلم بڑا ادیب، عظیم شاعر اور اردو کا جید عالم ہوتا ہے لیکن وہ اردو کو اپنی مادری زبان نہیں کہتا کیوں؟ اس لیے کہ مادری زبان تو اس کی کچھ اور ہے جو اس کے گھروالے بولتے ہیں لکھتے اور پڑھتے ہیں جو اس کے بچے سیکھ رہے ہیں اور جس زبان میں وہ اپنے سلیقے سے لین دین کرتا ہے۔

کیا میں غلط کہتا ہوں؟

کیا یہ غلط ہے کہ جب اقلیت کی زبان کا ذکر چھڑتا ہے تو ہمارے اور آپ کے ذہنوں میں اُردو اور صرف اُردو آتی ہے؟ جب اُردو کی فریب گزیرہ ترقی و تحفظ کا حوالہ دیا جاتا ہے تو کس قوم کو خوش کرنے کی سازش کا رُفعا ہوتی ہے؟ اُس وقت کیا سازشی ذہنوں میں صرف مسلمان قوم نہیں ہوتی؟ اُردو کے نام پر ہندوستان میں فسادات کیوں ہوتے ہیں؟ میں دورانِ سفر شیخ اور مفسر میں اُردو پڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہوں تو بغیر کسی شبہ و شبوت کے لوگ مجھے مسلمان سمجھ لیتے ہیں ایسا کیوں ہے۔۔۔ میں ہی کیا محترم رام پرکاش سن تیار ہی صاحب بھی اگر اُردو پڑھتے ہوئے پچھے جائیں اور بظاہر ان کے چہرے بُشرے اُن کی ذات کا کوئی واضح ثبوت دے لے تو لوگ انھیں بھی مسلمان مان لیں گے بعد میں بجلے ہی وہ معافی پیش کر کے باغزتِ بری ہو جائیں لیکن پہلا تاثر تو یہی ہو گا۔

تو جب اُردو اتنی گہرائی اتنی شدت اور اس قدر واضح طور پر مسلمانوں سے منسوب ہو گئی ہے تو اس بات کا اعلان کرنے میں کیا قحاحت ہے کہ ہندوستان میں اُردو اب صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ اس اعلان سے کئی فائدے ہوں گے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں مقرر کیلئے سمجھیے کہ دستور میں دی گئی اقلیتی زبان کی ترقی و تحفظ کی گارنٹی واضح ہو جائے گی۔ اُردو اداروں پر اقلیتی فرقے کا حق زیادہ ہو گا۔ مردم شماری میں سرکاری کارندے مادری زبان کے خانے میں غلط اندراج نہ کر سکیں گے۔ اُردو کو ختم کرنے کی سازش کہاں کہاں کام کر رہی ہے۔ ذرا غور کریں۔ ہندی علاقے میں غریب اور جاہل مسلمانوں کی مادری زبان مردم شماری کرنے والے متعجب کارندے اگر ہندی لکھ دیں تو زیادہ تعجب کی بات نہیں کہ غریب اور جاہل مسلمان آسان اُردو بولتے ہیں جس پر ہندی کا محکمہ منصف ہو سکتا ہے۔

دیکھ کر یہ بھگوان بھی سراسر نفوس ہے، لیکن گجرات، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، کرناٹک، کیرالہ، تامل ناڈو، اڑیسہ اور بنگال کے وہ مسلمان جو ہندوستانی زبان بولتے ہیں اُس کو ہندی کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ اُن کی زبان یا تو صوبے کی زبان ہوگی یا پھر اُردو۔ ہندی تو کسی طرح نہیں ہو سکتی اور کیوں ہوگی۔ لیکن ان لوگوں کی زبان کو ہندی کہا جاتا ہے اور اس طرح اعداد و شمار غلط پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر یہ اعلان ہو جائے کہ وہ مسلمان جو اپنے گھروں میں اُردو ہندوستانی بولتے ہیں اُن کی زبان اُردو ہی کہلائے گی تو مردم شماری کا فارم بھرنے والا متعجب باوجود اندازِ جانچ کرنے پر مجبور ہو گا اور جس طرح کریم الدین احمد کے فارم میں مذہب کے خانے میں اسلام کے علاوہ کچھ نہیں لکھ سکتا اسی طرح مادری زبان کے خانے میں اُردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان لکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ اُردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دینے سے اُن کے اندر اپنی زبان کے تحفظ کا جذبہ شدت اختیار کرے گا اور وہ سرکار سے ہٹ کر اُردو کی ترقی و تحفظ کے نئے ذاتی راستے تلاش کر سکیں گے۔ کم از کم اُردو کا کوئی وارث تو ہو گا۔ ابھی تو یہ لاوارث ہے بلکہ ہر ایک کی داستا ہے جس سے حسب استطاعت لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بھنبھوڑتے ہیں اور بھنبھوڑ کر

چھوڑ دیتے ہیں۔

اُردو کو کچھ موبلوں میں دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ بھی لوگ کرتے ہیں، مگر سرکاری زبان سے مراد کیا ہے یہ بات واضح نہیں کم از کم مجھے تو ہمیں معلوم۔ اگر دوسری سرکاری زبان سے مراد یہ ہے کہ مشنریوں اور افسروں کے نام کی تختیاں اُردو میں بھی لگ جائیں اور سرکاری آرڈر سرکلر نوٹس، قرار داد وغیرہ اُردو میں بھی جاری کیے جائیں، سرکاری دفاتروں میں درخواستیں اُردو میں بھی دی جاسکیں، رابطے کا ٹیلیفون اور منی آرڈر فارم اُردو میں بھی شائع ہو جائے تو یہ صورت میسر سے خیال سے نہایت ممکنہ چیز ہوگی۔ اس لیے کہ اگر کسی اُردو کے جہاد سے اچھے فیکٹری کے لائسنس کی درخواست اُردو میں دے دی تو صدیاں گزر جائیں گی اُسے کوئی جواب نہ ملے گا۔ اس لیے کہ وہ حضرات جو فیصلہ کریں گے اُردو نہیں جانتے۔ اب انہوں کو سمجھانے کے لیے ایک اُردو جاننے والا مترجم رکھا جائے گا جو درخواست کا ترجمہ کر کے صاحب کو پیش کرے گا۔ صاحب آرڈر اُردو میں نہیں کسی اور زبان میں دیں گے۔ جس کا ترجمہ کیا جائے گا اور یہ ترجمہ صحیح ہوگا کہ غلط صاحب کس طرح جانیں گے اور وہ فیکٹری کی کس طرح سائن کریں گے۔ اگر ترجمہ صاحب نے کتبہ کی غلطی کر دی تو ہاں نا، بھی ہو سکتا ہے۔

تو صاحب کوئی ایسا جہاد نہیں ہے، میں بھی نہیں آپ بھی نہیں، جو اُردو کی خاطر فیکٹری قربان کر جائے گا رو بار ہیٹ پر چڑھ جائے، روزی روٹی داؤ پر لگا دے۔ مجاہد ہونا کوئی وہ اپنے کام کے لیے درخواست اُسی زبان میں دے گا جو صاحب جانتے ہیں اس صورت میں مترجم کے پاس کوئی کام نہ ہوگا اور اُسے وسیع میں لگا دیا جائے گا۔ قطعہ ختم ہوا ہے صاحب جب اتنا زبردست ڈنڈا برسرے اور اربابوں روپے خرچنے پر بھی غیر ہندی موبلوں کے سرکاری دفاتروں میں پچاس سال کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد بھی ہندی کا ایک سکہ نہ چل سکا تو اُردو کا کیا پلے گا خاک — رہ گئیں مشنریوں اور افسروں کے نام کی تختیاں تو لوگ دفاتروں میں تنہا پڑنے نہیں جانتے کام کرانے جانتے ہیں اور اگر کام نہ ہو تو تختی ہوا تختہ سب بے کار۔ اور یہ سنی آرڈر فارم اُردو میں بھر کر دیجئے سو پیا گا تو اس وقت پہنچے گا جب دودھ پیتی آپ کی مٹی ماشا اللہ شادی کے لائق ہو جائے گی یا پھر سرے سے لاچتا ہی ہو جائے گا۔ کوئی شخص اپنی روزمرہ کی خوشی کو کاروبار کو، مراسم اور تعلقات کو روزی روٹی کو کسی زبان کے لیے قربان نہیں کر سکتا۔ وہ اُسی زبان کو اختیار کرے گا جس کے ذریعہ اس کی عام ضرورتیں آسانی کے ساتھ پوری ہو جائیں اور اس کی دنیا بھر سے۔ اگر ہندی اظہری یا دوسری علاقائی زبانوں میں کارروائی کرے تو ہمارا کام آسانی سے ہو جاتا ہے اور ان زبانوں کو پڑھنے سے ہمارے بچے ڈاکٹر انجینئرز آئی اے ایس یا عام سرکاری ملازم ہو جاتے ہیں تو ہم ذی زبان اختیار کریں گے اور یہ بات دودھ پیر کے سلیج کی طرح روشن اور سنہری کی طرح سنہری ہے کہ اُردو ہندوستان کے کسی صوبے میں اصل معنوں میں سرکاری زبان اب نہیں بن سکتی۔ اُسے موجودہ سرکاری زبانیں دوسری میسر کی جو بھی یا کوئی بھی سرکاری زبان بننے نہ سکے۔

کوئی بھی زبان اپنا وقار اور اپنا مقام کم کرنا نہ چاہے گی۔ ہاں ایک صورت ہے۔ ان مولوں میں جہاں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ ہو رہا ہے تمام سرکاری ملازمتوں میں اردو جانا ضروری قرار دے دیا جائے۔ پھر دیکھیے ایک جھگے میں سارا مسئلہ حل ہو جائے گا اور بغیر کسی دوسرے قدم کے اردو سرکاری زبان بھی بن جائے گی اور روٹی روزی سے بڑ بھی جائے گی بلکہ چپک جائے گی۔ کیا اردو والے یہ مطالبہ کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں؟ کیا موجودہ نظام ابس کی اجازت دے گا؟ کیا اکثریت اسے قبول کرے گی؟ ظاہر ہے ناممکن اس کے علاوہ اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کی جو بھی صورت ہوگی ناقص ہوگی، کاؤنٹر پروڈیکٹ ہوگی، صرف تماشا ہوگا، دکھاوا ہوگا۔ اس سے اردو کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اُنٹے اس کے ساتھ نفرت بڑھے گی۔ اگر ہم اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ ترک کر دیں تو اردو کے ساتھ دوسری زبانوں کی خیر سگالی کا راستہ ہموار ہو جائے گا اور کتر سے کتر اردو دشمن کا رویہ بھی نرم پڑ جائے گا۔

اس لیے ہمیں اردو کو اب عوامی زبان کی حیثیت سے ہی پروان چڑھانا ہوگا۔ اس کی ترقی ترویج و تحفظ محض ادبی مذہبی اور ثقافتی ضروریات کے پیش نظر کرنا ہوگا۔ اسے ادب مذہب اور ثقافت ہی کے اندر رکھنا ہوگا اور اس کے سیکھنے کا مقصد ادبی ثقافتی اور مذہبی سرگرمیوں سے لطف اندوز ہونا ہی ہوگا۔ اردو کو پیٹ سے نہیں ذہن و روح سے جوڑنا ہوگا۔ پیٹ کا رشتہ آپ دوسری زبانوں سے استوار کریں۔ یہی وقت کا تقاضا ہے۔ اردو صرف اپنے لیے سیکھیں، اپنی انفرادیت کے لیے سیکھیں، اپنی ثقافت اور اپنے مذہب کے لیے سیکھیں اور سیکھنے کے لیے دستور کے مطابق جو حق اقلیتی زبان کو دیا گیا ہے اس کا مطالبہ بھی کریں اسے حاصل کریں۔ اس کے لیے نشتے بھی رہیں اور ساتھ ہی ساتھ مدرسوں اور مسجدوں میں عربی کے ساتھ ساتھ اردو پڑھانے کا انتظام بھی کریں۔ اس کام کے لیے دوسرے ادارے بھی قائم کریں یہ سوچ کر کہ یہ جنگ ہماری ہے اور ہمیں خود ہی لڑنا ہے۔

سرکار کے پیچھے کا سہ گدائی لیے کب تک بھاگتے رہیں گے پچاس سال سے بھاگ رہے ہیں کیا ملایا سوائے عرونی، ناکافی، احساس شکستگی، ذلت اور رسوائی کے اور کیا ملا میرے بھائی۔

(کتاب نا فروری ۱۹۹۳ء)



میں ہندی کا کبھی مخالفت نہیں رہا، میں نے اس زبان کو بڑے چارے اس زبان
کے مٹی کرادھ میں سیکھا جب پنڈت رام سروپ شاستری کو ہندی کے طالب علم کی تلاش پر
تھی اور آفتاب ہاسٹل سے چہرہ اسی بھیج کر بلایا جاتا تھا۔ ہندی شاعری سے ہمیز پاکر سکے
پہل مجھے گیت نگاری کی تحریک ملی۔ لیکن آزادی ملنے کے بعد سے ہندی والوں کا جو رویہ
اردو کی جانب رہا ہے اس نے بہت سی اچھی چیزوں میں یروہ ایمان کو متزلزل کر دیا ہے۔
ریاستی حکومتوں نے (خاص طور پر اتر پردیش میں) اس کا تعمیری نظام دہم برہم کر دیا۔
مردم شماری میں اس کے اعداد و شمار طرح طرح کی ترکیبوں سے گھٹا کر لکھے جانے لگے۔
اتر پردیش اور بہار میں اردو بولنے والے اتنے بھی نہیں دہم برہم کئے گئے جتنے مسلمان ہیں!
ووٹ حاصل کرنے کی خاطر ہر الکشن سے پہلے جھوٹے وعدے کئے گئے۔ اردو والوں سے
کہا گیا کہ جب ہر ریاست کے مسلمان و ہاں کی زبان اپنا چکے ہیں تو ہندی کے علاقے کے
مسلمان ہندی کو کیوں نہیں قبول کرتے۔ آج ملک کی ایکتا، اور اکھٹا، کا کس قدر
ڈھنڈو راپٹا جا رہا ہے لیکن اس کے سب سے بڑے دشمن خود ہندی والے ہیں جنھوں
نے ملک کی ایکتا اور ہندی زبان کو لازم و ملزوم سمجھ لیا ہے۔ خالصتاً کی تحریک کا یہ رنگ
نہ ہوا اگر ۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں پنجاب کے ہندوؤں نے اپنی مادری زبان پنجابی کو
اپنے لئے سے نکال دیا ہوتا۔ جب یہ صورت نہ چل سکی تو یہ لاپرواہ دیا گیا کہ زبان پنجابی
رہے لیکن اس کے لئے رسم خط دیوناگری تسلیم کیا جائے۔ اردو کے لئے دیوناگری رسم خط کی تحریک
یہاں بھی چلائی گئی بہار میں مٹری جگن ناتھ مشرانے ریاست کے لسانی ایکٹ میں تسلیم کرا کے

جب اردو نے بھی ثانی زبان کی حیثیت سے داخل کر دیا تو ہندی کے دانشور (دائیں اور بائیں) بازو دونوں طرف کھینچے۔ ہادیوی ہندو اردو کے ظلمات میدان میں نہ پڑیں۔ امرت رائے نے اردو کو ایک لسانی اخراج بتایا؛ جو دئی کے بعد سے شہرہ ہوا ہو سکتا ہے اور بائیں دئی کے آگے کو جندوی کا نام ہے کہ ہندی تاریخ ادب کی کڑی بنا دیا۔ ترقی پسند دانشور نامور سنگھ، در ترقی پسند مصنفین نے اردو کی انفرادی حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا بلکہ اسے ملک کے بیرونی بیسی بتایا۔ ڈاکٹر یگان چند جین نے اثنوہ پاکر امرت رائے نے اردو کو دستور کے، مٹو میں مشیہ دل میں شامل کرنے کی پہلی لسانی قبول بتایا۔

اس کا جواب صرف یہ ہے کہ 'ذرائع' اور 'مقام' تیز کر دیا جائے۔ اس بات کا اعلان کیا جائے کہ اردو اس ملک کی سیکولرزم کی ایک نشانی ہے اور اگر اس کے چاہنے والوں میں چند رہیں، چاہے نہ ہوں۔ یہاں تب بھی مسلمانوں کی تہذیبی ضرورت کا تقاب ہے کہ اسے برقرار رکھا جائے۔

میں نے اس دوران اردو سے متعلق جو مضامین لکھے ان میں بار بار کہا کہ تاریخ کے بعض ادوار میں زبان، مقیدہ سے بھی زیادہ کسی جماعت کے تشخص اور بقا کے لیے اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خود اردو والے اپنے لیے اس کو ایک 'قدر' تسلیم کریں۔ جب یہ ان کے لیے 'قدر' کا حکم رکھے گی تو اس کی تعلیم و ترویج ان کا وظیفہ بن جائے گا۔ اردو کے زوال کی ذمہ داری بہت کچھ ان پر ہے۔ لیکن تھوڑی بہت خود اردو بولنے والوں پر بھی ہے جس کی انجین، یور و اور اکا دیماں فزعی کاموں کو اس کا اصل کام سمجھتے ہیں۔ ہم 'سنگ دخت' کے لیے مرے مٹتے ہیں اور 'حوت و موت' کو لائق امتحانک نہیں سمجھتے۔ کیا سنانوں میں کوئی پنڈت آندرا نائن ملا گیا موجود ہے جو ان کی طرح پرکھ سکے:

"ہم اپنا مذہب چھوڑ سکتا ہوں لیکن اپنی مادری زبان نہیں چھوڑ سکتا!"

میں نے اپنے اداروں کے مجھے اردو کا اللہ کا کتابخانہ الفاظ میں کیا:

”فسریدہ، نادارہ، شاہدہ، زیبا

اور ان جیسی لاکھوں اردو کی بیٹیوں کے نام جو اپنی مادری

زبان سے محروم کر دی گئی ہیں۔“

کسی بھی جماعت کے لیے ”زبان کشتی“ ہر قسم کی کشتی سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اس

طرح آپ ایک نسل کو گونج بھری بنا دیتے ہیں۔ یہ ہماری بے بسی کی اہل ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم نہیں دے سکتے۔ ہم انگریزی اور ہندی سیکھنے کے غلات نہیں لیکن یہ دونوں

مادری زبانیں نہیں ہیں۔ مادری زبان اپنے بچوں کو تعلیم دینا ہمارا دستوری حق ہے۔ اس دستوری حق کو قانونی حق میں تبدیل کرنا ضروری ہے۔

اردو کے سلسلے میں، جماعتی اس ملک میں، جو رہی ہے اس نے سیری قوم پرستی کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ نہ میسر ہے اور نہ میسر ہے کہ جن میں اسے ہندی دالوں کی کم نظری اور تھوڑی سمجھتا ہو کہ وہ ہندی کی توجہ کے لیے اردو کشتی کو فروغ دیتے ہیں۔ انھیں ابھی تک غالباً اپنی زبان پر مکمل بھروسہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ وہ اس سے بھی بے خبر ہیں کہ ”اردی“ (اردو ہندی) جنوبی ایشیا میں سانی ابلان کا سب سے بڑا ذریعہ بن چکی ہے جس کی تنگ و تاز پاکستان و ہند، تک محدود نہیں بلکہ وہ برصغیر کی حدود سے باہر نکل کر سنگاپور اور لندن اور پورٹ سید تک پہنچ چکی ہے۔ یہ ایک سانی ”دو مٹھی“ ہے جس کے دونوں روپوں کا برقرار رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ یہ دنیا کی پانچویں مالی زبان کی حیثیت سے اپنا مقام لے سکے۔

جناب سید ہاشم علی علی گڑھ



میری مادری زبان اردو ہے اور میری مادری تعلیم سائنس کی ماسٹر ڈگری تک جامعہ عثمانیہ کی بدولت اردو میں ہوئی ہے۔ میرا ذہنی تشوہ و جذبہ آب کے خالص لہروں میں بہا جہاں سرکاری نظم و نسق، اعلیٰ جامعاتی تعلیم بشمول ماسٹر ڈگری گورنمنٹ کی زبان اردو تھی۔ آزادی کے وقت اردو و ہندوستان کی وہ واحد زبان تھی جو جامعہ عثمانیہ کی وجہ سے اس قدر ترقی یافتہ حالت میں تھی کہ تمام عصری ضرورتیں پوری کی گئیں اور کوشش کے استعمال پہنچی تھی۔ اس ماحول سے آزادی کے بعد اچانک سارا کام انگریزی یا علاقائی زبان میں ہونے لگا میری زندگی کے پچھلے تیس سال نظم و نسق کے پیشے میں ملکی مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کے علاوہ اردو کے مسلسل تنزل کو دیکھنے میں صرف ہوئے۔ لہذا اس مضمون میں میرا طرز فکر ایک ایذا منظر کا ہے۔ کہ اگر میرے ذہن میں اردو کا بقا شروع و ختم کا کام سونپنا چاہے تو میں کیا کروں گا۔ اس پس منظر میں میرے ذہن میں یہ سوالات آئے :-

۱۔ اردو کیا ہے؟ ۲۔ اردو والے کون ہیں؟ ۳۔ اردو کا مسئلہ کیا ہے؟ ۴۔ کیا اردو والے اپنے مقصد کے تعین میں عقلی ہیں یا جذباتی اور کیا یہ مقصد خود ان پر واضح ہے؟ ۵۔ ان کے مطالبات کیا ہیں ان مطالبات کی عدم تکمیل کی وجہ کیا ہے۔ ان کی شکایات کیا ہیں، مطالبات اور شکایات کی وجہ کیا ہے؟ ۶۔ مقصد کے حصول کیلئے خود ان کی طرف سے کیا کوشش ہوئی ہے اور کیا مقصد کا تعین اور حصول کا کوشش صحیح خطوط پر ہوئی ہے۔ ۷۔ کیا اردو والوں کی موجودہ پالیسی میں تبدیلی کی ضرورت ہے، اور اگر ہے تو کن خطوط پر۔ میرا خیال اس بات پہنچ گیا کہ اردو کے بارے میں جدوجہد کرنے والوں میں اکثریت ان اصحاب کی ہے جو آزادی سے قبل کے فائل میں پیدا ہوئے جبکہ اردو ہندوستانی کی فارسی رسم خط میں جس میں ہندی آوازوں کے لئے بھی حروف انجمنی بنائے گئے تھے، ہندوستان کی عام زبان تھی۔ اور ان میں بہت کم ایسے لوگ شامل ہیں جو آزادی کے بعد پیدا ہوئے اس وجہ سے جدوجہد کرنے والے ماضی کے خاتمہ میں بحال اور مستقبل کے نہیں۔ میری دانست میں ان لوگوں کو لازماً

کو بھی اس مسئلے کے قعین اور اصل کی کوششوں میں شامل کرنا چاہئے۔

اردو کے مسئلے پر غور کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ اردو کیا ہے۔ اس بارے میں اردو دان اور غیر اردو دان عوام دونوں میں غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ بعض اردو والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا ہندی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور بعض غیر اردو والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا ہندستان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نہ لسانیات کا ماہر ہوں نہ تاریخ ادب اردو کا، لہذا اگر میرے تجزیے سے ماہری کو اختلاف ہو تو اس کی معافی ابھی سے مانگ لیتا ہوں

صدیوں سے شمالی ہند کی ایک عام زبان یا انگلو افری کا رہی ہے، جس کا نام ہندیت تھ کیسی اور رسم الخط بدلتے رہے ہیں۔ یہ مختلف ادوار اور علاقوں میں معمولی مرقی اختلاف کے ساتھ مختلف ناموں سے موسوم رہی جیسے برج میں برج بھاشا، راجستھان میں راجستھانی، دہلی اور اطراف دہلی میں ہریاؤی، کھڑی بولی، ہندی، ہندو، دہلوی، رچکھ، اردو، ہندو، انگریزی میں ہندستانی، رومن اردو، گاندھی جی کی ہندی، اتھوا ہندستان، دستور ہند کے بعد نئی سرکاری ہندی اور عوام کی آسان لوک ہندی یہی زبان پانچ سو سال پہلے دکن گئی تو دروازے زبانوں کے ماحول میں بہت کچھ لیے خیمہ پر قائم رہی اور ہندی، ہندو، اور زبان ہندستانی کہلائی۔ چند صدیوں بعد دکن کا نام پایا۔ گجرات گئی تو گجراتی کہلائی۔ اس پر ہندی کتابوں اور سرکاری زبانوں کے اثرات ہوتے رہے انیس سو شکر، عربی، ترکی، فارسی، ڈچ، انگریزی اور دوسری ہندستانی اور غیر ملکی زبانوں کے بہت سے الفاظ اس میں شامل ہوتے رہے۔ اور اس کا مسلسل ارتقاء ہوتا رہا۔ مغلوں کے زمانے میں یہ زبان سرکاری زبان فارسی کے رسم خط میں بھی لکھی جانے لگی جس طرح پشتو، پنجابی اور سندھی آج بھی عربی رسم خط میں لکھی جاتی ہیں۔ انگریزوں کے عہد میں اس کو فوجی اور رسول جہدہ داروں کی سہولت کے لیے رومن رسم خط میں ریفن اردو کہا جانے لگا۔ یہ بھی زبان کبھی سرکاری زبان نہیں رہی سوائے ایک مختصر عرصے کے جب بنیاد سلطنت کے زوال کے بعد انگریزوں نے فارسی کی جگہ اس کو استعمال کیا اور ریاست حیدر آباد میں ۱۸۸۸ء سے ۱۹۴۸ء تک یعنی صرف ۶۴ سال۔ آج بھی سرکاری ہندی کی ہیئت ترکیبی اور مقبول عام زبان میں جو فلموں، گیتوں اور بازاروں کی عام زبان ہے کافی فرق پایا جاتا ہے۔

۱۹۷۰ء میں شاد عبدالقادر صاحب نے قرآن شریف کے پہلے ترجمے کے بارے میں لکھا ہے کہ :

”یہ قرآن شریف کا پہلا ہندی ترجمہ ہے حالانکہ رسم خط فارسی تھا۔“ (صدق جدید)

شاید اسی سال جان گلکر اسٹ نے اسے ہندستانی کے نام سے موسوم کیا۔ اس لیے اس نے یہ محسوس کیا

کر لے یعنی ہندوستانی ویلوناگری، جس کو کھانا پسند کرتے ہیں اور بعض فارسی رسم خط میں۔ چنانچہ اس نے فورٹ ولیم کالج میں دونوں رسم خط استعمال کرے اور کتابیں شائع کیں۔ ۱۸۸۳ء میں ہرٹری آف سنسکرت لٹریچر شائع ہوئی جس میں مرتب نے یہ بتایا ہے کہ سنسکرت جب ہندستان میں آئی تو سیدھی طرف سے لکھی جاتی تھی اور ایسے کہتے اب بھی افغانستان میں موجود ہیں۔ ۱۹۳۵ء کا مذہبی جمی نے اس عوامی زبان کی اس طرح تعریف کی :

” قومی زبان کل ہند بول چال (INTER COURSE) کیلئے ہندوستانی زبانوں میں سے ایک ہے بان کی ضرورت ہے جس کو ہندستان کے زیادہ سے زیادہ لوگ جانتے اور بولتے ہوں، اور دوسرے آسانی سے سیکھ سکے ہوں۔ یہ زبان بلاشبہ ہندی ہے۔ یہ شمال کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور جب اردو رسم خط میں لکھی جاتی ہے تو اردو کہلاتی ہے۔ کانگریس کے ۱۹۳۵ء کے کانپور سیشن کے مشہور ریزولوشن میں اس مروجہ زبان کو ہندوستانی کہا گیا ہے۔۔۔ یہ قومی زبان ہم کو اس قابل بنائے گی کہ ہم اس میں گفتگو کر سکیں اور دونوں رسم خط میں لکھ سکیں۔“

آزادی کے بعد ۲۴ اگست ۱۹۴۷ء یعنی تقسیم ہند کے باوجود اپنے مضمون گورنر ذی اور وزیروں کے ضابطہ عمل (CODE OF CONDUCT) میں لکھتے ہیں :

” وہ دونوں رسم خط سیکھیں (ہندی اور اردو) اور اپنے رفیقوں سے انگریزی میں بات کرنے سے بچیں، یا وہ اپنی ریاست کی زبان میں بات کریں جس کے وہ گورنر ہیں اور ہندوستانی میں جو ہندستان کی عام زبان (LINGUA FRANCA) ہے اور کانگری اور اردو رسم خط میں لکھی جاتی ہے۔ یہ سنسکرت آمیز ہندی ہے اور نہ فارسی آمیز اردو۔ بلاشبہ ہندوستانی وندھیا رینج کے شمال میں کرڈوں کی زبان ہے۔“
پروٹیسٹرز ویلا تھا پر نے لکھا ہے :

” ہندی دلی کے اطراف و اکناف اور موجودہ اتر پردیش میں بولی جاتی تھی۔۔۔ جب صوفی اس علاقے میں آباد ہوئے تو ابتدائی ہندی کو ہندی کے نام سے، موسوم کر کے عوام کے وسیع تر طبقہ کو مخاطب کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ بعد میں یہ زبان بھگت تحریک استعمال کی جس میں کبیر، نانک، سورداس

(1) The selected work of Mahatma Gandhi, vol. 4, Navgran Trust : 368-69, pp. 357-358. (2) Ibid., vol. 6, pp. 463-464.

(3) History of India, Komila Thapar, 1966, p. 313 of

اور میلرانی قابل ذکر ہیں۔ اس سے زبان کے سب سے مزید اعجاز ہوا۔ اس سے قبل دوسرے لکھنے والوں نے جن میں امیر خسرو جو سلطانوں کے شاعر تھے اور عام طور پر فارسی میں لکھتے تھے، اس زبان میں لکھنا شروع کیا۔ جس بات اس زبان کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ یہ زبان اردو کے والدین (CO PARENT) میں سے ایک تھی۔ اردو یعنی لشکری زبان سلطان کی انگوار زبان بنی جا رہی تھی۔ اس لیے یہ ہندی قواعد اور فارسی عربی الفاظ کے اشتراک سے بنی تھی۔ لازمًا جو لوگ اردو استعمال کرتے تھے وہ ہندی سے بھی واقف تھے۔“

برونیس رگھوپتی پہلے فرقان کہہ پوری اپنے کلام کے مجموعے پچھلی رات کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

”ہندستان کے جس زمانے میں اردو شاعری نے جنم لیا اور پروان چڑھی، اس وقت ہندستان میں تعلیم کا معیار بہت پست تھا اور ہماری علمی اور فکری زندگی غلام طور سے بے جاں تھی۔ اس دوران میں ہماری زندگی بڑی حد تک انحطاط کا شکار رہی۔۔۔ میں نے جب تک کھولی تو داغ اور امیر کی مسموم شاعری ہندستان پر بھان پئی تھی، لیکن ساتھ ہی ساتھ نئی اور صالح زندگی کے آثار بھی نمودار ہو چکے تھے۔ اسی غازی پوری، شاد عظیم آبادی، حالی پانی پتی اور ان کے بعد چکبست اور اقبال اور ان کے متعدد معاصرین ایک نئی حیاتی جاگتی صوتیات کو سمجھنے لگے۔ یہ زمانہ اردو شاعری کے انحطاط اور آنکھ کھولنے والے نئے نشاۃ ثانیہ کا زمانہ تھا۔ تھوڑے دنوں بعد ایک نئی مصیبت بھی اٹھ کھڑی ہوئی، اور یہ مصیبت جو اب تک دور نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ بڑھتی جا رہی ہے۔ اردو دشمنی کا طوفان، لیکن فکر و مال کے قابل یہ امر بھی ہے کہ ہندن تحریک کو بھی سہارا دینا پڑا۔ اسی مغربی ہندی کا جس کی بنیادوں پر اردو کی علامت کھڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک طرف تو ایک طوفان نفرت کے منہ ہرے نقراتے ہیں اور دوسری طرف ہندی داں عوام و خواص میں ناگری رسم خط میں چھپ کر اردو شاعری کے صدمہ مجموعے کروڑوں کی تعداد میں محض ہندی داں بل وطن میں مقبول ہوتے گئے۔ دیکھئے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ میں نے اپنی غزلوں میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ اس مغربی اور مقبول عام ہندی کو جس کا نام اردو زبان و ادب ہے، زیادہ نرا دوں اور اس میں لنگ و جن کے دو آہ کی شادابی اور انسانی تہذیب کے ریں جس کو سودوں۔“

میں نے کچھ عرصہ قبل بی۔ بی۔ سی کے اردو ہندی پروگرام میں ہندی کے شہور ناواولسٹ گلشن زندہ کا ایک انٹرویو سنا تھا جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی زبان میں لکھتے ہیں تو ان کا جواب تھا۔ ”میں پنجابی میں سوچتا ہوں۔“

اردو میں لکھتا ہوں اور ہندی میں چھپتا ہوں۔“

فارسی کو سوسال تک ہندستان کے بڑے علاقے کی سرکاری زبان رہی ہے اور اس کا اثر فارسی علاقائی زبانوں پر ہوا۔ چنانچہ جنوبی ہند کی زبانوں خصوصاً تلگو میں اس کے بہت سے الفاظ مروج ہیں۔ حالانکہ ایک درویدین زبان ہے اور جس طرح ہندستان کی ہریان میں اس وقت انگریزی کے الفاظ شامل ہو گئے ہیں۔ اسی طرح فارسی سے بھی نئے اقتدار تصورات اور اظہار خیال کے انداز ہندی میں منتقل ہوئے اور ہندی کے (BASE) یا بنیاد پر فارسی اور دیگر زبانوں کے طویل لسانی اختلاط کے نتیجے میں اردو پیدا ہوئی جو اس زمانے کے سرکاری رسم خط فارسی میں بھی لکھی جانے لگی۔ لہذا اردو ایک رومانوی وسیع اغوش اور ترقی یافتہ ہندی ہے جس نے غیر زبانوں کے الفاظ شامل کرنے اور رسم خط اختیار کرنے میں کوئی تعصب نہیں برتا اور جس کے دو اہم اجزاء ہندی اور فارسی دونوں آئین ہیں۔

اردو کے بعد اردو والوں کا تعین بھی ضروری ہے تاکہ مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس مضمون میں اردو والوں سے میری مراد وہ لوگ ہیں جن کی مادری زبان اردو ہے اور وہ لوگ بھی جن کی مادری زبان اردو نہ ہونے کے باوجود اردو لکھتے اور بولتے ہیں۔

اردو بولنے والوں سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو اس عوامی زبان کو بولتے ہیں۔ ان کی حسب ذیل قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اس کو اردو کہتے ہیں اور فارسی رسم خط پر مستحق نہیں ہیں۔ دوسرے وہ جو اس زبان کو ہندی یا ہندستانی بولتے ہیں، اور بارہ۔ دو کو محض رسم خط کا فرق سمجھتے ہیں۔ تیسرے وہ جو اس کو ہندی بولتے ہیں اور اردو جلنے سے انکار کرتے ہیں۔ اردو اور اردو والوں کے تعین کے بعد اب اردو کے مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جدوجہد آزادی کے زمانے اور آزادی اور تقسیم ہند کے بعد سیاسی وجوہات کی بنا پر اردو کی مخالفت شروع ہوئی اور لسانی ریاستوں کے قیام کے بعد مزید مسائل پیدا ہوئے۔ ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ اردو والے ہندی کو وہ مقام نہیں دینا چاہتے تھے جس کے لیے وہ آج خود جدوجہد کر رہے ہیں، اور گاندھی جی کے دور رسم خط والے فارمولے کو ماننے کیلئے تیار نہیں تھے۔ جس کی بنا پر یہ ترقی یافتہ زبان سارے ملک کی مسلمہ زبان بن سکتی تھی۔ ان اختلافات کے باوجود سردار پٹیل کے کاغذات میں جو کئی جملوں میں شائع ہوئے ہیں۔ ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے اس امر میں ہندستان کی نام اور دیوناگری رسم خط میں ہندستان کی سرکاری زبان بنانے کی پیش کش کی تھی لیکن زبانہ اندہ لیاقت علی خاں نے جو تقسیم ہند چاہتے تھے اس پر آمادگی ظاہر نہیں کی یہ آخر دراصل تاریخ کو دہرا رہا تھا۔ جس طرح چندھیلوں قبل عوامی زبان کو اس زمانے کے سرکاری رسم خط فارسی میں لکھا جانے لگا تھا۔ اسی طرح سردار پٹیل

کی جو بڑی بنا پر آزادی کے زمانے کی فارسی آئینز عوامی زبان کو سرکاری زبان کے رسم خط میں جو شمالی ہندی کی کثرت کا رسم خط بھی تھا لکھے جانے کی سفارش کی گئی تھی۔ اردو والوں کے لئے دو صورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ زبان کی موت یا ایک زائد رسم خط کا اختیار کر لینا۔ اور یہ موقع ہاتھ سے چلا گیا۔

مجلس دستور ساز میں دو گروہ تھے جن میں سے ایک موجودہ عوامی زبان ہندستانی کو سرکاری زبان بنانا اور دوسرا خالص ہندی کو۔ پنڈت نہرو موجودہ زبان کی تائید میں تھے۔ رائے شماری کے وقت دونوں گروہوں کو مساوی ووٹ ملے اور صدر کے کاسٹنگ ووٹ سے ہندی سرکاری زبان بن گئی۔ اس فیصلے کی تعمیل میں حکومت کو مختلف اقدامات کرنے پڑے جو اس فیصلے کی تعمیل کے لیے ضروری تھے۔ حالانکہ اس وقت کے سارے لیڈر ہندستانی بولتے تھے اور ان کو سرکاری زبان بولنے میں ابتدائی چند محلوں کی حد تک کامیابی ہوئی تھی اور پھر وہ موجودہ زبان بولنے لگے تھے۔ ہندستان کے چاروں وزیر اعظم بڑی حد تک موجودہ زبان بولتے تھے۔ اور آزادی کے تیس سال بعد ۱۹۶۸ء کے یوم آزادی کی لال قلم والی تقریر میں موجودہ وزیر اعظم نے (۸۰) سے زیادہ فارسی اور عربی الفاظ استعمال کر کے الفاظ استعمال کئے۔

مجلس دستور ساز کے فیصلے کی تعمیل میں سرکاری زبان سے بدیسی زبانوں کے قبول موجودہ الفاظ کو نکال دیا گیا۔ اس قسم کی کارروائی ترکی اور ایران میں بھی کسی زمانے میں ہوئی تھی جبکہ ان زبانوں سے عربی کے الفاظ نکالے گئے تھے۔ علاوہ اوپر مذکور اقدامات کے دو اقدامات یہ بھی تھے کہ ریڈیو پر فلمی گانے بند کیے گئے جو عوامی زبان میں ہوتے تھے۔ اور تیس سال بعد آج بھی ہوتے ہیں۔ ایسے نیکم کام استعمال بند کیا گیا جس کے ساتھ عوامی زبان کی غزلیں گائی جاتی تھیں۔ یہ پالیسی تقریباً پچیس سال تک جاری رہی اور سارا ہندستان دن بھر ریڈیو کیسیٹوں سناتا رہا جہاں سے فلمیں گانے اور غزلیں نشر ہوتی تھیں۔ چند سال قبل آل انڈیا ریڈیو نے پالیسی تبدیل کی اور اب وہ وہ بھارتی کے سچ رنگی پروگرام میں فلمیں گانے غزلیں اور ڈرامے اُسی عوامی زبان میں نشر ہوتے ہیں جس کو گانہ دہی جی نے ہندی ہندستان کا نام دیا تھا۔ یہ سب سے زیادہ پسندیدہ پروگرام سمجھا جاتا ہے اور ہر ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوتا ہے جس میں اطلاعات نو سرکاری ہندی یا علاقائی زبانوں میں ہوتے ہیں لیکن پروگرام عام فہم زبان میں اور بھی گانے جو ہندی پروگرام میں سنائی دیتے ہیں۔ اردو کے خصوصی پروگرام میں بھی ہوتے ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد موجودہ فارسی رسم خط والی زبان نئی قائم ہوتے والی مملکت کی ایک مسلمہ زبان بن گئی تھی سے قائم رہی۔ اس وجہ سے بھی اردو دوسری سیاسی وجہ بات کی بنا پر بھی ہندستان میں اس عام زبان کو ایک

فوقی زبان کہا جائے لگا۔ اور یہ غلط فہمی ابھی تک باقی ہے۔ اور بد قسمتی سے اردو دوست اور اردو دشمن دونوں طبقوں میں ہے۔ لسانی ریاستوں کی تشکیل کے بعد سر لسانی فارمولے میں ریاستی زبان۔ قومی سرکاری زبان اور بین الاقوامی زبان انگریزی کو شامل کیا گیا اور اس فارمولے کے باعث خالص برصغریہ والی عام زبان پُرہریاستیں اقلیتی زبان بن گئی۔ کوئی دو سال قبل امریکن یونائیٹڈ اسٹاٹس میں ایک ماہر لسانیات نے لکھا تھا کہ اردو ہندوستان کی عام زبان ہے لیکن غلط رسم خط میں۔ اگر یہ ادعا صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عوام کی اکثریت کو اردو سے کوئی دشمنی نہیں ہے، البتہ ان کے پاس فارسی رسم خط سیکھنے کی کوئی ضرورت ہے نہ وقت اور وہ اس عوامی زبان کو لشکری زبان کے محض ذمہ یاد کرنا نہیں چاہتے اور ہندی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ لیکن گذشتہ تیس سالوں میں سرکاری اور درسی کتابوں کی ہندی اور اس عوامی ہندی میں اس قدر فرق پڑا ہے کہ گاندھی جی کے فارمولے کو موجودہ حالات کے مطابق کی کوشش کی جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اردو ہندوستانی عوام کی ایک جہتی اور دربارین زبان ہندی اور فارسی کے طویل لسانی اختلافی آئیندار بنا ہے اور جب ناگری رسم خط میں لکھی جاتی ہے تو لوگ ہندی کہلاتی ہے۔

اب میں اردو والوں کے مقصد کے تعین مطالبات اور شکایات اور موجودہ پالیسی میں (اگر کوئی ہے) تبدیلی کی ضرورت پر مزید کچھ لکھنے بغیر آزادی اور لسانی ریاستوں کے قیام کے بعد اردو والوں کے لیے جو مسائل پیدا ہوئے ان کے حل کے لیے ایسے سوالات اٹھانے کی کوشش کروں گا جن پر غور کر کے صحیح فیصلے کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ ان پر غور کرینے کے لیے کسی ایسی غلط اور دربارین پالیسی کا تعین ہو سکے جس کی بنا پر وہ زبان جو عوامی زبان سے اقلیتی زبان کے درجہ پر آچکی ہے، پھر سے عوامی زبان بن جائے۔

(۱) کیا اردو والوں کو حکومت کی سرپرستی نہ ہونے سے مایوس ہونے کی ضرورت ہے جبکہ تازہ ہند میں کئی سو سال سے عوام کی زبان لکھی سرکاری زبان بنی رہی ہے اور اس کے باوجود ساری علاقائی زبانیں زندہ ہیں۔

(۲) کیا اردو کو قومی سرکاری زبان اور کئی ریاستوں کی ریاستی سرکاری زبان ہندی کا مد مقابل بنانے کی کوشش کی جائے یا اس کی دستوریت حیثیت تسلیم کر کے درمیانی اقلیتوں کی طرح اس کا جائز دستور ہی حق منوایا جائے۔

(۳) کیا اردو والوں نے ہندوستان کی طرح کثیر لسانی ملک شراؤٹیت یونین، ممالک متحدہ امریکہ اور

سوئٹزرلینڈ وغیرہ کی لسانی اقلیتوں کے ساتھ حکومتوں کے سلوک کے سلسلے میں کوئی معلومات حاصل کی ہیں اور اگر نہیں تو کیا ایسا مطالعہ سودمند ثابت نہیں ہو گا تاکہ حکومت سے دوسرے روادار ممالک کی مثال پیش کر کے مناسب مطالبات کئے جاسکیں اور یہ کہیں اگر براہمزی جاہلوں میں کسی لسانی اقلیت کا ایک بھی طالب علم ہو تو اسے

مدرستان میں تعلیم کے لئے اپنی زبان کے استاد کی فراہمی کا حق حاصل ہوتا ہے)

(۳) کیا ایسی ریاستوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ تعداد سولہ دوسرے دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کا مطالبہ کیا جائے۔ ایسے مطالبے کے کیا عملی فوائد ہوں گے۔ یا ایسا مطالبہ متعصب افراد کی مخالفت میں مزید شدت پیدا کرے گا۔

(۵) کیا اردو والے سرکاری فارمولے میں اپنا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ ہندی یا سستوں میں تو یہ ممکن ہے (لیکن یہیں اس کی شدید مخالفت ہوتی ہے) لیکن دوسری لسانی ریاستوں میں چار زبانیں لازمی ہوں گی۔ اگر اردو والے صرف تین زبانیں دیکھنا چاہیں تو کون سی زبان چھوڑ دی جائے گی اور اس کے کیا نتائج ہوں گے۔

(۶) کیا اردو کو ابتدائی تعلیم کا ذریعہ تسلیم رکھا جائے اور بعد میں ریاستی یا قومی یا انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کی جائے۔

(۷) کیا اردو ذریعہ تعلیم کو تعلیم کے ہر سطح کے لئے ضروری سمجھا جائے۔ اگر ایسا سمجھا جائے تو یہ سوال فوراً طلب ہو جاتا ہے کہ کب زمانہ حاضر میں علم برائے علم ہوتا ہے یا علم برائے روزگار کیا علم اور معیشت میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ 'MANAGEMENT' کے بین الاقوامی ماہر 'PEPER F. DRUCKER' نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے :

" آج تعلیم یافتہ لوگوں کی بڑی اکثریت کسی نہ کسی ادارے میں ملازمت کرتی ہے۔ چاہے وہ

کوئی کمپنی ہو یا حکومتی ادارہ۔ ہسپتال ہو یا یونیورسٹی۔ یہ وہ پہلا سماج ہے جہاں کوئی مالک نہیں ہے۔

بلکہ تقریباً ہر شخص کسی دیکسی ادارہ کا ملازم ہے "۔

.....170656.....
.....11.11.11.....

کیا اردو والے زمانہ حاضر کی اس حقیقت سے مستثنیٰ ہیں ؟

(۸) کیا اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس اور کالجوں کے خواب نتائج کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے یا کیا ان

اداروں میں طلباء کی تعداد میں اضافہ یا کمی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ کیا ان اداروں کے فارغ التحصیل طلباء کے عملی زندگی میں

کامیاب یا ناکام ہونے کے اعداد و شمار فراہم کئے گئے ہیں کیا اس امر کی کوئی تحقیق کی گئی ہے کہ اسے طلباء کو ملازمتوں کے

محل ملنا بقدر متوازن اور روزمرہ کے سرکاری کاموں میں سہولت ہوتی ہے یا نقصان۔

(۹) کیا ہر اردو والے طالب علم کیلئے اس کو درجہ دوم و لازمی زبان کی حیثیت سے پڑھانے کا انتظام کیا جائے

چاہے ذریعہ تعلیم کوئی بھی زبان ہو۔ کیا اس مطالبے سے سارے اردو والے طالب علم مستفید نہیں ہوں گے۔ چند صدیوں میں زبان

کا وہ تعلیم ہوتا یا ہر مدت میں زبان کی عام تعلیم ہونے کے دو متبادل فیصلوں میں کون سا فیصلہ زیادہ تعداد کیلئے سودمند ہوگا۔
 (۱۰) کیا اردو رسم خط کا تحفظ کیا جائے۔ اس لئے کہ سارا ادبی سرمایہ اسی رسم خط میں ہے اور اس تصفیہ کے بعد کیا ہر مدت میں لازمی اردو تعلیم کا مطالبہ ضروری نہیں ہے۔ اور اگر نہیں تو اردو خواندہانوں میں رسم خط کا تحفظ کیسے ہوگا۔

(۱۱) کیا اردو والوں نے اس مسئلہ تازہ نئی جبر پر بھی غور کیا ہے کہ ان کی نسلیں جو ہندی ریاستوں میں۔۔۔ ہندی میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور غیر ہندی ریاستوں میں ہندی ثانوی زبان کی حیثیت سے سیکھ رہی ہیں وہ اردو رسم خط سے کس حد تک واقف ہیں۔ کیا یہ نسل گھر کی اردو کو ہندی رسم خط میں نہیں لکھ رہی ہے۔ کیا کوئی شمار یا جائزہ چاہئے کہ کتنی نسلیں کتنے اردو رسم خط سے واقف ہیں یا اگر اس تعداد میں تشویشناک حد تک کمی ہوئی ہے تو اردو والوں نے کون سے ایسے اقدامات کئے ہیں کہ اردو کا تہذیبی اثاثہ ان کو فراہم ہو سکے۔

(۱۲) کیا اردو کا رسم خط بدل دیا جائے۔ اگر ایسا کرنا ضروری ہو تو کیا وہ رسم خط اردو میں ہو یا جے خاں علی کی پسندی سمجھا جائے، کیا وہ ریاستی زبان کا رسم خط ہو (جس سے زبان کئی حصوں میں تقسیم ہو جائے گی) یا دیوناگری ہو (جس سے عوامی زبان اور سرکاری زبان کے قریب ہو جائے کے مواقع حاصل ہوں گے)۔
 (۱۳) کیا اردو کا ایک زائد رسم خط دیوناگری ہو۔ اگر یہ ضروری سمجھا جائے تو اردو کی ساری آوازوں کے لیے دیوناگری رسم خط میں کن معمولی تبدیلیوں کی ضرورت ہوگی تاکہ لوگ "مر جا گالیب کی گھل" نہ بولنے لگیں۔

کیا کسی نے فارسی اور دیوناگری حروف تہجی میں سے اکثر ایک دوسرے کے مشابہہ اور صوف ہونے پر کوئی کام کیا ہے؟

(۱۴) اگر اردو کی کتابیں ایک سے زائد رسم خط میں شائع ہونے لگیں، ہندی پریس اردو کی مقبول عام کتابوں کو اس طرح سے چھاپ رہے ہیں، تو کیا اس کا سرکاری ہندی پرائیڈ ہو گا، کیا اردو والوں نے ۱۹۴۷ء کی سرکاری ہندی اور ۱۹۶۱ء کی سرکاری ہندی میں (جو ریڈیو پر سنی جاتی ہے) کچھ فرقہ رسر کیا۔ یقیناً وہ اب عوامی زبان سے نسبتاً زیادہ قریب ہو گئی ہے۔

(۱۵) کیا اردو والوں نے ہندی نثر کے ارتقاء کا مطالعہ کیا ہے کہ آزاد سے ۱۹۷۸ء تک اس زبان کا ہمیت ترک نہیں کی کچھ ارتقاء ہوا ہے۔ کیا اس ارتقاء سے دونوں زبانیں ایک دوسرے کے قریب نہیں ہو رہی ہیں۔ کیا

کیا اس حقیقت سے اس دہم کی تردید نہیں ہو جاتی کہ رسم خط کی تبدیلی یا ایک سے زائد رسم خط کے استعمال سے زبانوں کے مزاج بدل جاتے ہیں۔ ہندی کے موجودہ ارتقا سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغیر اس تبدیلی کے بھی زبانوں کے مزاج بدل جاتے ہیں۔ اور ایسی تبدیلی بعض اور حالات کے تابع ہوتی ہے۔

(۱۶) کیا اردو والوں نے اردو بولنے والوں یا لوگ ہندی بولنے والوں کی مدد کو کوئی کوشش کی ہے کہ انھیں اپنی پسندیدہ کتابیں اور شاعری کے مجموعے پڑھنے کیلئے مل سکیں۔ کیا عوامی زبان کو اکثریتی عوام کے رسم خط میں شامل کرنا زبان کی ترویج اور ترقی میں معاون نہیں ہو گا کیا عوامی زبان کو ایک نامانوس رسم خط میں دوسروں کیلئے، بھگیا کر لینا اس زبان کی خدمت ہے۔ اور کیا کتابوں کی عدم دستیابی کی صورت میں یہ زبان موجودہ نسل کے بعد عوامی زبان کی حیثیت سے باقی رہ سکے گی۔

(۱۷) کیا اردو والوں نے دوسری زبانوں کے جاننے والوں کیلئے، URDU SELF THOUGHT قسم کی کتابوں کی اشاعت کا کبھی خیال کیا ہے۔ کیا اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہر ہندوستانی رسم خط میں اس قسم کی کتابیں شامل ہوں۔

(۱۸) کیا BASIC ENGLISH کی طرح کسی نے BASIC URDU بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ نقل اور مشکل الفاظ سے پاک ایک آسان زبان دوسری زبان بولنے والوں کے کام آ سکے۔

(۱۹) کیا اردو دشمنی کے محرکات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ کیا انصاف کا جواب انصاف سے دیا جانا چاہیئے یا رد و کار اور فراق دلی کے اظہار سے۔

(۲۰) کیا اردو کی جدوجہد سیکولر انداز میں نہیں ہونی چاہیئے۔ کیا اس عوامی زبان کیلئے مجدد و مجددین کے میں قبول اور عمل کا انعقاد کمزوری کا باعث نہیں ہے۔

میں نے اردو کے مسئلہ پر بہت سے ISSUES یا سوالات آپ کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کی ہے اگر اردو والے دانشوران پر فریضہ بد بانی انداز میں غور کر سکیں اور غور و فکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں تو اس عمل کے دوران شاید یہ بات سمجھا دیتے ہوگی کہ اردو بولنے اور حکومت شاید مساوی طور پر اس بات کے غور و فکر میں کہ ہندوستانی ہندو بی بی ایک مشترکہ اور یک جہتی پیدا کرنے والی میراث کو اس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ اگر اس وقت مناسب حفاظتی تدابیر نہ اختیار کی جائیں تو بہت کمزور ہو جائے گی۔ ہندوستان کی یہ عوامی زبان جس کے ارتقا میں ہر فرقہ کے لوگ شریک رہے ہیں اب محض ایک اقلیتی زبان بن کر رہ گئی ہے وہ ہندوستان میں فارسی دور سپین میں عربی کی طرح خود اردو والوں کی کوتاہ اندیشی اور عدم توجہ کی بنا پر ہندوستان میں پیدا ہو جائے اور اگر ایسا ہوتا تو اس کی ساری زندگی اردو والوں کی موجودہ نسل پر ہوگی۔

جناب ہادیون خاں شروانی

حمید آباد



آج کل تاریخ دکن، عہد وسطی کے لغاتوں کی وجہ سے کسی دوسرے علمی کام کی طرف توجہ نہایت دشوار ہے۔ میرا تو یہ اقبال ہے کہ ہمارا نستعلیق رسم خط خود تو ڈوبے گا نہیں لیکن ہماری زبان کی بربادی سبب بن جائے گا۔ مگر اس کو کوئی سننے کے لیے تیار نہیں۔ لوگ ہلک دنیا کی ہزبان میں تھے، لیکن سوائے ہماری زبان کے ہر دوسری زبان نے طباعت کی غرض سے یا تو ان سے استفادہ حاصل کیا ہے یا پھر اس رسم خط ہی کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ ہم ہی ایسے خوردبین ہیں کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے، ہم زبان کے دم واپس ہٹ کر سر موہنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ اپنے نازہ ترین مضمون "اردو رسم خط" میں اس نقطہ نظر کے بالکل ہی قریب آگئے ہیں، اور مشکلات اور خامیوں کو اچھی طرح فاضح کر دیا ہے۔ لیکن ان کے باوجود آپ موجودہ رسم خط ہی کو (جس سے غالباً نستعلیق رسم خط سے مراد ہوگی) تاہم رکھنا مناسب سمجھا ہے۔ آپ نے جو تین اسباب شمار کیے ہیں، ان میں سے دینی، دیوناگری رسم خط کی اردو زبان پر تطبیق کی حد تک آپ کے سو فیصدی ساتھ ہوں، اردو رسم خط کی ترویج میں جو دشواری ہے اس کی وجہ سے دیر لگے گی، مگر میں اسے اپنانے میں کوئی خطرہ تصور نہیں کرتا۔ ہندیب کا تعلق زبان سے زیادہ ہے، رسم خط سے اتنا نہیں۔ جو کوسلا فیہ میں تقریباً ایک ہی زبان دو مختلف لپیوں میں لکھی جاتی ہے، لیکن دونوں خطوں کا تمدن ایک ہی ہے؛ لہذا اور انڈونیشیا نے اپنا رسم خط بدل دیا ہے، تو شاید ان کی ہندیب کو کوئی فزادہ کا نہیں لگا۔ بہر حال اس مسئلے پر بحث بہت کچھ قبل از وقت ہے۔ لیکن طباعت میں نستعلیق کی بجائے نسخ کے استعمال سے تو نظام کوئی خطرہ نہیں۔ جیسا میں اور عرض کر چکا ہوں، آپ اپنے مضمون میں اس نقطہ نظر کے بالکل قریب آگئے ہیں، مگر اس سے تم اس سے گریباں ہے، مگر ایک ساتھ اس سے گریز بھی کر گئے ہیں۔ میں ذاتی طور پر آفیت کو صرف محدود طور پر مفید سمجھتا ہوں۔ اگر کثیر اشاعتی اخباروں اور کتبوں کے لیے یہ طریقہ کار آمد چنا تو اخباروں اور کتبوں کے لیے ہر جگہ استعمال کیا جاسکتا۔

بہر حال مجھے اس بات سے اطمینان ہو اگر اردو کے آپ جیسے صنف اول کے عالم بھی موجودہ صورت حال سے متاثر ہیں اور اس میں ترمیم کے خواہاں ہیں۔

مکتوب۔ بنام ڈاکٹر مسعود حسین

جناب جمنا داس اختر

۱-۹ء ساؤتھ پٹیل ٹکڑ، نئی دہلی



(میں خبردار کہ ہوا مگر حیرانی نہیں ہوئی کہ دلی اسمبلی میں جننا دل کے ایک بھر عتاب شعیب اقبال کو بھارتیہ جنتا پارٹی کے ایک میرے پاکستانی ایجنٹ قرار دیا۔ اول الذکر کا "نصوور" یہ تھا کہ اس نے اسمبلی کی کارروائی کا ایجنڈا اردو میں تقسیم نہ کرنے کا معاملہ اٹھائے جانے پر کانٹھیس کی مسرتا ہمدار با برکی شکایت کو حق ہی منبہ قرار دیا۔

اردو کے معاملہ میں تعصب اور تنگ نظری کا خاتمہ ہونے میں نہیں آتا۔ مجھے یاد ہے کہ چند سال پہلے تو پریشانی کے ایک فیکر کا مجھ پر ہی مگر سیکور ہوئے کا دھوا کرنے والے ایک وزیر اعلیٰ نے یہ کہہ کر اردو کی حق لغت کی تضحیٰ کہ فارسی رسم الخط ہونے کے سبب یہ ایک غیر ملکی اور اسلامی زبان ہے۔ ۱۹۴۶ء میں مجھے ہندوستان ٹائمز کے نمائندہ مشورہ خصوصی کے ہراہ سرسوتگر میں اس وقت کے وزیر اعلیٰ سر رام چندر کا کہ سے ملاقات کرنے کا موقع ملا۔ وہ بے میرے ساتھی نے میرا پورا نام بتاتے

کے بھائے مونس جے۔ جی۔ اختر کہہ کر وزیر اعلیٰ سے تعارف کرایا تو وہ ہوا اعلیٰ نے شعیب کے مسئلے پر گفتگو کرنے سے گریز کرنے کی کوشش کی۔ اور عرض کر دی باتیں کرنے لگے۔ بعد میں میرے ساتھی کو دوسرے کمرے میں لے جاکر پوچھنے لگے کہ آپ اس مسلمان کو اپنے ساتھ کیوں لائے ہیں؟ جب میرے ساتھی نے کہا کہ یہ مسلمان نہیں بلکہ جمنا داس اختر ہندو ہے تو وزیر اعلیٰ نے اطمینان کا سانس لیا یہ اختر کے نفاذ سے انہیں غلط فہمی ہو گئی تھی اور وہ مجھے مسلمان سمجھ کر میری موجودگی پر سماجی مودت حال پر گفتگو کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ۱۹۴۷ء میں میرے ہی خاندان کے ایک سیر سمیر کر نئی دہلی کے قتل کیا تھا۔

میں ان لوگوں میں نہیں ہوا اردو سے معنی اس لیے نصرت کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں ملک کا تقسیم کا ایک بنیادی سبب یہ تھا کہ پاکستان کا مطالبہ کرنے والے اردو کی حمایت کرتے

تقسیم کے بعد اردو زوال کے دور سے
گزری سحرا آج پھر اردو کی پوزیشن
بہال چور ہوتا ہے۔ اردو سے نفرت
کرنا اور اسے نظر انداز کرنا اس ملک
کی مشترکہ تہذیب اور تمدن پر ہلک
وار کرنا ہے۔ حق گفت اور نفرت کرنے
والے اس بات کو ہمیں نظر انداز کر رہے
ہیں کہ ویدوں، پورا فوں، اپنشدوں،
رامائن، مہا بھارت اور گیتا میں مقدس
کتبوں کے تراجم ہزاروں کی تعداد
میں ملک کی تقسیم سے پہلے شائع
ہوئے تھے۔ ہندی میں رامائن کا صرف
ایک منظوم ترجمہ پنڈت رادھ شام
نے کیا تھا لیکن رامائن کے لگ بھگ
ایک دہائی منظوم ترجمے شائع ہوئے۔
ان میں سے تین میرے کتب خانہ میں
محفوظ ہیں۔ بھاگوت پور ان کے دو
منظوم ترجمے اردو میں شائع ہوئے۔
بھاگوت گیتا کے دو الگ الگ منظوم
ترجمے لاہور میں مرحوم خواجہ بول محمد
اور سید حبیب دہراہارا روزنامہ "سیتہ"
نے شائع کیے۔ آپ حیران ہوں تھے
کو مقبول آئیڈی لاہور نے ۱۹۸۵ء میں
جناب عبد المعز خالیدی کی مرتب کی ہوئی
کتاب "مہا بھارت تین سالہ شائع کی۔
اب تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے
ہیں۔ اس کے ٹائٹیل پر مہا بھارت کی جنگ
سے حعلق ایک تصویر درج ہے۔ اس میں
ارمن کو زیر چھوڑتے ہوئے دکھایا گیا
ہے۔ کتاب کا آغاز مندرجہ ذیل سطویہ
کیا گیا ہے۔

محکم و حرف و حکایت کا مروج
خزینہ دانشی نو دانی ہند
ہند پاکستان کے اس مشترک ماضی کے نام
جس میں ہندو اور مسلمانوں کا پیام

تھے۔ ستر لکھ یعنی ۷۰ لاکھ پاکستانی آج
بھی اندھ سیخ لٹخوں میں سرکاری اور قومی
زبان کا درجہ حاصل نہیں کر سکیں۔ آج بھی
پاکستان کے مقابلے میں ہندوستان
میں اردو کی کتابیں زیادہ تعداد میں
شائع ہوتی ہیں۔ مغربی پنجاب میں
ایک طبقہ اردو کو گنگا جمنی تہذیب کی
پیداوار قرار دے کر اس کی مخالفت
کر رہا ہے۔ بلوچستان کے سابق وزیر
اعلا نواب اکبر بگٹی کو اردو سے اس
قدر نفرت ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے
گفتگو نہیں کرسکتے۔

اردو کو پاکستان سے وابستہ کر کے
اردو کے کسی حامی کو پاکستانی لیجنٹ
قرار دینا تعصب، تنگ نظری، فرقہ
پرستی اور اخلاقی گراؤ کا مظہر ہو
کرنا ہے۔ اردو کا جنم برصغیر کے اس
جیسے میں ہوا تھا جسے آج بھی ہندوستان
کہتے ہیں۔ اردو جاننے والے تمام
ہندوستان میں ہیں۔ اردو لگ بھگ تمام
ہندوستانی ریاستوں میں اردو کے اخبارات
شائع ہوتے ہیں۔ اردو کا سب سے
زیادہ شائع ہونے والا روزنامہ
ہندوؤں کی ملکیت اور ادارت میں
شائع ہوتا ہے۔ لاہور اخبارات پرنٹ
والوں میں ہندو مسلمان دونوں شامل
ہیں۔ میں پٹنلنگر میں رہتا ہوں جو
پٹنل ہندوؤں اور سکھوں کے درستی
سے مہیاں قومی آواز، ہند سماچار،
ہرناپ، سلاپ اور بھگیا جیسے لاہور
باقاعدہ کے فروخت ہوتے ہیں۔

مجھے ان ہندو سکھ اور جسانی
ادبوں، اشعار اور صحافیوں کا ذکر کرنے
کی ضرورت نہیں جو آج بھی اردو کو
اپنا لے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ ملک کی

یقیناً جہا بھارت پر سنسکرت کے
 سوا کسی بھی دوسری ہندوستانی زبان
 میں ایسی شاعری ندر اور قابل تریف زبان
 آج کل کی شاعری نہیں ہوئی اور یہ اعزاز
 پاکستان میں ایک سلمان کو حاصل
 ہوا ہے۔
 ملاحظہ ہو کہ یہ معلوم نہیں کہ
 مراد کون سا شاعر ہے یا کون سی اردو میں
 شاعری ہو چکی ہے۔ اس کی ایک مثال انجانی
 سنت اور سنسکرت کے درمیان
 بہت سنگین کی بنا پر یہی ہے موجود
 ہے۔
 اردو کو مقبول بنا کر اور اس کی
 ترویج و ترقی میں کون سے ہم درمق
 قدم و روش کی حقارت کر سکتے ہیں بلکہ
 مختلف ریاستوں میں تالیف کا سلسلہ
 بھی جاری کر سکتے ہیں۔ اس بات سے کچھ
 شک و شبہ نہیں کیا جائیگا کہ وہ ہندوستان
 اور پاکستان میں مقابمت اور اولیاء
 فرض بھی ادا کر سکتے ہیں۔
 اردو کو تو ہم زبان کی حیثیت سے
 احسن کا صحیح درجہ ملتا ہے جسے دراصل
 تمام رنگ و نظریہ کی جڑ اور دار ہے
 ہے۔ آزاد ہندوستان کے معاروں
 نے فرقہ واریت کے خلاف جدوجہد
 کی ہے جو دیت کی بنیاد پر مبنی ہے کہ
 اس کے لیے لازمی قرار دیا تھا۔ مگر یہ
 ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ سیاسی
 مداخلت پرستی فرقہ واریت کا انسداد
 ہونے لگی ہے۔ فرقہ واریت کی بنیاد پر
 نے فرقہ واریت کے خلاف جدوجہد
 کی تو انہیں فرقہ پرست عناصر نے قتل

کر کے کی کوشش کی۔ اور تو اہدہ یستی
 ایک ہی میں پڑ جا پڑی کے ایک رکن
 نے ہشتی غلام محمد کو پاکستان کا ایجنٹ
 قرار دیا تھا۔ مگر وہ خود اعلا کوئی علاقہ
 شہر کی اندر کا اندر سے مل کر رہا ہے
 میں مقابمت کا ایک بنیاد و سرور کرنا
 چاہتے تھے مگر خود فرض غنا ہے یہ
 ملاقات نہ ہو سکتی۔ دلی میں جب ہشتی
 غلام محمد کو فرزند اپنا قائم اپنی بیوی
 کے نام منتقل کرانے کے لیے رجسٹرار
 کی عدالت میں گیا تو رجسٹرار نے
 جھجھکا کر کہا کہ وہ آپ پاکستان کے
 نہیں چلے جاتے۔ جب جو بیوی نے
 اپنا تعارف کرایا اور رجسٹرار کو ذات
 دیا تو رجسٹرار کو اپنی حقارت کا احساس
 ہوا۔
 ملک دشمن اور سماج دشمن جرائم
 کا انسداد کرنے کے لیے جہاں انتظام
 میں میراث و کار افراڑ ہوئے جاچکے ہیں
 سیاست والوں کو مہذب ہی تعجب اور
 رنگ و نظریہ سے کام نہیں لینا چاہیے۔
 مندر اور سید کے نام پر سیاسی
 و کمانچہ چمکانے والوں سے کوئی پوچھے
 کہ آپ اسمگلنگ کے حصدے اور
 عصمت فروشی کے خلاف کیوں آواز
 بلند نہیں کرتے؟ یہی ہمارا اردو کے
 لیے ہے کیوں باوجود جو کچھ ہو گیا
 اقلیتوں کو جسے ان کے مذہب کے
 سبب کیوں شکر کی گئی چوں سے
 دیکھتے ہیں۔

۵۵

ہماری زبان یکم اکتوبر ۱۹۸۳ء

سارا کام انگیزی میں ہوا تھا۔ انکو لکھنؤ والوں میں لکھنؤ کی ہزاروں قیمت تھی، سارے ضامن انگیزی میں پھرتے تھے۔ صرف اندو کا ایک کلینر زینٹن لکھنؤ ہوا کرتا تھا۔ روزی روزی سے اس وقت اردو کا رشتہ بڑے کام تھا۔ چھپتر اور پرہیز خانے چلے گا رشتہ بعد ازاں اس کی زندگی گزار رہے تھے۔ سرسید نے اسی وقت حلی کی ملاقات میں محمد بن علی کو ملک لایم کی ہزار ڈیڑھ فی لیکن اندو اس وقت جن ترقیوں کی منتظر تھے کہ کر رہا تھی آج کے ہندوستان میں اب وہ خواب و خیال ہو گئی ہیں۔

حالانکہ اس وقت کے اعتبار سے آج کے اندو کا روزی روزی سے زیادہ غور و زخم پیدا ہو چکا ہے آج کے لباس پر انسو بہا رہے ہیں کہ اردو صرف ایک ادبی زبان بن کر رہ گئی ہے جسے جہاں تک علوم کی خواہش میں ہی اس کی مقبولیت کا سوال ہے۔ یہ محض شکوہ اور نلکی کا زبان ہو گئی ہے۔ علمی اور فلسفی کن لوگوں کی جو تہمت آرازی سے بے بسی تھی آج اس کا کس پشتان نہیں ملتا۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ اس وقت کے اندو والوں کا اندوختہ خیالی دنیا دہانہ کو اپنے تشخص کی تک زندگی عذر دیتے تھے۔

انہیں اس کا یقین تھا کہ اگر اندو ختم ہو جائے گا تو اس ہی روز تو لکھنؤ کی تہمت عدائی شنائت سے ہی رست ہوا رہے گا۔ اردو کا دوری روزی سے رشتہ کیا ہوا بدھے والوں نے اردو کا لٹا لٹا کر اس کی ہزاروں کی آجیاری کے متعلق سامان رسائی پر غور نہ کر کے یہی غلطی کیا کر رہا ہے۔ اندر گزرتے آ رہے ہیں کہ ہمارا کس نے بڑے میں اس توں ہماری سب سے بڑا ضرورت یہ ہے کہ ہم اندو پر چڑھنے والوں کی اور ان پر چڑھنے والی تعداد کے ساتھ کیا کر سکتے ہیں جس سے ہمارا میل قدم یہ ہونا چاہیے کہ ہم اندو کو ختم کر دیں۔ اردو کو ختم کرنے کے بعد تعلیم کا زیادہ سے زیادہ سامان کونہ کی ملک میں ملے جائے۔ ملاری زمانہ میں لازمی ابتدائی تعلیم کا اہمیت ہے کسی کو انکار نہیں ہے، غرض ان اصول کی حکومت جو کبھی اردو کو لکھ کر سمجھ جاتے تھے اور نہیں آج کے ہندو کو لکھ کر سمجھنے سے روک دیا جائے، ہمارا بڑا ہی مسئلہ پرستہ اور راحتیں اس پر براہ راست ہے کہ اردو والوں کو صاف فریاد اور زبان میں ابتدائی لازمی تعلیم کا انہی کو کھرا جائے۔ اگر ہمارے بچے یہاں کہہ کر کہ ہم اپنی ابتدائی تعلیم اردو میں حاصل کرتے ہیں تو اندو سے ان کو ملنے ہوئے رشتے میں جان بڑھ جائے گی اور اندو سے ان کی وہی دنیا کی عقل پیدا ہو جائے گی جو آرازی سے پہلے ہمارا لکھو و امتیاز بنا ہوا تھا۔ جو کہ ہندی کو سرکار کی زبان تسلیم کر لیں گے اور نہ کہ وہ بلا عربیوں میں صرف کام چھوڑ دیں گے۔ لیکن ہندی سے واسطہ رکھے ہوئے ہمارے روزی روزی کا مسئلہ کسی طرح حل میں ہو سکتا۔ اس نے اردو کو زبردستی ہم کہہ سنا غرض ابتدائی تعلیم کے بعد ہی میں ہندی رسم الخط سے پوری آشنائی حاصل کر دینا ہی ضروری ہوگا۔ دوسرے سارے ضامن اردو میں پڑھ لکھ جائیں لیکن ایک عمومی ہندی کا بھی رہنا چاہئے۔ اس کے لئے اسلاف میں اندو کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ ایسے کہ ہندی کا اسکولوں میں لازمی غور ہو جائے جس سے اردو کو لکھ اساتذہ ہندی سے ہی واقف رہتے ہیں۔ اردو میں ہم پر لکھی اسکول کی تعلیم کی تباہی کی ذمہ داری اردو کو لکھ کر



اور نورانی کی علمی صلاح کے لئے اب اس کے توجہ پر کیجئے۔ اور میں جس کو اس کا علمی خدمت دیکھ رہا ہوں
اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اس کے لئے اور سوانہ اور اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
زندگی کے سب سے بڑے کاموں میں سے ایک ہے۔ اب اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
پر زور دیا ہے۔

ہمارے ملک میں تو یہی شخصیت کا مدنی ہی زندہ اور باطنی اظہار و انکشاف کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
چار گروہ اور بعض قدیم اور جدید زبانوں کے گروہ اور اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
ایسی صورت میں اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
الگ الگ گروہوں کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
شاید کہ یہ ضروری ہے۔ اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
پیش کردہ میں اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے

یہی ضروری ہے کہ اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے

اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے



آج اردو کے بنیادی مسائل کچھ تو ایسے ہیں جو حوصلہ افزائی کے پیلے سے
سہارے سائے موجود ہیں اور زیادہ تر آزادی کے بعد کی پہلا بار چلی اور اس مسئلہ میں سب
سے اہم نکتہ یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے اردو کے فروغ و ترقی اور تعلیمی خدمات کے
ادارے کے بنیاد کی بابت حکومت کے بیان کردہ معاہدہ اور عمل میں تعاد ہے اور
یہی تعاد موجود ہے پیچیدہ مسائل کی بنیاد ہے۔

حضرات! اردو متبادلوں، سچینار، سمیچیزم اور اردو، تعبیر و تالیف
کہ جب تک اردو منزلہ موجود ہے اور جب تک نئی دنیا ہے اور زندگی، تو اردو اور اردو
رہے گی۔ یہی طرز عملوں میں فرقہ خانی اور عیالوں خانی اور دیوبانڈی متبادلوں اور
مذاکرے کی حیثیت۔ بیرونی ہر چیز کا تو تک تک کے مترادف ہے۔

جانب والا! اردو کے تحفظ و ترقی کا مسئلہ دراصل بنیادی مسئلہ ہے۔
فرہنگ وراثت کا معاملہ بھی آج۔ پتوں پر چھڑکاؤ کا مسئلہ ہے اور جب تک
اردو کے تحفظ و ترقی کا بنیادی طور پر اور اسان نظام نہیں کیا جاتا۔ جس میں سرگرمی
میں گی۔ حکومت کا طرز عمل جو بالادو کے لابی فرہنگ وراثت کے اداروں کی سرگرمیاں
جلا وہ سب پتوں پر چھڑکاؤ کی غاشی سرگرمیاں ہیں جن کے پیچھے اردو کا
دروستی کے جذبے سے زیادہ کسی کو کسی طے غدا پرستی موجود ہے۔

آزادی کے بعد اردو کی جڑوں کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ اردو کی تباہی کے پیش
میں اردو کو سب سے زیادہ قابل تھکا کا سائے انعام دے دیں جنہوں نے جڑوں کی تباہی کے پیش
نظر میں کیا کہ اردو کے تحفظ و ترقی کے بنیادی مسائل ہیں اردو کی تعلیم کا مسئلہ سب سے
اہم ہے اور اس وقت اس کو حل کرنے کے لیے غلاب کیلئے جیو ایسٹیمینس پر ہی تکیہ کرنا ہے اور
کی تباہی کے ذریعہ صرف خط و کتابت پر ہی سرگرمی کیجی اور جو وجہ کہ ذریعہ تباہی
سلطے پر اردو کی آواز دہری زبان کے لابی عملوں کی حیثیت دلائل ہیں کیا یہی اصل
کئی جس کے سہارے تعبیر و تالیف کا عمل کی راہیں کھلی گئیں۔

بہر حال اردو کو سب سے زیادہ تھکا کا سائے اردو کے تحفظ و ترقی کے اردو کے فروغ
کے مسائل پر غور کرنے کے لفظیات مفہوم متبادلوں کے جس کے تحت ابتدائی تالیف

اور ابتدائی تالیف کے تعلیم کو اولیت دی گئی اور حکومت سے بھی سات مفہوم متبادلوں کے لئے
اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت دے جانے کا مطالبہ شروع کیا گیا اور اس مطالبے کو
مؤثر بنانے کے لئے اردو دوسری زبان دیکھ والوں کے دس اکوڑ وسط غلام کر کے صدر جمہوریہ

کے سامنے دستور منہ کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت ایک تحفظ نامہ کے ذریعہ انجن کے ایک دفعہ وفد نے ایسا مطالبہ رکھا اور مندرجہ تعویج کے لئے دستور کی دفعہ ۵۳۴ کے تحت بھی مندرجہ مطالبات کئے گئے۔ دوسری بات اردو دستوروں نے محسوس کیا کہ اردو تعلیم کی جڑ کاٹی جا رہی ہے اسلئے فہر کی کاموں کی طرف توجہ دیتے ہوئے سب سے پہلے ایوب اردو گرلس ہائی اسکول لمبنہ بنی قائم کیا گیا۔ بھیرنہرہ جو وہ اضلاع ہیں اردو تعلیم کے گرل اسکول اردو دستوروں کے تعاون سے مندرجہ کولے گئے۔ جبکہ ایوب اردو گرلس اسکول قائم شدہ ۱۹۶۳ء میں پہلے حاجت مہر کی ایک ہی گرلس اردو اسکول نہ تھا۔

اس طرح بہار میں آزادوی سے پہلے صرف سات اردو میڈیکم ہائی اسکول تھے لیکن اردو تحریک نے ہر تقریبی اور تعلیمی تبدیلی پر ہدایا کی جس کے نتیجے میں تقریباً آٹھ ہائی اسکولوں کا قیام عمل میں آیا۔ ان میں سے اکثر کو انگریزی حیثیت مل چکی ہے۔ اسی طرح آزادوی کے پہلے ایک کالج بھی اردو اقلیتی حیثیت کا نہ تھا اور اس وقت ان کی تعداد در در میں ہے کسی اور پر ہے۔

ابتدائی تعلیم کی سطح پر بھی اردو دستوروں کی کوششوں سے ابتدائی تعلیم کو بھی فروغ حاصل ہوا اور ۱۹۶۸ء میں حکومت مجبور ہوئی کہ ابتدائی اسکولوں میں جنسی برابری میں ان میں سے ۷ فی صد سے ۱۰ فی صد تک اردو اساتذہ کی بحال ہوں اس طرح ہزاروں شیجرس ٹیگ اسکولوں پر بھی ۱۰ فی صد تک داخلہ پناہ ضروری قرار پایا اور ۱۹۷۸ء میں تقریباً آٹھ سو اردو پرائمری اور ملک اسکولوں کو اقلیتی حیثیت دلائی گئی۔

اس سلسلہ میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ سناری اردو تحریک کا میاب وہی اور اردو تعلیم کے لئے جو کچھ چاہا وہ اردو تحریک کے دباؤ کا نتیجہ تھا۔ ہر غیر فوڈ وارنٹ سیکورٹڈ جھوٹی طور پر جیلان گئی، احتجاج، مظاہرے، جلے اور وغیرہ کو طریقہ کار بنایا گیا جس کے نتیجے میں ایک دہائی عرصہ بعد حکومت نے ۱۹۸۵ء میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت دینے پر مجبور ہوئی۔

اردو کے بنیادی کاموں میں جو نامہ اسادت اور کراٹ طبعی حال ہی ہے اس میں سرکار کی بددیہتی ہر دوروں ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے بلکہ خود اردو والے خصوصاً نام نہاد دانشوروں اور سیاسی افراد کے منہ اردو آبد بھی کسی نہ کسی طرح دھتہ دار ہے اور اس صورت حال کو ختم کرنے کے لئے آج جیسی نصوص فلسفوں کے بنیام کی ضرورت ہے۔



سید عہد کے بقول کسی قوم میں زوال اپنی کی طرح دے پاؤں آتا ہے اردو پر زوال بھی اسی طرح دے پاؤں آیا۔ اردو کے ساتھ ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ اس کی نسبت ایک ایسی قوم سے ہو گئی ہے جو زوال آقاہ اور زمان آندہ ہے احساس نندہ پر تو بھائی امید پیدا ہو جاتی ہے اور اگر احساس میں باقی ذریعہ تو زیست کی توجہ یا پوس کنی ہو جاتی ہے مگر ہے کہ اب اپنی زبان کا دری اور بڑھ چکی اس قوم کو کچھ احساس ہونے لگا ہے یہی احساس اپنی ستار گمشتہ کی باتیا بی کی نویسی ہے۔

گھر کو ناگ اکثر اپنے ہی گھر کے چرخ سے لگتی ہے، اردو کو آگ بھی اردو والوں سے لگی، اردو کو خسران اردو والوں ہی سے ہوا۔ حکومت وقت اور ہر شے سے لگا شکوہ کہیں کریں۔

مسئلہ اردو کے فروغ کا نہیں بس مسئلہ اردو کی بقا و تحفظ کا ہے اور ساتھ یہ ہے کہ

واسم پر جن کے رخ ہے اردو کے فلان کا شال ہیں ایسے لوگ بھی اردو پر آتشیں

سب سے پہلی ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو کو ایسے غائب ہاتھوں سے بچایا جائے جن کی چارہ گری سے اردو کا خون ہو رہا ہے۔ وہ شگفتہ و شیریں زبان اردو جو ہر زمانہ ہر عہد میں ہر وطن پر ہر کام کا تاج بن کر رہی آگے کا ہار بن کر رہی آج وہی زبان درد و جنگ رہی ہے، پامال ہو رہی ہے، جن گھروں میں کل تک اردو کے چراغ جلتے تھے، اردو کے شادیاں بے بیچے تھے، آج ان گھروں میں بھی اردو کی قدیل بج رہی۔ اردو کے نام پر اٹھ گئے۔ یہ صوبائی اکیڈمیاں، اعدا و ادارے، انجینئرز اور انجینئرس جو اپنے اپنے نام سے ہیں بند ہو کر اردو کی کھواہی کر رہی ہیں وہ اردو کو کون سی نئی صدی میں لے جا رہی ہیں۔

اردو کا آفتاب ابھی قویا نہیں ہے لیکن غیب جانے کا اندیشہ ہے اور ہر زمانے میں وہی ریت رہی ہے کہ نادیدہ جیتے سورج کی پوجا کرتا ہے غیب سے سونے کی نہیں مالا لکھ دیتا سورج میں غیب غیب کر گاتا ہے۔ یہ اردو کا آفتاب اگر غیب میں گیتا تو اردو دنیا میں اندھیرا صبحا جائے گا اور ہم اردو والوں نے اب تک کوئی ایسا چراغ بھی روشن نہیں کیا ہے کہ اس ظلمت شب کا خاتمہ کر سکیں، اعلیٰ ۷

چلتی ہوئی قوم پر ایک حال میں ضرورت ہے کہ چاندنی تو کبھی ہے کبھی نہیں پیارے

آج اردو وقت کی اس دہلیز پر کھڑی ہے کہ اس کے قدموں سے اس کی زمین پھینکی جا رہی ہے، اس کے ناموس پر ٹوکے ڈالے جا رہے ہیں اور اس کے خاتمہ خود کے سامان ہو رہے ہیں لیکن ہمارا اردو کام ہم بھرتے والے، اردو کی پانک لگنے والے ایک تماشائی بن کر نہ ملے گا قرض دیکھ رہے ہیں۔

اردو ہماری قدیم تہذیب و روایات کی آئینہ دار ہے، ہمارے دیرینہ اقدار، دیرینہ ثقافت کی پاسدار ہے، اردو ہماری شان ہماری پہچان ہے۔ اردو کی بقا کا راز مضمر ہے، اردو باقی نہ رہی تو ہمارا ثقافتی تشخص اور ہماری یادگار حسین تاریخ ہی مٹ کر رہ جائے گا۔ عقلمند وہ ہے جو شے سے قبل اپنی بقا کی فکر اور کوئی سامان کرنے۔

شہر شہر معمول بیلانے اور ناقوس پھونکنے سے اردو دنیا میں کبھی عمر نہ ہوگی۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اردو کا ایک سرکٹ مخالفہ شہروں کے فیصل سے کھل کر قریب قریب، قصبتہ، اردو کی اذال پرکارے اور گھر گھر حملہ اردو کی تبلیغ کیے اور غماز اردو بجالائے، ورنہ غماز اگر قضا ہوئی تو اردو کی شریعت میں اس کے ازالہ کے لیے کوئی قضا و کفارہ بھی نہیں۔

اردو کی جڑیں ابھی سوکھی نہیں ہیں، لیکن سوکھتی جا رہی ہیں۔ جڑ سوکھتی ہے تو پتے بھی سوکھ جاتے ہیں، شاخیں بھی سوکھ جاتی ہیں۔ صرف پتوں پہ چھڑ کاٹے پتیاں سرسبز نہیں ہوتیں جب تک کہ جڑیں تازہ دم نہ ہوں، جڑوں میں تناؤ کی ہو تو پتیاں سوکھ کر مٹی میں ادب ہو جاتی ہیں۔ تپوں پر پھوٹ کا ڈوٹو شبنم شانہ سے بھی ہوجاتی ہے لیکن شبنم کی رسائی جڑوں تک نہیں ہوتی، جڑوں اس مضامین سے محروم رہ جاتی ہیں، اس لیے ضرورت ہے پہلے جڑوں کی آبیاری کی جائے تاکہ جڑوں کا جو کرمی نئی نئی شاخ، نئے نئے پتے پھینکے اور پھل پھول اگائے۔ اور اگر آبپاشی کے ذریعے میسر نہ ہوں تو ان آنکھوں سے پانیا جائے جن میں آنسوؤں کا ایک سمندر منجمد ہے۔

اردو کی زمین ابھی باغور نہیں ہوئی ہے، پذیریت ابھی باقی ہے، صرف غم ہونے کی دیر ہے، یہ زمین نم ہو گئی تو اردو کے پودے خود بخود ہرے بھرے ہو جائیں گے، تنومند ہو جائیں گے ورنہ یہ سوکھ جائیں گے، مر جائیں گے۔

اردو کے بازار میں ایک نیافیشن یہ بھی آگیا ہے کہ ”اپنی دکان پر پیکاکچوان“ کے حوالہ سے پرندہ دشت سے مل ہو رہا ہے۔ مصنف دہ پی کے کتاب سونے چاندی کے بجائے بیچ رہا ہے، تاکہ دیکھنے والا بڑی قیمت دیکھ کر بڑا محو محو ہو۔

اقبال وغالب کے کلیات و دعاویں کی آج بھی وہ قیمت نہیں حوایا ہے غیرے کے مجموعہ کلام کی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑی قیمت والی معمولی کتاب بھی کتب خانے یا کتب فروش تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے، عوام تک نہیں پہنچتی۔ اردو کا وطن عالم کرنے کے لیے اردو کو کتابوں کا بجائو بھی کرنا ہو گا تاکہ پڑھنے، غریب و تو دگر شوق سے کتابیں خریدے اور

پڑھے۔ سستی جماعت کا بھی عمدہ نظم ہونا چاہیے خواہ حکومت کی سطح سے ہی یا پراپرٹیوٹ سطح سے۔

معنی اہل خدا اردو رسم خط بدل دینے کی بات کرتے ہیں، یہ تو اپنے خنجر سے آپ زخمی ہونے کی بات ہوگئی، جب رسم خط ہی نہ رہا تو زبان کہاں باقی رہے گی، — اور کوئی ٹیگڑو کی شیروانی تو نہیں جسے کا ندھا بدل بدل کر پہنا، آنا لا جلتے۔ اور اب تو اسی اول بدل سے ٹیگڑو کی شیروانی بھی کا ندھوں سے اتر گئی اور وہی شیروانی کوٹ اور تپکھن میں بدل گئی۔ یہی حشر اردو کا بھی ہوگا اگر اس کا رسم خط بدل گیا۔ ٹھیک ہی کہا ہے کسی نے۔
روم گرمان خرم کے نہ چاہیو خرمیک بلا سے پرین چاک بے زور کیسو
ہیں ایسے رومگر کی رومگری، ایسے بڑے کر کی بڑے گری، نہیں جا پئے جو شیروانی کی چاک پر پانچاے کا بخیہ نگاہے، اور شیروانی کا بخیہ ادھر کسے پانچاہ بنا دے۔

یہ صیغہ نہیں پیٹلے ہوئے ناقہ، مدارس اور کاتب نے بھی اردو کی خوب خوب خدمات انجام دینے میں طفول حوادث میں ہی ان چھوٹے بڑے مکتبوں، مدرسوں نے اردو کے دیپ جلنے میں اور اردو کا نام زندہ رکھا ہے، آج بھی اردو ان اداروں کے دم سے زندہ ہے، یہ ادب بات کہ تالوم وقت نے ان اداروں کو بھی خاصا غریب پہنچایا ہے۔ ایک دو وقت تھا کہ بڑے گھرانوں کے بچے بھی بنیادی اور ابتدائی تعلیم انہی درسگاہوں میں حاصل کرتے تھے، آج انگریزی تعلیم کے دلدلہ بڑے لوگ اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں بھیجا اور عربی فارسی اردو کی تعلیم دلانا کسر شان سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کو غریبوں کی زبان بن کر رہ گئی ہے اس لیے بھی غریب ہوتی رہا رہی ہے۔ صوبہ ہارس کے چپے چپے میں مدرسوں کا بحال پچھا ہوتا، لیکن حکومت کی تحویل میں آجانے کے سبب ان مدرسوں کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ ضرورت ہے کہ ان مدارس کی طرف بھی توجہ مبذول کی جائے اور نظام تعلیم، نصاب تعلیم میں تھوڑی اصلاح لاکر ان مدرسوں کو اردو کا گھر بنایا جائے اور انہی گھروں سے اردو کو گھر گھر عام کیا جائے۔ اردو والوں کے ذہن سے احساس کمزوری کا شمار آنا چاہئے، اردو کو اپنے گھروں میں جگہ دی جائے، وقت دی جائے تاکہ دوسرے بھی اردو کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں۔

اردو کو ہم نے پتے پتے پرانے، گلچے پتے کے طرح آنا دیکھا ہے۔ جب تک ہم اردو کو لباسِ جان بنا کر زیب تن نہیں کریں گے، اسے مٹا کر سے ہٹ کر معاشرے کی زبان نہیں بنائیں گے، اردو کی تعمیر و تحفظ کے لیے من من کی بازی نہیں لگائیں گے، اردو کو گھر ستر بنا کر اپنے گھروں میں نہیں سمائیں گے، اردو رسم خط کی پاسبانی اور پاسداری نہیں کریں گے، اردو نگاہوں کے سامنے دم توڑ دے گی اور اس وقت تک انہوں نے کواہیں کچھ اٹھائیں ہیگا۔
کرے جنہ صحت اردو اسی کی ہے زبان اردو وگرہ ہے زبان تم سے نہ ہے اردو زبان ہم سے



تیس سال بیت گئے۔ پورے تین جگ گزر گئے۔ یہ قصہ ہے جب کاکہ آتش جوان تھا۔ اس مدت میں تو نہ معلوم کتنے جوار اور بھائے آئے۔ گنگا میں کتنا پانی یہ گیا اس دوران میں کاکہ مینہ تھا۔ گری اپنے یوں پر تھی۔ پٹنہ میں لوہا چلی رہی تھی۔ بدین مجلس جاتا تھا۔ ۱۳/۱۵ جون ۱۹۵۱ء کو بہار کی راجدھانی پٹنہ کے قلعہ میں واقع انجمن اسلامیہ ہال کے باہر مال کے کمپس کا جنوبی میدان سبھا سبھا یا بقیہ نور بننا ہوا تھا۔ بہار یا آری اردو کانفرنس کا انعقاد ہو رہا تھا۔ حکومت بہار کے وزیر اعلیٰ انجمنی ڈاکٹر سری کرشن سنہا نے اس عظیم تاریخی ساز کانفرنس کا افتتاح فرمایا۔ صاحبہ رشوبہ اردو ٹی اگنہ مسلم یونیورسٹی پر وینس رشید احمد علی مرحوم نے اس کانفرنس کی صدارت کی تھی۔ اور پہلی بار اسی موقع پر اپنے عبدغنی صاحبہ صدارت میں دستور جمہوریہ ہند کی دفعہ ۳۴ کی رو سے اردو کو بہار کی علاقائی زبان بنانے جانے کا مطالبہ کرکے تھا۔ زیر تیرت عامہ بہار مرحوم عبدالقدیم انصاری اس شاندار کامیاب کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے چیئرمین تھے۔ انجمن ترقی اردو و ہند جس کا صدر دفتر تہ ملی گڑھ میں ہوا کرتا تھا اس کے پہلے جنرل سکریٹری قاضی عبدالغفار مرحوم کے فرستادہ نمائندہ خصوصی مرکزی انجمن مرحوم خیر پوروی رئیس نفیس بہہ وقت موجود تھے اور جب عبدالقدیم انصاری نے اپنے خطبہ استقبالیہ کا یہ جملہ پڑھا کہ مسٹر گونیاں آزاد ہندوستان کے سامنے ہنوز حل طلب ہے اور ملکی قومی برہنہ ترقی کیلئے ان کا حل ضروری ہے تو ہزاروں ہزار سامعین نے جو ہال کے احاطے کے باہر کے جنوبی میدان تک پھیلے ہوئے تھے مرض کی تشفی میں اور اس سوز کی تجویز یہ ہے سافوتہ نوچیں اور فری بلند کیا تھا۔ کانفرنس کے اجلاس پر اجلاس ہوتے رہے اور آخر دن آل انڈیا شاعر کی ایک ایسی یادگار مجلس برپائی گئی کہ شاید پہلو کی مجلس نہ بھی شب بھر ملتی رہے۔ ان دنوں نے فری اذان دے دی تب بھی جہتوں مقامی ریاستی قسطنطنیہ اور جناب پرونی شہر نے کراہ کا کام سننے سے سامعین محروم نہ گئے۔ کون باور کرے گا کہ مرحوم محمد انجمنی پٹنہ میں موجود تھے۔ جلد گاہ کے سو گز کے اندر تھے مگر ان کے گھر پہنچے۔ جس کی ان کی آنکھ ملی تو لوگوں کی ادھ کھلی آنکھوں نے انہیں دیدہ حیرت سے دیکھا اور کف انوس مل کر رہ گئے۔ اسی شام وہ قسطنطنیہ کی مجلس میں ایک انجمن ملام جو میں تھی اور اس کا نام بہار ریاستی انجمن ترقی اردو رکھا گیا۔ انتخابی عمل میں علیا۔ سواد محمد رفیع الرحمن مرحوم ام۔ ایل۔ اے۔ اس انجمن کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ یہ بہار کے وزیر اور جواں کامیوں پر بدظامت دھرم دیا گیا۔ ۱۵ جون ۱۹۵۱ء سے یہاں آزاد ہندوستان کی اردو تحریک کا آغاز ہو گیا۔ محالہ انڈیکٹ مرحوم، سہیل عظیم، بادی مرحوم، پروفیسر سید اختر سیدی مرحوم، ابوالا۔ احمد محمد نور مرحوم اس کانفرنس کے کنوینر تھے۔

روئے دہلی سرکری کردہ، میر جتھے بسے ایک میں ہی انھیں مل جلایا تک زندہ ہوا تھا، ہاں ہوں !

مقدور ہو تو خاک کے پلاچوں کا سہ ٹیم تو نے وہ گنج ہنگ گراں مایہ کیا کیے

انجن کی پہلی ٹرنگ کیٹی میں سرسید سلطان احمد باریٹ لاکھڑا کر سید محمود مرحوم، عبدالقیوم انصاری مرحوم، ابوالاحد محمد نور مرحوم، محمد یحییٰ ایدہ وکیٹ مرحوم، پیر ذہیر اختر دینی مرحوم، سہیل عظیم باری مرحوم، سید ریاست علی ندوی مرحوم، ابوالحیات چاند مرحوم کے علاوہ سید ظہار ام سابق ایم پی، سید سلطان احمد ایدہ شہزاد سید شاہ مشتاق احمد سابق ایم اے اے سید شاہ محمود رائے سابق ایم اے ایس حیاں عبدللاک سابق ایم اے ایس سی تھے سردار محمد لطیف الرحمن مرحوم صدر جے میں انجن کا پہلا چارلر سکریٹری بن گیا۔ حافظ منظور حسین سابق ایم اے ایس اے خازن مقرر ہوئے۔ مولانا تاج محمد علی گھانٹ سکریٹری نامزد کیے گئے۔ سید سہیل حسین اور سید سید اختر سکریٹری بنے۔ ایم اے جی برونہ حافظ شمس الدین شمس میری نائب صدر تھے۔ انھوں نے اور انجن کے نقاد و قیام میں عبدالقیوم انصاری کیس تھے فورسز مل صاحب کو انصاری صاحب سے اس وجہ قریب حاصل تھا کہ سید مجیب الرحمن سہیل علی عظیم آبادی کو واقف لوگ عوام برادری کا گھبراہٹ کرتے تھے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں انجن اور ایسا ہی انجن اور اردو تحریک سے تیز مل صاحب کی داینگی متعلق ساتھ اور نہ تہ بڑا بڑا نقد لوگ کہا کرتے تھے کہ انصاری میر خلیفہ کی نوک کھانہ فہم کے کوئی سہیل کی ہی سنواری ہوئی ہے۔ یوں تو سہیل اردو کے فہم نگار کی حیثیت سے ادب کے آسان بڑے بھرے گزشتہ سال قبل جب کہ بات میں کیا ہوں انہیں بہار کے ایک مقامی کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا تھا۔ بہار میں سب سے پہلا اردو روزنامہ ۱۹۲۰ء میں سید ظہیر جید مرحوم نے قیام سے قائم کیے۔ ہم سے جا ہی کیا۔ شریعت کے رسول میں اسی کی ناپولی تھی۔ یہ مسلم لیگ اور پاکستان کا صحابی تھا اگرچہ اپریل ۱۹۴۹ء میں عبدالقیوم انصاری کی نظر عنایت اور مولوی محمد اسحاق جہاں آبادی کی تکرر پکار بناؤ جو مولوی کی زندگی میں سے پہلی عظیم آبادی کی ادارت میں روزنامہ ساقی کا اجرا ہوا۔ یہ پہلے دن سے خوشنیت خیالات کا تعصب اور کانگریس کا کافی قہر۔ سہیل صاحب نے اپنے قلم سے خیر سلسلہ انجن اہلکار اور تحریک کی پرزور حمایت اور زوردار وکالت کی۔ دراصل یوں بھی سہیل صاحب علی سے مدد کی یہی گند ہے۔ اور جب بھی قدم رکھنا مایہ ناسانپا پڑا۔ چنانچہ یکم ستمبر ۱۹۵۹ء سے ساقی شہر حق کیست ولادت میں آئی۔ جون ۱۹۵۳ء تک اسی حیثیت میں چلتا رہا۔ ساقی جاری ہوتے ہی سرحد کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا۔ پھر بھی اٹھائی سال سے نہ کہ امت میں ساقی اور سہیل مقروض ہو گئے۔ دس ہزار روپے نقد سکہ رائج الوقت ادا کر کے میر نے ساقی خیر طر اور سید پوری رقم قرض بقایہ اور دین کی داینگی کی زندگی کی جگہ اس کے علاوہ بھی اسی روز دوسرے جتھے سہیل جہاں خیر طر علیہ علیہ تھے۔ ان دنوں سید صدر ذہیر آبادی کوں جو گزرتا تھا اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم اس انجن کے خالق تھے۔ انھوں نے انھیں ہمارے سب کا کیلے جو کہ تھے تھے تقسیم کے بعد جب انجن کا صدر دفتر دریائے گندول میں منتقل ہو چکا تھا اس پر نسا دیوں

سے ملنے کی خبر سے مولوی صاحب اتنے پریشان ہوئے کہ خود پاکستان منتقل ہو گئے۔ اگلے سال کے ساتھ انجن کے نائب صدر پندت برہمچرن ناتھ کی بھی یہ کہتے ہوئے کہ جہاں میری مدد ہے گی جہاں میرا مولوی ہے کہ وہاں میں بھی جا بسوں گا۔ مولوی صاحب کا طلسم تو شاید برسوں بعد ٹوٹا، کیسفی کے لیے تو پاکستان جنت نشاں میں سورج بانو کو ملک معظمہ تخت طے کا جھرم چمندوں میں ہی ٹوٹ گیا اور وہ اپنے وطن عزیز فرودس بردوسے زمین ہندستان ٹوٹ آئے۔ جیسے معلوم ہے کہ مولوی صاحب نے سہیل صاحب کو کہا کہ چلے چلو بلکہ کراچی پہنچ کر گئی صدا دی، اہلک بھائی بکر سہیل نے گئے۔ حالانکہ عبدالحق صاحب انہیں بہت مانتے تھے اور چھوٹا انگوٹھ میں اردو کے جلن اور رواج کا ایک منصوبہ انہوں نے تیار کیا تھا جس کی ذمہ داری سہیل صاحب کو بلا شرکت غیرے سونپ دی تھی۔ اس مرکز کا نام اردو مرکز پڑا۔ راجنی اس کا صدر دفتر قریب سہیل صاحب اس کے ملازمہ مقرر ہوئے اور ان کی رہائش گاہ اور دفتر کا نام پھولگر رکھ کر منصوبہ جمیئر و گائیڈ اس وقت جہاں مرکز کی انجن کی شان موجود تھی۔ چونکہ آزادی سے پہلے اورنگ بھگ تین سال بعد تک جہاں ایک صورت چنانچہ جہاں موہانی انجن ترقی اردو جہاں جلی رہا تھی لیڈی انیس امہر بومہ ایم ایل سی اس کی صدر تھیں۔ تاہمی محسود مرحوم اس کے جنرل سکریٹری تھے۔ جسٹس فیصل احمد اور تاحی عبدودود صاحبان اس کے ایم اے کان تھے۔ سہیل صاحب بھی اس انجن کے کن تھے مگر یہ انجن اس مہدی کے نصف پر جاں بلب تھی اور پھر انصاف صاحب سے ریل صاحب کا قرب تھا چنانچہ جہاں ریاستی انجن ترقی اردو کے قیام کے ساتھ ہی روز اول سے جی سہیل صاحب نے صوبائی انجن سے ملنے کی افتادہ کر لی۔ دستہ کے نفاذ کے بعد یہ صوبہ اسٹیٹ یا راست کہا جانے لگا اور صوبائی انجن سے امتیاز کی خاطر کوئی نئی انجن کا نام بہار ریاستی انجن ترقی اردو رکھا گیا۔ جہاں نو جبل رہے۔ سردار محمد لطیف الرحمن کے بعد مولوی محمد ایوب، پھر شالاحمد خان، پھر غلام سرور، پھر شادشاہ تاق احمد اور پھر غلام سرور ریاستی انجن کے صدر رہے۔ میں نے جنرل سکریٹری شپ سے سبکدوشی حاصل کی تو مولانا ایوب صاحب قیاس کے جنرل سکریٹری ہوئے۔ اس دوران فضل الرحمن سابق مرکزی وزیر نواب سیہ غنفر نواب دانش مخوندی قیام ایم پی، عبدالسمیع ندوی وزیر بہار، محمد حسین آزاد ایم ایل اے سابق وزیر بہار، عبدالغفور ایم ایل اے سابق وزیر اعلیٰ بہار، شکوہ احمد مرحوم سابق ناٹو، اسپیکر جہاں اسمبلی، غازی سید جعفر احمد مرحوم، شاد احمد خاں ایڈووکیٹ، کامر قیصر، مسعود بزرگ، عظیم جعفری، کامر جعفری، نافذ عظیم، کامر قیصر، علی شرف، ایس ایم شفیق، محبوب دھاری مرحوم، محمد طہار ایم پی مرحوم، چودھری محمد صلاح الدین وزیر بہار، وغیرہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۵ء تک کے پندرہ برسوں میں ریاستی انجن کے قائدین ہیں۔ یہ ہیں اول اس مدت میں دو قطعی ہم ہم سرور شکاری ہم اور مولوی سرکار کی زبان کا مصلیٰ بعد صد کی خدمت میں خوند و مسوندم، ابتدائی تعلیم ہم، تعلیم نسوان ہم، مجلس ہواہی، توبہ، مثبت تحریکیں، جتنی ہم اس مدت کی انجن اور اردو تحریک کے دختر کو دیکھ رہے ہیں کہ یہ عفوفا حق جری سید منظور احمد ٹاؤن مین احمد صبا اور وزیر سید عبدالغنی بالترتیب ۶۰-۵۹-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-



آپ نے یہ کہتے ہوئے کہ آپ پہلے جانے لکھنے نہ لپنے اور گردے سائے مسائے پر سوچا کرتے تھے اور اپنی سوچ کو پیچیدہ تحریروں میں قلمبند بھی کیا کرتے تھے اور علوم ہی ان تمام شاعروں کے مطالعہ میں اور ان کے لکھنے میں ابتدا وقت لگاتے تھے جو ان کے عصری سماج پر اثر انداز ہو رہے تھے اور دیرینہ کنگریس کے فاضل شکار نے یہ سیدھا سوال کیا ہے کہ آج ویساکہوں نہیں ہوتا میری ناچیز اور ناقص رائے میں اس سیدھے سوال کا سادہ جواب یہ ہے کہ آج اردو آبادی کے صفوں کے ممتاز مفکار اہل قلم، مفکر اور دانشور ایک نر وال پنڈیر سماج کی تمام علامتوں سے متصف ہیں۔ وائس الٹین اس DECADENT SOCIETY کے لکھنؤ نے بری طرح دلوچ رکھا ہے۔ اور ان کا ELITE اس جنرل منتر سے باہر نکلنے میں یکسر ناکام رہا ہے۔ بچہ لٹڈ اردو آبادی کا طبقہ عوام اس گورکھ دھندے سے نکل جانے کی بجائے کوشش کر رہا ہے اور بعید نہیں کہ وہ اس بھول بھلیاں سے نکل جائے نہ کامیاب بھی ہو جائے مگر پورے طور پر ایسی وقت ممکن ہے جب ہمارا موجودہ سیاسی ڈھانچہ کچھ بدل جائے۔ آئیے ہم سبیل کرنا FEUDAL SOCIAL ORDER کی تبدیلی کا انتظار کریں اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں عرض کریں کہ ————— دُنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

جہاں مترنہ کے لہذا دم برسرِ مطلب جیسا کہ میں نے ابتدائی سطحوں میں عرض کیا ہے۔ آج کے اس خصوصی سیشن کی خدمت میں اپنے نکات پیش کرتا ہوں۔ تفصیلات کے اسلئے پریز کر رہا ہوں کہ فٹنریج کو صفحات دستاویز سے آپ کے ذہن و دماغ کو بوجھل نہیں کرنا چاہتا۔ جس حرفِ اشاعت کے ساتھ جاکوئی گا اور کہتے ہیں کہ عقلمندوں کا انشاؤ کافی است۔ پس تحقیق کہ دانش مندوں کی اس سے زیادہ وسیع مجلس اور کون ہوگی۔

سب سے پہلے آپ کی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی دور کر دوں کہ ہمارا پلا اسٹیٹ ہے جہاں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے بلکہ ولایت و احترام عرض کر سکتی جسامت کر رہا ہوں کہ اس سے بہت پہلے ریاست شیکلور بھی ریاست آندھرا پردیش میں یہ ساتھ گزر چکا ہے۔ اس اعتبار سے ہمارا ملک کا تیسرا اسٹیٹ

ہے جس میں اردو کو یہ مقام ملا ہے۔

اس کے معالجہ دوسری بات بھی ساتھ ہی ساتھ عرض کر دوں گا۔ آزادی کے ۴۱ برسوں کے تجربے نے ہم پر واضح کر دیا ہے کہ ملک کی آبادی کے لیے عواماً اور زر دو آبادی کیلئے خصوصاً پہلا اور سیانی اور آخری مسئلہ تعلیم ہے۔ عام تعلیم، ابتدائی تعلیم۔ مجھے یہ کہنے دیجئے کہ اگر ہم نے خواندگی اور تعلیم ELEMENTARY EDUCATION کے مسئلہ کو حل نہ کیا اور اس کی پر قابو نہ پایا تو ہمارا مستقبل تاریک رہے گا۔

تیسری بات قانون اردو خصوصاً بہار آفیشیل لنگویجز ٹرینیم ایکٹ ۱۹۸۰ء کے تین بنیادی نکات کی نشان دہی ہے، اولاً قانون میں اردو زبان کا ذکر تو ہے مگر اس کے رسم خط کا سرے سے ذکر ہی نہیں۔ آپ ماہرین قانون بھی ہیں اور ماہرین لسانیات بھی۔ بھلا آپ کو یہ بتانا کہ زبان اور رسم خط کا ایک دوسرے کے ساتھ وہی تعلق ہوتا ہے جو جہد و روح کا ہوتا ہے، چھوڑنا ہے، بڑی بات نہ ہوگی۔ ۹

دوسرے یہ کہ ۳۷ سال سے مسلسل پوری ریاست کیلئے اپنا مطالبہ دہراتے آئے ہیں اور قانون اردو کے نفاذ کے ۷ سال بعد بھی اب تک آدھے بہار میں بھی اسے لاگو نہیں کیا گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ راجدھانی پٹنہ یعنی غلط جگہ بھی جسے لنگوئری اور بنگال کی کھڑی کا درجہ مل ہے اس مقام سے محروم ہے اور تیسرے یہ کہ ۳۷ سال سے جن مخصوص مقاصد کیلئے اردو کے اس مقام کا مطالبہ اور اس کے لیے جدوجہد ہوتی رہی ہے۔ ان میں اول رسوم اور رسوم کا تعلق صرف تعلیم سے ہے۔ ابتدائی تعلیم، ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم۔ مگر قانون سے تعلیم اسی طرح غائب ہے جیسے کبھی گدھے کے سر سے سینک غائب ہو گئی تھی۔

چوتھی بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ اردو تحریک کے جو کچھ سے متعلق ہے۔ اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ اردو تحریک کو خواص کی ڈیورٹی سے الگ کر کے عوامی بنانا ہوگا۔ خود اردو زبان لال قلع کی بجائے جامع مسجد کی میزبانیوں اور اردو بازار کی دکانوں میں گھنٹوں کے بل چل کر پروان چڑھی ہے اس کا دم نہ گھٹ جائے گا اگر اسے بالائے با مقصد محصور اور محسوس کر کے رکھ دیا جائے؟ اور یہ بھی نہ بھولنے کہ ٹھیک اسی طرح اردو تحریک کو غیر دوآبادی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ، اردن کے اشتراک، تعاون اور امداد کے سہلے آگے بڑھانا ہوگا۔ بہار میں ہمارے تجربے میں بھی یہ بات ابھر کر آئی ہے اور اردو کی جنم کنڈلی بھی اس تصویر سے جوڑ کھائی ہے۔ الغرض یہ کہ اردو تحریک کو قمر اردو سے نکال کر لنگی لگی، کوچہ کوچہ، گاؤں گاؤں، قریہ قریہ لے جانا ہوگا، تبھی اردو کے روشن مستقبل کی بشارت دی جا سکے گی۔

رنگ سے پائیں؟ • پہلے کہ جنہوں نے اس مسئلہ کو دوسری سرکاری زبان بنانا چاہا وہ کھلم کھلا اس کا فخر بہکھم وہ اپنی زبان کی بہانہ بن کر اسے اردو میں ہی خواہ اس سے کام میں نہ آجیے کہ نہیں۔ • اردو والوں کی یہ بات اس پر کونسا کہ جسے اس کے ہاں اس زبان کو کھنکھانے کا حکم نہیں دیا۔ اردو کو برا اور کونسا اس کا کام نہیں چاہیے۔

ڈاکٹر عبداللہ علی گڑھ

• گذشتہ سال، ہندی، ہندوستانی، اردو کے موضوع پر بریل ڈاکٹر جواد اس میں میں ہندی شاعری کے اوروں کو جو سے تعلق بعض اسی قدیم عربوں کا ذکر کیا تھا، جو فارسی اور اردو میں ہیں۔ ہندی کے جیسے خاتم بریل کو خود بھی، مستحق توجہ کے تھے۔ لیکن وہ کسی کی تھی۔

• ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اردو کے کچھ لوگوں ہندی میں جیسے میں، یہ حال میں جوئے معاملہ ہے لیکن اتنا شایانی آسان نہیں ہے۔

• قدیم ہندی کا بہت بڑا سرمایہ اردو خط میں ہے جسے ہندی کے دونوں نے اور جو اس کی اس میں شہر اسد کی مثال کا اظہار کیا تھا اسے انھوں نے لٹا اور اپنی زبان کا سرمایہ بنایا۔ وہ اردو خط میں ایک ایک حرف نصف کی صورت میں آ رہا ہے اور اس کی قدر کرتے ہیں۔ اس مقدمہ کیلئے وہ صرف اردو خط کی سطح میں کلمہ فارسی عزائم کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خاتمہ کا بڑا وقت اور ضروری لالچت جیسے حضرات نے جنہوں میں کتاؤں کو شائع کیا ہے لیکن اردو کے خاتمہ میں اس کے لائق و متناہیں سمجھتے۔ حد درجہ معاملہ بھی اس سے کہ اردو خط کی سطح میں ہے۔ یہ اردو والے منوں کے ترچھے سے دلچسپی نہیں رکھتے، ہندی والے اسے دلچسپی سے سمجھتے ہیں۔ اردو میں جو دشواریاں ہیں، ظاہر نہیں اور ہندی میں ہر قسم کی سہولتیں ہیں۔ وہاں والے درجے قدر سمجھنے کی سطح کا تعاون حاصل کرتا ہے۔ موجودہ صورت حال اگر مزید یہی کوئی تجربہ کرتے ہیں کہ وہ وقت دور نہیں جب اردو میں لکھنے والوں کا بھی کمال ہو جائے گا۔

• سید حامد نے بالکل صحیح کہا ہے کہ آج ہمارا وہ سکڑ رہا ہے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ہمارے بہت سے فاضل علم کو شہر لکھنے میں۔ درم خطوط ہی نہیں، اردو کے استادوں میں بھی ایسے

فکری جہت کم ہیں جو درم خطوط ہی نہیں اردو کی خطاطی غریبوں کو کسی صحیح طرز میں سکھانے کے لئے۔

• اردو کے ساتھ علوم کی دلچسپی مسلم، کھس، سہائی سے کون نہیں جانتا کہ اردو کی اصلاح کے خواہش مندوں میں کم سے کم ضرورت ہے کہ اردو میں خطاطی کی تعلیم کا سہارا اور وہ فارسی میں جاتا ہے۔ گزشتہ باب سے اس کے اثر جاری رہا اور اردو کو کس طرح سیرانی ہو سکتی ہے اسی کا اندازہ لگانا چاہیے۔

حاکم لکھنؤ کی چند سازشیں (۱۹۰۱ء)

• اردو کے سلسلہ میں کل فصل فروزی ہے کہ اس میں شکر فراداد یا بی بی خلد اور سراج سازش کو پرکھ کر بھی چار روزہ فروزہ راز پر اور ان کی تعجب کا جہان کو کھلے کہ بہادری اس کو نظر فرماتی بنیاد نہیں ہے۔ شکر اردو اور فیضی سنگی ہمیشہ ہیں لیکن جتنا ماحول اردو اور فیضی میں ہے شکر ہی دنیا کے زبان میں جو۔ یہاں اردو میں ان کی زبان ہے رنگین و بی بی ہے کہ اردو میں وہ سلمان دہلوی کے شکر کہ زبان ہے اس کو بھی ہے کہ تمام حق فیضی کے باوجود اردو کا اعتراف۔ بی بی جن روز افزوں ہے۔

● ایک کثیرتہذیبی اور کثیرلسانی سماج میں توہم کو منہ پر پاربان سے جوڑنا سارا ہی سازش و خبی، آزاد علم و دانش کی اس زبردست کڑم کڑا بھی باندھے۔ ۱۳۔ امداد کے بغیر ہندی امداد کے بغیر اردو کا کوئی تصور ممکن نہیں۔ اردو کی فارسی کے زیرِ تسلطی ذخیرے کو ہی بڑی حد تک بدل دیا ہے، آواز ہی بدل گئی ہے، الفاظ کو کسی بدل گئے اردو ہی امداد سے خارج کر کے اختصار کے لئے نئے نئے لفظ بھی تخلیق کر رہی ہیں۔ اردو کا کوئی کلمہ اس لفظ کی کیفیت سے خالی نہیں۔ اردو کی اس قربان کو عالم کو یہ کہہ امداد ایک ہندوستانی زبان ہے، وہ ہندو کا حلیف ہے، ہندو کی حریف نہیں۔ نہ اگر ہندی دیکھتا یا تو یہی حلقہ امداد کو مانگا تو یہی چاہتے ہیں براہِ راست ہندی زبان کی سبقت لے لی ہو رہی ہے، لیکن ہمیں یاد رہے زبان کو اردو رسم خط میں نزو رکھا ہے، امداد کو فارسی رسم خط میں پاک کیا بھی نہیں ہے۔ جس رسم خط میں ہندو کی فارسی آوازوں کا گانا اپنی گونگی ہو رہا جس میں چورہ لہری آواز کا اضافہ ہو گیا، وہ رسم خط ہی راہِ اپنا رسم خط ہے۔ سرائیکی، گجراتی، پنجابی کی طرح ہمیں بھی اپنے رسم خط کے ساتھ جیسے لافچہ ملے ہے۔ ● امداد کی سب سے پہلی ہی ہندی تعلیم کو منظم کرنا چاہئے، ● لسانی فارسیوں میں مراعات پر اصرار کرنا چاہئے امداد جہاں جہاں امداد کی تعلیم کا نظم نہیں رہا ان ایسے علاقوں میں بھی تعلیم کی شکل دینا چاہئے۔ تاکہ بچے اپنی امدادی اور فارسی زبان سے خود بہت پرور۔ ۱۴۔ امداد کے لئے کوثر داران سے یہ کیا کر رہے ہیں جسے جوڑنا چاہئے، اپنی مدد کو خون کا سلامہ مذہبی افسانے کی بجائے لسانی افسانے سے لے کرنا چاہئے، اس کے لیے ہی ذرا سی خطی سے اتفاق ہمارا ہے۔ ۱۵۔ بہا کی نوع پر اتہر پریش اور دوسرے عربوں میں عربی زبان کو سولہ لاکھ ایک لاکھ توہم ہونا چاہئے۔

۱۰۔ جہاں جہاں اردو تعلیم کا اٹھنا چاہیے یاد رہے

معاذ اللہ! یہ تو تم کی وجہ سے اس کا ہی اندیشہ ہو رہا تھا۔ دیکھ اپنے غلط فہمی کی کھلی کھلی گواہی اور خود پر ادا کی جا رہی ہے۔ وہ زبان بول کر کہتا ہے کہ اس ترک نہ کر رہی ہے کچھ نہیں ہو سکتی۔ یہ تو اپنی ہی زندگی کا سوال ہے جو کہنا لا بیاری سوال ہے اور اس کو اس طرح سمجھا کر بھی مٹا دیتے۔

ڈاکٹر کوئی چند نازک

حقیقت یہ کہ اندرونی طور پر اردو زبان کو شدید غلطو درستی ہے، بعد میں
 کسی ضرورت تو تھی اور اردو کی بہ حالت ہے کئی دوسری زبانوں کے لحاظ سے ہم زبان
 سے زیادہ کتنی زیادہ بعد میں ہندو سے ہمارا اثر ہے جو منکر ہے اس
 ملک میں جو، چند عوامی تنظیموں پر عوامی قدرتوں پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے میں اچھی
 زبان کی خدمت سوچنا بھی رہتا ہوں اور کچھ کام بھی کیا ہے، دوسری سے ہے
 دوسری میں کہیں ہمارا کرنا تھا، میں میرے درجے زبردستی میں بھی رہتا ہوں، شکر ہے
 اور سنہ ۱۹۶۱ء تک ہر ایک اور ملک خیال ہے چند ماہ میں سنہ
 کو جانتے تھے کہ جو ایک کو معلوم تھا، ہمارا جو عوامی اعتماد ہے ان کی بار بار بات کی ہیں خود
 اور خود کے لئے سے کچھ دیر دیر و تحفظ ایک اور کچھ تک ہمارے عمل میں
 کہیں نہ ایک کہ جس کے عوامی ضرورتوں کا لحاظ رکھا جائے۔ جس طرح میں نے
 کل اُن کے ضرور کی تھی کہ کس طرح میں نے ہے تیار میں بھی تھا جس میں بھی
 رہتا ہے میں بھی اور میں جس طرح ہر جگہ سے ہے اور کئی دینی کی سیر کی تھی
 تو اس طرح سے بھی کچھ نیکوئی کے عوامی رستے اسٹار ہو جاتے ہیں، انھیں کسی دوسرے
 ذہن میں کر دینا کہ جو ابوالفیق میرے کیا کہ ان نکات میں سے صرف میں تک۔ کہ میں
 توجہ دیا ہوں، اس لئے میں میں یہ بھی ضرور ہے کہ اگر کوئی بات ایسی
 آج ہے -

..... بلکہ وہ علم ہے جو بہت نازک تھا کہ میرا کرنا ہے

زبان ایک سماجی وسیعہ ہے، سماجی طاقتوں سے زندہ رہتا ہے

اگر سماجی طاقتوں کا کوئی نہ ہو تو سماجی نہ ہوں زبان تمام سماجی ہے آج قوم
 اسلام سے لے کر میں بھی کئی مذہب کئی فرقے کئی مذاہب میں کچھ دیر کے لئے
 اگر کوئی زبان میں قدم ہندوستان کے لئے میں نہیں کرتا، بالکل مختلف پڑھنے اور لکھنے کی

جناب برحق جن خان

اور دکن ہوں گا، اگر اسکرٹ میں بیٹا اگر تاجرانہ منہ ہے تو بیچا کہو کہ ہم بابت ہیں، اس میں ہمارا اور اس کی توجہ د
توجہ تو ہر جگہ ہے۔

ڈاکٹر حفیظ الرحمن

کھنٹا لکرا اور کی تعلیم لا فہم کر رہی ہے تو کی اور کی تعلیم عام ہر جگہ لگا ہے

جناب جناب مولوی

اور کی تعلیم کا نظم ہر جگہ تو دونوں منہ خطبہ اگر نہیں، تو کم از کم اس طرح کہ لوگ ضرور پڑھیں گے پڑھائی ہوگی۔

جناب شیخ امداد علی (پٹنہ)

ہیں یہ علم اگر لوگ سامنے اور کجی کے کر کشش کر لے۔ آواز کی کہ بعد غدی، ہندو ہندوستانی کا جو لغو تہارہ آج
ایں مغرب کو چکے ہے۔ ہندوستانی سراج میں اب الیہ برگ سمٹا کر رو گئے ہیں۔ اور زبان کی توجہ کیلئے الیہ تہارہ
تیار کرنے کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ غور و درودان، غفلت تک اس زبان کی توجہ نہیں ملے گی۔

ڈاکٹر اصفیٰ اختر (میرپور)

پچھلے برس ساری میں ہم جن خطوط پر عمل رہے ہیں کیا اس میں سے کسی کو لاسنا ہی ہے، اگر نہیں تو میں اپنے لئے لکھ کر مار
از سر نو کر کرنا ہوگا اور ہر جگہ عمل کرنا ہوگا۔ تعلیمی جماعت میں خاص توجہ انداز میں اور کثرت سے لگا کر کام کیا ہے
نہ توجہ نہیں ہے۔ ہندی زبان کو ہر جگہ اور ہر جگہ لکھا گیا ہے تو پڑھا ہے۔

جناب سید شمس علی گزنی

دانشور اور اکابر اور کمالیہ پر شبہ نہیں کرنا چاہئے۔ کچھ اعتراضات ایسے تھے جو نفس مغرب پر نہیں چکے تھے جن کو
پرستہ اندیشہ عقل کیلئے نوزائید نہیں تھے۔ مروجہ انگریزی زبان کے نظریے کی بڑی شدت سے مخالفت ہوئی تھی لیکن
ایک واقعہ نے نہایت کمزور پاکستان کی فکر بالکل صحیح بنی۔ کئی نئی بات آئی، باور کی نئی تصویر پیش ہو کر اس پر
ہمیں روپ چاہئے۔ کونسی غفیر کو کہانی جو ان لوگوں کے لئے کہنی بنو باقیں سے ماری ہو کر مسلم اور ہرگز کا کونسی
نہیں کرتے۔ یہاں مسجد کے اندر سے تہذیب نہیں۔ میں نے اپنے عقیدے میں جو میں سوال اٹھا ہے
وہ آج بھی اچانک مجھ میں اور جی کمال کیلئے دانشوروں کو متنبہ تھا اٹھا کی ضرورت ہے۔

جناب قیصر جم (پٹنہ)

اور تعلیم ہر جگہ سے لکھا گیا ہے تو پڑھا ہے تو نہ ایک اسکرٹ کا اضافہ ہر جگہ لگا۔

گزارش خزانہ (مترجم)

خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ خزانہ داروں نے یہ بھی بتایا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ نقد ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں کے اخراجات: خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔
 ۲۔ طبی اخراجات: خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔
 ۳۔ تعلیمی اخراجات: خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔
 ۴۔ دیگر اخراجات: خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

خزانہ داروں کی گزارشات

خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔
 ۱۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں کے اخراجات: خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔
 ۲۔ طبی اخراجات: خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔
 ۳۔ تعلیمی اخراجات: خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔
 ۴۔ دیگر اخراجات: خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

خزانہ داروں کی گزارشات

۱۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں کے اخراجات: خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔
 ۲۔ طبی اخراجات: خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔
 ۳۔ تعلیمی اخراجات: خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔
 ۴۔ دیگر اخراجات: خزانہ داروں نے گزشتہ سال کے دوران میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جناب شہزادہ رستم گوری

زبان کے مشعل پر تیار نہال کے دھوان ہم ہر گھم جھٹکتے پسندیدہ سے کام لینے کے لیے اکثر جذبات سے مغلوب ہوتے ہیں
 اندر زبان کے لیے نہیں اس عرصہ کے بعد ہی زندہ رہے گی لیکن اس میں کوئی عیب نہ ہے ان لوگوں کا نہیں جو اردو کے
 جان نثار ہیں شاعر کے لیے یہی بااثر ہے کہ روزی دلی فراہم کر رہی ہے۔ اردو زبان گری رسم الخط میں زندہ رہے گی
 اور یہ صرف غصہ کے سرسار ہی نہیں رہے گی، مکمل ہے زبان گری رسم الخط میں لکھی جائے گی اردو زبان کی طرف سے ہندی
 یا چندستانی کا نام نہ دیتے لیکن یہ بھی زبان کی جو پہلو گھول اور غلبہ میں بولی جاتی ہے اور جسے ہم اردو کہتے ہیں۔
 • اکثر اردو زبان کو زبان گری رسم الخط میں لکھنے کے خلاف ہے، لیکن ہندی زبان میں جدیدہ دلی کی کامیابی
 اردو کو زبان گری کا نام نہ دینا ضرور نہ کر رہا ہے، جسے وہ نہیں سمجھتے، بہتر یہی ہے کہ ہندی ہے۔ زبان کے بارے میں بہت سارے
 اور وہ جس نے نسل کشی کے مزاج کی مکاری کی ہے۔ کئی زبان میں قبول اس زبان کے بارے میں بتایا کہ اردو اور ہندی
 آپس میں ہے ہمارے ہر میں، روایتی طور پر اردو عربی الفونٹ میں ہے اردو ہندی لال میں ایسی ہی زبان قبول ہو رہی ہے اس کے لیے
 شہرہ مند ہے کہ اس بات میں حجاب ہے کہ اردو الفونٹ لکھنے سے زبان کو استعمال کرنے کا ہے۔ اس نے رجحان کے متعلق
 برا خیال ہے کہ اس میں رازش اور بدعتی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بہت کم ہی شمار ہر شخص کی طرف سے دلا رجحان ہے
 یہاں میں آ رہے ہیں آگے لیکن اسے تیزی سے دے اور اس کا نام نہ اٹھانے کیلئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ تمنا ہے جس طرح
 روزی رسم الخط میں اردو فونٹ چا کر کہ رہی ہے فونٹ زبان گری میں بنا کر فونٹ کی ضرورت ہے۔ کئی عرصہ میں فونٹ نے اپنی طرف کی ضرورت
 کا جذبہ سے اظہار کیا۔ ایسی فونٹ میں اہم ترین راہنمائی کا بہتر ہے، انہی زبان گری رسم الخط کے ذریعہ اردو لکھنے کا ایک
 نامہ ہی سہ ہے کیا ہے۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

اردو کا یہ ہے کہ اردو کو مختلف اداروں کے ذریعہ انجانی خیال کے متعلق خیال کی خامی میں مبتلا ہیں۔ فونٹ فروز اس امر کے
 کہ اردو کو مختلف اداروں کے ایک انجانی رابطہ پیدا کیا جائے۔ اردو کے لیے ایک اہم مسئلہ اردو ماہر کے انجانی کو جانچنے میں بہت کام ہے۔
 ڈاکٹر محمد حسین عظیمی

• انجانی عظیمی کا اختیاری سبب، عرصہ آتی ہے عرصوں میں • تعلیم کا ناقص سبب (انجانی جو اس میں ہے) • زبان کے
 طریقہ تعلیم میں اسے ترقی کا اثر نہیں۔ اس عرصوں میں ترقی کی خاطر ہندی امن کے حق پر نہیں اور دنیا کی شریعت پر نہیں۔
 • اردو میں اور انجانی ترقی اردو کے اردو کے بنیادی تعلیم کی طرف ترقی دینا۔ بہت کام ہے کہ ہے۔

ڈاکٹر رضی الدین احمد شریقی

• احمد کا تعلق سن کرکٹ سے، اردو کے دانشوروں سے کی گزرا سنے طاہرست دینی داس طرح کا احاطہ تعلیم کی بہ سبب شمالی اور کس میں تھی، یہ بھی طاہرست اور شہرہ المہمان کی بات ہے کہ سندھستان میں حاضرات کے علاوہ بھی بعض ایسے ادارے ہیں جو تحقیق اور ترقی کے لیے بہت کم تعلیمی کام انجام دے رہے ہیں۔ ان میں اردو ریسرچ کالج ٹرسٹ نہ ایک سمیت آخر شمالی کانٹن ہے اس وقت اردو کی ترقی اور ترقی کے سلسلے میں، ایک بہت بڑی کمی اردو کے اداروں میں باہمی رابطہ کی کمی ہے۔

• جامعہ کے علاوہ اردو ائمہ دین، انجمن ترقی اردو، ترقی اردو بورڈ، ادارہ تحقیقات اردو وغیرہ انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور الہیہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد میں کوئی باہمی رابطہ قائم نہیں ہے۔

• انجمن اساتذہ اردو، اردو اخبار اور رسائل پر سب اردو کے بہت اہم نامہ سے ہیں لیکن ان میں ایسی کوئی ایسا رابطہ اشتراک نہیں ہے کہ ایک دوسرے سے متعلقہ مسائل پر باہمی تعاون سے کوئی مضامین لکھے، کیا آپ کی یہ کاغذات اس طرف کوئی رہنمائی کر سکتی ہے؟

غالب اسلم پرویز، لاہور

- ۱۔ اردو طائرانہ ایسے محوں اور محوں کی اردو تعلیم پر خصوصی لکھ دے۔
- ۲۔ ابتدائی تعلیم سے اعلیٰ تعلیم تک مختلف شعبہ میں اردو میں پڑھائے جائیں۔
- ۳۔ اردو کے ساتھ ساتھ دوسری مثلاً فارسی زبانوں سے بھی اردو دان فلما و لغت حاصل کریں۔
- ۴۔ کامیابی بھی لکھانہ، کونسل، کمانڈ اور فوجوں پر تھے پھر جائیں۔
- ۵۔ استعماری لوگوں اور دانشوروں کی تحفہ کی دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی لکھی جائیں۔
- ۶۔ اردو طائرانہ کے اہم اخبار، اہل رسالہ ضرور خریدے۔
- ۷۔ اس کے علاوہ محفل میں پھر اردو کتابوں اور اخباروں کی خرید و بیک بھی ضرور کریں۔
- ۸۔ اردو میں سائنسی، ادبی، اور سیاسی مضامین کی اشاعت کو فروغ دیا جائے۔
- ۹۔ اردو سیکر اسکول کا تمام ماہانہ اور سیکر اسکول میں اردو کی تعلیم ضرور دیا جائے۔
- ۱۰۔ اردو زبان کے معاملہ میں کسی طرح کی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔
- ۱۱۔ اردو میں لکھنے کو نہ لینے کی کوشش نہ کی جائے۔

رضی الدین احمد: صرف اردو ایک ایسی زبان ہے جس کی اکادمیاں اتنی بہت ساری ریاستوں میں بنی ہیں۔ یہ فخر کی زبان کو حاصل نہیں۔

مسعود احمد برکاتی: تحفظ وترقی اردو کے مسائل اوردان کا حل، ائمہ اس موضوع پر حزب ایشیائی علاقائی سمینار ہوتا چھا ہوگا۔ تعلیم میں، عدالت میں، دفاتر میں اردو؛ کتابت، ٹائپ، طباعت و اشاعت میں دقتیں روز و رات، اصطلاحات کے مسائل، لغت فارسی کی مشکلات وغیرہ۔

اعجاز صاحب: تعلیم کا رواج کچھ ایسا رہا کہ صلی زبان، عوامی زبان سے کٹ گئی۔

اقبال انصاری صاحب: پاکستان میں بھی، ہمارے یہاں بھی، انگریزی کیوں چھائی ہوئی ہے، اردو کو ہم ملی زبان کیوں نہیں بناتے؟

قرۃ العین حیدر صاحبہ: اردو کے محاورے جنہیں ہندی میں استعمال کیا جانے لگا ہے، تانا شاہی جسے ہندی میں نادر شاہی کی جگہ استعمال کیا جانے لگا اب اردو والے بھی استعمال کرنے لگے (مزید مدعا = مدعا)

نواب شروانی صاحب: قارئین کے گرتے ہوئے معیار کا تجربہ بھی ضروری ہے۔

جمال عیدالواحد صاحب: اردو کی زبان کا مسئلہ ہے کہ معیار گر رہا ہے اردو کا المیہ یہ ہے کہ ہم سرکاری سہارا پر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔

عبدالسلام خاں صاحب: جب تک حکومت کی زبان نہیں بنے گی اس وقت تک ہندستان میں اردو کا مستقبل روشن نہیں۔ حیدر آباد والی کتابوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا اچھی کتابوں کے تراجم اس طرح نہیں ہو سکتے جہاں میر میں ترجمہ کے لیے ایک کتاب دی گئی، انہوں نے راپور کہ ایک لڑکا کو دیا، اگر اسی طرح ترجمے ہوتے رہے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

سید حامد صاحب: دارالترجمہ (حیدرآباد) کی بابت جناب عبدالسلام خاں صاحب نے نثر ثانی فرمائی، یہ تراجم چند نشیات کو چھڑ کر بڑی حد تک میاری تھے، سارے علوم (بشمول سائنس) کی تعلیم عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو میں ہوتی تھی، جناب سید ہاشم علی صاحب وائس چانسلر علیگڑھ اور جناب واسو دیون وائس چانسلر کالج یونیورسٹی نے ایم۔ اے میں سماج سائنس اردو میں پڑھی اور انہیں کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

پس گفتار

یہ ۱۹ء کی ایک تحریک کی نقل ہے جو قیادت کی تلاش نامی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اردو مسائل میں اور خود اردو والوں میں ابھی تک کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آ سکی ہے۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ اسے اس مجموعہ کے 'پس گفتار' کی حیثیت سے شال کر لیا جائے۔

— ع۔ ر۔ ب

بیٹھتے بیٹھتے ایک شعر پھر دوسرا پھر تیسرا، پوری غزل سنادی، پھر درق الٹ کے ایک نظم بھی کانوں میں اتار دی، اور اب پو پھنے لگے مطلب۔ میں نے کہا مونہڑ کا حقدار شاعر ہے میں نہیں؛ دوسرے دن اخبار یا رسالہ ہاتھ میں لیے آئے۔ اور یاد از بند پر پڑھنے لگے ”نسخہ قدیم“ بے مخطوطہ کے متن ”حاشی“ ۱۲۸۵ھ کی یکم شوال نہیں دوم رجب کو لکھے گئے۔ کاتب فقے چھوڑ گیا ہے۔ یہ دراصل نون نہیں تھاقا اور معلوم کیا کیا، پھر خاموشی سے میری طرف دیکھنے لگے۔ میں ان کے خاموشی تبصرہ کو خاموشی سے ہی گیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجھے ان سے سخت اختلاف تھا کچھ حقیقت پسند بھی ہونا چاہیے آدمی کو:

میں نے اس وقت کچھ نہیں کہا تھا، لیکن اب عزم کرتا ہوں کہ جب صورت حال ایسی ہو جیسی کہ آج ہے کہ مت کٹ کٹ جائے تو پھر کہنے اور کرنے کے لئے کچھ رہتا نہیں۔ اور ایسے وقت میں یہ ہرزمانہ میں ہوتا رہا ہے کہ یا تو لوگ جدیدیت کے نام پر شعور برائے خود کہنے لگے ہیں یا پھر تحقیق میں لگ جاتے ہیں۔ اور ایسی ہندی کی چندی کر ڈالتے ہیں کہ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی وہ انہیں لوگوں کے پورچ تھے جو ایسے حالات میں گھر کے اطمینان سے بیٹھے پچھلے ۴۲ گھنٹوں سے اسن پر بحث کر رہے تھے کہ ایک سوئی کی نوک پر کتنے ہزار فرشتے سما سکتے ہیں اور پھر پردہ گر کے اٹھا تو وہ یہ بحث کر رہے تھے کہ کنوئیں میں جو ہیا گر جائے تو ساٹھ ڈول نکالے

خان عبدالغفار خاں خدائی خدنگار کا جو شوشہ چھوڑ گئے تھے ہندوستان کے انسان دوستوں نے اسے ایک تحریک بنانے کیا۔ ادا اگست ۱۹۰۷ء میں ایک تنظیم بنانے کے باقاعدہ کام کرنا بھی طے پا گیا۔ لیکن آپ کو تعجب ہو گا کہ بادشاہ خاں کے سامنے بھی ادرا ب اگست کنونشن میں بھی کئی وقت کا ساتھ فی صدی حصہ اس نکتہ کو حل کرنے میں صرف کیا گیا اور اسی پر بیشتر تقاریر بھی جوتی رہیں کہ اس کا نام خدائی خدنگار کے بچائے کچھ اور کمیوں نہ رکھا جائے۔ وجہ صاف صاف بتانے کی کسی نے ہمت نہیں کی، اور جو وجہ بتائی گئیں وہ ممکنہ خیر زیادہ تھیں واقعی کم۔ واقعہ یہ ہے کہ وجہ صرف یہ تھی کہ یہ خالص اردو بلکہ اچھے خاصے مسلمان مذاہب تھے اور تصور یہی پیدا ہوتا تھا کہ اسلام علیکم اور نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی آوازیں آ رہی ہیں تقسیم کا زخمی دل ذرا اسی بات پر بھڑک اٹھا ہے۔ Humanism کا ہمدردی سے مطالعہ کرنے والوں کو اس پر حیرت بھی نہیں ہوتی۔ آزادی تقسیم ہو کے ملی ہے اور طیب جی کے بقول اردو دشمنی ہیں آپ کو چاہے کتنی ہی عجیب نہ ہو، لیکن عظیم تقسیم ہی کے سلسلے کی یہ ہوانہ کی مشق ہے کہ ہر شے تقسیم ہو، نہ بڑا، نہ چھوٹا!

تقسیم کے لیے آپ قطعاً ذمہ دار نہیں ہیں یہ آپ بجا طور سے دعوٰی کر سکتے ہیں، لیکن آپ نے اب تک اس کا سلی ثبوت نہیں دیا ہے کہ آپ تقسیم کے حق میں نہیں تھے مسئلہ زبان کا ہے ہی نہیں، مسئلہ تو اصلاً یہ ہے کہ آپ اپنے سلی ثبوت ہی سے بدلہ لے سکتے ہیں، ایک عرصہ پہلے گئے اردو دالے جب تک اپنے کو ہندوستان کی تقدیر اور تاریخ بنانے والا نہیں بتا رہے تھے اردو کو اس کا حق نہیں ملے گا، ان کا مقصد اس سے دور کا دباؤ تھا۔ میں اسی بات کو اس طرح کہتا ہوں کہ جب تک ہندوستان اردو والوں کو واقعی اپنا تقدیر ساز نہ سمجھنے لگ جائے اپنی اچھائی اور برائی کو

اُن سے وابستہ نہ سمجھنے لگے، اس وقت تک اردو کو اس کا حق نہیں ملے گا۔ اور اس کے لیے پھر عرض کر دوں کہ عملی ثبوت درکار ہے۔
 جب پرتاپ کا نریندر یہ لکھتا ہے کہ: "ایک آئندہ نرائن ملا کی اس سے لڑائی
 اس کا حقیقی روپ نہیں بدل سکتی۔ اور جب آپ اردو کے سرٹھکوں کا روپ دیکھتے
 ہیں تو ہر ایک کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو ان لوگوں کی زبان ہے جو دیش کی
 دھارا سے آگاہ و ہنسا رہتے ہیں تو ان پختہ انداز میں وہ پچھلے ۲۲ برس میں اردو کے
 فائنٹ کی جانے والی ساری سازشوں کو تہہ بہ تہہ کھول کے دکھ دیتا ہے، بخلاف اُد
 عناد کی جڑ کہاں ہے!

۴

ذرا آہستہ سے پلی کاروان کیفیت مہستی کو
 کہ سطح ذہن انداز سخت نہ ہو رہے ساقی

اسباب جو کچھ بھی ہو۔۔۔ اور کیا وہ ضروری نہیں ہیں۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ
 برادرانِ دہن نے ہندو کو ڈبل میں، اس سے پہلے برہمن سماج کی تشکیل میں، اور اس سے
 بھی پہلے مکھنچند اور جنتی کے ذریعہ اسلام کے بنیادی اصولوں، توحید، مساوات اور
 عدل کو اپنانے کے بعد بھی اُسے اسلام نہیں کہا، بلکہ آزادی کے بعد اسلام کے لیے ہندو
 مذہب کے مقابل میں پسماندہ کا لفظ اتنی بار دوہرایا گیا کہ اب یہ لفظ اس
 مذہب کے نام کا ہندو سامعین کو لگا رہا ہے۔

اردو و شاعری کی تعریفیں کرتے بھائی لوگوں کے گلے خشک ہونے لگتے ہیں۔
 غالب کو جھوم جھوم کے پڑھتے ہیں۔ پارلیمنٹ مک میں اردو غزل کے شعر دہل کے طور
 سے پڑھنے سے نہیں چمکتے۔ پرتاپ اور ملاپ اردو میں نکالتے ہیں غزلوں میں اردو سننے
 ہیں اگرچہ ہندی کے نام سے باتیں اردو میں کرتے ہیں۔ ٹیپھیے اور پدھاریے کی جگہ تشریف

رکھتے کہہ کر اپنے اور پرخور ماحسوس کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اردو سماج اردو کے لیے اس کا اصول حق مانگتا ہے تو رائجی کا قتل غام ہو جاتا ہے گیا کی ادولابری را کہ کا ڈیفیر نادی جاتی ہے۔ اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسی ہے اور یہ کیا ہے کہ بقول آل احمد سرور، حکومت کی طرف سے سرکلر پر سرکلر جاری ہوں لیکن عمل ہفتہ کا صفر ہے !

بات اکثر مسئلوں کی طرح وہیں جا کے روکے گی کہ ہم ابھی تک ڈیما کریٹک سیکولرزم (Secularism) کو سیکولر ڈیما کریٹک سمجھتی کرتے ہیں۔ اس کا عزم ہے کہ شعوری طور سے اور اجتماعی طور سے کمر بستہ ہونے کی طاقت پیدا نہیں کر پائے ہیں جس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ ہم واضح طور پر اسے سمجھ لیں کہ ڈیما کریٹک سیکولرزم کیا چیز ہوتی ہے؟ اور کیوں ہوتی ہے؟ اور یہ سیکولر ڈیما کریٹک کیا ہوتی ہے۔ اور کب ہوتی ہے؟ کیسے ہوتی ہے؟

۵

اردو اس ملک کی سرکاری زبان ہے جس سے ایک بار محفل اور ایک بار مفصل جنگ ہو چکی ہے؛ اور جس سے بالآخر ایک آخری معرکہ ہونا باقی ہے۔ اردو ایک ایسے رسم الخط میں لکھی جاتی ہے جس میں اس مذہب کی مقدس کتاب یعنی بڑھی اور چھاپی جاتی ہے جس کے نام پر تبرصیر کے دو قلم لکھتے آئے ہیں۔

اردو اس کمیونٹی سے غالباً ۹۰ فی صدی وابستہ ہے جو برہمن ہندوستان میں ہے، عاشق پاکستان سے کرتی ہے، مسجد سعودی عرب کی سمت کرتی ہے، جان دینے کے لیے ہماز فلسطین کو جیتی ہے، اور چار چار بیویاں کر کے اور منصوبہ بندی کو رد کر کے اپنی آبادی میں افزونی کئے جاتی ہے تاکہ ایک بار

پھر اس ملک کو بانٹے !!!

(یہ سب باتیں اپنی جگہ پر کہ اسی زبان میں گیت کے ۴۲ ایڈیشن موجود ہیں) کہ اردو ہندو مسلم اتحاد کی یادگار ہے، کہ اس میں اب بھی مسکینوں ہندو لکھتے ہیں، ہزاروں پڑھتے بھی ہیں، کہ پرتاپ مہلا جیسے کثیر الاشاعت اخبار اور جمع و بیسویں صدی جیسے عامی دعوائی پرچے اسی زبان میں چھپے ہیں (سیکن !!)

واقعہ تو یوں ہی ہے کہ یہاں فراق، بیدی، کرشن، جگن ناتھ، بالکنڈ، نچورام، بشیشور، پرشاد، گوپی چند، نریندر، رام لعل، رنبیر، یامزید دس میں ناموں کا اضافہ کر کے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔

فرق اس سے پڑتا ہے کہ رنبیر یا نارنگ کا بچہ اردو نہیں پڑھتا، لیوں علی اشرف کے بچے بھی اردو نہیں جانتے، لیکن، کہنا یہ ہے کہ ایسے ہندو اردو دوست بچہ چلی نسل سے یا بچہ چلی نسل سے قفلن رکھتے ہیں اور اب آگے یہ نمونے پیدا ہونے بند ہو چکے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو سے جذباتی وابستگی صرف مسلمانوں کی ہے یا پھر بچہ چلی نسل کے چند سر پھرے ہندوؤں کی جنہیں بآسانی آنریری مسلمان کی مد میں گن جاسکتا ہے۔ سدم آئند کے بقول یہ بوڑھوں یا ادھیڑ عمر والوں تک محدود زبان ہو کے رہ گئی ہے۔

صورتِ حال یہ ہے کہ نام کے طور سے اردو ہندستان کی تقریباً ایک تہائی یونیورسٹیوں میں موجود ہے لیکن وہاں جس طرح چل رہی ہے، یا چلائی جا رہی ہے جس طرح اس میں داخلے کے بہلاوے پھسلاوے رکھے جاتے ہیں وہ سب پر عیان ہے۔ اس کے باوجود طلباء میں اکاؤنٹ بھلے ہی کوئی قسمت کا مارا

آنریری مسلم پینس جائے درد نئی نسل میں یہاں داخلہ لینے والے صرف مسلمان ہی ہوتے ہیں، اور یہی 'العلوم' وہ جنہیں کسی دوسرے مضمون نے درخور اعتنا نہیں جانا ہوتا پاس کر کے جب یہ درسگاہوں سے نکلنے ہیں تو یا تو پاکستان کا رخ کرتے ہیں۔ یا جانے کی پلاننگ کرتے رہتے ہیں؛ یا پھر کمیونسٹ، مجلسی، جماعتی، یا تبلیغی بن جاتے ہیں۔ دل پانچ فیصدی ایسے ہوتے ہیں جو جاتے، چلی گئے، سوویت سفارت خانہ اور ایل انڈیا ریڈیو میں کھپ جاتے ہیں؛ اور گلتے سب کا مسئلہ حل ہو گیا۔

صورت حال یہ ہے کہ مسلمان اردو اخبار و رسائل (جماعتی اخبار و رسائل) کو چھوڑ کے کہ وہ لوگ اس گھر کو مانتے ہیں کہ خطرات انی باجماعت یا رہائش محذوہ گرتی پڑتی اشاعت ہے آگے نہیں بڑھتے، اکثر نکل کے بند ہو جاتے ہیں۔ بڑے سے بڑا رسالہ (جماعتی رسائل کو چھوڑ کے) ہزار آٹھ سو سے آگے نہیں بڑھتا۔ بڑے سے بڑا اخبار ڈھائی تین ہزار کو اپنی معراج سمجھتا ہے کوئی کتاب (جب تک کہ وہ ناول یا تبلیغ نہیں) سال بھر میں ڈیڑھ دو سو سے زیادہ نہیں نکلتی۔ ہزار کا ایڈیشن چھاپنا علمی کتابوں کے لیے بالعموم سادہ لوحی خیال کیا جاتا ہے۔ اردو کے ایک زمانہ میں مشہور پبلشر ایک ایک کہ کے دم توڑ چکے ہیں اور جو قائم ہیں وہ کھوکھلے ہو چکے ہیں؛ آج کسی اچھی کتاب کو کوئی پبلشر محض اچھی کتاب ہونے کے ناطے قبول نہیں کرتا جب تک اس پر کوئی دباؤ نہ پڑے یا پھر دباؤ نہ دی جائے،

ترقی پسندوں کا بڑا حلقہ اردو کو تحریک کی حیثیت سے چلانے میں شامل نہیں ہے، بلکہ نہ چلائے جانے والوں کے ساتھ ہے۔ ایک حلقہ ہندی رسم الخط کا قائل ہو چکا ہے؛ اور بقیہ الیکشن اور ووٹ کے چکر میں پارٹی مینی فیسٹو کے طور سے خواہی نہ خواہی اس کو لگانے رکھ رہا ہے، اندلس۔

ہندستان میں ایک ریاست ہے جہاں کے باشندوں کی بولی کچھ اور ہے لیکن جہاں سکراری زبان اسے مان لیا گیا ہے، اس وجہ سے اردو کو دہلی کے کشمیر میں کچھ نہ کچھ بڑھاوا ملتا رہتا ہے لیکن وہ ریاست جس حیثیت اور نوعیت کے ساتھ چل رہی ہے اس میں اردو سلسلہ بھی کچھ زیادہ متعین اور واضح نہیں ہے۔ پھر کشمیر میں اردو کی عوامی بنیادیں تو بہر حال ہواہی میں ہیں۔

ایک سلسلہ اور ہے جہاں کشمیر کے اسکولوں کی مانند اردو قائم بھی ہے پھیل بھی رہی ہے اندر اس کی عوامی بنیادیں بھی ہیں۔ یہ قدیم دینی مدارس کا سلسلہ ہے جو یوں تو پورے ہندستان میں پھیلا ہوا ہے لیکن یوپی کے مشرقی اضلاع میں حال ہی میں مزید پھیلاؤ شروع ہوا ہے جہاں دینی تعلیمی کونسل نے دینی مدارس کا ایک حالی بچھا دیا ہے۔ لیکن یہ سلسلہ تعلیم ایک خاص طبقہ کے لیے ہوتا ہے، عامل ذوال اور مالک و قوم کا قابل لحاظ حصہ اس میں شامل نہیں ہوا کرتا، یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے۔

دوسری طرف جامعہ اردو کے امتحانات کے ذریعہ کچھ نہ کچھ لوگ اردو زبان و ادب سے وابستہ ہوتے رہتے ہیں لیکن ایک تو ٹھہیر الدین غلڑی مرحوم کے بعد سے اسکے سنیالکوں میں وہ مشن کا جوش و خروش نہیں رہا، دوسرے ان امتحانات کے ذریعہ محض ایک رُخا اور محدود فائدہ ہونے کے سبب لوگوں کی توجہ اور صرت کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس لیے یہ بیسٹ بھی بہت دور تک یا بہت دیر تک اردو کے لیے حشرِ حیات نہ بن سکے گا۔

۶

مسئلہ یہ ہے کہ ہم صورت حال جیسی کہ وہ ہے اسے قبول کر کے آگے بڑھیں یا ہوا میں رہ کے بات کریں ہوا میں بات کرنے کا ایک انداز وہ ہے جو مسلم مجلس جیسی

جماعتوں نے اپنا پیسہ کم لیکشٹن اور دوٹ۔

دوسرا انداز اردو کے پیشرو ادیبوں کا ہے کہ اردو کا سوال سیکولرزم کو بچانے کا سوال ہے۔ لغزہ اچھا ہے خوب صورت ہے، ایلی بھی ہے لیکن کوئی لپچو بکتا ہے کہ میرے بھائی سیکولرزم جمہوریت میں شعبہ اردو پرمانڈلے گا یا جمہوریت پرمانڈلے اور جمہوریت میں جمہور جو چاہیں گے وہ ہوگا یا جو اردو والے چاہیں گے وہ! میری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ ہر ایسی بات کو شکست خوردہ ذہنیت کہہ دینا آسان ہے اس سے آدمی سوچنے سمجھنے کی ضروریوں سے بچ نکل بھاگتا ہے، لیکن جس کے لیے:

موت بھی مانگی کا وقعہ ہو۔ یعنی آگے چلیں گے دم لے کر۔ وہ زندگی کی عارضی موت *transience* سے فنکست کیا کھائے مگر لیکن یہ ضرور ہے کہ ماندگی و فنا اور دم لینے کی اجیت کو پاتا ہوں اور یہ بھی کہ زندہ بھرنے اور پھر ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنے سے بہتر ہے کہ مرحلہ وار چلتے چلا جائے اور کبھی بھی اٹھ کرے مرحلہ شون نہ ہوئے، ہر لحظہ نیا طور نئی برزخ تھی!

۵ سرکاری زبان یا علاقائی زبان بنانے کے لیے کوئی بھی تحریر یک دس سال تک نہ چٹائی جائے۔

۵۵ جہاں جہاں جو مراعات ہیں انھیں Consolidate کیا جائے۔
۵۵۰ کسی مرکزی جگہ مثلاً دہلی میں، کوئی ایک ادبی تنظیم ریڈیو گورنمنٹی سٹیٹ تعلیمی اداروں کی، سپورٹیں، یونیورسٹیوں کی گرانٹ، اردو ترجمے کی گرانٹ، فالڈ گرانٹ، اور یونیورسٹی اور دیگر گرانٹ وغیرہ کے سلسلہ میں ایک مرکزی انٹرمین سٹریکٹس کی صورت اختیار کرے۔

۵۵۵۵ ایک علمی منصوبہ بنایا جائے تاکہ اردو اور جہالت ہم معنی ہونے سے بچ جائیں
۵۵۵۵ اپنے طور سے اردو تعلیم کے لیے، بغیر حکومت یا براداران وطن کو لپسٹیل
کیے ہوئے، نجی سطح پر جو کچھ بھی کر سکتے ہوں کریں۔ کچھ نہیں تو کم سے کم اپنے
بچوں کو یہی سکھانے کے لیے وقت نکالیں۔

آخری بات اور:

تہذیبوں پر جب بغیری وقت پڑے تو میرے نزدیک نقطہ ہائے نظر کے
اختلاف کو اور وسیع تر کرنے کے بجائے ان میں تالی میل لانا زیادہ ضروری ہوتا ہے
جو چراغ یونانی اندھیوں کی زد میں ہوا اُسے آپس میں کف در دہن انداز گفتار
اختیار کر کے ایک دوسرے کی بھونکوں سے اور جلدی بھجانے کی کوشش کر کے
قلموں میں کیوں نام لکھواتے ہو دوستو!

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اردو کے لیے ہندی رسم الخط کے حامی، اردو
رسم الخط کے حامی، اور فارسی رسم الخط کے حامی کچھ نہ کچھ مشترک باتوں پر اتفاق کر کے
اپنے اپنے انداز فکر کے مطابق پلاننگ کے ساتھ اردو کے مستقبل کو سنوارنے میں
لگ جھکیں!

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کے اختیار کردہ طریق کار
اور اس سے خالص نکتہ چینیوں کے مجوزہ طریق کار میں تالی میل ہو سکے۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ادبی سطح پر حکومت کی سرپرستی سے تراجم کا جو سلسلہ
جھڑا: دھبی پٹا ہے۔ لیکن اس کو محض بے بنیاد اسکیم بننے سے بچانے کے لیے
کسی ادارہ مثلاً جامعہ ملیہ کی نگرانی میں پچھلے کے لیے نفاذ کے لٹرچر کا ایک
سلسلہ دیا گیا جائے اور اس پر ایک معقول رقم صرف کی جائے؛ اسکیم سازوں
سے یہ بھی کہا جائے کہ یہ دیادلی کتابیں لکھا سکتی ہے لیکن ان کن بول کو چڑھنے والے تو

نہ پیدائش کے لیے اردو بھون اس کے حکم یا کروری مل ترجمہ اسکیم اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک پڑ
جس کی جڑ کو آپ اندر سے کھوکھلا کر چکے ہیں اس کی جڑوں کو پانی دینے کے لیے آپ نے
دبستی سفر کر دیتے ہیں۔ یا جیسے بچانسی کی سزا تو مجرم کو سنا ہی دی ہے اب
آخری ٹھیکہ دل تو خوش کر ہی دیا جائے۔ بکری یا مرغی کو کبھی حلال کرنے سے پہلے
خوب کھلا پلا دیتے ہیں۔ یہ کار فرما اب سمجھا جاتا ہے

ظہر بٹہر کہ بہت دلکش ہے یہ منظر
ذرا میں دیکھ تو لوں تابناکی شمشیر

اور بالآخر مختصر، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ رومن اور ہندی رسم الخط
کے حامی ترکوں کے انداز پر اردو کا بہترین حصہ ان خطوں میں منتقل کرنے پر
لگ جائیں۔ اور باقی لگ جو موجودہ رسم الخط کو اس کی ذلیت کا ضامن سمجھتے
ہیں۔ اردو زبان میں کچھ انکار و خیالات لانے کی کوشش کریں تاکہ ذہنوں میں کچھ
پہل تو ہو، بات محض شعر سخن فلسفے کچھ آگے تو بڑھے جس سے اردو کا قدر
اتنا بلند ہو جائے کہ غالب اور اقبال فیض اور فران کی طرح لوگ نئی اردو دل کو بھی
اس لیے تابی سے پڑھنے کے لیے بے چین ہوں۔ آزادی کے بعد اردو میں دانشوری
کی روایت سر جھانڈ منہ پہاڑ کھڑی منتظر ہے کہ اس کی ترمیم دلائل کے لیے کہیں سے
تو کوئی پیش قدمی ہو اور یہاں تو ایک ٹوک کا عالم ہے: اکثر اے سناٹا آوارہ بھینس کی
آخر مجھے اردو پر اصرار کیوں ہے کیا محض اس لیے کہ ہندی کی منہ منظور رہے؟

یا اس میں کچھ اسلام زندہ باد ہوتا ہے؟ یا علمدگی پسندی کو مدد ملتی ہے؟ مجھے اصرار
اس لیے ہے کہ مجھے اُس پورے ورثہ پر ناز ہے جو ہندو اسلامی تہذیب کیلپا تا ہے جس
میں تنازع محض بھی ہے۔ خیال بھی، کبیر اور نانک بھی، اردو اور علی گڑھ بھی۔ اردو

اسی ہندو اسلامی تہذیب کا ایک رخ ہے جس کی صورت میں آنے والوں نے اپنے نئے وطن کے اشیائی صدی الفاظ لے لیے اور یہاں کے ساتھ مغربی ایشیائی آوازوں کے اخبار کے لیے ان کا رسم الخط لے لیا اور اس طرح ایک نئی زبان بنائی۔

یہ ہندی اسلامی کلچر بنیادی طور سے فنی کلچر تھا اس لیے اس زبان میں پوری شہرت در آئی اور ہوتے ہوتے یہ بقول فرائی ماڈرن انڈیا یا نئے ہندستان کی زبان بن گئی۔ اسی لیے اس زبان کے تحفظ پر امریکہ کا طلب ہے قدیم کے مقابلہ پر جدید کو ترجیح، اور جدید ہندستان کے لیے غیر مشروط و ناداری۔

یہ صیح ہے کہ میں اس کے لیے سینہ سپر اس لیے بھی ہوں کہ یہ میری جینس کے اظہار کا ذریعہ بنی ہے، بہتوں کے اظہار کا تنہا وسیلہ ہے، اور اس لیے بھی جمہوریت میں اس کی بقا اہم ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی شخصیت کی تکمیل کر سکے، اپنے ذہنی قیام کو پائے اور قومی تعمیر کے کاحول میں دل لگا کر شریک ہو سکے۔

اور پھر میں یہ کیسے بھولی سکتا ہوں کہ یہ کشمیری پنڈتوں، کاسیٹھوں اور مغل بلیٹ کے عیسائیوں کی زبان رہی ہے اور غیر منقسم پنجاب کی بھی اس کی آبیاری میں پریم چند رتن ناتھ، بشار پٹت دیانند، اودھ اندرام، مخلص کی چارنلیں، کبھی پھلی ڈھائی صدیوں کے اندر گزری ہیں اور ایک نسل کے روشن اور بیدی کی نسل ہمارے سامنے گزری ہے۔ ایک عظیم تہذیبی ورثہ کو ادب کے ایک پورے ذخیرے کو ہم گڑگا کی لہروں کی نذر کیسے کر دیں جبکہ یہ ملک و قوم سے بھی خداری ہوگی۔

تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ اردو دن بدن مسلمانوں سے وابستہ ہوتی جا رہی ہے کہ کچھ دن میں سچ محج مسلمانوں ہی کی زبان ہو کے رہ جائے گی۔ ابھی یہ پورے ہندستان کے مسلمانوں کی تقریباً ۱۲۰ تعداد کی بولی جانے والی زبان ہے لیکن بقیہ کبھی جو اسے پوری طرح سمجھے بھی نہیں بڑی تعداد میں اس زبان میں

کسی نہ کسی درجہ میں جذباتی و البسٹی محسوس کرنے لگے ہیں اور اس مفہوم میں یہ -
مسلمانوں کی آل انڈیا زبان بھی ہے۔

لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ مغل سلیٹ کے ہندو مسلمانوں کی زبان ہے
جہاں آزادی کے بعد ہندوؤں نے اسے نئے رسم الخط کے ساتھ تو قبول کر لیا ہے
آبادگی کا ہر کی ہے لیکن پرلے رسم الخط کے لیے ان کے دلوں میں جگہ نہیں ہے۔ اس کے
بر خلاف اس حصہ ملک کے مسلمانوں کے لیے وہ زبان زندہ ہی اپنے رسم الخط سے ہے۔
آزادی کے بعد اردو اسلام اور ہندو اسلامی (انڈوسلم) کلچر تینوں ایک
تقدیر میں بندھ چکے ہیں! اور تینوں Survival چاہتے ہیں۔ ہندو مسلم
فسادات کا مسئلہ، علی گڑھ کا مسئلہ، اردو کا مسئلہ میرے نزدیک سب ایک
ہی مسئلہ کے مختلف نام ہیں اور ایک ہی حل کے طلبگار ہیں۔ وہ حل جیسا کہ میں نے پہلے
اشارہ کیا مرحلہ وار ہی ہو سکتا ہے پہلا مرحلہ یہ کہ مشکوک برادرانِ وطن کے دلوں کو
جتا جائے اور اس طرح جمہوری سیکولرزم کو سیکولر جمہوریت میں ڈھالا جائے؛
دوسرے مرحلہ میں اس زبان کی اہمیت اور ضرورت کا احساس پیدا کیا جاسکتا ہے
اور بات و دہن سے مشروع کی جاسکتی ہے کہ: مشترکہ Edifice کی بات
کرتے ہو اور اسی کو دفن کرتے جاتے ہو۔ ہم نے اردو ایسا ہی ایک Edifice بنایا
تھا اسے اپنے ہاتھوں سے خود گراتے تھے یہی شرم نہیں آتی۔ اردو کو مسلمانوں کی زبان نہیں
کہنا چاہیئے زیادہ صحیح یہ ہے کہ مسلمان اسے ہندستان کو اپنی ایک قیمتی دین خیال کرتے ہیں جس میں
وہ بھی ہیں ہندوستانیت بھی اور اسی لیے وہ اس کی بقا پر اصرار کرتے ہیں۔ انہوں نے زمین پر سے اٹھا
کے چار پائی پر سنا سکھایا، پتوں سے اٹھا کے قالوں میں کھلا، بتایا، محاوروں کے ساتھ ساتھ شہزادوں
میں رہنا سکھایا اور دیہاتی لڑکی کو شہری شاہ لگی سکھائی۔ اس سارے ہندو مسلم کلچر کو
وہ بیک جنبشِ لب کا عدم کیلئے قرار دے سکتے ہیں۔

پس گفتار-۲

اردو مسئلہ: ہندوستان کے آزادی شہری کی حیثیت سے آزادی کیا ایک دین کے طور سے
 ہمارے ساتھ ساتھ بیٹا ہوا ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ پہلے پہل تو مسئلہ چھیڑنے ہوئے سم
 جاتے تھے ہم لوگ رفتہ رفتہ باہر آئے جو صورت کی صورت ہے، سو موٹی، اور اس پر باتیں ہوئے لگیں، خوب کھل کے۔ کچھ
 راستہ بھی کھینچ، مگر نعمت صدی ہوئے گو آئی اور خود اپنے دہل پہ ہم نے کبھی کوئی دستک نہ
 دی۔ سوجا ایک بار ادھر بھی کھٹکھٹا کے دیکھیں، مل کے بیٹھیں، سر جوڑ کے کچھ سوچیں!
 ایک ٹولیں خط لکھا اردو دوستوں کو۔ آواز پر آواز دینے والوں کی کمی نہ تھی۔ چنانچہ اچھی
 باتیں ہوئیں، سبھی طرح کی۔ کچھ نتیجہ خیز، کچھ محض جذبہ تھی۔ یہ سب کچھ بچھل
 صفات میں آچکا۔ خدا بخش اردو مسئلہ سمینار کے بعد کچھ اور تحریریں، جن میں کام
 گو باتیں تھیں، مثبت باتیں، جنہیں لکھنے والوں نے دل جلانے لکھا تھا، جسٹا د اس،
 ٹیڈر کنول، ظفر ہاشمی کی تحریریں؛ ہم نے ضروری سمجھا کہ انہیں بھی اس مجرورہ
 میں شائع کر لیں، ان کے اور کتاب منما کے شکریہ کے ساتھ۔ تو مسئلہ آپ کے سامنے ہے
 اور جن بھی آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

اچھا، تو اب وہ خط ملاحظہ کر لیں جو یہ سمینار پر پاکرے کے لئے اردو دوستوں

کی خدمت میں لکھا گیا تھا:-

اب تک ہم پر روزانہ آتے آتے ہیں کہ حکومت کچھ نہیں کر رہی ہے۔ یہ ایک باتیں ہوا کہ ہم سب کی گراہیے یا کم سے
 کم یہ کہ وہ اعلیٰ ذمہ داروں سے کتنا عہدہ برآ ہو سکے ہیں۔ فی الحال اپنی ذمہ داریوں میں ہم اس رخ کو لیتے ہیں جس میں
 سرکاری دیمہ سرکاری اردو اداسے آتے ہیں یعنی حکومت سے تھوڑی یا بہت امداد پانے والے دھارے ادارے
 جن سے اردو کی ترقی کی توقع کی جاتی ہے (اردو اکاڈمیاں، ترقی اردو بورڈ، نیشنل بک ٹرسٹ، انجمن ترقی اردو،
 پبلیکیشن ڈویژن، اکن انٹرنیٹ اور دور درشنی کے اردو سیکشن، لکھنؤ، پٹنار اور ممبئی کے اردو سربراہان)

ٹرننگ منٹر ٹرننگسٹ بک کارپوریشن ایس کا ای آر ٹی، این کا ای آر ٹی، میگزین سہ ماہی اور کثیر کی بیرونی میاں اور دوسرے ایسے ادارے جو اردو سے خصوصی طور سے تعلق ہیں۔

ہر سال سرکار اردو پر مجموعی طور سے تیس کروڑ کی رقم صرف کرتی ہے تو اس سے اردو کا بنیادی کام کس حد تک ہو پاتا ہے، کس حد تک نہیں ہو پاتا؟ اردو درسیہ کا کچھ لکھنے نے اردو کے مختلف دانشوروں کے واسطے محض ایک پیسٹ فلام تھا کیا ہے تاکہ غلط لوگ سر جوڑ کر بیٹھ سکیں اور بنیادی مسائل پر تنقید کی جائے کچھ دیر بات کر سکیں، تاکہ آنے والی نسلیں ہمیں کسی بگ تو بخش سکیں۔ اس پر گفتگو ہوگی کہ اگر اردو کا بنیادی کام نہیں ہو پاتا ہے تو اس میں سرکار کی بددستی ہے؟ یا خود ہم اردو والوں کو مسائل لیکر ٹھہر کر رہ سوچے کا موقع ہی نہیں ملا ہے کہ ہمارے ترجیحات کیا ہیں؟ اس پر گفتگو ہوگی کہ پتیلوں پر پتھر کا ڈک ٹپ، جڑیں کب تک موکھی رہیں گی؟ اس پر گفتگو ہوگی کہ اردو کی موجودہ تحریک اور ادب کے سربراہ موجودہ ادارے، اداروں کے بچکان اور موجودہ تنظیموں کے ذمہ داران۔۔۔ ادھر کار کی تیس کروڑ کی رقم اردو کے لیے امداد کے استغیضان زیادہ سے زیادہ اگلے چالیس سال اور زندہ رہیں گے، لیکن اس کے بعد!! نئی نسلیں کالیک قافلہ بھی آئے گا! اور اس کے بعد، اردو تہذیب اور اردو زبان! اچھی اور بری جس شکل میں رہی، اس کا نام تو تاریخ کا حصہ بنا ہی رہے گا!! لیکن کیا صرف نام؟ اور اس کے پڑھنے والے!!! اب انھیں دھونڈھ چراغ رخ زیا لیکر!

آنے والی تاریخ میں ہم سب اپنے لیے انفرادی فائدہ اٹھانے کے بجائے اس میں کونقوت دینے کے لیے کیا کر پاتے ہیں، جس اہم مشن کی کامیابی اور ناکامی پر ہماری زندگیوں کے بعد اردو کی تقدیر کا انحصار ہے؟ اس سے پہلے کہ ہم اس دنیا سے رخصت ہوں اور آنے والوں کے سوالوں کے جواب دینے کی پوزیشن میں ہی نہ رہیں، کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ آج اس وقت، آپ اور ہم اپنے سے سوال کر لیں اور آپ اپنی سکت بھر کچھ جواب تلاش کر لیں، ایسے جواب جن میں سو دویا کے کاروبار سے بے نیاز ہو کر اپنی تہذیب کو بچانے کا کچھ سامان کر لیا جائے وہ تہذیب جو اس ملک کا بل فرزند رہے۔

یہ قوی ورثہ کیسے بچایا جائے۔ ایک وسیلہ تو یہی ادارے ہیں جن کا نام لیا گیا۔ یہ سارے ادارے اور ان میں کام کرنے والے کارکن سب کے سب ذہن غصے بے یگانہ خود غرض اور مغادر برت ہوں ایسا ہرگز نہیں؟ اگرچہ ہمارے اردو سامع میلے دن بیتوں پر حملہ کر کے تقریباً ہر اردو فاعل سے پردہ زیمہ چھڑا چکی جاتی رہتی ہے۔ یہ اچھی بات نہیں۔ اردو صفوں میں پہنچ گیا کم افزاق فائز رہے گا اور یہ روزگار سب دشمن ہو رہی کسر ہے وہ بھی پوری کر دینا ہے۔ وقت گالی دینے، پکڑا چھلانے کا نہیں سب کو ساتھ لیکر چلنے کا ہے۔ اور یہ تو سمجھ ہی لینا چاہیے کہ کوئی بڑے سے برا آدمی بھی اپنی زبان کو اپنے

سے بڑے مخالف کا مقابلہ کرنا نہیں کرے گا! بات صرف اتنی ہے کہ جن تہذیبی مسئلے سے ہم دوچار ہیں اس سے بچنے کے لیے اعلیٰ درجے کے سوچنے والے کو یہ بھی نہیں بل بار بار یہ کہہ کر کوئی سے صرف اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے دماغی کھجوریں تہذیبی رنگ جانیں یہ اپنے کچیلے چالیس سال میں ہوا مستقبل قریب میں اس کی امید ہے۔ ان گنت دوسرے مسئلے ہیں ان کے منجانب گھبراتے ہیں اور اس تہذیبی مسئلے کے لیے وقت بچ ہی نہیں پاتا، پھر حل نکالے تو کس طرح! تو، بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ کوئی دھوکا کوئی تنظیم کوئی ادارہ بددیت نہیں ہے۔ صرف صحیح راستہ اور صحیح طریقہ کار کا کھونج کرنا ہے اور بل بال کے ذریعہ، اور نیز الزام تراشیوں کے کرنا ہے۔ الزام تراشیوں تو بہت جو کلین اب کچھ دیر ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی بردہ سوزی سے بات کر کے بھی دیکھا جائے شاید غلط فہمیاں بھی ہوں جو اس طرح رفع ہو جائیں۔

ساتھ بیٹھیں تو کچھ ایسے باتیں بھی ہوں کہ:

کیا ہم بچوں کو اردو سے آشنا کر رہے ہیں؟ اور اگر نہیں تو کیا اس مہدی کے باقی ماندہ ۱۲ سال گزرنے کے بعد اس خوبصورت زبان کے بچنے کا کوئی امید کی جاسکتی ہے؟ اور دوسرا مسئلہ یہ کہ حکومت جو کچھ ہمیں اردو کے لیے دے رہی ہے اس سے کس حد تک ہم بے بنیادی کام لے رہے ہیں۔

کیا اردو سنسکرتوں، اردو پورٹوں، اردو کی ترقی کی انجمنوں اور اردو اکادمیوں کے آئین و ضوابط میں کوئی ایسی شے تو نہیں جس کی رو سے یہ پابندی عائد ہوتی ہو کہ یہ سب ادبی سطح کا کام تو کرتے رہیں۔ مگر اردو زبان کا ترویج کے لیے کوئی بنیادی کام نہ کر سکیں، بالخصوص نئی نسل کو اردو سے روشناس کرانے کا کام اکیلا ان کے آئین و ضوابط میں کوئی ایسی واضح شے برعکس نہیں جاسکتی کہ کہے کہ اگلے دس سال کے لیے ان سارے اداروں کو صرف یہاں بنیاد کا کام کرنا ہے۔

یہ بات بھی کی جاسکتی ہے کہ ملک کی سب ریاستوں کے اندر جہاں اردو اکادمیوں کے ہیڈ کوارٹر ہیں اردو آبادی کا ایک سچیل سر دسے کر لیں کہ اپنے بچوں کو اردو سکھانے کے سلسلے میں ہمارے اشرافیہ (Elite) کا کیا حال ہے۔ اس کام کا ابتدا گفتگو، پتہ بھوپالی، کلکتہ، بمبئی، الہ آباد، بنگلور، میسور، حیدرآباد اور بے پور سے تو ہو ہی سکتا ہے، بعد میں کچھ دوسرے شہروں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے جو عدد و مقاموں کے علاوہ ہیں اور تدریجی انداز کے فارم پر ایک سرے کیا جاسکتا ہے۔ نام سرپرست خاندان: ... شہزادہ ... محلہ: ... بچوں کے نام: ... نام اسکول/کالج/یونیورسٹی درجہ: ... بچہ زیر تعلیم ہے: ... کیا وہ آپ کے بچے کے لیے اردو پڑھانے کا انتظار ہے؟ ہاں/نہیں۔ وہ ان انتظار نہیں، تو آپ نے گھر پر اردو پڑھانے کا کوئی نظم کیا ہے؟ ہاں/نہیں۔ آپ کے بچے کسی زبان میں آپ سے خط و کتابت کرتے ہیں؟ اردو/انگریزی/ہندی/کوئی اور زبان۔

علوم اسلامیہ کی ایک انسائیکلو پیڈیا

(دوسری جلد)

بزرگان کا اشاریہ

(۱۹۳۸ء - ۱۹۶۵ء)



تہم

تہم و تربیب، قن میں مزدی اہلے
اور اشاریہ معنیین



ڈاکٹر شائستہ خان

مدرسہ اہلہ و تربیب، قن میں مزدی



فہرست

مُربان

(۶۱۹۳۸ — ۶۱۹۶۵)

مذہب ، ۱۱	تہذیب ، ۳۳	فارسی ادب ، ۴۵	تاریخ ہندوستان ، ۶۲
قرآنیات ، ۱۲	نفسیات ، ۳۵	عربی ادب ، ۴۷	شرق وسط ، ۶۵
حدیث ، ۱۵	سائنس ، ۳۵	ترک ادب ، ۴۹	ترکی ، ۶۵
فقر ، ۱۶	طب ، ۳۷	سیرت رسولؐ ، ۴۹	مصر و سودان ، ۶۵
تصوف ، ۱۸	جہاز رانی ، تقویم ، ۳۷	تذکرہ مام ، ۵۰	افریقا ، ۶۶
فلسفہ و کلام ، ۲۰	لسانیات ، ۳۸	تذکرہ ادبیات ، ۵۵	اسطریلیا ، ۶۶
اسلام ، ۲۲	صحافت ، ۳۸	فنون جمیلہ ، ۵۷	اسلامیائی روس ، ۶۶
متعلقہ اسلام ، ۲۳	اُردو ادب ، ۳۹	آثار ، ۵۸	اسلامیائی یورپ ، ۶۶
سیاست ، ہندوستانی مسلم ، ۲۱	شاعری ، ۴۲	تاریخ قدیم ، ۵۹	چین ، ۶۷
مذاہبات ، ۳۱	ابوالکلام آزاد ، ۴۳	سفرنامے ، ۵۹	جزیرہ شرقی ایشیا ، ۶۷
مجاہدات ، ۳۲	اقبال ، ۴۴	تاریخ اسلام ، ۶۰	گٹا خانے اور کتابیں ، ۶۸

مصنف اشاریہ ، ۷۲



یہ معارف اور برہان کے مضامین کا اشارہ ہے جن کی شکل جلدیں کم ہی جگہوں پر محفوظ ہوں گی اور جو اپنی جامعیت اور تنوع کے اعتبار سے علوم اسلامیہ کی ایسی اساتذہ پیدایا ہے جس کے مشتملات کے بارے میں علم و اطلاع نہ ہونے کے سبب اس سے پرہیز و استغناء ہر ایک کے لئے ممکن نہیں رہا۔ اور مجھے کوئی تعجب نہیں ہوگا اگر اسی علم و اطلاع نہ ہونے کے سبب ہی، اس اشارہ کو نہ یاد یا بواغنوان حیرت و استعجاب یا پھر اعتراض کی نظر سے دیکھا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ دونوں پرچوں نے اسلامی اور عمومی علمی موضوعات پر مستند اور محسوس مضامین کا اتنا بڑا ذخیرہ اُردو میں فراہم کر دیا ہے جس کی نظیر اسلامی دنیا میں ملنی مشکل ہے۔ معارف کی فیصلت کے لئے تنہا یہ امر کافی نہیں ہے کہ اُسے نکلتے ہوئے اب پوری نصف صدی ہو جائے گی، اور خدا اس کی غمخوار کرے، ان پچاس سال میں تو اثر اور استقلال کے ساتھ ایک ہی میدان میں جمالیات اور ایک سے اعلیٰ میاری کے ساتھ!

بکرخان کو اب بیس سال ہو جائیں گے۔ اور ان دونوں نے اب تک جو کچھ پیش کیا ہے جدید عہد میں ساری اسلامی زبانوں میں اتنے خور و تار کی اور علمی موضوعات پر مثالیں علمی انداز کے ساتھ کچھ ایسا مستند مواد کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا، اُردو کا تو ذکر کر ہی کیا!

مولانا سید بیان ندوی کی ادارت میں دارالمصنفین، اعظم گڑھ سے جولائی ۱۹۱۶ء / رمضان ۱۳۳۴ھ میں معارف کا پہلا پرچم نکلا۔ جولائی ۱۹۳۸ء میں مولانا سید احمد اکبر آبادی کی ادارت میں ندوۃ المصنفین دہلی سے برہان فہرستہ پرچم، دونوں پرچے اپنے اپنے اداروں کے آرگن تھے۔

دارالمصنفین مولانا شبلی کی تخلیق تھی جس کا نقشہ ۱۳۷۷ء کے مولانا ابوالکلام کے الہلال میں انھوں نے شائع کیا تھا۔ لیکن اس کی تشکیل اور پھر پرورش ان کے ہاشمین اور شاگرد رشید سید سلیمان ندوی کی زیر قیادت ندوی فاضلوں کی ایک منتخب جماعت کے ہاتھوں ہوئی۔ مسعود علی ندوی، عبدالسلام ندوی، سعید انصاری، مجیب الرحمن ندوی، سید ابوظفر ندوی، عبدالباری ندوی، حاجی حسین الدین ندوی، ابوالجلال ندوی۔ ابوالحسنات ندوی، شاہ حسین الدین ندوی، محمد اویس نگرانی ندوی، مجیب اللہ ندوی دارالمصنفین کے مختلف زبانوں کے ممتاز نام ہیں، اور اخیر عہد میں ایک نام مزید مصلح الدین عبدالرحمن ایم۔ اے۔

دارالمصنفین نے اب تک میرت، میر صحابہ، موانخ، زرگان اسلام، دانش، علم و فنون،

تاریخ اسلام، تاریخ ہندوستان، کلام، فلسفہ، فقہ، تفسیر اور لغت کے موضوعات پر اپنی پچاس سال کی زندگی میں سو کے قریب اعلیٰ معیاری کتابیں پیش کی ہیں۔

سیلیمان ندوی کے بعد دارالمصنفین اب شامعین الدین ندوی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔
مدۃ المصنفین کا خاکہ دارالمصنفین کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا اور زمانے کے بیس بائیس سال آگے بڑھ جانے کے بعد درجئے تعابنوں کو بھی مد نظر رکھا گیا۔

مدۃ المصنفین دو مدد کے فاضلوں کے ہاتھوں تشکیل پایا 'مفتی ضیق الرحمن عثمانی'، حفظہ الرحمن سید ہاروی مرحوم اور سعید احمد اکبر آبادی اس کے ایمان ثلاثہ تھے اور یہی اس کے سب کچھ تھے۔ مولانا حفظہ الرحمن کو جیل اور پھر آزادی کے بعد جمعیت العلماء کی مصروفیتوں سے کم ہی فرصت ملی مگر، سعید احمد اکبر آبادی وہی ہیں قیام کے زمانے تک اس کے سرگرم کارکن رہے لیکن پھر مدد عالیہ فکرت کی پرستلی امداد اس کے بعد نئی گزیر کے شعبہ و منیات کی صدارت نے انہیں گونا گوں مقامی اور شعبہ جاتی مسروریاات میں الجھایا، یہ بڑی بات ہے کہ اس دور سے میں کچھ دنوں کے 'حوا' برہان کے نظرات، پابندی کے ساتھ لکھتے رہے، لیکن آزادی کے بعد سے پھر وہ نقشہ زخم مسکا جو عام ہو گیا تھا، یعنی مدۃ المصنفین ریسرچ اور تصنیف و تالیف کے اعلیٰ تحقیقی ادارہ کی شکل اختیار کرنا جا رہا تھا جس میں ریسرچ فیلو مقرر کر کے انہیں اسکا رزب دے کر مستقل رہیہ رکھ کر ان کی ایکمیں بروئے کار لائی جانے والی تھیں، پھر حوا، آن قدر ج شکست و آں ساتی نمائند!

'آن ساتی نمائند' میں نے غلط کہا۔ مفتی ضیق الرحمن عثمانی نے جس بے جگری سے حالات کا مقابلہ کیا اور ادارہ کو سخت ناسامد حالات میں بھی زندہ رکھا وہ اس بات کی ایک اچھی مثال ہے کہ بڑے کام جو عظیمیں نہیں کرتا ہیں اکثر بڑے افراد کے ہاتھوں انجام پاجاتے ہیں اور اس دنیا کا یہ سارا کافانہ ہر جگہ اور ہر شعبہ میں کسی نہ کسی 'مرد خدا' کے عزم و حکم اور کسی بہیم کے آگے بے بس ہو کر جیسی شکل وہ دینا چاہتا رہا ہے ویسے دیکھ یہ بہت نادر ہے۔ ادارے کی تصنیف و تالیف کا پروگرام، برہان کے لئے مقالات کا انتخاب، برہان کی کبھی کبھی باقاعدہ اور اکثر بے قاعدہ ادارت، اور پورے ادارے کا نظم و نسق، مفتی صاحب دیکھے یہ سب کچھ کرتے رہے ہیں اور شاید وہ اکیلے ہی ہمت چھوڑ بیٹھتے اگر مولوی محمد ظفر احمد خاں جیسا غفلت کار کن انہیں نہ مل جاتا۔ ظفر صاحب کچھلے ۲۵ سال سے ادارہ سے

وابستہ ہیں، اور اپنی صحت کو واؤں پر لگا کے ادارہ کی سلامتی کے ضامن بنے ہوئے ہیں، اللہ انہیں تادیر سلامت رکھے، ایسے پیارے انتخاب کے لئے بھی کریڈٹ ان سے زیادہ خود مفتی صاحب کو پہنچنا ہے۔

اب پچھلے چند سال سے، خصوصاً مولانا حفظ الرحمن کے انتقال کے بعد سے قوی سیاست اور پھر گروہ بند سیاست کے جھیلوں نے انہیں بڑی طرح گھیر رکھا ہے، وہ سیاسی آدمی نہیں اس لئے تقاضا کے کام پر ان کے انتشار کا اثر پڑ سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ سیاست کو اب ایسے آدمیوں کی بے حد ضرورت ہے جو سیاسی نہ ہوں، ورنہ قوم اور ملت دونوں کا حشر معلوم!

یہ دراز حرکات اس ضمن میں مٹی کہ مولانا حفظ الرحمن اللہ کو پیارے ہوئے، مولانا سعید احمد اکبر آبادی فرائض منصبی میں الجھ گئے اور مفتی صاحب کے یہ جھیلے: غنیمت ہے کہ برہان ابھی تک اس سے متاثر نہیں ہوا ہے اور وہی ادارہ کے اشاعتی پروگرام۔ لیکن ادارہ کے لئے ایسے وسائل بہم پہنچنا کہ وہ اپنا کھلا علمی میاں بے شمار رکھ سکے اور مقررہ تعداد میں اعلیٰ کتابیں پیش کرتا رہے، اس کے لئے یقیناً ذہنی یکسوئی اور فراغت کی ضرورت ہے۔ اب تک ندۃ المفتین نے تاریخ اسلام، تاریخ ہندوستان، قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، لغت، فقہ، اور سوانح کے موضوعات پر ۲۷ سال کی مدت میں تقریباً ساٹھ معیاری کتابیں پیش کی ہیں۔

اداروں کے تقارن کے بعد اصل بات یہ معارف اور برہان!

سید صاحب کے بعد معارف کی زمام ادارت شاہ معین الدین ندوی کے ہاتھوں میں ہے، اور برہان کو شروع سے سعید احمد اکبر آبادی چلا رہے ہیں (سوانح ۲۴۳-۲۴۴ء کے۔ جب نظرات بھی مفتی صاحب کے آنے لگے تھے اور سردق پر مرتبہ مفتی حنیف الرحمن عثمانی بھی)

سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء — ۱۹۵۳ء) کے لئے اقبال نے 'علم اسلام' کی جو شے شکر کا فرارہ کے قابل رشک الفاظ استعمال کئے ہیں اور شاہ معین الدین ندوی کو سید سلیمان ندوی کا صحیح جانشین نہ ماننے کا احساس معارف کے وابستگان کو تو ہوا نہیں۔ برہان کے سعید احمد اکبر آبادی (۱۹۰۸ء) 'صدق اکبر'، 'فہم قرآن'، اور اسلام میں غلامی کی حقیقت کے مصنف سے زیادہ طرم اسلام پر گہری نظر، فقہ فی الدین اور مسائل اسلامی میں انتہائی دل چسپی رکھنے والے عالم کی حیثیت سے ہندو اسلامی میں ایک معروف شخصیت ہر گچے ہیں۔

سید صاحب، قبل کے پروردہ تھے اور نذوہ کے فاضل؛ اشدہ جیسے اعلیٰ علی پرچہ کی بدگامادارت کا تجربہ تھا، اس کے بعد مولانا ابوالکلام کے اہلذیل میں بھی جذبہ جہنہ کام کر چکے تھے، عربی، فارسی اور اردو کے علوم و ادبیات کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ سے بھی ضروری واقفیت تھی اور مغربی زبانوں سے اپنا مطلب اخذ کرنے کی صلاحیت تھی۔ علمی مذاق بھی تھا اور ادبی ذوق بھی (اور شاہ معین الدین کو یہ سب کچھ در ذمہ ملا ہے) معارف نکلا اور نکلتے ہی چمک گیا۔ اور رفتہ رفتہ اس کا ایک ایسا طغوس ملتے بن گیا، لکھنے والوں کا بھی اور پڑھنے والوں کا بھی، جو مضبوط تر ہو گیا۔ ۱۹۴۳ء کے مشذرات سے بہت چلتا ہے کہ کچھ حصے کے لئے عبدالمجید دیاہی بھی ادارت میں شامل رہے، کتنا عرصہ، یہ واضح نہیں۔

سید صاحب ۱۹۴۶ء کی جولائی سے ریاست جموں پال کے امور مذہبی کے انسپر اعلیٰ ہو کر دھر چلے گئے۔ مگر رمال کی نگرانی جاری رہی۔ ان کی عدم موجودگی میں شاہ صاحب (اور ایک سال کے لئے، ۱۹۴۷ء میں سید ریاض ندوی) ان کا کام نبھائے رہے اور شذرات اور تبصرے بھی لکھتے رہے، ۱۹۴۹ء سے شریک مرتب کے طور پر شاہ معین الدین ندوی کا نام باقاعدہ طور پر آنے لگا، حالانکہ اب سراسر ترتیب انھیں کی ہوتی تھی تاثر کرتے ہیں ۱۹۵۱ء میں سید صاحب کے پاکستان چلے جانے کے بھی سال ڈیڑھ سال بعد شاہ صاحب کا نام ایڈیٹر کی حیثیت سے آیا، اور وہی ایسی ہی اس منصب پر فائز ہیں۔

دوسری جنگ کے بعد یا دو دہائی جنگ ہی میں ایک نمایاں فرق و معارف میں یہ آیا کہ تازہ مطبوعات کے ذیل میں، چھپے پھڑپھڑ، رسالوں اور اخباروں پر جو تبصرے نکلتے رہتے تھے وہ بند ہو گئے، ان تبصروں نے ایک تاریخ بنائی تھی، اُردو صحافت کی تاریخ، جو آج معارف ہی کے صفحات میں محفوظ ہے اور کہیں نہیں (کئی سال بعد ۱۹۴۹ء میں یہ سلسلہ پھر چڑا کر چلا نہیں)

برہان کے ایڈیٹر مولانا اکبر آبادی دیوبند کے فاضل بھی ہیں اور عربی کے ایم۔ اے بھی دمال ہی میں کچھ عرصہ کیلئے لکھاؤ کے ادارہ علوم اسلامیہ میں وزٹنگ پروفیسر بھی رہے ہیں (کلکتہ، دہلی، اور علی گڑھ جیسے چوٹی کے شہروں یا اداروں میں کام کرنے کا تجربہ رہا ہے۔ برہان کی ترتیب میں ذہبی نثرات میں ان سب باتوں کی جھلکیاں ضرور ملتی ہیں۔

معارف اور برہان دونوں کے شذرات اور نظرات مستقل نوعیت کی چیز ہیں اور کم ہی ایسے ہوں گے جو کسی یکسی طور پر اس قابل نہ ہوں کہ وہ پیش نظر اشاریے میں جگہ نہ پا سکے ہوں۔

دونوں رسالوں کا سائز ۲۶×۳۰ ماپ ہے اور جگہ کے زمانے کے جتنا وہ کوچھڑکے معارف کے صفحات کی تعداد ۸۰ رہی اور برہان کی ۶۸ کاغذ ہمیشہ اچھا سفید استعمال ہوا اور ٹائٹل ہمیشہ سیاہ رہا۔ اور مجز معارف کے دو خاص نمبروں کے (میب الرخن شرانی اور سلیمان ندوی نمبر) دونوں نے حدیث المعرفہ کو خاص نمبر سالانہ کے طور پر بھی نہیں نکالا۔ دونوں پرچوں میں جو کتابوں پر تبصرے نکلے ہیں ان کی فہرست الگ تہیج ہے (اس اشاریہ میں اس کی کوئی جگہ نہ تھی) اور اسی طرح اخبارات و رسائل کی ہیں۔ اس سے کچھ نصف صدی میں علمی و ادبی ترقی کا ایک بڑا حصہ سامنے آ جاتا ہے۔ (دیئے کتابوں اور مجلوں کی اس طرح جو فہرست بنے، ضروری ہے کہ دوسرے رسائل بھی سامنے رکھے جائیں ان کے تبصرے بھی دیکھے جائیں اور فہرست کو مکمل طور پر پیش کیا جائے)

خطوط مات کا حصہ دونوں کے یہاں، ”مخ کا مزید لے کے لئے“ ہوتا ہے اس لئے قیرام ہے (مشاہیر غیر مناسب بھی!) شذرات (اور نظرات) دونوں رسالوں کے اہم ہوتے ہیں اور جیسا کہ میں نے پہلے کہا، اکثر اس قابل ہوتے ہیں کہ مستقل بالذات نوعیت کا مقالہ شمار کر کے حوالہ دیا جاسکے۔

اشاریہ کی قریب اس طرح ہے:

پچاس مضمون کا عنوان دیا گیا ہے، پھر بریکٹ میں مصنف کا نام ہے، اولہ کے بعد جلد اور شمارہ کا حوالہ ہے، یعنی مثلاً ۲۶/۵۸ کا مطلب ہے جلد ۲۶ کا پانچواں شمارہ یا مثلاً ۱/۶۸: ۵-۱/۲۸: ۵-۳/۵۰ کا مطلب ہے جلد ۳ کا پہلا شمارہ، جلد ۴ کا شمارہ ایک تا شمارہ پانچ، اور جلد ۵ کا شمارہ تین تا شمارہ چھ۔ یعنی یہ مضمون اتنے پرچوں پر محیط ہوا ہے۔ اکثر عنوان خود قلمی ہیں، لیکن جہاں کہیں ایسا نہیں ہوا ہے مقرر مضمون کے موضوع کے بارے میں چند نظروں میں وضاحت کردی گئی ہے۔

آدمی جنی متفقین کو پالے، اس کا فرض ہو جائیگا کہ وہ جنی نوع کے لیے انیس عام کوئی کوشش کرے تاکہ علم و اطلاع کا دائرہ وسیع تر ہو جائے، اور تاکہ تحقیق و باطن کی جستجو کرنے والے ہر آدمی میں شک و دھڑکن، وقت کے قیمتی سرمایہ کو بچاتا، ضرورت مند کو ضروری اطلاع بہرہوت بہم پہنچا دینا، اور متعلقہ علم و فن میں جنی اور صداقت کے تلاقی کی براہ راست اور بکثرت مدد کرنا، اس قسم کے اشاریوں سے میرا ہی مقصد رہا ہے، اور یہاں یہ مقصد علمی بن گیا ہے، اگر یہ مقصد کسی حد تک بھی حاصل ہو گیا، اور علمی تحقیق کرنے والے کو لوگوں کو بھی ان حوالوں سے فائدہ پہنچ گیا، تو میں سمجھوں گا میری محنت اکانت نہیں گئی۔ (عابد اللہ ضیاء بیدار)

① مذاہب

- ۱- شنتو مذہب کی کتابیں (محرر غوث) ۵/۲۶
- ۲- یوزاسف (مضمون) ۴/۳۲
- مناظر احسن گیلانی وغیرہ کے مضامین پر
- ۳- الوہیت مریم کا مسئلہ (مشیر احمد خاں غوری) ۴/۳۴
- ۴- لاندہی دور کا تاریخی پس منظر (محمد تقی امینی) ۱/۲۶ ؛ ۱/۲۸-۵ ؛ ۳/۵۰-۶
- ۵- ہفت تماشا کے مرزا قنیل (محمد عمر) ۴/۵۵ ؛ ۱/۲۶-۶ ؛ ۳/۵۰-۶
- ۶- مذہب کا تقابلی مطالعہ: کیوں اور کس طرح (ڈبلیو ایسٹو- ترجمہ: مہناز الدین رفعت) ۴/۲۹
- ۷- مذہب اور انسانیت (میتوب الرٹن عثمانی) ۱/۱

⑤ قرآنیات

- ۸- قرآن اپنے تعلق کیا کہتا ہے (مختار الرحمن) ۲/۱۷-۶؛ ۱/۱۸-۳
- ۹- اسباب کفر و مجود (میر ولی اللہ ایبٹ آبادی) ۱/۱۷-۶؛ ۱/۱۸
- جو قرآن مجید میں بیان ہوئے۔
- ۱۰- حضرت موسیٰ کے واقعہ اخیر رسائی (ادرسورہ احزاب کی آیت کے تعلق برأت کی تحقیق)
- داؤد اکبر اصلاحی ۳/۱۷
- ۱۱- قرآن کے نقلی اور منوی حقوق (خواجہ سید محمد علی شاہ اسماعیلی رحمانی سہارن پوری) ۲۴-۱/۲۴
- تلاوت، فہم، عمل
- ۱۲- قرآن کے تغلف پر ایک تاریخی نظر (غلام ربانی) ۶/۲۲؛ ۱/۲۳-۴
- ۱۳- ہزار سال کے قدیم ترین تاریخی ثنائی قرآن کی روشنی میں (عمیلانی) ۲۳-۱/۲۳
- ۱۴- جنت (مکیم محمد ابوزد) ۶/۲۲؛ ۱/۲۵
- مرزا غلام احمد قادیانی کی تفسیر پر بحث
- ۱۵- دلائل القرآن (نجم الدین اصلاحی) ۲۵-۲-۴
- ۱۶- خدا کے کلام اور رسول کے کلام کا فرق
- قرآن مجید کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں (تحفیں و ترجمہ) ۲/۴
- ۱۷- قرآن مجید کے چند اہم تراجم: مکتوب عبدالمجید بادی ۳/۴
- ۱۸- حضرت زور ابوطولان زورج (مختار الرحمن) ۲/۲؛ ۵
- ”شیخ عبدالوہاب کی قصص الانبیاء، جن کا آغاز سیرہ ہم جلد شائع کریں گے“
- ۱۹- بعض مشہور غائب کے مصنف و مفسر کی ترتیب
- قرآن مجید کی لسانیاتی اہمیت (عبدالملک آردی) ۱/۴
- ۲۰- حج قرآن پر ایک نظر (قاضی عبدالعزیز صاحب سید بادی) ۴/۴

۲۱- عصمتِ انبیاء (حفظ الرحمن) ۶/۵، ۱/۵

— ختم المرسلین اور حضرت زینب بنت جحش (۲) حضرت سلیمان

۲۲- ایک علمی سوال اور اس کا جواب (حفظ الرحمن) ۴۰۳/۸

سوال یہ کہ قرآن نے جو سورتیں لکھنے کا چیلنج دیا تھا، ایک سورت کے بعد دس کیوں کر دی تھیں جب ایک ہی دیکھی گئی تھی تو پھر ردِ گھٹا دینی چاہئے تھیں۔

۲۳- حضرت یونس کا ذکر قرآن مجید میں (الواقسام محمد حفظ الرحمن) ۵۰۲/۱

۲۴- حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کی تشریح و توضیح (۲) ۶۰۵/۲

۲۵- قرآن کا معیارِ فکر و نظر (طب الدین احمد) ۳/۳۳

۲۶- عصمتِ حضرت آدم قرآن کی روشنی میں (ج ۲) ۲/۲

۲۷- سورۃ فاتحہ کے بعض اہم مباحث (ضیاء الدین اصلاحی) ۳۰۲/۲

— اہم نمونہ ہے۔

۲۸- تحقیق معنی العالمین (محمد اہل خان) ۲/۴۵

۲۹- علمِ تفسیر پہلے مدون ہوا یا علمِ حدیث (خواجہ محمد علی شاہ) ۲۰۱/۲

۳۰- قرآن مجید اور ترجمہ و تفسیر (خواجہ محمد علی شاہ) ۶۰۳/۳۱، ۵۰۲/۳۱

۳۱- سورۃ بقرہ کی ایک آیت کی صحیح تاویل (ضیاء الدین اصلاحی) ۲/۳۸

”وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ.....“

۳۲- فَتَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَنَّمُوا أَنَّهُمُ الْآخِرَةُ كَآخِرَةُ الْأَوَّلَىٰ (ضیاء الدین اصلاحی) ۴/۳۸

— بقوادِ اخوان می بخا اسوئیل کے سلسلہ کی آیات

۳۳- تفسیر لفظ الرحمان (محمد اہل خان) ۲/۴۲، ۴/۴۲

۳۴- قرآن کے اُنڈر تراجم (سید محبوب رضوی) ۱/۱۲

۳۵- نظریہ موت اور قرآن (سید ابوالنظر رضوی) ۱۲/۳-۶

۳۶۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا مقدمہ ترجمۃ القرآن (مقتلہ رضوی) ۵/۴/۱۵
 — ترجمہ و تحریک کیا مقدمہ ایسی تک قلمی ہے اس کا فارسی متن مع ترجمے کے دیا ہے
 تفصیلی قنارت کے ساتھ۔

۳۷۔ حضرت ابراہیم اور ایک بادشاہ کا مکالمہ (سید ابوالنظر رضوی) ۶/۱۵
 — اہلال ۶۷۷ میں مولانا آزاد نے اس سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں چار
 قسطیں لکھیں، میں نے بھی اپنے شکوک لکھ دیے مگر اہلال بند ہو گیا۔ اب پھر میں
 لکھے ہیں۔

۳۸۔ حضرت بابرؒ اور گوسالہ طلائی (احسن انہ، طوی) ۱/۶
 — خود کے ۳۲ ویں باب کی تشریح، نگار کے "مآخذ القرآن"
 معتمدؒ کے جواب میں

۳۹۔ حج ابراہیمی اور نوردی مخالفہ (گیلانی) ۵/۱۶
 — ابوالنظر رضوی کے مضمون کو آگے بڑھایا ہے۔

۴۰۔ آذر (محمد ادریس میرٹھ) ۴/۲
 ۴۱۔ اقسام قرآن (سید صبغت اللہ بخاری) ۲۱/۶
 ۴۲۔ ذوالقرنین اور سد سکندری (مقتلہ رضوی) ۲۱/۷
 ۴۳۔ ایضاً: استدرک (۷) ۳/۷
 — عبدالمجید بریلادی کے مضمون مطلوبہ صدق کے جواب میں۔

۴۴۔ قرآن مجید اور اس کی حفاظت (بدیع عالم میرٹھی) ۱/۹-۶ : ۱/۱۰-۴
 ۴۵۔ فرعون موطی (محمد فرید الوحد - ترجمہ: اکبر آبادی) ۶/۲
 ۴۶۔ فہم قرآنی (اکبر آبادی) ۱/۳-۶ : ۲/۲-۶ : ۵
 ۴۷۔ عربی تنقید پر قرآن مجید کے اثرات (استقام احمد ندوی) ۳/۵۲

حدیث (۳)

- ۴۸- تدریس حدیث (مناظر حسن گیلانی) ۴/۱-۲؛ ۶/۱؛ ۲/۲۲؛ ۶-۶
- ۲/۲۲؛ ۶-۶؛ ۱/۲۵؛ ۶-۱/۲۶؛ ۶-۱/۲۷؛ ۱/۲۷-۳
- ۴۹- علم حدیث بہارین: ایک اجمالی خاکہ (ابو حفصہ انکرم مسعودی) ۲/۲۶
- ۵۰- ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات (ابو سلفیہ شعیب احمد بہاری) ۳/۳۱؛ ۲/۳۱؛ ۳/۳۱؛ ۳/۳۱
- خاص کر ۶۵۷ کے بعد کی تالیفات
- ۵۱- ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات - منیر (حبیب الرحمن عثمانی) ۲/۳۲
- ۵۲- حیدرآباد کے چند کتب خانوں میں حدیث کی اردو قطعی کتابیں (نصیر الدین ہاشمی) ۳/۳۲
- ۵۳- دسویں صدی ہجری کا بالکمال محدث: شیخ علی متقی جربان پوری (شیخ فرید بہار پوری) ۵/۳۶
- حیات پر اہم مقالہ
- ۵۴- حدیث افتراق انداس کی اسناد پر ایک نظر (بدیع عالم میرٹھی) ۶/۱۷؛ ۶/۱۷؛ ۶/۱۷
- ۵۵- ادب المفرد، امام بخاری کی ایک گرافندر شرح (ابو حفصہ انکرم مسعودی) ۲/۲۵
- شاہ فضل اللہ کی فضل اللہ الصمد جو حیدرآباد سے تھے۔
- ۵۶- غنیمت حدیث (منیر احمد بدایونی) ۳/۲۵
- ۵۷- ترمذی اور جامع صحیح (محمد تقی الدین ندوی مظاہری) ۱/۵۱
- ۵۸- امام دارقطنی (ابو سلفیہ شعیب احمد بہاری) ۶/۲۵؛ ۶/۲۵
- ۵۸- صحیح بخاری کی فنی خصوصیات (سلیم الدین صدیقی) ۳/۳۱؛ ۳/۳۱
- ۵۹- اُردو میں تراجم حدیث (سید محبوب رضوی) ۴/۹
- ۶۰- طلوع اسلام اور پرہیز پر اعتراضات (اکبر آبادی) ۱/۹
- ۶۱- "فیمن ابہاری" (مشیر احمد عثمانی) ۴/۲
- مصنفہ: انور شاہ صاحب۔ ڈائری میں مرتب ہوئی قاہرہ میں تھی۔
- ۶۲- المدخل فی احول الحدیث، عالم انیسابوری (عبد الرشید نعمانی) ۲/۸-۶

۶۳۔ معانی الآثار و مشکل الآثار لایام الطہادی

(سید عبدالرزاق قادری حنفی) ۱۱/۳-۶؛ ۱۲/۳؛ ۱۳/۵

— سوانح پر مقالہ جلد ۹ میں؛ یہ تصانیف پر۔

۶۴۔ امام طہادی (سید قلب الدین) ۹/۵؛ ۱۰/۱-۶

تک۔ موطا امام مالک اور اس کی خصوصیت (نقی الدین ندوی مظاہری) ۵/۵۵

۶۵۔ امام ابو داؤد اور ان کی سنن کی خصوصیات (نقی الدین ندوی) ۶/۳۹

۶۶۔ امام مسلم اور ان کی جامع صحیح کی خصوصیات (نقی الدین ندوی) ۱/۵۴

۶۷۔ امام نسائی اور ان کی سنن کی خصوصیات (نقی الدین ندوی) ۳/۵۵

۶۸۔ ایک ناور علی محمد (مختار احمد ندوی) ۴/۵۵

الزہری کی تحفۃ الاشراف، جو کبھی سے چھپی ہے۔ علم الحدیث پر نایاب اور اہم

کتاب ہے، اس کی دس جلدوں میں سے پہلی جلد آئی ہے۔

فقہ (۴)

۶۹۔ فقہ اسلامی کا تاریخی ارتقاء (محقق ایتنی) ۶/۴۲

۷۰۔ اختلاف فقہاء کے اسباب (۸) ۳/۴۳

۷۱۔ فقہی احکام میں تخفیف و سہولت کے چند اسباب (محقق ایتنی) ۵/۴۳

۷۲۔ فقہ کی جدید تدوین (۸) ۳/۴۵

۷۳۔ معارف ذکوة کے سلسلہ میں چند ضروری باتیں (نجم الدین اصلاحی) ۲/۴۷

— فی سبیل اللہ کی تشریح

۷۴۔ فقہی اور فروعی اختلافات کے اسباب (شاہ ولی اللہ - ترجمہ: ضیاء الدین اصلاحی) ۱۳/۵

۷۵۔ مسئلہ تلبیک فی الزکوة (مرداویہ یسن) ۳/۴۷-۶

— ایمن احسن اصلاحی کے رد میں، جن کا مضمون ترجمان القرآن ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ

میں نکلا ہے۔ مضمون نگار نے عام بیورو کے لئے استعمال کی اجازت پر بحث کی ہے۔

۷۶۔ اسلام کا نظامِ معشت و معیت (ظہیر الدین) ۲/۲۸ - ۶ - ۶ - ۲/۲۹

۷۷۔ بنی اسرائیل کی فتنی تالیفات (محمد عثمان قاضی) ۲/۲۸

۷۸۔ مولانا مودودی کے فتویٰ کا جائزہ (اکبر آبادی) ۳/۲۷

———— پچھلے دنوں بعض اخبارات میں مدیرِ قرآن القرآن کے ایک فتویٰ کا چرچا رہا۔ اگرچہ موصوف کی علمی حیثیت اور دینی بصیرت ہمارے نزدیک ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ ان کے کسی فتویٰ یا کسی تحریر پر بہتک میں کچھ لکھا جائے، لیکن چونکہ فتویٰ مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ کی ذہنیت کا آئینہ دار ہے، اس بنا پر ہم ذیل میں اس کا جائزہ صرف شرعی حیثیت سے لیتے ہیں۔

———— فتویٰ کے نکات یہ ہیں کہ پاکستان دارالاسلام ہے ہندو دارالکفر ہے، دونوں میں شادی بیاہ کے تعلقات نہ ہونا چاہئے، اور یہ کہ میاں بیوی میں تفریق بھی جائز ہے۔

۷۹۔ عید کے چاند کے موقع پر گزری ۱۰ اور بدستِ ملال کا مسئلہ (مفتی عتیق الرحمن) ۱/۱۲

———— سوال اٹھایا ہے۔

۸۰۔ اسلامی روایات اور ان کا تحفظ: قواعد ازدواج (جیل داسلی) ۱/۱۵

۸۱۔ تدوینِ فقہ (سناغراسی گیلائی) ۱/۱۳ - ۶ - ۱/۱۵ - ۳

۸۲۔ اسلامی روایات اور ان کا تحفظ: خنزیر خوری (جیل داسلی) ۶/۱۶

۸۳۔ اسلام اور نظریۂ صاشرت (سید ابوالنظر رضوی) ۴/۲۱

۸۴۔ گائے کی قربانی (اکبر آبادی) ۴/۲۵

———— داخلہ فی الدین کے تحت یہ جائز چیز اب واجب ہو گئی ہے، مگر ایک لحاظ سے منع بھی ہونا چاہئے۔ پھر سوال اٹھایا ہے کہ جہاں مسلمان کمزور ہے وہیں دلی جوتی ہوگی یا جہاں زہریم ہوگا؟

۸۵۔ مسئلہ قربانی اور مسلمان (حفظ الرحمن) ۵/۲۵

———— اکبر آبادی کی بات بے وقت کی لگتی ہے۔ قربانی عملاً منقود ہے؛ فتویٰ کسی بات کا؟

۸۶۔ مسئلہ قربانی اور مسلمان (اکبر آبادی) ۶/۲۵

———— حفظ الرحمن کے جواب میں، کہ مرنے ہی گال میں منع نہیں خوب قربانی ہوتی ہے۔

۸۸۔ اسلام اور فکریہ ترقی (سیہ ادا فکریہ) ۲/۱

_____ علمی روزنامہ

۸۹۔ ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ (سیہ عوقیل) ۲/۲-۲

۹۰۔ امام ابراہیم غفر (د اہموزا اکبریم معصی) ۲/۲۳-۲۴

۹۱۔ کمرشل انٹرنسٹ کی فقہی حیثیت کا تنقیدی جائزہ (فضل الرحمن گزوری) ۱/۳۰-۳۱/۳۱

۹۲۔ جن ملک میں مسلمان اقلیت میں ہیں وہیں اسلامی دشمنی احکام کے نفاذ کا مسئلہ (اکبر آبادی) ۲/۴۹-۵۰

۹۳۔ ہندوستان میں مسلمان کا موقف کیا ہو (اکبر آبادی) ۱/۵۰

۹۴۔ پاکستان میں صدر کے انتخاب کے سلسلہ میں (نظرات) ۲/۵۲-۵۳

_____ من فاطمہ جات کے لئے علماء کی حمایت پر تنقید۔

۹۵۔ موجودہ مسائل کو کس طرح حل کیا جائے (محمد تقی امینی) ۲/۵۲

۹۶۔ جدید اسلامی قانون سازی کے مسائل (حزب شافعی - ترجمہ فضل الرحمن گزوری) ۵/۵۱

۹۷۔ غلط فہمی راشدین اور اجتہاد (خود رشید احمد فاروقی) ۵/۵۵-۵۶

۹۸۔ مسلم پرسن لا ۵۱/۲۱-۵۲

۹۹۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت (محمد تقی امینی) ۵/۵۳؛ ۳/۵۴-۵۵، ۶/۵۵

۱۰۰۔ اسلام اور شرح مود (سیہ حسن الزماں - کراچی) ۱/۵۳

۱۰۱۔ اجازت اور اس کی حقیقت (محمد باشم) ۱/۲۱-۲۲، ۳

_____ مولانا غیلانی کی گزشتہ میں ایم اے کا مقالہ

⑤ تصوف

۹۹۔ جمال الدین احمد ہانوی الخلیف (سعود احمد) ۲/۵۵

۱۰۰۔ اقبال و دینی کادین و علمانی مقام (صوفیہ تیرا محمد کشمیری) ۲/۵۵

۱۰۱۔ جوگ بھشٹ (ابن فخر عدوی) ۲/۳۰-۳۱

_____ حاکم اشکوہ کا لایا برا ترجمہ۔ معنوں مجھارتے بہت اچھا فاضل مدیا ہے۔

- ۱۰۲- تصوف (سید عبدالامجد) ۵/۲۲
- ۱۰۳- حقیقت نفس (میرزا الدین) ۵/۲۲
- ۱۰۴- مارچ سلوک () ۱/۲۲
- ۱۰۵- تصنیف قلب () ۲/۲۲
- ۱۰۶- ماعول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے () ۱/۲۸
- ۱۰۷- حقیقت تصوف (قلب الدین احمد) ۲۱/۳۳
- فقر و احسان یا رہبانیت و فالتاہیت ؟
- ۱۰۸- اسلامی تصوف کا نشو و نما (گوپ چند نارنگ) ۱/۳۷
- ۱۰۹- مولانا ضیاء الدین غنوی (خلیق احمد نقوی) ۵/۲۷
- ۱۱۰- حضرت خواجہ محمد نائل () ۱/۳۰
- ۱۱۱- مرزا رحیم بیگ محمد درویش فطیم آبادی شہید (مناظر احسن میلانی) ۲/۴۱
- ۱۱۲- وصال (شیخ وحید احمد مسعود) ۵/۴۷
- ۱۱۳- مرزا مظہر جانجانا کے خطوط (تجربہ جلیق قائم) ۲/۴۵ - ۶ - ۱/۴۶ - ۲

- ۱۱۴- توحید الوہیت (میرزا الدین) ۳/۱۵ - ۵
- ۱۱۵- عالم غمراہ و مراتب دہود (شاہ فتح مہرٹ - ترجمہ خواجہ محمد علی رحمانی) ۲/۱۹
- ۱۱۶- حضرت شاہ فخر الدین دہلوی (خلیق احمد نقوی) ۲/۱۸
- ۱۱۷- حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی، کتب و کلمات کے آئینہ () ۳/۱۷
- ۱۱۸- حضرت شیخ اکبر محمد الدین ابن مولانا ہندستان (خلیق نقوی) ۱/۲۳
- ان کی تصانیف کب یہاں پہنچیں، کون کون سا اثر ہے، کیا شریعت میں کسی میں، کیا اعتراض ہے؟

۱۱۹- انسان کامل (میرزا الدین) ۵/۲۲ (۲۱)

- ۱۲۰۔ شیخ ابو القاسم جلال الدین تبریزی (ڈاکٹر محمد سلیم، شعبہ تاریخ و سیاسیات، علی گڑھ) ۳/۱۲۱
 ۱۲۱۔ حضرت محمد شاہ نور الحق کی علویت (بدل الدین علوی) ۵/۹
 ۱۲۲۔ حضرت مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید (سیہ اظہر علی) ۶/۱۲
 ————— برہان احمد فاروقی پر تنقید۔

- ۱۲۳۔ بزم عرفان: مرید ہندی شیخ جیل کی بارگاہ میں (قلب الدین احمد جغتیا رکاک) ۶/۲۴
 ۱۲۴۔ بزم عرفان: مئے حجاز عجمی خم میں: شیخ منیری کے ایک اہلای مکتوب کا آزادانہ ترجمہ (۱۱) ۱/۴۵
 ⑥ فلسفہ و کلام

- ۱۲۵۔ عقائد جامی کی شرحیں اور تراجم (سنادت مرزا) ۶/۴۱
 ۱۲۶۔ شہاب الدین معتزل اور فلسفہ مشائیت (غوری) ۶/۴۴ : ۳-۱/۴۵
 ۱۲۷۔ شیخ شہاب الدین معتزل اشراقی تھے: تقسیم چارگانہ صحیح ہے۔ (فضل الرحمن مولائی) ۱۰۰/۱۰۰
 ————— غوری کے مقالہ پر۔

- ۱۲۸۔ شہاب الدین معتزل اور فلسفہ مشائیت (غوری) ۴/۴۶
 ۱۲۹۔ معتزلہ (میر دل الدین) ۱/۲۶-۶
 ۱۳۰۔ علمائے ہند کی کلامی خدمات (غوری) ۶/۳۹ : ۶/۴۰
 ————— ابتداء میں علم کلام کا ارتقاء عرب میں تفصیل سے دکھایا ہے۔
 ۱۳۱۔ خوارج اور مسئلہ نصب امام (ماظظ غلام مرتضیٰ) ۵/۳۹
 ۱۳۲۔ یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ (غدی) ۴/۳۳ : ۶/۵۱ : ۶/۴۴
 ۱۳۳۔ خدا کی پراسرار شخصیت کا تصور (محمد فاروق اعظم گڑھ) ۵/۴۴
 ۱۳۴۔ جدید سائنس قدیم فلسفہ کی نسبت اسلام سے زیادہ قریب ہے (اکبر آبادی) ۲/۳۸ : ۳/۳۸
 ————— جدید علم کلام کی ضرورت پر

- ۱۳۴- لذت عرب فلاسفہ کی نظریں (صدالین عظیم) ۳/۱۱
- ۱۳۵- فلسفہ یورپ کا جدید رجحان، دین سے روحانیت کی طرف (ایسل برگ - تلخیص) ۲/۱۲
- ۱۳۶- نظریہ موت اور قرآن (سید ابوالنظر رضوی) ۶-۳/۱۲، ۱/۱۳
- ۱۳۷- مصری علم کلام (یعقوب الرحمن عثمانی) ۶/۲، ۱۳
- _____ کیسے مرتب کیا جائے۔
- ۱۳۸- عہد وسطیٰ کا ایک زبردست فلسفی: سپینوزا (غضیل عبدالرحمن) ۵/۱۳، ۶
- ۱۳۹- قرآن کا تصور غیب (سید ابوالنظر رضوی) .../...
- ۱۴۰- اخلاق اور فلسفہ اخلاق (حفظ الرحمن) ۲/۵، ۳
- _____ کتاب کا ایک باب
- ۱۴۱- فلسفہ کیا ہے و ڈاکٹر میر دل الدین) ۶/۸، ۱/۹-۳
- ۱۴۲- دہجد و ثبوت باری تعالیٰ پر ایک لمحہ فکریہ (خواجہ سید محمد علی شاہ بہار پوری) ۳/۱
- ۱۴۳- سیرۃ مومنہ کے مرکزی نقاط: باطن کی تعمیر (مولانا خیر احمد) ۲/۱، ۲۸
- ۱۴۵- ابوہریرہ النخعی (محمد سعید احمد) ۲/۲۸
- _____ تصنیف شیخ محمد غوث گوانیاری
- ۱۴۶- ہندی مسلمانوں کے فلسفیانہ افکار (دکے - مجیدانند مہدی - ترجمہ: صفی الدین مسریق) ۱/۵۳
- _____ شاہ ولی اللہ دے لے کر ہمایوں کی بکیر تک
- ۱۴۷- روح کا سراغ نظام جہانی کے سائنسنگ تجربہ کی شامعلی میں
- (خس فیض) ۱/۵۴
- ۱۴۸- عقل کی ماہیت (محمد عثمان قاریط) ۲/۲۱

⑤ اسلام

۱۳۹- اسلامی تمدن (مختصر المجلد) ۳/۹؛ ۶۵/۱۰؛ ۲۱/۱۱

— اورید مضمون لکھ کر مولانا جیل پلے گئے

۱۴۰- اسلام کا نظام عصمت و محنت (ظفر الدین) ۲/۱۸-۲/۲۹؛ ۶-۲

۱۵۰- قری اور جماعتی زندگی کے نفسیاتی موثرات (محمد تقی امینی) ۳/۳۸-۳/۳

۱۵۱- مسلم سلاطین اور مسیحی فرما زرداؤں کا تقابل (ابوالقاسم رفیق لادھی) ۱/۳۹

۱۵۲- انبیاء سے کرام اسلام کی نظر میں (ظفر الدین) ۳/۳۹-۳/۳

۱۵۳- قانین کی تربیت اور اوصاف و خصائص (محمد تقی امینی) ۳/۳۹-۳/۳

۱۵۴- ابن قیم کی اجواب الکافی کے ایک باب کا ترجمہ (ابوالخلاح محمد اسماعیل) ۲/۲۸-۲/۱

— دنیا اور آخرت کی تمام مصیبتوں کی جو گناہ ہیں

۱۵۵- مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ (مناظر حسن گیلانی) ۲/۲۸-۲/۳۳؛ ۶/۲۹؛ ۳/۳۰

— ایک مجتہد اوی یا نام بنیاد اہل قرآن فرقہ سے تعلق رکھنے والے صاحب کے مضمون کو پڑھ کر
کھ گیا۔

۱۵۶- توہمات کے دس احکام اور قرآن کے دس احکام (گیلانی) ۲/۲۹-۲/۳۰؛ ۱-۲۷

۱۵۷- مسئلہ امامت اور شہرستانی (ملک محمد ابوباقی شطاری) ۱/۲۹

۱۵۸- رحمت عالم کا پیش کردہ نظام حیات (ظفر الدین) ۱/۳۰

۱۵۹- حکمران طبقہ اسلام کی نظر میں (ظفر الدین) ۱/۳۵-۲/۱

۱۶۰- اسلام کا جمہوری نظام (ظفر الدین احمد) ۳/۳۵-۳

۱۶۱- عروج و زوال کے اہل قوانین (محمد تقی امینی) ۳/۳۵-۳/۵؛ ۲/۳۶-۲/۳۷؛ ۲/۳۷-۲/۳۸

۱۶۲- اسلام کا فلسفہ تاریخ: حدیث مجددین وقت کی روشنی میں (مذا محمد یوسف) ۲/۳۶-۲/۳۷

— اسلام کے فلسفہ تجویز پر مضمون ہے۔

۱۶۳- اسلامی تمدن میں عورت کا حقیقی درجہ (زین العابدین سجاد) ۳/۲

۱۶۴- اسلام میں رواداری کی تعلیم اور آنحضرتؐ کا سلوک غیروں کے ساتھ (شیخ محمد امین باپنی) ۱/۱۳

_____ طویل مضمون

۱۶۵- میں نے اسلام کیوں قبول کیا (خالد شیلڈرکب - ترجمہ: زین العابدین سجاد) ۱/۱

۱۶۶- اسلام کا نظریہ اجتماع : عقیدہ توحید کا مقصد وحید (حامد الانصاری غازی) ۵/۳

۱۶۷- توحید اور اجتماعیت (ابوالنظر رضوی) ۱/۲

_____ غازی کے مضمون کے سلسلہ میں۔

۱۶۸- کائنات میں انسان کا مقام اسلامی نقطہ نظر سے (محمد تقی امینی) ۲/۵۰

۱۶۹- مسلمان کے معنی (نظرات) ۶/۲۱

۱۷۰- اسلام میں رسول کا تسبیح (درد عالم میرٹھی) ۵/۱۷

۱۷۱- قدرتی نظام اجتماع (غفرالدین) ۲/۲۳ — ۵ : ۵/۲۳ - ۶ : ۶/۲۵

_____ سلسلہ نظام مساجد

۱۷۲- دربار الہی، یعنی مساجد اسلام کی نظریں (غفرالدین) ۳/۲۵

۱۷۳- پیغام ابراہیمؑ (حفظ الرحمن) ۵/۲۳

_____ عید قربان کے موضوع پر

۱۷۴- شب سراج (حفظ الرحمن) ۱/۲۳

_____ ریڈیائی تقریر

۱۷۵- پیغمبر اسلام کا پیغام امن و سلام (زین العابدین سجاد میرٹھی) ۱/۲۲

۱۷۶- اشاعت اسلام کے اسباب و اکتسابان کی نظریں (محمد رب رضوی) ۲/۱۲۰

۱۷۷- نیاز توحیدی کے دس سوالات کے جوابات (دکتر آبادی) ۴/۵

_____ علامہ کے کام سے اگست ۴۰ء کے شمارے میں جو سوال گئے ہیں ان کے جواب

(۱) قرآن کا خدا کے ساتھ وجود میں آنا۔ (۲) قرآن ان الفاظ کا نام نہیں جو چھپتے ہیں۔ (۳) خدا کا کلام۔

(۴) نطق خداوندی - (۵) ترتیب قرآن - (۶) لوح محفوظ میں محفوظ ہونا - (۷) ازل سے وجود محمد - (۸) خدا کا خدا اپنے نام سے شروع کرنا - بسم اللہ! الحمد للہ - (۹) اشخاص: اللہ رب و غیرہ - (۱۰) کلام ہے تو خدا کی زبان بھی ہوئی۔

۱۷۸۔ وکی ابھی (اکبر آبادی) ۵/۵؛ ۶/۶؛ ۵/۱

_____ نیاز کے سوالوں کے سلسلے میں، تفصیل

۱۷۹۔ اصول دعوت اسلام (عربی) ۶/۹؛ ۱/۱۰ - ۳

⑧ متعلقات اسلام

۱۸۰۔ خیر اندیشی اور حسن سلوک (دائود اکبر اسلامی) ۳/۱

۱۸۱۔ ادارہ معارف اسلامیہ کاتیسرا اجلاس ۱/۲

_____ صدر کے خطبہ کے اقتباسات وغیرہ

۱۸۲۔ استنبول میں بعض اسلامی ہتھیاروں کا ذخیرہ

(تفصیل: المشتعلت) ۱/۵

۱۸۳۔ دنیا میں مسلمانوں کی موجودہ آبادی کا صحیح نقشہ ۲/۵

_____ زکی ظنی کی کتاب سے

۱۸۴۔ وحدت ملیہ اسلامیہ (قاضی زین العابدین) ۲/۶

۱۸۵۔ گوئے اور اسلام (عبد الستار غفری، علی گڑھ - ترجمہ و تفسیر: عبدالقوی دلیا بادی) ۱/۲۰

۱۸۶۔ دارالمصنفین کی جوبلی (نظرات) ۲/۵۲

۱۸۷۔ اسپین میں ابن حزم کی نو سو سالہ یادگار تقریب (قاضی امیر مبارکپوری) ۲/۵۳

_____ جو ۶۶۳ م کو منائی گئی۔

۱۸۸۔ اسلامی علوم کے ہندی معارف (سید محمد حسن قیصر) ۱/۵۴ - ۵

۱۸۹- تاریخی حقائق (ظفر الدین) ۶/۳۳

_____ کوئی متن پہلے کہ اس کا خلاصہ پیش کر دیتے ہیں اسی طرح اس بار بھی

۱۹۰- کائنات سے استفادے کے حدود (گیلانی) ۵۴/۳۳

_____ کیلئے ۵۰ کا متر

۱۹۱- کیلئے (گیلانی) ۵۴/۳۰ : ۱/۳۱ - ۶ : ۱/۳۲

۱۹۲- ہمارا وجود و زوال (سیہ عبدالماجر) ۴/۳۰

۱۹۳- نیکی اور بدی (میر ولایت علی) ۱/۳۲

۱۹۴- کیا مسلمانوں کو اپنی موجودہ حالت کا کوئی علم ہے (جبرائیل، حیدر آباد) ۴/۳۳

۱۹۵- زبان کا اصولی و نفسیاتی شعور (دقار احمد رنوی) ۴/۳۵

۱۹۶- بحیرہ مُردار، دنیا کا بدترین پانی (محبوب رنوی) ۲/۴۶

۱۹۷- ززم، دنیا کا بہترین پانی (محبوب رنوی) ۳/۴۶

۱۹۸- خیرات (منقولہ - ترجمہ: قاضی زین العابدین سجاد) ۳/۶

۱۹۹- پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کے علمی و جہانات (اکبر آبادی) ۴/۳/۹

۲۰۰- ہندوستان میں تصنیفی مشکلات اور اُن کا حل (اکبر آبادی) ۱/۱۲

۲۰۱- قردن و سطلی کے مسلمانوں کی علمی خدمات (عبدالرحمن خاں) ۵/۱۸

_____ عمدہ مضمون

۲۰۲- مغرب پر مسلمانوں کے احسان (حقّی - ترجمہ: مہناز الدین رفعت) ۶/۲۵

۲۰۳- اغراض و مقاصد خدمۃ المستحقین دہلی ۱/۱ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ/ جولائی ۱۳۸۶ء

۲۰۴- ”ملک طاؤس“ (میر غلام عبدالرشید) ۶/۱۳

_____ شیطان کا نام جو زیروں نے رکھا ہے۔

۲۰۵- اسلام میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت (سیہ محمد سیادت امر دہری) ۲۱/۵۲

۲۰۶۔ اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل (پروفیسر سرب۔ ترجمہ بیگم انصار صدیقی) ۲/۵۲

۲۰۷۔ جدید دور میں جدید رہنمائی کی ضرورت (محمد تقی امینی) ۲/۵۲

۲۰۸۔ درجہ شرفِ آدم (محمد احمد صدیقی) ۲۱/۳۲

۲۰۹۔ انسانیت اور تمدن کی منبع (۴) ۳/۳۲

۲۱۰۔ دو سنگوں کا حیرت انگیز قوافی (۷) ۴/۳۲

———— ملنگا جانا اور حضرت موسیٰ کا مرجع البحرین

۲۱۱۔ ہمارے دور کی مغربی تہذیب و ثقافت کا زوال (شمس ذبیہ) ۲/۲۵

۲۱۲۔ امید اور غموت : زندگی پر اکسانے والے دو عظیم ترین داعیے (شمس ذبیہ) ۲/۵۰

۲۱۳۔ علمی روزنامہ (سیا ادا سنٹر بری) ۴/۲۱

———— حالات اور آرزوئیں

⑨ سیاسیات

ہندوستانی مسلمان

۲۱۴۔ مشرقی و مغربی بنگال کے فسادات حضرت بن کے بیچ میں (نقراٹ) ۲/۵۲

———— پاکستان میں کچھ بھی نہ پہنچ رہی یہاں —۔ جیل پور علی گڑھ اور چندویں بن سکتے ہیں۔

۲۱۵۔ سیاست سے جدا ہویں —۔ مغربی بنگال کا فساد (نقراٹ) ۳/۵۲

۲۱۶۔ فسادات اور مسلمان (نقراٹ) ۵/۵۲

بلک۔ گودھرا گورکھ پور کا فساد (نقراٹ) ۷/۵۲

۲۱۷۔ نئی شامری حکومت کے سامنے ہندوستان کے مسئلے (نقراٹ) ۱/۵۲

———— فاسک ہندو مسلم فسادات

۲۱۸۔ مسلمانوں میں صحیح لیڈر شپ : ایک سرسید کی ضرورت (نقراٹ) ۲/۵۲

۲۱۹۔ گمنام شامروائی اجتماع اور ہماری تجاویز اس کے لئے (نقراٹ) ۳/۵۲

۲۲۰۔ ہندو پاک جنگ - (نقراٹ) ۴/۵۵

- ۲۲۱۔ جزئی ہند میں ہندی دشمن طوفان (نقراۃ) ۲/۵۴
- ۲۲۲۔ مذہب کی توہین کرنے والی کتابیں (نقراۃ) ۴/۲۸
- ۲۲۳۔ اتر پردیش میں مذبیہ مجرموں کو معذور ہونے پر (۱۱) ۰۰۰/۰۰۰
- چار پانچ سطریں ہی لکھی ہیں مگر خوب لکھی ہیں۔
- ۲۲۴۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا اعلان مارچ ۱۹۷۶ء میں (نقراۃ) ۴/۳۶
- ۲۲۵۔ مسلمانوں میں قی شورش کا فقدان (نقراۃ) ۶/۳۶
- حفظ الرحمن نے گاندھی جی کی پراقتضا پر اعتراض کیا تو مسکن بولے اب سے پہلے اعتراض کیوں نہ کیا۔ دفرہ۔
- مسلمان اخباروں کو کم سے کم دینی حد تک تو متفق ہی ہونا چاہیے۔
- ۲۲۶۔ ہندوستان اور اسلام (نقراۃ) ۶/۲۳
- لکھی دھر مدر سنسکرت دہلی یونیورسٹی صوفی قسم کے شخص ہیں۔ ہندو مسلم سوالیہ پرائیمری زبان سے خوب مزے کی باتیں کر تقسیم سے ہندوؤں کو سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اسلام کی اصلاحی تحریک سے کٹ گئے اور مذہب ہر اچھی چیز سے اس لئے الگ کر یہ اسلامی۔
- برہان کا اہم مضمون
- ۲۲۷۔ مولانا حفیظ الرحمن کی گرفتاری (مفتی عتیق الرحمن) ۳/۵
- جامع مسجد میں تقریر پر ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ میں
- ۲۲۸۔ بہادر بنگال کے مسلمانوں میں ہندوؤں کے سفارشی کی دہم (نقراۃ) ۱/۳۱
- روکے کی قیمت لگا کے سٹالیاں ہوتی ہیں۔
- ۲۲۹۔ اسلامی ریاست ! پاکستان کی اسلامی ریاست ؟ اور نیکی کو لازم کا تصور (اکبر آبادی) ۱۱/۱۹
- ۱۲ صفحات پر مشتمل نقراۃ
- ۲۳۰۔ "تم کو بے مہری یا مانی وطن یاد نہیں" (شیخ وحید احمد مسجد) ۴/۸۸

- ۲۳۱- قومی یکجہتی اور مسلمان ۶/۲۸ ؛ ۱/۲۸
- ۲۳۲- اسلام، اسلامی حکومت اور ہندوپاک ۶/۲۸
- ۲۳۳- جامعۃ اسلامی اور جزیۃ العلماء کے کل ہند کنونشن - جماعت پر تنقید ۱/۲۶
- ۲۳۴- جیلور، ساگر اور پاکستان ۵/۳/۲۶
- ۲۳۵- جیلور اور حفظ الرحمن کی گونج ۳/۲۶
- ۲۳۶- معاہدہ یہود علی نقطہ النظر (شخص العلماء و علما) ۲/۱/۲۶
- _____ حفظ الرحمن نے میرے مضمون متحدہ قومیت کے جواب میں جو متصل مضمون لکھا ہے اس سلسلہ میں
- ۲۳۷- تصویر کا دوسرا رخ (حفظ الرحمن) ۳/۲-۵
- _____ جواب ابواب
- ۲۳۸- جواب حفظ الرحمن (عبدالرحمن) ۱/۵-۳
- ۲۳۹- عدم تشدد، گاندھی کے ایک مکتوب پر تبصرہ (حفظ الرحمن سیر آبادی)
- _____ علی گڑھ کے ایک مسلمان کے خط کے جواب میں گاندھی جی نے ہرجن ۱۱ نومبر ۳۹ء میں
- لکھا اُس میں قرآن کو بھی گواہ بنایا۔ (۲) گاندھی جی کی ریسرچ غلط ہے۔ ۱/۴
- ۲۴۰- خاکسار تحریک پر ایک فکر (اکبر آبادی) ۵/۴
- _____ سخت تنقید
- ۲۴۱- متحدہ قومیت اور اسلام (مفتی عتیق الرحمن عثمانی) ۳/۵
- ۲۴۲- لاہور میں اسلامی جماعت کی تشکیل، حکومت الہی کے قیام کے لئے (نظرات) ۱/۸
- ۲۴۳- نظرات ۱/۸ کے جواب میں منظور لہانی نے القرآن میں جو کچھ لکھا اس کے جواب میں (۸) ۳/۸
- ۲۴۴- جمیۃ العلماء کے سالانہ اجلاس حیدرآباد کے موقع پر جمیۃ کو مشورے (نظرات) ۲/۲۶
- جمیۃ میں افتراق ۵/۵
- ۲۴۵- جمیۃ کے اجلاس کے بعد (نظرات) ۵/۲۶
- ۲۴۶- جمیۃ کے طریق کار پر تنقید - مسلمانوں کے لئے کیا کرنا چاہیے۔ (نظرات) ۲/۲۷

۲۴۷- پاکستان گورنمنٹ کی اسلامی حیثیت اور اس میں غیر مسلموں کا درجہ و مقام (اکبر آبادی) ۵/۲۴
 ————— لیاقت علی خاں کے بقول ان کی حکومت اسلامی ہے دینی نہیں۔

۲۴۸- کیا ہندوستان "دارالاسلام" ہے (محمیان) ۶/۲۴

———— اکبر آبادی کے مسنون پر مکتوب

۲۴۹- مسلمان پرنداب : ہندو سکولٹ (اکبر آبادی) ۲/۲۳

۲۵۰- ٹنٹی جی - ہندو کلچر - مسلمان اور برہمن (اکبر آبادی) ۶/۲۳

۲۵۱- پھر بھی اعزاز - مسلمان اور پاکستانی () ۵/۲۵

۲۵۲- مسلمان لازم کی جان بچاتے ہوئے چیر بر آف گائرس کے صدر جاک ! (اکبر آبادی) ۲/۲۳

———— کیمرون جو ہندو مسلمان ::

۲۵۳- ہندوستان اور پاکستان (اکبر آبادی) ۲/۲۵

۲۵۴- پیجم جو دہ پائے ضم پر دم دواں : مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں (اکبر آبادی) ۲/۲۳

———— پاکستان کی طرف بھگدڑ پر

۲۵۵- ہندو مسلم سوال : پاکستان دہندوستان آزادی کے بعد (محمیان) ۳/۲۳

۲۵۶- دہلی کی تباہی : فرادات (اکبر آبادی) ۲۰/۱

———— برہمن متبرتا دسمبر ۱۹۴۷ء اور جنوری ۱۹۴۸ء میں ہندو فردی ۱۹۴۸ء میں نکلا۔

۲۵۷- اچاریہ کرپانی کا بیان اور ہندو، مسلمان (نظرات) ۵/۲۳

۲۵۸- تقسیم، مسلمانوں کی پچھلی سیاست اور جمعیت العلماء (نظرات) ۳/۲۳

۲۵۹- زبان - ہندو مسلم کلچر - ہندوستان () ۱/۲۳

۲۶۰- سپروائز کا مسلم کنونشن () ۱/۲۴

۲۶۱- ہندوستان کے مسلمان () ۲/۲۴

۲۶۲- ایک کلچر ایک زبان کا نوز () ۳/۲۱

- ۲۶۳- ۲۷/۱۱- ۱۹۷۷ء کے بعد ہندوستانی مسلمان (نکلات) ۱/۲۱
- ۲۶۴- فرقہ پرستی اور اقلیت (۵) ۵/۲۱
- ۲۶۵- علماء اور حکومت (خواجہ عبدالرشید) ۱/۲۷
- ۲۶۶- جواب جواب (اکبر آبادی) ۲۷/۲۷
- ۲۶۷- جواب جواب (خواجہ عبدالرشید) ۱/۲۸
- ۲۶۸- علماء ہند کا سیاسی موقف (اکبر آبادی) ۲/۲۱-۵
- اہم فقرہ : ہندوستان کی سیاست کی تاریخ پر
- ۲۶۹- علی گڑھ (اکبر آبادی) ۶/۳۷
- ”رہنمائی لکچر“ کے تفسیر کو بنیاد بنا کر ابھی تک علی گڑھ اور مسلمانوں پر پارلیمنٹ میں
- کچھ زچہ نہیں رہی ہے۔ اس پر تیز اداریہ
- ۲۷۰- ہندوستان کے فسادات پر (اکبر آبادی) ۲۷/۵
- ۲۷۱- مسلمان کیا کریں (اکبر آبادی) ۳/۲۳
- یہ سوال ہی غلط ہے : اصل یہ ہے کہ ”کون کرے“ اور ”کیوں کرے“۔
- اجتماعیت منقوض ہے ورنہ یہ کہ ۱۰۰ کروڑ کے چندے سے بڑے سے بڑا کام ہو سکتا ہے۔
- ۲۷۲- مسلمانان ہند (اکبر آبادی) ۱/۲۳
- ۲۷۳- علی گڑھ
- مسلم یونیورسٹی ایکٹ نئے سلسلے میں پارلیمنٹ میں تبدیلیاں لانے پر فور
- (اکبر آبادی) ۲۷/۱۱
- ۲۷۴- مسلم یونیورسٹی کے خلاف بیجان (اکبر آبادی) ۶/۳۵
- ۲۷۵- اسلامی جامعہ ہند میں تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اس کا سبب (اکبر آبادی) ۵/۲۸
- جامعہ اسلامی پر : سراپا ہے۔

۲۷۶- لاہور میں عید کا نماز اُردو میں پڑھی گئی (اکبر آبادی) ۷/۳۸

— اعتراض کیا ہے۔

۲۷۷- مسندِ قریمت مستند ابراہیم الاطالی مودودی پر تبصرو (اکبر آبادی) ۳/۳۰

۲۷۸- طوائفِ حق (اکبر آبادی) ۳/۲

۲۷۹- طوائفِ کرام سے خطاب (اکبر آبادی) ۲/۳۲-۶

۲۸۰- ٹنڈن جی کانگریس کے صدر (اکبر آبادی) ۲/۲۵

۲۸۱- اسلام میں ریاست کا تصور (محمد امین سیوہادی) ۲/۱۲

۲۸۲- اسلام میں حکومت کا تصور (") ۶/۱۵

۲۸۳- دم تشدد اور مخالفت: خود اختیاری (میر دلشاد ایبٹ آبادی) ۲/۱۸

۲۸۴- خطبہ جمعہ کی زبان (گیلانی) ۳/۱۸

۲۸۵- فرقہ وارانہ فسادات (اکبر آبادی) ۵/۱۷؛ ۱/۱۸

۲۸۶- موجودہ فسادات اور اسلام (اکبر آبادی) ۶/۱۸

⑩ معاشیات

۲۸۷- زمین داری اور جاگیر داری کا تاریخی پس منظر (فتح الدین بھارتی) ۳۰۳/۲۹

۲۸۸- آراضی منقوہ (" ایضاً) ۵/۲۹

۲۸۹- بھوک سے خطرہ ہے ! (شمن زید) .../...

۲۹۰- بیمہ زندگی : مسندِ علمائے مصری تنظیم (ترجمہ : فضل الرحمن گزیری) ۳/۴۴

— از اسلام سے ترجمہ

۲۹۱- قاضی ابوبکر سن کی کتاب الخراج (نور شیعہ احمد قلدق) ۵/۳۳

۲۹۲- اسلام کا اقتصادی نظام (حکیم الرحمن) ۷/۱؛ ۳/۳۳

۲۹۳- اسلامی معاشیات (عبدالرحمن خان) ۳/۱۲

- ۲۹۳- اسلام میں دولت و انفس کا توازن (سیدنا قیصر رضوی) ۲/۱۲
- ۲۹۵- اسلام اور نظام سرمایہ دہی: جذبات کشاکش کی معضلوں پر ایک نظر (میر ولی اللہ ایبٹ آبادی) ۳۶/۶
- ۲۹۶- اسلام اور اشتراکیت (مشیر حسین قدوائی - ترجمہ، ملک حامد حسین) ۶۵/۵
- ۲۹۷- مسلمانوں کی مالی حالت (سید طفیل احمد منگھڑی) ۳/۶
- ۲۹۸- علم الاخلاق اور علم المعیشت کا باہمی ربط و تعلق :
- حضرت شاہ ولی اللہ کا ایک خاص نظریہ (حفظ الرحمن) ۳/۶
- ۲۹۹- "اسلام کا اقتصادی نظام" اور سالہ ترجمان القرآن (۲/۶) (۵)
- "غیر ملکی" انداز پر مولانا مودودی نے تنقید کی ہے اس کے جواب میں
- ۳۰۰- لکھنے اور ہندوستان (الہلال، معرے ترجمہ) ۲/۲
- ۳۰۱- مسلمانوں کا نظام ایات : تاریخی نقطہ نظر سے (تخصیص) ۳۱/۹
- حسن ابراہیم حسن کی "النظم الاسلامیہ" کی تخصیص
- ۳۰۲- سوشلزم کی بنیادی حقیقت اور اس کے اقسام (مارل ٹی - ترجمہ: مفتی الدین شمس) ۲۷۱/۲
- ۳۰۳- ہندوستان کا زرعاتی ارتقا (ایشیائی ریویو سے تخصیص) ۶۵/۹ ؛ ۱/۱۰
- ۳۰۴- اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریاں (محررات اللہ صدیقی) ۶/۲۸ ؛ ۱/۲۹
- ۳۰۵- سرمایہ کاری کی معاشی حقیقت: اسلامی نقطہ نظر سے اس کے معاوضہ کی وجہ جواز

(سید عین الدین قادری) ۳/۳/۵۵

۵۱۲۔ بروم بادکھ اور اس کی کتاب سود کے نظریہ کی تائید و تنقید: ایک تعارف (فضل الرحمن) ۶۵/۵۵

⑪ سماجیات

- ۳۰۶- اسلام کا نظام امن و امان (غفر الدین) ۶۵/۲ ؛ ۳۱/۴
- ۳۰۷- رفا و عام کے کام اسلامی دنیا میں (انظر شاہ) ۳/۴
- بہار و بنگال کے مسلمانوں میں ہندو اور شاہیاں (تقرات) ۱/۳۱
- روکے کی قیمت لگا کے شاہیاں بچھرتی ہیں۔

۲۰۹۔ شادی پر سوا مہر ملت کرنے کی بنیائی گول میں تحریک چل پڑی (اکبر آبادی) ۴/۳۱

_____ مسلمانوں کو سبق لینا چاہیے۔

_____ ”بنیائی کے میں نے ہر نامہ سنگھ نے ایک تحریک شروع کی ہے کہ شادی بیاہ کے وقت ہر سولہویہ سے زیادہ خرچہ نہ کیا جائے۔ یہ تحریک پنجاب میں اور وہ بھی سکھوں میں خصوصاً ثابت کامیاب ہو رہی ہے اور اب تک متعدد تانہ اڑوں میں شادیاں اسی اصول پر ہو چکی ہیں۔ یہ خبر اگر صحیح ہے تو سب سے زیادہ عبرت مسلمانوں کو ہونی چاہئے جن کے پیڑھے سب سے پہلے اپنی لختہ جگر کا تہائی سادگی کی عبادت شادی کے ایک مثال قائم کی تھی اور قرآن نے فی رسول اللہ اسوۂ حسنہ کہا کہ اس مثال کی پیروی کی دعوت دی تھی۔ ہائے: مجھے خندہ گل پہ آتا ہے رونا کہ اس طرت بننے کی خوشی کسی کی“

⑫ تعلیم

۳۱۰۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، راضی و مستقبل (محمد عتیق بی اے) ۵/۲۸

۳۱۱۔ ہمارا مسئلہ تعلیم (اکبر آبادی) ۶/۵/۳۱

۳۱۲۔ قدیم اور جدید تعلیم کے بعض خصوصیات و امتیازات (نصیر الدین ہاشمی) ۶/۳۲

۳۱۳۔ مدارس عربیہ کے لئے ایک لحاظ فکر (اکبر آبادی) ۱/۳۲ : ۱/۳۳ : ۶/۳۰ : ۶/۳۱ : ۶/۳۲

۳۱۴۔ علوم قدیمہ کا تحفظ (مرزا محمد یوسف) ۶/۴۰

۳۱۵۔ تعلیم میں غیر مکرر عنصر پر مولا حافظ الرحمن کی پارلیمنٹ میں تقریر (صلوات) ۴/۴۲

۳۱۶۔ جمیۃ العلماء دہلی کے زیر قیادت، بی بی میں دینی تعلیمی کونشن (نقرا) ۲/۳۳

_____ دینی تعلیمی پروڈیو گیا۔

۳۱۷۔ بستی تعلیمی کانفرنس، جمیۃ کانفرنس وغیرہ کی تعلیمی سرگرمیاں (نقرا) ۱/۳۵

۳۱۸۔ دیوبند (اکبر آبادی) ۱/۳۵

_____ آئینہ دل و دماغ اپنا زمانہ۔ وہاں کے اہم طلباء: اچھے اصول وغیرہ

۳۱۹۔ جامعہ انہر (ترجمہ: محبوب الرحمن عثمان) ۲/۳۸

- ۳۲۰۔ قدیم اسلامی نظام تعلیم کی ایک جھلک (محبوب رضوی) ۵/۲۸
- ۳۲۱۔ ہندوستان میں قدیم تعلیمی نظام کی بربادی (۵) ۱/۲۹
- ۳۲۲۔ جمعیت العلماء کی تعلیمی کانفرنس، احمد آباد کا خطبہ مہارت (مفتی متین الرحمن عثمانی) ۵/۲۹
- ۳۲۳۔ مدرسہ عالیہ گلشنہ کی تاریخ (سعید احمد اکبر آبادی) ۲/۳۰
- ۳۲۴۔ قدیم اسلامی درس گاہوں کے نصاب کی اصلاح کے متعلق چند بنیادی باتیں (عبدالسلام خان رام پوری) ۳/۳۰
- ۳۲۵۔ ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس علی گڑھ (نظرات) ۳/۲۸
- نشاۃ ثانیہ پر خوشی
- ۳۲۶۔ دارالعلوم اسکیم اور ”ودیا مندر“ اسکیم (اکبر آبادی) ۲/۱
- ۳۲۷۔ اینگلو عربک کالج دہلی کا حالِ زبوں (مفتی متین الرحمن عثمانی) ۳/۵
- ۳۲۸۔ دارالعلوم دیوبند میں نصابی کمزوریاں اور انتظامی بدعنوانیاں (مفتی متین الرحمن عثمانی) ۱/۱۱
- ۳۲۹۔ یادگار شیخ الہند : مترسلین دارالعلوم دیوبند کے لئے حضرت شیخ الہند کی وصیت (عبید اللہ سندھی) ۵/۱۱
- ”مولانا نازوقی کی تصانیف نصاب میں داخل ہوں۔“
- دیوبند: کمرے تو ہم خود دہلی میں درس دیں گے۔
- ۳۳۰۔ مسلم یونیورسٹی اسلام کی طرقت (مفتی متین الرحمن عثمانی) ۲/۱۳
- ۳۳۱۔ امریکی مشرقی علوم کی اشاعت (الہلال سے ترجمہ، حافظ رشید احمد) ۳/۱۳
- ۳۳۲۔ دیوبند میں علم کی پہلی درس گاہ : عہد عالمگیری کے دو پروانے (سعید محبوب رضوی) ۱/۱۵
- ۳۳۳۔ عربی مدارس ؛ نصاب تعلیم ؛ اصلاح (نظرات) ۳/۱۸ ؛ ۳
- ۳۳۴۔ بچوں کی تعلیم و تربیت (اکبر آبادی) ۶/۱۷ ؛ ۲/۱۸ ؛ ۲/۱۸
- ۳۳۵۔ دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی خصوصیات (محبوب رضوی) ۱/۲۵
- ۳۳۶۔ علی گڑھ، دیوبند، مدرّۃ اور جامعہ (نظرات) ۱/۵۲

۳۳۵۔ جامعہ ملیہ اردو اسلامیہ : اسلامیہ پریگانڈمی جی کا اصرار (نقولات) ۱/۲۱

۳۳۶۔ وائس چانسلر علی یادہ رنگ کی تعریف ۶/۵۲

۳۳۷۔ مسلم یونیورسٹی کا ہنگامہ (نقولات) ۵/۵۲

۳۳۸۔ مسلم یونیورسٹی کا معاملہ عوامی تحریک بنے گا۔ (نقولات) ۱/۵۵ ؛ ۳/۵۵

۱۳۱) نفسیات

۳۳۹۔ تحلیل نفسی کا تاریخی پس منظر (موز علی بیگ) ۱/۳۲

۳۴۰۔ خواب (سید عبد الماجد) ۶/۳۵ ؛ ۲/۴۴

۳۴۱۔ علم النفسیات کا ایک افادہ پہلو : ذکر کی فضیلت اور ابائیت (خواجہ عبدالرشید) ۴/۳۵

۳۴۲۔ زندگی اور علم النفسیات (سخی ادین شمس) ۱/۱۶

۳۴۳۔ داخلی حرکات اور علم النفس (ہدایت الرحمن صمن) ۵/۱۶

۳۴۴۔ علم النفسیات کا ایک افادہ پہلو (لفظت یزین خواجہ عبدالرشید) ۵/۲/۱۸ ؛ ۵/۲/۱۸

۳۴۵۔ اسی دنیا کا ایک ماہر نفسیات : امام غزالی اور میکڈگل کا تقابلی مطالعہ : علما لکھ روڈی ۵/۲/۵

۳۴۶۔ علم النفسیات کا ایک افادہ پہلو : ذاتی مشاہدہ (خواجہ عبدالرشید) ۵/۴/۶

۳۴۷۔ تربیت حافظہ (تلخیص : سید محبوب رفوی) ۲/۵

۳۴۸۔ بچوں کی تعلیم و تربیت : علم النفسیات کی روشنی میں (ہدایت الرحمن صمن) ۲/۶

۳۴۹۔ نفس انسانی (قاضی عبدالحمید) ۵/۸

۳۵۰۔ سحر و صابیت تاریخ کی روشنی میں (محمد ادیب صدیقی) ۱/۱/۲ ؛ ۴/۴

۳۵۱۔ خواب (سید عبد الماجد) .../... (؟/۴۹)

— دیئے صاف و قریبی

۱۳۲) سائنس

۳۵۲۔ ابن موسیٰ خوارزمی علم جبر کا پہلا مسلمان موجد (محمد بن عبد اللہ حرمان - ترجمہ : خالد کمال مبارک پوری)

۲/۲۵

۳۵۵۔ قانون کشش ثقل، نیوٹن اور حکیم نامہ ضروری (میر ولی اللہ رئیس آبادی) ۵/۱۵

۳۵۳۔ "ابن عربی خوارزمی" دالے مضمون پر اتحاد و ایازاد (شبیر احمد خاں غوری) ۵/۲۵

۳۵۴۔ موجوں کی کہانی (نصیر احمد عثمانی) ۲/۲۸

۳۵۵۔ جوہری توانائی (عبدالرحمن خاں) ۶/۲۷

۳۵۶۔ آواز کی کہانی (نصیر احمد عثمانی) ۱/۲۹

۳۵۷۔ روشنی کی کہانی (") ۲/۲۹

۳۵۸۔ غذا اور سائنس (محمد حسن جلیل) ۶/۳۲

۳۵۹۔ چاحظ کی کتاب الجیوان (خورشید احمد طارق) ۶/۳۶

۳۶۰۔ ارتقائے عالم (احسان اللہ خاں) ۵/۳۷

۳۶۱۔ زمین کا کرہ ہوائی (عبدالرحمن خاں) ۶/۱۰

۳۶۲۔ نقشِ فطرت میں نظم و تربیت (ترجمہ: نصیر احمد عثمانی) ۶/۱۱

۳۶۳۔ "۔۔۔ اشعار (") ۲/۱۲

۳۶۴۔ "۔۔۔ کائنات بحیثیت مجموعی (") ۳/۱۲

۳۶۵۔ "۔۔۔ زمین بحیثیت مرکزِ نظامِ انسان (") ۵/۱۲

۳۶۶۔ عمرِ خاتمِ کالینڈر (عمر سلیمان - ترجمہ) ۳/۱۲

۳۶۷۔ عجیب ستارے: آسمانِ دنیا کے رونے (تفہیم: محمد کابل) ۱/۶

۳۶۸۔ قانونِ قدرت پر تفصیلی بحث (محمد قسبل) ۶/۴

۳۶۹۔ اسلام اور سائنس (محمد عثمان خاں قلیط، ایڈیٹر اخبارِ نوزم) ۱/۵

۳۷۰۔ عذابِ الہی اور قانونِ فطرت (محمد انوری لاکپوری) ۳/۲/۵

۳۷۱۔ عذابِ الہی اور قوانینِ فطرت (ابراہیم نظری) ۶/۵

۳۷۲۔ اسلام اور اکتشافاتِ حاضرہ (محمد عثمان خاں قلیط) ۱/۶

۳۷۳۔ میڈیم کوری، ریڈیم کی دریافت کنندہ (آرمینا ایران - ترجمہ: محوی صدیقی) ۵/۳/۶

- ۳۷۴- سائنس اہل بیت (سید محمد تقی) ۴/۱
 ۳۷۵- پہلا انسان اور قرآن (سید حسین شہر) ۶/۵ : ۲/۸
 ۳۷۶- قرآن مجید اور علم الہیات (عبدالغفور ندوی) ۲/۸
 ۳۷۷- نظام کائنات (حامد الانصاری غازی) ۵/۹
 ۳۷۸- علم حقائق (ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری) ۱/۱۰
 ۳۷۹- اربعہ الجورجانی کی تلخیص رسالہ درارثماطیق (غوری) ۳/۵۰
 ————— مدوۃ العلما میں نقلی نسخہ ہے۔
 ۳۸۰- جوہری یادل اور قرآن مجید کی پیشگوئی (خواجہ عبدالرشید) ۱/۲۱

۳۸۱- نباتات اور جمادات میں زندگی اور شعور (میر دل اللہ ایبٹ آبادی) ۲/۲۱

(۱۵) طب

- ۳۸۲- مسلمان اور طب (خواجہ عبدالرشید) ۱/۱۱
 ۳۸۳- استہدراک بر مقتضی شریعت حیات، قانون، تالیف حکیم شریف خان دہلوی (سید محبوب رضوی) ۱۲/۱۲

(۱۶) جہاز رانی — تقویم

۳۸۴- ابن ماجہ نوی صدی ہجری کا مشہور امیر البحر عرب (قدری حافظ طوفان - تلخیص) ۳/۳

۳۸۵- ہجری اور عیسوی سنین کی تطبیق کا قاعدہ (ماخوذ از اہلال مصر) ۵/۴

$$: (سنہ عیسوی - ۶۲۱) \times \frac{1}{4} = سنہ ہجری$$

$$\text{مثلاً } ۱۹۴۰ - ۶۲۱) \times \frac{1}{4} = ۱۳۱۸ \times \frac{1}{4} = ۱۳۱۸$$

$$= ۱۳۱۸ \times \frac{1}{4} = ۱۳۵۹ \text{ ہجری}$$

کیونکہ (۱) سنہ ہجری کی جمعہ یکم محرم ۱۳۵۹ کی ۱۲ ربیع الثانی تھی۔

(۲) سو سال ہجری قمری ۹۷ عیسوی سال کے گنگ بھگ ہوتے ہیں اس لئے ۶۲۱ اور ۱۳۵۹

⑭ لسانیات (ومتعلقات)

۳۸۷- اُردو کا مسئلہ؛ انجمن ترقی اُردو کی مہم (نظرات) ۱/۲۸

۳۸۸- ہندی؛ اُردو، انجمن ترقی اُردو (ایضاً) ۶/۲۷

۳۸۹- اُردو کہاں بولی جاتی ہے (ایضاً) ۳/۳۶

— بہت عمدہ شذرہ

۳۸۹- اُردو کی ترقی کے سلسلہ میں ایک تجویز (خواجہ احمد فاروقی) ۱/۳۷

۳۹۰- لسانی اقلیتی کشر کے تقرر کا اعلان (نظرات) ۳/۳۷

۳۹۱- اُردو حیات رہی ہے؛ کانگریس کا تاریخی رزلویشن (نظرات) ۲/۲۱

— مرکزی وزارت داخلہ کا ۱۳ جولائی کا پریس نوٹ بھی دیا ہے۔

۳۹۲- اُردو پر حفظ الرحمن کی تقریر؛ پارلیمنٹ چارٹرا (نظرات) ۲/۲۳

۳۹۳- اُردو ہندستان میں (نظرات) ۳/۲۳

۳۹۴- اُردو ہی ہندستان کی زبان ہو سکتی ہے (حمیدہ سلطان) ۲/۲۴

۳۹۵- ہندستانی- اوریڈو کی حکومت (عبادت بریلوی) ۶/۲۱

— نظرات؛ عبادت بریلوی نے لکھے ہیں۔

۳۹۶- درجہ اُردو؛ اُردو کی شرعی حیثیت کیا ہے (حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی) ۳/۷

— دہل بگڑائی کے مراسلہ کے جواب میں

۳۹۷- مسئلہ زبان اور ہندستان — شرعی نقطہ نظر سے (محبوب ہتھ دیوبند) ۶-۴/۷

۳۹۸- علمِ ہندی کی تاریخ و ترمیمی (اشفاق علی خاں شاہجہان پوری) ۳/۴۹

⑮ صحافت

۳۹۹- ایک انگریزی روزنامے کی قی ضرورت (اکبر آبادی) ۲/۴۳

۴۰۰- قند سے محرم پاکستانی نے اُسدا ہنامہ سرورث اسلامی تبلیغ کے لئے نکالا ہے (نظرات) ۶/۴۴

- ۲۰۱۔ انگریزی مہینہ پچھلے تین ماہ سے شائع ہو رہا ہے۔ (تکرات) ۲/۲۸
- ۲۰۲۔ الاذیاد کو الانقسات اب سے روزہ دعوت کی شکل میں دتی سے پچھون م ۵/۲۲
- ۲۰۳۔ سمنات زیر نگرانی طلح آبادی، اشتہار میں درج ہے کہ اشاعت کو ایک سال ہوا ۲/۳۴
- ۲۰۴۔ آجکل کثیر نمبر پر تبصرہ ۲/۳۵
- اگست ۶۵۵

- ۲۰۵۔ قدرت پہلے کے چند اردو اخبارات (دسم علی میمن مال کی تحفہ)
- جامع الاخبار - فوائد الناظرین - قرآن السعدین - دہلی اردو اخبار
- ۲۰۶۔ ابوالحسن علی مدنی کا پندرہ روزہ تمیز چنہ ماہ سے نکل رہا ہے۔ ۲/۲۲
- ۲۰۷۔ رسالہ تفسیر بریل پور، پرتیبہ ۶/۴
- ایڈیٹر برق زیدی - کچھ غرت سے مستور نکل رہا ہے۔
- ۲۰۸۔ روزنامہ ہندوستان بمبئی (رئیس احمد جعفری ایڈیٹر) ۶/۴
- قضاوت سے منقطع ہونے کے بعد یہ نکال رہے ہیں۔

- ۲۰۹۔ ترجمان سرحد، پشاور۔ ۳/۶
- جزوی ۲۶ سے باقاعدگی کے ساتھ جاری
- ۲۱۰۔ پریس کی ابتدا ہندوستان میں (شائقینِ سخن جملہ جاریہ) ۶/۳۶

①۹ اردو ادب

- ۲۱۱۔ نظم و شعر کی تاریخی اور تنقیدی حیثیت (جوہر نڈی) ۱/۵۰
- ۲۱۲۔ غالب اور ریاض الافکار (نثار احمد فاروقی) ۱/۵۰
- ۲۱۳۔ خاص الفقہ: ایک دو کفن مثنوی (رتبہ ابوالنصر خالدی) ۵/۵۰-۵۱
- مولفہ حاجی محمد رفیع قاسمی
- ۲۱۴۔ سید سلیمان ایک مکتوب نگاری کی حیثیت سے (سید ذوالفقار بخاری) ۳/۵۳

۴۱۵۔ ہندی مشائری میں قاضی رسالت کی توصیف و تعریف (ترجمہ جعفر رضا) ۵/۵۲
مسلمان شعرا ہی ہیں۔

۴۱۶۔ اُردو تنقیدوں کی تنقیدی اہمیت (عبادت بریلوی) ۵/۱۱

۴۱۷۔ مرزا غالب اور یوسف علی خاں ناطم (حمیدہ سلطان)

۴۱۸۔ مرزا غالب کی شاعری اور ان کی شخصیت (عزیز الرحمن جاسمی)

۴۱۹۔ قافی اور پیردی تنقیدی (اکبر آبادی) ۲/۱۷ (اختیار علی مرثی) ۲/۱۷

— مغربی شاعر مراد ہے یا مغربی تہذیب !!

۴۲۰۔ نواب الہی بخش معزیت (حمیدہ سلطان) ۳/۸

۴۲۱۔ عارف اور کلام عارف پر ایک نظر (۲/۲ : ۲/۷)

— زمین الہا بدین خاں عارف

۴۲۲۔ پرتھی راج راسو (بشیر الدین پنڈت) ۳/۳۲

۴۰۳۔ ہندی ادب کی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ (پنڈت لکھمی دھر کے مقالے کے ترجمہ کی تلخیص) (اکبر آبادی) ۲/۲۵

۴۲۳۔ محمد اشرف خاں گھنوی ثم دہلوی (عابد رضا بیدار) ۲/۲۵

۴۲۵۔ فزائی اور اس کی نمایاں شہری (نصیر الدین ہاشمی) ۳/۳۷

۴۲۶۔ تیز کر افغانی قدس (گلشی زاق و ششٹ تاشی) ۲/۳۰

۴۲۷۔ خطبہ صدارت : یوم رسوا (خواجہ احمد فاروقی) ۵/۳۰

۴۲۸۔ رفتار ادب (شکرا احمد فاروقی) ۶/۳۱

— ریڈیائی نشریہ

۴۲۹۔ اسماعیل خاں ابجدی اور ان کی تصانیف (نصیر الدین ہاشمی) ۳/۴۱

۴۳۰۔ اُردو ادب اس سہا ہی میں (خواجہ احمد فاروقی) ۱/۲۸ : ۱/۲۹

— ریڈیائی نشریہ

- ۲۳۱- شیخ علی بخش بیلہ (عابد رونا بیدار) ۵/۳۰
- ۲۳۲- محمد حسین آزاد اور نیرنگ خیال (گلشنِ زائن و ششٹ) ۵/۳۱
- ۲۳۳- جید مصطفیٰ کے ادبی رجحانات (خواجہ احمد فاروقی) ۶/۳۳
- ۲۳۴- ذکر مصطفیٰ (نثار احمد فاروقی) ۶/۵۲ : ۶/۳۳ : ۶/۳۴ : ۱/۴۲
- ۲۳۵- سید سلیمان ندوی بحیثیت ایک مورخ (سید ذوالفقار حسین بخاری) ۵/۵۵
- ۲۳۶- مولانا سید سلیمان ندوی کے علمی و تاریخی کارنامے (اچملی علی) ۶/۴۲
- ۲۳۷- غالب نثار (نثار احمد فاروقی) ۲/۴۲ : ۲/۴۶ : ۱/۴۶
- ۲۳۸- حضرت عقیل شاہ بہان آبادی (مسود احمد) ۶/۴۲ : ۶/۴۵ : ۱/۴۵
- ۲۳۹- حضرت عقیلین ————— اسدراک (قاضی عبدالودود) ۲/۴۵ : ۲/۴۶ : ۵/۴۶
- ۲۴۰- سید صاحب کی زندگی کے وہ خاص گوشے جن سے میں متاثر ہوا (مفتی متین الرحمن عثمانی) ۲/۴۶ : ۲/۴۷
- سید سلیمان پر
- ۲۴۱- راجہ گوند بخش اور ان کی شاعری (رشید شوکت) ۳/۲۲ : ۳/۲۲
- ۲۴۲- دیوانِ مخلص کا ایک نادر نسخہ (امتیاز علی عری) ۳/۲۵
- آئندہ نام مخلص، فارسی دیوان پر اُرشد اشعار - مسودہ مصنفہ اُردو کے ۳۲ شعر -
- ۲۴۳- میر قمر الدین منت (سید اظہر علی) ۳/۱۱ : حبیب الرحمن عظمیٰ ۴/۱۱ - حسین مٹلی ندوی ۴/۱۱
- ۲۴۴- مسکن حالی کا نادر الوجود فارسی ترجمہ (سید محبوب رضوی کشمیرا دیوبند) ۱/۵
- فیردوس الدین احمد کشمیری وکیل ہائی کورٹ کشمیر نے ترجمہ کیا۔
- ۲۴۵- نواب عالی مرحوم (حمیدہ سلطان) .../...
- مولانا کے چھوٹے صاحبزادے - اقبال کے قلم "ایں چہ لوہی ست" کا جواب بھی انہوں نے دیا ہے۔

۲۴۶- ایک ادبی خطبہ (سیراب اکبر آبادی) ۵/۱۲

————— ۲۲ راتوں کو دہلی کے مشاعرہ میں۔



- ۳۴۶- ششٹی بی جیٹن، جیٹن اور غالب (سید آفاق حسین) ۵/۱۸
- ۳۴۷- ابرار الغفر غالب، سراج الدین احمد، سرائی (حیۃ الرحمن و اوصاف) ۱/۲۳ - ۲۱/۲۴
- ۳۴۸- یکے گنام شاعر، وقار امپوری (امیاز علی قریشی) ۲/۲۲
- ۳۴۹- غالب اور مومن تغزل کی روشنی میں (مظفر شاہ خاں) ۲۱/۲۰
- ۳۵۰- تاریخ ادب اردو کی کتابیں جنگ عظیم کے بعد (نصیر الدین ہاشمی) ۱/۹
- ۳۵۱- فن تمثیل (استغیاث حسین قریشی) ۶/۹
- ۳۵۲- یاد ایام صحبت خانی (آبش دیوی) ۲/۹
- ۳۵۳- مرزا غالب اور ذوالابین الدین احمد خاں (حمید سلطان) ۳/۱۰
- ۳۵۴- حسرت موہانی (عابد رضا بیدار) ۱/۴۷ - ۶/۴۸ - ۲۱/۴۹ - ۲۲/۵۰
- ۳۵۵- جگر اور ڈیپ سا کالوچی (حکیم رشید احمد مستقیم بریلوی) ۴/۴۷

(۲۰) شاعری

- ۳۵۶- غزل (سید احمد اکبر آبادی) ۶/۳۶
- حالات ہندوستان کے پیش نظر بہت عمدہ غزل
- ۳۵۷- خمس نوید کی نظمیں، متفرق پہرے۔ برہان نے اس باب میں اگر کوئی واقعی کفارہ ادا کیا ہے تو صرف خمس نوید کا کوشش کر کے۔ ورنہ ساٹھے تین سو رہا لوی میں کم ہی چیزیں کام کی گئیں گی۔
- ۳۵۸- روشنی حیدر کی "غبار و بیداری" ۳/۶
- ۳۵۹- "اے مسلمان نوجوان" (عبدالرحمن خاں کا فارسی نظم) ۶/۱۲
- ڈیڑھ صفحے کی نظم ہے اور پچھ صفحے کے تاریکی نوٹ ہیں۔
- ۳۶۰- منور مدنی نائیڈو کی شاعری (حمید سلطان) ۵/۲۳

۴۶۰- مسافر ادبی: گاندھی جی کی یادیں (روحش صدیقی) ۵/۲۱

(۲۱) ابراہیم آزاد

۴۶۱- اسلامی قانون مولانا آزاد کی نظر میں (رفیع اللہ عثمانی) ۲/۴۵

۴۶۲- آہ ابراہیم الکلام — ایک تار (خواجہ احمد قادری) ۴/۴۰

۴۶۳- مولانا ابراہیم الکلام کا سفر خزانہ افسانہ ہے یا حقیقت (مہر محمد حسن شہاب) ۴/۶۶

۴۶۴- مولانا آزاد کے مذہبی عقائد (رفیع اللہ عثمانی) ۵/۴۲

۴۶۵- مولانا آزاد کی مستند سوانح عمری کا خاکہ (عابد رضا بیار) ۱/۴۳

۴۶۶- مولانا آزاد، خبار خاطر اور کاروان خیال: حیرت انگیز اصلاحی عمل (ایضاً) ۴/۴۴

۴۶۷- آزاد — ایک صحافی (عابد رضا بیار) ۴/۴۳

صحافت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ کچھ کر دیا گیا ہے۔ ابھیال کے اہم نمونے بھی ہیں۔

۴۶۸- اسلام کا اقتصادی نظام مولانا آزاد کی نظر میں (رفیع اللہ عثمانی) ۲/۴۳

۴۶۹- مولانا ابراہیم الکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا انتخاب (فضل الرحمن مرقا) ۶/۴۳

بنام دین محمد تہ عاری ہے جنہیں میں خود جانتا ہوں۔

۴۷۰- ابراہیم الکلام — حبیب الرحمن شروانی تعلقات پر لطیف تبصرہ (اکبر آبادی) ۳/۲۵

۴۷۱- مولانا ابراہیم الکلام آزاد بحیثیت ایک صاحب طرز افشاہداز کے (رفیع اللہ) ۶/۵۱

۴۷۲- مولانا آزاد کا ایک فیصلہ (سیہ عطار النبی - کلکتہ) ۴/۴۶

سجدہ خضوع کے بارے میں ۱۹۲۰ء میں، اسی زمانہ کا شائع شدہ پمفلٹ۔

۴۷۳- مکتوبات سلیمانی مرتبہ عبد الماجد دنیابادی پربہرہ (اکبر آبادی) (۵۲) ۵۴/۵۴

خاموش مولانا آزاد کے سلسلے میں

۴۷۴- مولانا ابراہیم الکلام آزاد اور مولانا محمد اللہ سندھی: اخلاقی شخصیات، تقابلی مطالعہ

(ابو سلمان شہباز دہلوی) ۴/۵۵

اقبال (۲۲)

- ۳۷۵- اقبال اور قرآن (ابکر حسین قریشی) ۳/۴۷
- ۳۷۶- کیمیائے اقبال () ۶/۴۷ : ۴/۴۸
- ۳۷۷- کلام اقبال میں آیات قرآنی کا تنبیہ (زابدالمصنف) ۵/۴۸
- قریشی کے مضمون پر
- ۳۷۸- اردو کی جدید شاعری اور اقبال (دقت احرف) ۶/۴ : ۱/۵
- ۳۷۹- اقبال کا نظریہ شاعری (خواجہ احمد فاروقی) ۳/۲۴
- ۳۸۰- اقبال کی کہانی مصنفہ ظہیر الدین احمد جامی پرتیسرو (اکبر آبادی) ۲/۳ (۳)
- ۳۸۱- "اقبال کی کہانی" پر تنقید (میر ذوالدین) ۴/۳۰
- ۳۸۲- اقبال کی کہانی - پرتیسرے سے متاثر ہو کر: ظہیر الدین احمد جامی (۵/۳۰)
- ۳۸۳- اقبال کا فلسفہ خودی اور فلسفہ مذہب (منقوشہ خاں) ۴/۲۷
- ۳۸۴- اقبال کا پیغام عصر حاضر کے انسان کے نام (تاریخہ انجیر الدین پشت) ۶/۲۸
- ۳۸۵- ایک جوئے نسبت کن کو تہ روزاں: اقبال کے پتہ غیر مرتب نوادر (مابدردشا بیدار) ۶/۲۵
- ۳۸۶- قبال کا فلسفہ خودی (میر ذوالدین) ۵/۴ : ۱/۲
- ۳۸۷- اقبال اور رومی (سید عبداللہ) ۳/۱۳
- اقبال و رومی کا دینی و عمرانی مقام (صوفی نذیر احمد شریقی) ۶/۳۵
- ۳۸۸- اقبال اور آرزوئے نیافت (ایثار علی شریقی) ۶/۱۶
- ۳۸۹- اقبال اور فسطائیت (حمید سلطان) ۱/۱۹
- ۳۹۰- اقبال اور نظریہ سعی و عمل (شیخ وحید احمد شیخونہ) ۳/۱۷ : ۳/۴
- ۳۹۱- اقبال اور فارسی شعرا (ابکر حسین قریشی) ۱/۵۰
- ۳۹۲- ڈاکٹر محمد اقبال کی تفہیمات و ترجیحات (حکیم فضل الرحمن نوابی) ۲/۵۳
- ۳۹۳- اقبال سے ایک ملاقات (ذکرات) ۲/۵۵

۴۹۴۔ اقبال کا ایک شعرا و اداس کا مفہوم (اکبر آبادی) ۵/۲۱

(۲۳) فارسی ادب

۴۹۵۔ ایران کا ایک جدید شاعر رشید یاسمی (فرمانی انصاری) ۵/۴۲

۴۹۶۔ شعرائے ایران کا پیشرو رودکی (رضیعیں) ۳/۴۴

۴۹۷۔ ابوالحسن سینا بحیثیت ایک فارسی ادیب اور شاعر (رضیعیں) ۳/۴۴

۴۹۸۔ قاضی کا ایک قصیدہ (آفتاب اختر) ۴/۴۵

— مزاربا۔ غباربا۔ دردم مرزا قیطان

۴۹۹۔ سیستان کا مشہور قصیدہ گو فرخی سیستانی (رضیعیں) ۲/۴۵

۵۰۰۔ ہند پر فارسی زبان داب کے اثرات (مفتاح الرحمن سیوادی) ۵/۳۹

۵۰۱۔ طوطی ہند امیر خسرو کی زندگی پر طائرانہ نظر (اشرف حسین) ۴۷۳/۳۴

۵۰۲۔ شہزادی رومی میں بے جا تصرفات (محمد احمد صدیقی) ۴/۳۴

۵۰۲۔ شبنم شاداب۔ نشر کردہ کتابستان انار آباد پر ایک نظر (محمد احمد صدیقی) ۵/۳۴

۵۰۴۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت اور فارسی صحافت کا آغاز (کونورسین) ۴/۳۲

— کونورسین مقیم دہرہ دون کی ایک کتاب کا ایک باب

۵۰۵۔ حکیم سنائی (خلیل اللہ خلیل) افغانستان۔ ترجمہ: انعام اللہ خاں ناصر (۲/۳۰-۳۱/۱۶)

۵۰۶۔ ملک الشعراء طالب آملی، ۱۰۴۲ کا مخطوطہ (خواجہ عبدالرشید) ۳/۳۱

۵۰۷۔ ملک الشعراء طالب آملی (انتیلا علی عثمانی) ۶/۳۱

— نسخے ملتے ہیں مگر بہت بعد کے۔

۵۰۸۔ مولائے روم (سید مبارک الدین رفعت) ۴/۳۱

۵۰۹۔ "ملفوظات رومی اردو" — تحقیق کی روشنی میں، مترجم عبدالرشید تبسم (دہرہ دون شہابا)

۲۰۱/۵۲۰۶/۵۰

۵۱۰۔ شہزادی مولانا روم (خواجہ عبدالرشید) ۴/۴۹

— شہزی کے ابتدائی اشعار پر

۵۱۱۔ سنسکرت کا فارسی ترجمہ (دلفوزندوی) ۱/۳۲

— شروع سے اب تک جو ترجمے ہوئے ہیں خاص کر مثل جہدیں ان پر بہت عمدہ مضمون ہے

۵۱۲۔ رشید یاسمی کا فلسفہ اخلاق (گلشی زائی و ششٹ) ۲/۵۰/۳۳

۵۱۳۔ اسماعیل زرنی (شیخ فرید برہانپوری) ۳/۲۸

۵۱۴۔ ایرض مرزا اداس کی شاعری پر ایک نظر (قاضی محمد ابراہیم) ۴/۴۱

۵۱۵۔ بہرام مرزا صفوی (قاضی محمد ابراہیم) ۲/۳۷

۵۱۶۔ شاہ کمال الدین گزرم کندوی — اور ان کا کلام (سخت دت مرزا) ۴/۳۰/۳۳

۵۱۷۔ ادیب پشت دوی (میرولی اللہ) ۲/۱۹

— طہران سے تھوڑا چھپا۔ ۱۸۴۴ء کی پیدائش

۵۱۸۔ محمد الحسن اشعری اہلند کا تفسیر برائے شاہ حبیب اللہ خاں والی افغانستان ...

— قضا دہنوں سے نقل ہو کے آیا ہے۔ موزن ۱۹۰۷ء

۵۱۹۔ سہان محمد دغزوی کی وفات پر ایک نظم (مہر الرض خان) ۴/۸

— وہ یہودہ بھی جو اصل کتاب کے ساتھ شائع ہوتی رہی ہے۔ فردوسی کی نہیں۔

”راقم نے بچپن میں کچھ اشعار فارسی میں کہے تھے وہ بھی عربی ہیں“

۵۲۰۔ فردوسی کے شاہنامہ میں رومانی عناصر (آفتاب اختر) ۶/۴۶

۵۲۱۔ فردوسی کا عہد اور اس کی ادبی خصوصیات () ۵/۴۸

۵۲۲۔ عربی — حیات و تصنیفات (ظہر۔ دہلی) ۴/۳/۵۰

۵۲۳۔ مرزا حسن بیگ رفیع (میدانی سرس جابری) ۲/۵۳

— محمد شاہ جہانی کا ایرانی شاعر

۵۲۴۔ ”آدم نامہ“ مؤلفہ مولانا فضل امام خیر آبادی (حکیم بنو الدین) ۶/۲۱

— قلمی

۵۲۵۔ گہاڑے بچکارنگ : موقوفات ہندی یا فیہ افیہ کا ایسی ایٹرن (ہر محفل شہاب) ۳/۵۱

_____ فردز الفز کی مرتبہ تبسم کی ترجمہ کتاب پر (اس پہلے نمبر ۵۰۵ جی ملاحظہ ہو)

۵۲۶۔ ذوق رام حسرت (عابد غامبیدار) ۴/۵۳

_____ فاری کا ایک گام مشاعرہ ایرانی جس کا اعتراف کرتے تھے۔

۵۲۷۔ حکیم ابوالقاسم فردوسی (آفتاب اختر) ۴/۵۵

۵۲۸۔ سید احمد کاشفی (زیدی جعفری) ۴/۵۲

_____ فاری اور ہندی کا ایک غیر معروف شاعر

۵۲۹۔ (سید امیر حسن عابدی) ۶/۵۴

(زیدی جعفریضا) ۵۵

۵۲۸ج۔ داستان امیر خسرو (فضل الرحمن)

۵۲۸د۔ فارسی زبان کا ارتقا (عبدالرحمن ناصر مصلاتی) ۶/۵۵

(۲۴) عربی ادب

۵۲۹۔ عربی علوم و فنون پر اسلام کا اثر (فضل الرحمن عثمانی) ۴/۴۱

۵۳۰۔ ہندوستان کے عربی شعرا پر ایک نظر (ابو مفضل اکرم معصومی) ۳۲/۳۲

_____ معصومی سے کچھ مضمون بطور "معارف" پر کاموں پوری نے "جمہوری گٹھ" میں

مضمون لکھا۔ اس پر :

۵۳۱۔ عیون الاخبار مصنفہ ابن قتیبہ الدینوری (خوشیاد صوفی) ۴/۳۲

۵۳۲۔ عربی شاعری اور خیالات کا اثر بر وقتسا و اطالیہ کی شاعری پر (محمد احمد صدیقی) ۱۰/۳۶

۵۳۳۔ شعر عربی کی مختصر تاریخ (عربی جبین) ۶/۳۸ : ۶/۳۹ : ۲۰۱/۴۴ : ۲/۴۴

۵۳۴۔ حسان بن ثابت اور ان کی شاعری (محمد عریضی غلام احمد) ۶/۳۹ : ۱۰/۴۱

۵۳۵۔ قدامتین جعفر الکاتب (معصومی) ۳۱/۲/۴۰

———— بتقریب طبع جدید - نقد الشعر

۵۳۶۔ جریدہ عربی شاعری کے علمبردار در رشید احمد ارشد ۶/۴/۴۰

———— باردی، یکن، مطران، طاق

۵۳۷۔ جدید عراقی شاعری کے رہنما (رشید احمد ارشد) ۳/۴/۴۱

———— زبانی : رسانی

۵۳۸۔ ہندستان میں زبان عربی کی ترقی و ترویج : علامہ ہند اور عرب و عجمی مہاجرین کا مختصر تذکرہ -

(عبدالملک آمدی) ۳/۸-۵

۵۳۹۔ مجازی عربی کاسامی زبانوں میں مقام (مناظر حسن گیلانی) ۵/۱۲

۴۰۔ زبیر بن ابی سلمیٰ : سوانح و کلام (ڈاکٹر محمد یونس - علی گڑھ) ۲۱/۱۵

۴۱۔ بطرس البستانی (رشید احمد ارشد) ۵/۱۵

۴۲۔ عبداللہ بن المعتز () ۶/۱۶ : ۱/۱۷

۴۳۔ عربی ادب کے پیارے مفتاحین (رشید احمد ارشد) ۶/۱۸

۴۴۔ حضرت غسان عرب کی بہترین مرثیہ گو شاعر (رشید احمد ارشد)

۴۵۔ زبان کا ماحول اور شاعری (غور رشید احمد فارق) ۳/۲۳

۴۶۔ جاویدوں سے دلچسپی رکھنے والا عربی کا ایک قدیم شاعر (غور رشید احمد فارق) ۳/۲۳

———— قائم : عہد عباسیہ

۴۷۔ بیان اللسان پر تبصرہ (محبوب الرحمن ازہری) ۳/۲۵

———— عربی اردو و گشتی مرتبہ تاضی زین العابدین سجاد

۴۸۔ عربی زبان کی ترویج و اشاعت (اکبر آبادی) ۶/۴

۴۹۔ عربی زبان کی تعلیم یورپ و امریکہ کی یونیورسٹیوں میں (ملخص) ۶/۵

۵۵۰۔ امریکہ میں عربی زبان کے چند مثالی ادیب (المستعرب العربی) ۳/۴
 ————— (تخلیص و ترجمہ)

۵۵۱۔ امام ابن الاثیر کی کتاب الاضداد فی اللغة (قاضی الطبر) ۴/۴۶
 ————— حکومت کراچی کی مشائع کردہ

۵۵۲۔ سبط الاکلی پر تنقید کا جواب (عبدالرزاق سیفی) ۶/۱؛ ۲/۱-۴
 ————— مولانا سورتی کی سوانح میں تنقید کے جواب میں

۵۵۳۔ ترقی میں (سید اعجاز علی) ۶/۲

————— سورتی، یمن، قاضی کے سلسلہ میں

۵۵۴۔ سوویت روس میں عربی زبان و ادب کی تعلیم (تخلیص: المستعرب العربی) ۱/۱۱
 ————— مصنفہ مینورسکی

۵۵۵۔ حکیم عبدالرحمن سہارن پوری: ہندستان کا ایک پُر عربی شاعر (علامہ علی خاں رام پوری) ۲/۵۵

۵۵۶۔ عبدالقادر جانی کا تنقیدی نظریہ (اقشام احمد ندوی) ۴/۵۵

۵۵۷۔ عربی تنقید پر قرآن مجید کے اثرات () ۲/۵۲

————— اعجاز القرآن پر

۵۵۸۔ ابوالحیات قوجیدی کے تنقیدی انکار (سید اقسام احمد ندوی) ۶/۵۵

۵۵۹۔ ادب کیا ہے؟ (دقار احمد رضوی) ۶/۵۴

۵۶۰۔ جمیل الزہادی عراق کا نامور شاعر (محمود الحسن ندوی) ۶/۵۳

● ظہیر الدین کی تلمیح و تدوین (اشفاق علی شاہ بانی پور) ۳/۴۹

②۵ ترکی ادب

۵۶۱۔ جدید ترکی ادب میں معاشرتی موضوعات (محمود الحسن) ۶/۴۷؛ ۳-۱/۴۸

③۹ سیرت پاک

۵۶۲۔ بیشتر ازدواج النبی (المفت محمد رفیع) ۶/۲۸

۵۶۰۔ حضرت علیؑ کا صحابہ مانی اور آنحضرتؐ کی ناراضگی (اکبر آبادی) ۱/۳۰

———— ایک سوال کا سرسری سا جواب

۵۶۱۔ مکتوب نبویؐ اور قیصر روم کا اعتراض (محبوب رضوی) ۲/۳۶

۵۶۲۔ ابن ابی علیٰ خلقی عظیم (حفظ الرحمن) ۵/۲

۵۶۳۔ الامام منذر ابن ابی بکر کی ایک روایت پر تنقید (حضرت مولانا: حفظ الرحمن صاحب ناظم اعلیٰ مجلیہ المعارف) ۳/۲۲

———— کلمی کی کتاب الامت نام کا ترجمہ کر رہا ہے اس سلسلہ میں

۵۶۴۔ واقعات سیرت نبویؐ میں توفیقی تضاد اور اس کا حل (اسحق ابنی علوی) ۶/۵۲ : ۶/۵۳ : ۶/۵۴

———— ہر بیان کے اہم ترین مضامین میں سے ایک : تقریباً سارے مضامین میں ختم ہوا ہے۔

گمشدہ اسلامی کتب ریاضی کی کتب کی کتب لگائی ہے اور اس طرح اس تضاد کو دور کیا ہے جو موجودہ دور تک چلا آ رہا تھا کہ مورخوں کے بیان کردہ تاریخوں دونوں اور بیرونی معاملات نہیں ملتی تھیں !

۵۶۵۔ ولادت خیر الانامی : یعنی پیغمبر اسلامؐ کی تاریخ ولادت، نظریہ علوی کی روشنی میں

(حبیب الرحمن خاں صاحبہری - مرشد آباد) ۴/۵۴

———— اسحق ابنی علوی کی دریافت کی بنیاد پر تحقیقات کو آگے بڑھانے کے تاریخ ولادت کے

تعیین کی کوشش کی ہے۔

②۴ - تذکرہ

۵۶۶۔ نگارفتہ جو (اکبر آبادی، نظرات) ۲/۵

———— نیا زونے جون ۲۰۰۶ میں 'جو اس' لکھی ہے اس پر

۵۶۷۔ شاخت اور حقیقتی (اکبر آبادی) ۵/۵۰

۵۶۸۔ امیر شکیب ارسلان (سیاحتنام احمد ندوی) ۵/۵۰

۵۶۹۔ امیر شریعت محمدی الدین قادری پھلواروی (عون احمد) ۵/۱۸

۷۰۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی بعض علمی خصوصیات (ابراہیم رضوی اردو پری) ۱/۱۱ : ۲

- ۵۷۱۔ شمس العلما مولوی عبدالرحمن (اکبر آبادی) ۶/۳۶
- _____ جون ۲۷ء تک رام پور میں رہے۔ اہم مضمون ہے۔
- ۵۷۲۔ مجموعہ مکاتیب حضرت سید احمد بریلوی قلمی سالار جنگ میں (نثار احمد فاروقی) ۳/۳۶
- ۵۷۳۔ سعید احمد اکبر آبادی برہان کی ادارت سے بکدوش (منشی متیق الرحمن عثمانی) ۵/۱۱
- _____ سینٹ اسٹیفنس کالج میں ملازمت کے سبب۔
- نظرات اس سے پہلے ہی منقہ صاحب لکھنے لگے تھے۔
- ۵۷۴۔ مولانا ناوٹوی ڈی قضاہ کی کلامی اہمیت اور ان کی بے قدری
- _____ نظرات (منشی متیق الرحمن عثمانی) ۵/۱۱
- ۵۷۵۔ مجذوب سندھی کی چند الہامی باتیں (اکبر آبادی) ۴/۲۴
- _____ عبید اللہ کی سیاسیات عالم پر گہری نظر تھی۔
- ۵۷۶۔ عبید اللہ سندھی اور دین الہی (منشی متیق الرحمن عثمانی) ۴/۱۰
- _____ سندھی کا ایک خط جس میں معذرت کی ہے۔
- ۵۷۷۔ مولانا عبید اللہ سندھی: ایک تبصرہ پر تبصرو (اکبر آبادی) ۲/۱۳ - ۶؛ ۱/۱۴ - ۴
- _____ مسعود عالم ندوی کے تبصرے پر
- ۵۷۸۔ مولانا عبید اللہ سندھی (حسین احمد ندوی) ۴/۱۴
- ۵۷۹۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک - استدلاک (عبید اللہ سندھی) ۵/۱۰
- ۵۸۰۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی۔ ۳۲ سالہ سائنس دان کو طبیعات کے سلسلے میں اس سال نوبل پرائز ملے اس سے پہلے ٹیگور اور رمن کو یہ انعام مل چکے ہیں۔ (نظرات) ۴/۵
- ۵۸۱۔ مولانا فی اور مولانا سنجی (منشی متیق الرحمن عثمانی: نظرات) ۴/۱۴
- ۵۸۲۔ ابو محفوظ معروف بن فیروز الکرنجی (اکبر آبادی) ۵/۴
- ۵۸۳۔ حضرت عبداللہ بن مبارک (اکبر آبادی) ۴/۴

_____ ماخوذ از "غلامان اسلام" جو میڈیشن ہوئی ہے۔

۵۸۳۔ میں _____ پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ (اگر آبادی) ۲/۲۲

_____ برائے ان کے کرتادھرتا پہلے سے مفتی صاحب ہیں اب نگران خرام احمد قاروقی اور
شہبانی کرتے رہیں گے۔

۵۸۵۔ مولوی محمد۔ م۔ ۱۹۰۱ء (مفتی عبدالقدیر) ۵/۲۵

_____ اس نام بہادر سنگھ

۵۸۶۔ مفتی متین الرحمن کا ذکر شبیر احمد عثمانی پرتو پتی نوٹ کے سلسلہ میں (اگر آبادی) ۱/۳۲

۵۸۷۔ مولانا ناؤوی سرسید کی نظریں (محبوب رضی) ۲/۱۷

_____ وفات پڑگڑ میں سرسید نے جو مضمون لکھا وہ نقل کیا ہے۔

۵۸۸۔ مفتی صاحب خیر سگالی میں رجب کے لئے عجاز مقدس کو (نظرات ستمبر ۱۹۶۹) ۴/۲۳

۵۸۹۔ سزا پافلاس و عمل شخصیت کا تعارف — نظرات (مفتی متین الرحمن عثمانی) ۴/۱۱

_____ تبلیغ جماعت پر۔ اصل جماعت یہی ہے، فلک ساز جماعت اسلامی وغیرہ فضول۔

۵۹۰۔ اقادات امام عبدالوہاب اشعرائی (ایکٹائی امام خاں نوشہروی) ۲۱/۲۰

۵۹۱۔ ذہب مومن احمد بن یوسف (فارق) ۶/۲۳ : ۲۱/۲۵

۵۹۲۔ البیرونی اور اسفندیار جیلیمان مرزبان بن رستم (معمولی) ۳/۳۳ : ۳/۳۴

۵۹۳۔ امیر البحر فیضان الدین یار بروہہ (خواجہ عبدالرشید) ۲/۴۱

۵۹۴۔ ابن الحنفیہ (فارق) ۴/۴۴ : ۶/۴۴

_____ حضرت علیؑ کے صاحبزادے۔

۵۹۵۔ یحییٰ بن یحییٰ اندلسی (بیتوب الرحمن عثمانی) ۵/۲

۵۹۶۔ امام دارقطنی (ابو سلمہ شفیق احمد بیانی) ۱/۲۶

_____ صاحب حوسہ برائے کتابت ہو چکی ہے۔

۵۹۷- علامہ ابن جوزی (مفتی عتیق الرحمن عثمانی) ۶/۱۲/۳۱۵ھ

————— صید الخصال کا تواتر ؛ اقتباسات

۵۹۸- محقق ودائی (غلام تھانی) ۵/۳۸

۵۹۹- قاضی شریح (فارق) ۶/۵/۳۱

۶۰۰- حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط (فارق) ۶/۵/۳۸ ؛ ۱/۳۹ ؛ ۵-۱/۳۹ ؛ ۲/۳۹

۶۰۱- حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط (فارق) ۶-۱/۳۵ ؛ ۶-۱/۳۶ ؛ ۲-۱/۳۷ ؛ ۶-۲/۳۷ ؛ ۶-۵/۳۸

۶۰۲- صدیق اکبرؓ سے حضرت علیؓ کی بیعت (اکبر آبادی) ۲/۳۶

————— دو بیعتیں ہونیں، یوں مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

۶۰۳- مالک بن نویرہ اور حضرت خالد بن الولید (اکبر آبادی) ۱/۳۷

————— حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کا اعداد کا واقعہ کو قس کرنے کے بعد حضرت خالدؓ نے مقول کی
پوری سے نکاح کر لیا۔

۶۰۴- مفتی عتیق الرحمن عثمانی کا کا نامہ : بُرہان اور مددۃ المصنفین

(اکبر آبادی : نظرات) ۴/۳۱

۶۰۵- سعید احمد اکبر آبادی (نظرات) ۱/۴۳

————— میں کلکتہ سے دس برس چند ماہ کی سروس کے بعد علی گڑھ آ گیا ہوں: ۱۹۵۹ء

۶۰۶- میر عبد الجلیل بگڑھی (عبد مالک آروی) ۶/۱

۶۰۷- علامہ سید جمال الدین افغانی (ترجمہ : شمس اللہ، عمر آباد) ۶/۴۲

————— قاہرہ کے المتأخرین ۱۸۹۷ء میں شائع شدہ ایک مضمون کا ترجمہ

۶۰۸- استاد کرد علی (شیخ الحدیث حسین) ۲/۳۹

۶۰۹- حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات "پرتیبرہ" (اکبر آبادی) ۳/۲۶

- ۶۱۰- ابن خلدون اور اس کا مقدمہ (محمد احمد صدیقی) ۵/۳۸ : ۳-۲/۳۹
- ۶۱۱- بلاذری کی کتاب الانساب (عراق) ۴/۳۸
- پر بی تفصیل دی ہے کہ کتاب کے کس باب میں کیا ہے۔
- ۶۱۲- ابن الجوزی اور تاریخ نویسی (عبد الرحمن خاں) ۳/۲۷ (۲)
- ۶۱۳- حضرت شیخ الہند کے سفرِ حجاز سے متعلق (حکیم سید محمود الحسن) ۶/۲۱
- ۶۱۴- مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کا سیاسی فکر و عمل (محمد اشفاق شاہ بچاچندی) ۱/۲۱
- ۶۱۵- شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز دہلوی سے متعلق چند غلط روایات (محمد عبدالدین خاں) ۵/۵۳
- ۶۱۶- شاہ عبدالعزیز دہلوی کی عقل شعور و ادب (محمد عبدالدین خاں) ۳/۵۵
- ۶۱۷- ایک علمبردارِ حدیث کے کارنامے اور بے لوث خدمات (عزیز الرحمن مدنی اعظمی) ۵۰۴/۵۲
- حکیم فضل الرحمن صوابی "متعنا اللہ بطلون بقاءہ" پر
- ۶۱۸- آہِ لبّی شبِ چراغِ ہند (نظرات) ۶/۵۴
- جواہر لال نہرو پر



(۲۸) وفيات

۶۱۹- آزاد سبحانی ۲/۳۹	۶۳۹- جگر مراد آبادی ۴/۴۵
۶۲۰- ابوالکلام آزاد ۳/۴۰	۶۴۰- جناح ۴/۲۱
۶۲۱- آصف علی ۵/۳۰	۶۴۱- حبیب الرحمن خاں شروانی ۳/۲۵
۶۲۲- سید ابوالنظر رضوی ۵/۳۶	۶۴۲- حبیب الرحمن لدھیانوی ۳/۳۷
۶۲۳- ابوالحسن محمد سجاد بهاری ۶/۵	۶۴۳- ڈپٹی حبیب اللہ ۴/۴۶
۶۲۴- ابن سعود ۶/۳۱	۶۴۴- حسرت ۶/۲۶
۶۲۵- ڈاکٹر ابرار حسین خالد سید احمد اکبر آبادی ۲/۲۹	۶۴۵- حسن نظامی ۳/۳۵
۶۲۶- احسن مارہروی ۴/۵	۶۴۶- حسین احمد دانی ۶/۳۹
۶۲۷- احمد سعید دہلوی ۶/۳	۶۴۷- حفظ الرحمن سیوہادی ۲/۲۹
۶۲۸- اسد طانی ۶/۴۳	۶۴۸- ذاب حمید اللہ خاں ۳/۴۴
۶۲۹- اسلم جیراچوری ۱/۳۶	۶۴۹- دل شاہ بھانپوری ۳/۴۴
۶۳۰- اشرف علی تھانوی ۲/۱۱	۶۵۰- سر ڈین سن راس ۴/۵
۶۳۱- اعجاز علی ۴/۳۴	۶۵۱- مام بابو سکینہ ۱/۴۰
۶۳۲- اقبال ۱/۱	۶۵۲- رفیع احمد قدانی ۵/۳۳
۶۳۳- اقبال سہیل ۶/۳۵	۶۵۲- پنڈت تریمون ناتھ نارائنی ۵/۵۵
۶۳۴- اکبر شاہ خاں ۱/۱	۶۵۳- محی الدین دور ۶/۵۰
۶۳۵- ایساں کاندھلوی ۵/۱۸	۶۵۴- سالک ۴/۴۳
۶۳۶- امجد حیدر آبادی ۵/۴۶	۶۵۵- سید سلیمان ندوی ۶/۳۱
۶۳۷- بدر عالم میرٹھی (درد مینہ) ۶/۵۵	۶۵۶- سر شاہ سلیمان ۴/۶
۶۳۸- بشیر الدین، اٹاوا ۱/۳۷	۶۵۷- سید انصاری ۶/۵
۶۳۹- تاجر نجیب آبادی ۲/۲۶	۶۵۸- سیاب ۲/۲۶

- ۶۷۸- ڈاکٹر عبدالعلی ۶/۴۶
 ۶۷۹- قاضی عبدالغفار ۲/۳۶
 ۶۸۰- شاہ عبدالقادر رائے پوری ۳/۴۹
 ۶۸۱- عبداللہ یوسف علی ۱/۳۲
 ۶۸۲- مفتی عبداللطیف (سہارنپور) ۳/۳۳
 ۶۸۳- مفتی عبداللطیف (علی گڑھ) ۱/۴۴
 ۶۸۴- عبدالمجید خواجہ ۱/۵۰
 ۶۸۵- عبید اللہ سندھی ۳/۱۳
 ۶۸۶- شاہ حلیم عطا ۵/۳۵
 ۶۸۷- عطاء اللہ شاہ بخاری ۳/۳۷
 ۶۸۸- فرحت اللہ بیگ ۵/۱۸
 ۶۸۹- محمد احمد کاظمی ۶/۴۳
 ۶۹۰- کشن پرشاد کول ۲/۳۴
 ۶۹۱- مفتی کفایت اللہ ۱/۴۰
 ۶۹۲- پنڈت کینی ۵/۳۵
 ۶۹۳- گاندھی جی ۳/۲۰
 ۶۹۴- لیاقت علی خاں ۵/۲۷
 ۶۹۵- محمد علی ردوئی ۴/۴۳
 ۶۹۶- محمد میاں منصور ۵/۱۶
 ۶۹۷- امیر شریعت محمد محی الدین قادری ہزاری ۱/۸
 ۶۹۸- محمود شیرانی ۵/۱۶
 ۶۵۹- شائق ندوی بھٹنکر ۲/۳۴
 ۶۶۰- شبیر احمد عثمانی ۱/۲۴
 ۶۶۱- شعیب قریشی ۴/۴۸
 ۶۶۲- محمد شفیع (بکجاب) ۶/۵۰
 ۶۶۳- شفیق جرنپوری ۶/۵۰
 ۶۶۴- شفیق الرحمن قدوائی ۶/۳۰
 ۶۶۵- صغیر اللہ شہید فرنگی علی ۴/۵۴
 ۶۶۵- سید صدیقی حسن ۴/۵۱ (۶ ستمبر)
 ۶۶۶- ضیاء الدین احمد (ندائے حق) ۵/۲۸
 ۶۶۶- سیدنا طاہر سیف الدین ۶/۵۵
 ۶۶۷- طسلف دی جہری ۳/۴
 ۶۶۸- طغیانی احمد منگوری ۵/۱۶
 ۶۶۹- ظفر علی خاں ۶/۳۷
 ۶۷۰- خلیفہ عبدالغنی ۲/۴۲
 ۶۷۱- مولوی عبدالحق ۳/۴۷
 ۶۷۲- افضل العلماء عبدالحق ۴/۴۰
 ۶۷۳- عبدالحق مدنی ۲/۳۵
 ۶۷۴- خواجہ عبدالحق فاروقی ۲/۵۴
 ۶۷۵- عبدالرحمن ۳/۳۳
 ۶۷۶- عبد الرحمن خاں ۴/۴۹
 ۶۷۷- خواجہ عبدالودود عشرت ۴/۵
 ۶۷۸- عبدالسلام ندوی ۳/۳۷

- ۶۹۹- مصطفیٰ کمال ۶/۱ ۷۰۵- تہال سیوہادی ۱/۲۸
 ۷۰۰- مطلوب الرحمن عثمانی ۲/۲۵ ۷۰۶- نکلسن ۵/۱۵
 ۷۰۱- معین الدین اجیری ۳/۲۷ (آبروی - انگریز)
 ۷۰۲- طبع آبادی ۱/۲۳ ۷۰۷- ہادی حسن ۶/۵۰
 ۷۰۳- مناظر احسن گیلانی ۱/۳۷ ۷۰۸- یعقوب الرحمن عثمانی ۳/۲۸
 ۷۰۴- ظہیر الحسن ناظم سیوہادی ۳/۲۲ ۷۰۹- محمد یوسف (امیر جامعہ تہلیف) ۴/۵۴

(۲۹) فنون جمیلہ

(تیسرے معصومی: تیسری: غیرہ)

- ۷۱۰- عراق دہم پر ہندوستانی فن کا اثر (ایسٹ آرٹ - ترجمہ: عبداللہ چغتائی) ۳/۱
 ۷۱۱- عہدِ وسطیٰ کے ہندستان کا فنِ تعمیر (یوسف کمال بخاری) ۶-۳/۳۷
 ۷۱۲- اسلامی سنائے لطیفہ: اور یورپی سنائے لطیفہ پر ان کا اثر (۱۷۱۰ء: بیسٹ)
 ترجمہ: سہار الدین رفعت) ۵-۲/۴۰

————— ”درخت اسلام“ میں شائع شدہ مضمون کا ترجمہ

- ۷۱۳- مغربی فنِ تعمیر پر اسلامی فنِ تعمیر کے اثرات (مارش ایس برگس - ترجمہ: رفعت) ۱/۲۸
 ۷۱۴- تمدنی، ثقافتی، جغرافیائی و مذہبی اثرات:

تہذیبوں نے ہندی اسلامی فنِ تعمیر کے ارتقا میں حصہ لیا (عبداللہ چغتائی) ۱/۳۲

۷۱۵- تاج محل (عبداللہ چغتائی) ۶/۳۲

————— تاج محل روضۂ ممتاز محل کا جگہ ہے۔

۷۱۶- جامعہ قرطبہ (محمد ظفر الدین) ۱/۲۶

”تاریخ مساجد“ کا ایک باب۔

۷۱۷- جائے اموی دمشق (محمد ظفر الدین) ۶/۲۷

————— تاریخ مساجد کا ایک باب۔

- ۶۱۸۔ دیوبند کی چند تاریخی مسجدیں (سید محبوب رضوی) ۶/۲۶
 ۶۱۹۔ احمد آباد کی شیدی سعید کی مسجد (ابوظفر ندوی) ۴/۳۳
 ۶۲۰۔ اصفہان (صغیر حسن معصومی) ۲/۳۵ اس سے قبل ملاحظہ ہو: ۵۱۹
 ۶۲۱۔ "حالات ہندوستان" (کے بعد تاریخ الملوک) (خواجہ عبدالرشید) ۳/۲۶ (۴)
 ————— عبداللہ چغتائی کے موضوع "حالات ہندوستان" یعنی حالات خوشنویسیاں پر
 یہ محفوظ ملاحظہ اس کا تعارف۔

- ۶۲۔۔ مشرقین یورپ اور اسلام میں معصومی کے احکام (سید جمال حسن شیرازی) ۲/۱۱-۵
 ۶۲۳۔ نصرانیوں (تلمیخ: المقتطف) ۳/۵
 ۶۲۴۔ موسیقی اور روحانیت (حکیم سید ابراہیم انظر رضوی) ۲/۱
 ————— غنی روزنامہ

- ۶۲۵۔ جامع مسجد ہرات (تلمیخ و ترجمہ) ۶/۱۲
 ۶۲۶۔ ہندوستان میں اسلامی طرزِ تعمیر (عبداللہ چغتائی۔ ترجمہ: جمال حسن شیرازی) ۳/۱۰۰
 ۶۲۷۔ قبۃ الصخر: پہلی صدی ہجری کی سب سے زیادہ خوبصورت عمارت
 (کرندیل ترجمہ: اکبر آبادی) ۵/۲

۳۰ اشار

- ۶۲۸۔ حدود العالم من المشرق الی المغرب: افغانستان قدیم کے ایک جغرافیہ نگار کا نامہ (تلمیخ) ۳/۶
 ۶۲۹۔ عراقی کردستان میں کھدائی کا کام (لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید) ۵/۲۷
 ————— قبل از تاریخ کا تہذیب و تمدن
 ۶۳۰۔ کتبہ مارگلہ (خواجہ عبدالرشید) ۴/۳۶؛ ضمیمہ (زمبید احمد)۔ و نظرات ۵/۳۶
 ————— راولپنڈی اور ٹکسیلا کے درمیان ہے۔
 ۶۳۱۔ کابل میں دو صحابہ کی قبریں: حضرت تمیم دجیر (تلمیخ آریانا کابل) از گریہ امتدادی۔ ۷-

- ۴۳۲- یمن کا قدیم تمدن: تین ہزار سال پرانی تہذیب (سیدنا پیر الہی قیصر) ۴/۱۱
- ۴۳۳- ہرات کے آثار قدیمہ (مترجمہ عفت اللہ) ۲/۶ - ۶
- ۴۳۴- 'ماندر' عرب جہاز رانوں کی قدیم بستی (۴) ۲/۱۶
- ۴۳۵- ہلال خصب (FERTILE CRESCENT) اور وادی سندھ (عبدالرشید) ۵/۱۴
- ۴۳۶- لاہور کی ایک وجہ تسمیہ (خواجہ عبدالرشید) ۳/۱۴
- ۴۳۷- اُچھڑ (میر جہانگیر علی خان) ۶/۱۴
- خواجہ عبدالرشید کی تائید میں -

(۳۱) تاریخ قدیم

- ۴۳۸- تاریخ کے دور آغاز میں مختلف آریں قومیں (خواجہ عبدالرشید) ۳/۱۵
- ۴۳۹- تہذیب و تمدن آشور (لفٹنٹ کرنل خواجہ عبدالرشید) ۱/۱۷
- ۴۴۰- دنیا کے تین بڑے جاہل تمدن (ابو صالح عثمانی) ۲/۱۹ : ۲۰/۲۱ -
- ۴۴۱- علم فتن الکلمہ (METATHESIS) (خواجہ عبدالرشید) ۲/۱۵

(۳۲) سفر نامے

- ۴۴۲- دیارِ عرب کا ایک مشاہدات و تاثرات (سید احمد اکبر آبادی) ۳۶۲/۵۱ : ۳۶۷/۵۲ : ۵-۳/۵۳ - ۲-۱/۵۴

- ۴۴۳- قاہرہ میں پہلی اسلامی کانفرنس (اکبر آبادی) ۴/۵۲

— نظرات اور مقالہ

- ۴۴۵- انڈونیشیائی افزائشیائی اسلامی کانفرنس (اکبر آبادی) ۴/۵۴

— نظرات اور مقالہ

۴۴۷۔ مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کی دوسری سالانہ کانفرنس (اکبر آبادی) ۲/۵۵

۴۴۸۔ پندرہ روزہ دورہ روس کی روداد (منقہ عتیق الرحمن عثمانی) ۵۴/۳/۵۲

———— سلسلہ اشاعت نمبر ۶۶۳

(۳۳) تاریخ اسلام (مسلمانان)

۴۴۹۔ اسلامی روایات ادا ان کا تحفظ (سجیل واسطی) ۶/۱۳ : ۶/۱۳

———— مسلمانوں کے عروج و زوال پر بحث

۴۵۰۔ اندلس میں اسلامی تہذیب (ترجمہ: خالد کمال مبارکپوری) ۴/۴۶

۴۵۱۔ تمدن جدید پر عربی تہذیب کی فیصلت (اسٹالین پول - عرب المفتط - تلخیص) ۶/۵/۴

۴۵۲۔ جنگ قادسیہ کا ایک باب : سفر اسلام کی جرأت حق (حفظ الرحمن) ۶/۵/۶

۴۵۳۔ عربوں کی قومی تحریک اور جنگ (علیم اللہ صدیقی - ترجمہ) ۲/۱/۸

———— ”راؤنڈ ٹیبل“ سے ترجمہ

۴۵۴۔ بیت المقدس (نشی عبدالقدیر) ۳/۲/۱۶

———— سلسلہ

۴۵۵۔ مسلمانوں کے تعلقات غیر قوموں کے ساتھ، قرونِ اولیٰ میں (اکبر آبادی) ۳/۲/۱

۴۵۶۔ حضرت بلالؓ کا نام و نسب (عبداللہ چغتائی) ۴/۹

۴۵۷۔ عہدِ مامونی کے چند نامور (شہزادہ احمد علی خاں دہلوی - کابل) ۱/۸

۴۵۸۔ امیر المومنین عبدالرحمن الناصر الدین اللہ (سید انوار الحق) ۴/۲۲-۶

۴۵۹۔ مسلمانوں کے دنیوی معائب کے دینی اسباب (گیلانی) ۱/۲۲

۴۶۰۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں سماج میں عورت کا مقام (نصیر الدین ہاشمی) ۴/۵۰

۴۶۱۔ عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث (محمود الحسن) ۴/۳/۵۴

———— پہلی صدی ہجری کا اہم شخص

- ۷۶۲۔ اسلامی دنیا چوتھی صدی ہجری میں، مقدسی کی احسن التقاسیم کی مدد سے (فارق) ۶۰۵/۳۲؛ ۶۰۳/۳۱؛ ۶۰۴/۳۲
- ۷۶۳۔ اسلامی دنیا چوتھی صدی ہجری میں (خورشید احمد فارق) ۳۰۲/۳۲
- ۷۶۴۔ اعظم کوئی کی تاریخ فتوح (”) ۵/۳۳
- ۷۶۵۔ واقعہ بیعت یزید کی تحقیق مزید (قامی زین العابدین سجاد) ۲/۲۶
- ۷۶۶۔ افغانوں میں اشاعت اسلام کی ابتدا اور اس کے اسباب (رحیم عبدالرزاق لاہوری) ۳/۳۲
- دیہی قدیم خالد اور قیس عبدالرشید کی داستان
- ۷۶۷۔ دنیا سے اسلام اور مدیر لافٹ انٹرنیشنل نیویارک (ترجمہ: نظام الدین ایس گورگیر) ۳/۳۲
- ۷۶۸۔ تاریخ الردۃ (خورشید احمد فارق) ۴/۳۳-۱؛ ۴/۳۲؛ ۱/۳۵؛ ۵-۱/۳۶؛ ۳/۳۱
- ایک علمی کتاب مصنفہ ہنسٹی سے، جو قاہرہ میں ہے۔
- ۷۶۹۔ مختار بن ابوعبیدہ الثقفی (خورشید احمد فارق) ۳/۲۶-۳؛ ۶-۱/۲۷
- ۷۷۰۔ سلطان محمود غزنوی کی تصویر کا حقیقی رخ (محبوب رضوی) ۲/۳۳
- ۷۷۱۔ خالد بن سنان الصبی (محمد خالدی) ۴/۳۲؛ ۵
- عرب میں عیسیٰ اور محمد کے درمیان کسبھی
- ۷۷۲۔ علی صرف تاریخ کی روشنی میں (ذوالحسین۔ ترجمہ عبدالحیہ ثنائی) ۶/۳۲؛ ۵/۳۱؛ ۱/۳۲
- ۷۷۳۔ عثمان صرف تاریخ کی روشنی میں (” ” ”) ۱/۳۳-۱؛ ۶/۳۵؛ ۴/۳۲
- ۷۷۴۔ قریش کی تصویر قرآن کے آئینہ میں (عبدالمجید) ۲/۳۲
- ۷۷۵۔ تاریخی حقائق (غفر الدین) ۲/۳۲؛ ۲/۳۲-۲؛ ۳/۳۳؛ ۵/۳۵؛ ۶/۳۵؛ ۱/۳۱
- بعض سلاطین ازل و ابدا کے شخصی حالات زندگی؛ تاریخ ملت؛ وغیرہ
- ۷۷۶۔ مجزیہ قوسرہ (حسنی عبدالبواب پاشا۔ ترجمہ: معصومی) ۵/۳۱
- مقلیدہ اور توس کے درمیان اسلامی لٹارات
- ۷۷۷۔ حضرت عمرؓ کی زندگی کے چند واقعات (فارق) ۱/۳۲

۷۷۸۔ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط (فارق) ۱/۴۶؛ ۲/۴۷؛ ۳/۴۸؛ ۴/۴۹؛ ۵/۵۰؛ ۶/۵۱؛ ۷/۵۲

۷۷۹۔ عثمانؓ کی پراثر اشارات اور ان کا جائزہ (فارق) ۲/۵۲ - ۶

(۳۴) تاریخ ہندستان

۷۸۰۔ حیدرآباد کے احوال تقسیم کے بعد (اکبر آبادی) ۳/۴۱

_____ ایک سفر کا تاثر

۷۸۱۔ امیر الامرا نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ اور جنگ پانی پت (اختتام اللہ شہابی) ۱/۲۶؛ ۲/۲۷؛ ۳/۲۸

_____ اپریل ۱۹۵۰ کا منقطع سلسلہ

۷۸۲۔ مقتض غوری (خواجہ عبدالرشید) ۱/۳۶

۷۸۳۔ سلطان محمود غزنوی کی ادب نوازی اور چوتھی صدی ہجری کی سیاست (سید شیر فاطمہ) ۲/۴۸

۷۸۴۔ محمود غزنوی پر ایک سرسری نظر (بشیر الدین پنڈت) ۲/۳۸

۷۸۵۔ شاہانِ مغلیہ کا شراب سے اجتناب (قاضی محمد ابراہیم) ۳/۳۸

_____ کتنا اجتناب تھا۔

۷۸۶۔ سلاطینِ مغلیہ کی حیاتِ معاشرۃ (قاضی محمد ابراہیم) ۶/۳۴

_____ بابر تا جہانگیر

۷۸۷۔ سندھ کی تسخیر اور اس پر اسلامی فرمانروائی کی پہلی دو صدیاں (ابوالقاسم رفیق دلاوری) ۱/۴۲

۷۸۸۔ نظامِ چشتیہ اور سلاطینِ دہلی (شیخ وحید احمد) ۲/۴۲

۷۸۹۔ سونمات کا سمندر اسلامی تاریخوں میں (نصر اللہ فلسفی - ترجمہ: مبارک الدین رفعت) ۶/۳۸

۷۹۰۔ عربی کی ایک قلمی کتاب سے تاریخِ ہند پر نئی روشنی (خورشید احمد فارق) ۱/۴۱؛ ۶/۴۲

_____ تفق کے معبر فضل اللہ العمری کی "مساکن الابرار"

۷۹۱۔ اسلام ان موڈرن سٹیوں کے ایک باب کا ترجمہ (اسمہ - ترجمہ: ضیاء الحسن قادری)

۱/۴۲؛ ۶/۴۳

۷۹۲۔ ترکِ بابری کا ترجمہ (محمد رحیم دہلوی) ۳/۳۵؛ ۴/۳۶؛ ۵/۳۷

۲/۳۹؛ ۳/۴۰؛ ۴/۴۱؛ ۵/۴۲

- ۷۹۳- اسباب خروج دزوال امت (اکبر آبادی) ۱/۸-۶
- ۷۹۴- بہادر شاہ ظفر کی عید (خواجہ عبدالحمید دہلوی) ۶/۱
- ۷۹۵- باقی سلطنت بہمنیہ کا نام و نسب (محمد عبداللہ چٹائی) ۶/۷
- ۷۹۶- امیر الامرا قباب نجیب الدولہ ثابت جنگ (مظہری) ۲۳/۳-۶؛ ۲۳/۱-۴
- ۷۹۷- ابوالخضر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی (۲۲/۳-۶)
- ۷۹۸- سلطان علاؤ الدین خلجی کے مذہبی رجحانات (خلیق احمد نظامی) ۲۱/۲۰۵-۶
- ۷۹۹- مسلمانوں کی آمد ہندوستان میں (خدا انصاری غازی) ۱/۱
- ۸۰۰- میر کا سیاسی ماحول (محمد عمر) ۵۰/۱۵۱-۱۵۲؛ ۱۵۳/۵۳-۲؛ ۵۵۴/۵۵۵-۳
- ۸۰۱- خلافت التوارخ اور اس کا مصنف (دورخسن انصاری) ۴/۵
- ۸۰۲- ترکوں کی فتح کے اسباب (جمال محمد مدنی) ۵/۵۰
- ۸۰۳- اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے (بشیر الدین پندت) ۲۱/۵۵
- ۸۰۴- ہندو مسلمانوں کے کچلر تعلقات (خواجہ احمد فاروقی) ۳/۲۱
- ۸۰۵- مرزا منٹو اور جنگ آزادی (منشی اعظم اللہ شہابی) ۶/۲۱
- ۸۰۶- سلاطین مغلیہ کی حیات و معاشرت (قاضی ابراہیم ڈار) ۶/۳۴
- ۸۰۷- کمالگیر ہندو کش تھا ظالم تھا سنگر تھا (منشی عتیق الرحمن عثمانی) ۶/۱۴
- ۸۰۸- میدان مشکوہ (عبداللہ چٹائی) ۱/۱۴

- ۸۰۹- فتح مانڈو (عبداللہ جٹانی) ۶/۱۱
- ۸۱۰- ۱۸۵۷ء کے پہلے کی دلی (خلیق احمد نظامی) ۶/۱۸ ؛ ۱/۱۹
- ۸۱۱- دونوں کے نامہ (مرتبہ خلیق احمد نظامی) ۵/۳۳
- _____ فارسی حواری نظم معتمد حاجی محمد ہدی قصبہ موئی ضلع بریلی۔
- ۸۱۲- ہندوستان کے متعلق جاچھ کے اجمالی معلومات کا تفصیلی مطالعہ (ابوالنور خالدی) ۱/۳۷-۶
- ۸۱۳- ہندوستان عہدِ غوثی کی تاریخ میں (سید محمد حسن قیصر) ۵-۲/۳۹
- _____ قدیم ہندوستان، عربی مآخذ کی روشنی میں
- ۸۱۴- پرنسپل اور سلطان علاؤ الدین خلجی (مشتاق احمد زاہدی) ۳/۴
- _____ طویل مضمون ہے جس میں بتایا ہے کہ الزام بے بنیاد ہے، اصل مآخذ پرمات ہے جس کا انساب بن گیا دانتہ کسی پرنسپل کا وجود ہی نہ تھا۔
- ۸۱۵- مغلوں کا تعلق گجرات سے (ہدایت الرحمن محسنی) ۵-۳/۵
- ۸۱۶- مسلمانانِ ہند کے زوال کے داخلی اسباب (سید عبداللہ) ۳/۶
- ۸۱۷- دیوبند: وجہ تسمیہ اور قدامت (سید محبوب رمزی) ۶/۶
- ۸۱۸- دلی کا مغل تاجدار بہادر شاہ جدید تاریخی روشنی میں (ہدایت محسنی) ۶-۲/۷
- ۸۱۹- ہندوستان کے پہاڑی علاقے، یعنی تال کپاوں، میں ایک جاپانی راجدھانی (گیمانی) ۴/۱۶
- _____ عنوان مخالف آئیز ہے۔ یار محمد کی "انشاء قلندر، قلی" سے کمایوں کا بیان دی گئی
- عہدِ محمد شاہ میں جہاں درویش تھے، ایک عورتوں کا قحبہ بننا شرافت کی نشانی تھی۔
- دوسرے شاہ پرستی۔
- ۸۲۰- سلطان محمد بن تغلق کے مذہبی رجحانات (خلیق احمد نظامی) ۳/۱۶
- ۸۲۱- متنی بیگم ایسٹ انڈیا کمپنی کی محسنہ خاص (پریم ناتھ بھٹا۔ ترجمہ: اکبر آبادی) ۴/۱۶
- ۸۲۲- شہنشاہِ ادھمک زریب عالمگیر کے لکھے ہوئے قرآن کریم (عبداللہ جٹانی) ۱/۱۹

۸۳۷- مصر ۹۹-۱۸۹۸ء میں: عبدالرحمن امرتسری کا سفرنامہ (عابد رضا بیدار) ۱/۱۱

۸۳۸- مصر ۱۹۰۰ء میں: محبوب عالم کا سفرنامہ (عابد رضا بیدار) ۵/۴۱

۸۳۹- سیاسیات مصر (اسرار احمد آزاد) ۲/۲۹

۸۴۰- مصر کا سیاسی پس منظر (مظفر شاہ خان) ۱۵/۶ (۱۴/۶)

۸۴۱- سودان کے عرب (تفہیم) ۵/۱۱

۳۸) افریقا

۸۴۲- مشرقی افریقہ کا علاقہ کینیا اور ماراؤ تحریک (ایما حسین قادری) ۳/۳۱

۸۴۳- حبشہ کے مسلمان (تفہیم، المستبح العربی) ۱/۱۰

۳۹) آسٹریلیا

۸۴۴- آسٹریلیا میں اسلام (ترجمہ: مجیب الرحمن عثمانی) ۵/۳۸

۴۰) اسلامیان روس

۸۴۵- قازان کے مسلمان (تفہیم) (سید محمد زاہد قیسر رضوی) ۴/۱۳

۸۴۶- کاکیشیا کے مسلمان: ایک ستیاج کے تاثرات

(تفہیم، المستبح العربی) ۴/۸

۸۴۷- علاقہ قفقاز (عبدالقدیر دہلوی) ۲/۹

۴۱) اسلامیان یورپ

۸۴۸- جنگ کے اٹھارہ مہینے (ہندستان ٹائمز۔ ترجمہ: جمال حسن شیرازی) ۱۵/۶

۸۴۹- پولینڈ کے مسلمان (تفہیم) از المستبح العربی - ۶/۷

۸۵۰- موجودہ جنگ کے دو اہم جزیرے: مالٹا، مافاسکو (عبدالقدیر دہلوی) ۶/۸

۸۵۱- مشرق وسطیٰ (عبدالانصاری غازی) ۶/۱

۸۵۲- نمائندہ کے مسلمان (اکبر آبادی) ۵۰/۲، ۳، ۴

(۴۲) اسلامیان چین

۸۵۳- تاریخ چین کا ایک ورق (سائمن گیوان) ۲/۲۹

خاتمہ "دوفتہ الصفا" میں اس سفارت کی ڈائری مکمل نقل کر دی گئی ہے جو تیمور کے بیٹے مرزا شاہ رخ نے چین کو بھیجی تھی۔ یہ مضمون اس پر مشتمل ہے۔

۸۵۴- چین کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی تاریخ (اسرار احمد آزاد) ۶/۳۸

۸۵۵- چین کے مسلمان تلمیذ : (المستیع العربی) ۲/۱۱

۸۵۶- چین کے مسلمان (یوسف شحنت کے عربی مضمون سے) ۳/۲۴

(۴۳) جنوبی مشرقی ایشیا

۸۵۷- برما (منظر شاہ خان یوسفی) ۴/۲۱

۸۵۸- انڈونیشیا میں سیاسی کشمکش (منظر شاہ خان) ۱/۱۹

۸۵۹- انڈونیشیا اور اسلام (محمد یوسف) ۲/۱۵۰



کتابخانے اور کتابیں (۴۴)

- ۸۶۰۔ جامع الہمدین، مؤلفہ عبدالباری ندوی پرتبصرہ (اکبر آبادی) ۱/۲۸-۶
 ۸۶۱۔ مکاتیب شیخ الاسلام مدنی، حصہ اول پرتبصرہ (اکبر آبادی) ۵/۲۹
 ۸۶۲۔ مختصر سیرت قرآن سیدنا محمد، مصنفہ محمد اہل خاں: تبصرہ (اکبر آبادی) ۶/۳۰؛ ۳۱/۳-۴
 ۸۶۳۔ بزم ملوکہ، مصنفہ صباح الدین عبدالرحمن: تبصرہ (مسموی) ۶/۳۵
 ۸۶۴۔ اشرف دشمن تو اسلام (انگریزی)، مصنفہ حمید اللہ: تبصرہ (اکبر آبادی) ۳/۴۱
 ۸۶۵۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل از سید فیض بدر الدین طیب جی: تبصرہ (اکبر آبادی) ۵/۳۰
 ————— اچھے مشورے دیے ہیں۔

- ۸۶۶۔ تصانیف اشعری (حافظ غلام تفتی) ۶/۳۷؛ ۱/۳۸
 ————— نیابت میں غابر دنیا بیدار کے مقالہ پر۔ میکار تخی اور بیدار کے رویں
 ۸۶۷۔ کتاب "نفسیات جمال" پرتبصرہ (سید ابوالنظر رضوی امروہوی) ۵/۱۸
 ۸۶۸۔ الیڈ کاغذی ترجمہ جو سیماں بستان فی کیا ہے (المنیر) ۱/۱۲
 ۸۶۹۔ دستورالضعافت مرتبہ عثمانی: اس کی ترتیب اور حواشی پرتنقید (آمنہ خاتون) ۳/۱۸
 ۸۷۰۔ آئنا نامہ، مصنفہ فضل العلم خیر آبادی، مرتبہ حکیم محمد بن ابوالدین صدیقی، ۱/۲۲
 ————— غازی ہیں۔

- ۸۷۱۔ اسیران اسلام۔ انگریزی، مصنفہ: میر خواجہ عبدالرشید، پرتنقید (میر احمد علی سونگیک) ۶/۴۶
 ۸۷۲۔ ایک علمی استفسار (خواجہ عبدالرشید) ۲/۵۵
 ————— تاریخ کلام الملوک اقبلی، مصنفہ: یوسف لاجبی کے بارے میں۔
 ۸۷۳۔ تفسیق اعظم: ڈیوی ڈسمل کلائیکیشن کے اردو ترجمہ کا تعارف (اختیار علی مرثی) ۱/۵۲
 ————— سید محمد حسن قصیر کے ترجمہ کا تعارف۔

۸۷۴- مکتوباتِ سنّیانی، مرتبہ عبدالجبار آبادی (اکبر آبادی) ۵۳-۵۳/

_____ تفصیل تبصرہ۔

۸۷۵- ہندوستان کے عربی فارسی کاتبانے (اختیار عملِ عرشی) ۵/۱۸

۸۷۶- تاجرہ کا اسلامی یوزیم (خالد کمال مبارک پوری) ۶/۴۶

_____ جو ستر ہزار شاہکاروں پر مشتمل ہے۔

۸۷۷- کتب خانہ آصفیہ اور کتب خانہ سالار جنگ میں شعرا و رنگ آباد کی اردو قلمی کتابیں (نصیر الدین ہاشمی) ۶/۳۳

۸۷۸- عہدِ سلطانین میں کتب خانوں کی تنظیم (ترجمہ: خالد کمال مبارک پوری) ۵/۴۵

۸۷۹- سیرۃ النبی کی ایک اہم اردو کتاب (نصیر الدین ہاشمی) ۴/۴۵

_____ فوائدِ مدنیہ مؤلفہ قاضی صاحب م ۱۲۸۰ھ

۸۸۰- تفسیرِ مہم: تاریخِ الکیما: فلسفہ (خواجہ عبدالرشید) ۲/۲۹

۸۸۱- کتب خانہ شکر افغان: بہار (اورنگ زیب احمد بہاری) ۱/۳۸

۸۸۲- اسلامیات کے متعلق کتب خانہ سالار جنگ کے اردو مخطوطات (نصیر الدین ہاشمی) ۴/۴۳

۸۸۳- کتب خانہ سالار جنگ میں ۱۸۵۷ء سے پہلے کی اردو مطبوعات (ایضاً) ۳/۴۴

۸۸۴- "خلافتِ معاویہ و یزید": ایک جائزہ (عابد الاسلام قاسمی) ۶/۴۳

_____ محمود احمد عباسی کی کتاب پر تبصرہ۔

۸۸۵- خلافتِ معاویہ و یزید پر (اکبر آبادی) ۵/۴۳

۸۸۶- سندِ ہند کا ایک علمی و ثقافتی تذکرہ (دعوی) ۱/۴۳-۳

۸۸۷- ایضاً (اکبر آبادی) ۳/۴۲

_____ اطہر مبارک پوری کی کتاب پر

۸۸۸- قرآن اور علمِ جدید (میرا حمزہ ریاضی ایس کے سنگھ) ۳/۴۵

_____ ڈاکٹر رفیع الدین کی کتاب پر تبصرہ

۸۸۹- مسئلہ تسمیہ و ازدواج (اکبر آبادی) ۴/۳۵

————— جنرل بطوری کی کتاب پر تبصرہ۔

۸۹۰- مولانا گیلانی کی "تہذیبِ حدیث" پر تبصرہ (اکبر آبادی) ۴/۳۸

۸۹۱- فارسی اور اُردو کی چند کتابیں (شمارہ فائدتی) ۴/۴۱ - ۵ - ۲/۴۲ - ۴

————— آئینہ حیرت ؛ سفر نامہ مصر و۔

۸۹۲- مشاعرہ العلوة فارسی قلمی، مصنفہ شاہ محمد بن شاہ میمنہ جند اللہ برہان پور کا (شیخ فرید) ۲/۳۸

۸۹۳- دیوان "بیدل کائنات" بے بدل حبیب گنج میں (شروانی) ۱/۳۳

————— پیسز انڈرام ٹکھن کے خط میں ہے اور بیدل نے اسے دیکھا ہے۔

۸۹۴- گیلانی کی نظامِ تعلیم و تربیت پر سیلیمان کے تبصرے کے جواب میں (مفتوح صاحب، لکھنؤ) ۲/۱۴

۸۹۵- مخطوطات عجائب خانہ بے جا پور کی ایک مختصر فہرست (عبداللہ چنائی) ۴/۳۰

۸۹۶- مخطوطات کتب خانہ دارالعلوم دیوبند (محبوب دہلوی) ۴/۵ - ۶

————— کل کتابیں ۱۹۶۶ء میں اُن میں بہت سے مخطوطات ہیں۔

۸۹۷- تاریخ طبری کے مآخذ (جماد علی - ترجمہ : شمارہ فائدتی) ۲/۵۴ - ۵

۳/۸ مارچ ۱۹۴۲ء کا ایک شمارہ حزب اعلیٰ ذیل سے
 تھا، اب ہمیں لی گیا مگر اس وقت لاہور میں جو کچھ گھٹا بڑھا تھا
 وہ ہو چکا، اور ان سب کا اشتہار بھی ہو گیا، اب اسے پتہ چلے گا۔
 موضوعاتی لحاظ سے داخل کرنا ایک مسئلہ تھا اور پھر اجماعی ترتیب میں
 اپنی اپنی جگہ رکھنا دوسرا مسئلہ تھا۔ اس لیے ہم نے یہ بہتر سمجھا کہ اس
 شمارہ کے شتوت لکھتے دسے دیے جائیں کہ اس طور پر کم سے کم
 اتنا تو ہو گا کہ تشکیلی ذہن کی کو میرہاں کا کوئی شمارہ کہہ سگے۔ لکھ
 ایڈیٹس میں اس کا باضابطہ افضہ نام جوہر ہے، فاسقہ شادہ کی تفصیل
 درج ہے۔

● نظرات (سید احمد اکبر آبادی) ۳/۸

— جماعت اسلامی پرتیمرو۔

● اسباب خروج و زوال امت (سید احمد اکبر آبادی) ۳/۸

— تیسری سط

● المدخل فی اصول الحدیث لعلامہ الکلباء (سید رشید نقوی) ۳/۸

— دوسری سط

● ہندوستان میں زبان عربی کی ترقی و ترویج
 طوائف جنس و عرب و عجمی مہاجرین کا مختصر تذکرہ { جملہ لکھ آدوی) ۳/۸

● ایک علمی سوال اور اس کا جواب (محمد مختار رحیم سید آبادی) ۳/۸

● مصر کی صنعتی ترقی۔ محمد علی پاشا سے شاہ فاروق تک (ط۔ م) ۳/۸

— تیسری و ترقی

● ادبیات: دکن و اسرار شہادت (نظم) سیب اکبر آبادی ۳/۸

● تبصرے (ط۔ م) ۳/۸



مصنف اشاریہ





آزاد، اسرار سین، ۸۳۰، ۸۳۱	۸۳۱، ۸۳۰، ۸۳۲	۸۳۱، ۸۳۰، ۸۳۲
آصف، سیمرغی، ۲۸۱، ۲۸۲	۲۸۱، ۲۸۲	۲۸۱، ۲۸۲
آفاق حسین، سید، ۴۳۲	۴۳۲	۴۳۲
آفتاب اختر، ۴۹۸، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۴	۴۹۸، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۴	۴۹۸، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۴
آمنه خاتون، ۸۶۹	۸۶۹	۸۶۹
ابراہیم فاروقی، ۸۳۲	۸۳۲	۸۳۲
ابراہیم ثار، قاضی، ۸۰۶	۸۰۶	۸۰۶
ابراہیم، قاضی محمد، ۵۱۳، ۵۱۵	۵۱۳، ۵۱۵	۵۱۳، ۵۱۵
۷۸۵، ۷۸۶	۷۸۵، ۷۸۶	۷۸۵، ۷۸۶
ابو ذر، حکیم محمد، ۱۳	۱۳	۱۳
ابو سلمان شاہ جہانپوری، ۴۴۴	۴۴۴	۴۴۴
ابو صالح اعظمی، ۴۰	۴۰	۴۰
ابو نصر ندوی، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۹	۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۹	۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۹
ابو علی اعظمی، ۳۳۵	۳۳۵	۳۳۵
ابو نصر خالیدی، ۸۱۳، ۸۱۴	۸۱۳، ۸۱۴	۸۱۳، ۸۱۴
ابو انظر، رضوی، سید، ۳۵، ۴۴	۳۵، ۴۴	۳۵، ۴۴
۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰	۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰	۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰

پاشا، حسن حسنی عبدالوہاب، ۷۷	۳۳۳، ۳۳۵، ۳۱۷-۳۱۵	۲۲۹، ۱۹۹، ۱۷۸
تاجش دہلوی، ۵۲	۳۳۸-۳۱۶، ۳۳۸-۳۳۶	۲۵۰، ۲۳۹، ۲۳۷، ۲۳۵
تاجش، بکشی، نرائن و شش، ۲۶	۳۹۰، ۳۹۳، ۳۰۰، ۳۰۳	۲۶۶، ۲۵۹، ۲۵۷
۵۱۲، ۴۳۲	۸۹۴، ۶۱۸، ۶۰۵، ۵۸۰	۲۸۲، ۲۸۵، ۲۸۰، ۲۶۸
تقی امین، محمد، ۳، ۶۹-۷۲، ۷۵	۴۹۱، ۳۷۶، ۳۷۵، ۳۷۴	۳۰۹، ۳۰۱، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۸
۱۶۱، ۱۵۳، ۱۵۰، ۹۶	۵۵۹، ۵۵۸	۳۲۳، ۳۲۶، ۳۲۷
۲۰۷، ۱۶۸	امام خاں نوشہری = نوشہری	۳۹۹، ۳۲۳، ۳۵۶
تقی الدین بہاری، ۲۸۵، ۲۸۸	ابو حسن مابدی، سید، ۵۲۳، ۵۲۸، ۵۲۹	۴۶۰، ۴۶۳، ۴۶۴
تقی الدین ندوی، مظاہری، ۵۲	اشرف، تقی امین ۳۰۷، ۳۰۵	۵۶۸، ۵۶۰، ۵۶۷
۴۳، ۶۵-۶۷	انوار الحق، حق، بسب، ۷۵۸	۵۶۷، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳
فرسٹی، اے۔ ایچ، ۱۲	انوری، لاکھپوری، محمد، ۳۷	۵۷۷، ۵۸۲، ۵۸۳
شمیہ شوکت، ۲۰	اے۔ ریڈ، ۹۲۵	۵۸۶، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۹
شمار اللہ، ۶۰	بدر الدین علوی، ۱۲۱	۷۲۷، ۷۲۲، ۷۲۳
جانی، عزیز الرحمن، ۱۸	بدر عالم میرٹھی، ۴۴، ۴۴، ۴۴، ۱۷۰	۷۵۷، ۷۵۷، ۷۵۷
جانی، طہیر الدین احمد = طہیر الدین احمد	بشیر الدین پٹوٹ، ۳۲۳، ۳۸۳	۷۸۰، ۷۹۳، ۸۲۱، ۸۲۲
جعفر، عبدالرزاق قادری، ۲۳	۷۸۳، ۸۰۳	۸۲۸، ۸۵۲، ۸۶۰
جمال حسن شیرازی، سید، ۷۲	بہار الدین، بکیم، ۵۲۴	۸۶۲، ۸۶۴، ۸۶۵
۷۴۸، ۷۴۶	بہار الدین صدیقی، ۸۷۰	۸۷۳، ۸۸۵، ۸۸۷
جمال محمد صدیقی، ۸۰۲	بیدار، مایہ نواز، ۴۲۴، ۴۲۴	۸۸۹، ۸۸۹
جیل واسطی، ۸۰، ۸۲، ۷۴	۴۵۳، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷	اکبر آبادی، سعید احمد (نظارت)
جواو علی، ۸۹	۸۸۵، ۵۲۶، ۸۳۶	۹۴، ۱۶۹، ۱۸۶، ۲۱۳
جوزف شاف، ۷۵	۸۳۷، ۸۳۷	۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۲
جمہور نظامی، ۱۸	بیگم انصار حسین، ۲۰۶	۲۳۶، ۲۵۷، ۲۶۳

نهادی اشتاق احمد ۸۱۳	۸۲۰/۸۱۱	بها نیکر علی خاں امیر ۷۲۷
زبید احمد ۷۳۰	خلیق انجم ۱۱۳	چغتائی = عبداللہ چغتائی
سجاد زین الدین ۱۱۳	خواجه احمد فاروقی ۴۲۷، ۳۸۹	ح ۲۶
سجاد میرٹھی، زین العابدین،	۴۳۰، ۴۳۳، ۴۶۲، ۴۶۹	حاج حسن ملک ۲۹۶
۱۶۵، ۱۷۵، ۱۸۴	خورشید احمد فاروقی = فاروقی	حامد علی خاں رام پوری ۵۵۵
۱۹۸، ۲۶۵	داؤد اکبر اسحاقی ۱۸۰، ۱۰۱	حبيب الرحمن اعظمی ۲۳۲، ۵۱
سیدانند مورقی، کے ۱۴۶	ذوالعزیز ابراہیم ڈار	حسن الزماں سید ۹۷
سجاد مرزا ۱۲۴، ۵۱۲	ذوالفقار بخاری سید ۴۱۴، ۳۳۳ ب	حسن شمس ندوی، سید ۴۴۲
سید احمد اکبر آبادی، اکبر آبادی	رحیم دہلوی، محمد ۷۲۲	حسین احمد مدنی ۵۷۸
سلیم الدین صدیقی ۵۸۰	رشید احمد حافظ ۳۳۱	حفظ الرحمن ۸۰، ۱۸، ۲۱، ۲۲
سلیم، قاکر محمد ۱۲۰	رشید احمد = ارشد	۲۳، ۲۴، ۲۶، ۳۲، ۳۳
سیادت امر دہلوی، سید محمد ۳۵	رضا، زیدی جعفر ۳۱۵، ۵۲۸	۸۵، ۱۲۰، ۱۳۹، ۱۷۳
سید محمد اللہ = عبد اللہ	رفیع حسین ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۹	۱۷۳، ۲۲۷، ۲۹۸
سیاب اکبر آبادی ۳۳۵	رفعت احمد خاں ۳۷۸	۲۹۹، ۵۶۲، ۵۷۲
شانت = جوزف	رفعت، مبارز الدین ۲۰۲، ۶۱	حفظ الرحمن سید پوری ۲۳۹، ۵۰
شانتی رجن بھٹا چاہیہ ۳۱۰	۵۰۸، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۷، ۱۸	حق = انوار الحق
شیر احمد چغتائی ۶۱۰		حمید سلطان ۲۹۴، ۳۱۷، ۳۲۰
شیر فاطمہ، سید ۷۸۳	رفیع انور ۷۷	۳۲۱، ۳۳۳، ۳۵۳، ۵۹۰
شروانی ۸۹۳	رفیق دلاوری، ابوالقاسم	۳۸۹
شکاری، حکیم عبدالقی ۱۵۷	۷۵۱، ۸۷	خالد کمال مبارک پوری ۳۵۲
شفیع احمد بہاری، ابوسلمہ ۵۰	رواق اعظمی، عزیز الرحمن ۶۱	۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸
۵۷، ۵۹، ۵۹۱، ۸۸۱	رئیس احمد جعفری ۴۰۸	خالدی = ابو نصر خالدی
شمس قزید ۱۴۷، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۸۱	زاد الحسنی ۳۷۷	خالدی، محمد ۷۷
شور سید حسین ۳۷۵	زادہ قیصر رضوی، سید محمد زادہ	خلیق احمد نظامی ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲
شہاب، مہر محمد خاں ۳۱۳، ۵۰۹		۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰
۵۲۵		

عبدالقدیر غنشی، ۵۸۵، ۵۸۴	صابری = امیر حسن عابدی	شهبازی، انتظام الشہر، ۸۱۷، ۷۹۶
عبدالغفور دہلیا بادی، ۱۸۵	جہانت بریلوی، ۳۹۵، ۳۱۶	۸۲۳، ۸۲۳، ۸۰۵، ۷۹۷
عبدالغفور ندوی، ۳۷۶	عبدالحمد، قاضی، ۳۴۹	صابری، حبیب الرحمن خاں، ۵۶۵
عبداللہ چغتائی، ۷۱۰، ۷۱۳، ۷۱۵، ۷۲۶، ۷۵۶، ۷۷۱	عبدالحمد نعمانی، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹	صادق سید باری، قاضی عبدالعزیز، صفت اللہ ابتکاری، سید، ۴۱
۸۹۵، ۸۲۲	عبد الرحمن، ۱۹۴، ۲۳۸	صغیر احمد، بی۔ ایس سی (علیگ)
عبداللہ سید، ۳۸۷، ۸۱۶	عبد الرحمن خاں، ۲۹۳، ۲۰۱	۸۸۸، ۸۷۱
عبدالمجید سید، ۱۰۲، ۱۹۲	۳۵۵، ۳۶۱، ۳۵۸	صنی الدین صدیقی، ۱۳۶
۳۵۱، ۳۴۰	۶۱۲، ۵۱۹	ضیاء احمد ایوانی، ۵۶۰
عبدالمالک آروی، ۱۹، ۲۳۵	عبد الرحمن، بشیر العلام، ۲۳۶	ضیاء الحسن فاروقی، ۷۹۰
۵۳۸، ۶۰۶	عبد الرزاق کانبوری، ۷۶۶	ضیاء الدین اسحاقی، ۲۱، ۲۷
عبدالمجید دہلی، خواجہ، ۷۹۴	عبد الرشید نعمانی، ۶۲	۷۳، ۳۲
عبدالودود، قاضی، ۳۸۸	عبد الرشید، خواجہ، ۲۰۳، ۲۱۵	طفیل احمد منگھوری، ۲۹۷
عبداللہ سندھی، ۳۲۹، ۷۷۹	۳۶۶، ۳۴۳، ۳۴۱، ۲۶۷	طفیل عبدالرحمن، ۱۳۸
عقین بی۔ ای۔ محمد، ۳۱۰	۵۱۰، ۵۰۶، ۳۸۲، ۳۸۰	طوفان، قدری حافظ، ۳۸۴
عقین الرحمن عثمانی، مفتی، ۷۹۰	۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵	طیب، محمد، ۷۹۰، ۷۹۱
۲۲۷، ۲۴۱، ۳۲۲	۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۸	غفر الدین، ۷۹۰، ۴۹ اب
۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۰	۷۳۹، ۷۴۱، ۷۴۲	۱۵۲، ۱۵۸، ۱۵۹
۴۳۹، ۵۷۳، ۵۷۴	عبدالرؤف دہلی، ابوالکلام	۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳
۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۹	عبد الستار غفری، ۱۸۵	۳۰۶، ۷۷۷
۵۹۷، ۷۷۸، ۷۷۹	عبد السلام خاں رامپوری، ۲۲۳	غفر الدین، محمد، ۷۱۷، ۷۱۸
عثمان فارغلیط، محمد، ۷۷۷، ۱۴۸	عبدالعزیز نمین، ۵۵۲	غفر الدین احمد قاضی، ۳۸۲
۳۶۶، ۳۶۷	عبدالقدیر دہلی، ۸۰۴، ۸۰۵	

عربی، اقتیاضی، ۴۴۱، ۴۱۹	غلام ربانی، ۱۲	تفسیر، نعم اللہ، ۷۸۹
۴۴۸، ۴۳۸، ۴۰۷، ۴۰۵، ۸۷۳، ۸۷۵	غلام مرتضیٰ، ۱۳، ۵۹۸، ۸۱۶	فیاض، محمد، ۸۵۹
عنون الرحمن = جامی	غوث، شاہ فتح محمد، ۱۱۵	قاسم علی سمن لال، ۴۵۱
عقد الدین خاں، محمد، ۶۱۵، ۶۱۶	غوث، محمد، ۱	قدوائی، بشیر حسین، ۱۹۶
عطارا البنی، سید، ۴۷۲	غوری، بشیر احمد خاں، ۱۲۵، ۳۱	قطب الدین احمد، ۲۵۰، ۱۰۷، ۱۰۷
عنقبت اللہ، ۷۳۳، ۷۳۴	۱۲۹، ۱۳۱، ۲۵۳	۸۲۵، ۱۶۰
عظیم، محمد الدین، ۱۳۴	۳۷۹	قطب الدین احمد، مختیار کاکی، ۱۳۳
عقیل، سید محمد، ۸۹، ۳۶۸	فاروق، نور شید احمد، ۱۵، ۱۵	قطب الدین، سید، ۶۳
۳۷۹	۲۹۱، ۳۵۹، ۵۳۱، ۵۱۵	قیدر، منو، سید محمد زام،
طوی، سلسلہ البنی	۵۳۶، ۵۹۱، ۵۹۳	۱۲، ۶۱، ۷۲، ۸۳
طیم اللہ، صدیق، ۷۵۳	۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۱۱	قیدر، سید محمد حسن، ۱۸۸، ۸۱۳
طی رحمانی، خواجہ محمد، ۱۱۵	۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۸	کرد زویل، ۷۲۷
طی شاہ اسحاق رحمانی بہار پوری	۷۶۹، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۷	کنور حسین، ۵۰۴
محمد، ۱۱، ۱۳۲	۷۷۹، ۷۹۰، ۸۳۵	گب، پردیس، ۲۰۶
طی شاہ، خواجہ محمد، ۲۹، ۳۰	فاروق، محمد، ۱۳۲	گوریکر، نظام الدین، ایس، ۷۶
عمر سلیمان، ۳۲۶	فرید برہان پوری، شیخ، ۳۳، ۳۳	گویا، افتادی، ۷۲۱
عمر، محمد، ۸۰۰، ۵	۸۹۲	گیلانی، مناظر حسن، ۱۳، ۳۹
عتائی، رفیع اللہ، ۳۶۱، ۳۶۳	فضل الرحمن، ۳۰۵، ۵۲۸	۸۱، ۱۱۱، ۱۵۵
۳۶۸	فضل الرحمن صوائی، ۱۲۶، ۳۶۹	۱۵۶، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۸۳
عنون احمد، ۵۶۹	۳۹۲	۵۲۹، ۵۵۹، ۷۱۹، ۸۵۳
غازی، حامد الانصاری، ۱۶۶	فضل الرحمن عثمانی، ۵۲۹	لیٹی پول = استانی
۳۷۷، ۷۹۹، ۸۵۱	فضل الرحمن گدڑی، ۹۱	مارتن، ایس، برکس، ۱۳۳
غلام احمد چوہدری، ۵۳۳	۶۵، ۳۰	مارس، مہنٹن، ۸۳۳
		مجاہد، الاسلام ٹاکی، ۸۸۲

ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی کی اردو تحریریں شانِ ایرانی

رسالہ جامعہ سے

- قومیت کی تعمیر میں سائنس کی اہمیت
- ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی
- مولانا عبدالحق کی تنقید نگاری
- ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی

حرفِ چند

محورِ رہبر ہمارے ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی جو قبلہ یونین
پبلک سروس کمیشن کے چیرمین تھے اور اس سے قبل
علیگڑھ میں سائنس (کیمسٹری) کے نامور پروفیسر۔ مگر
اس سے بھی قبل ۱۹۳۸ء میں "اخلاق الرحمن صاحب متعلم
جامعہ" اور ۱۹۴۰ء میں "اخلاق الرحمن صاحب قدوائی بی اے
جامعہ" تھے۔

یہ تحریریں اسی زمانے کی یادگار ہیں جب وہ ڈاکٹر
سلیم انبال سے سائنس پڑھتے تھے اور ادب اور سائنس
دونوں سے یکساں شغف رکھتے تھے: — عجب

قومیت کی تعمیر میں سائنس کی اہمیت

سائنس نام ہے کائنات کو باضابطہ مطالعہ اور قدرت کی تمام چیزوں کو باقاعدہ علم کا چنا چھنا جس کی مختلف شاخیں عالم وجود کی مختلف اشیاء کا مطالعہ کرتی ہیں۔ اگر طبیعیات میں مختلف قسم کے طبیعی تغیرات اور قوتوں کا مطالعہ کر کے مختلف اصول قائم کئے جاتے ہیں اور انکی مدد سے شے بنیں تیار کی جاتی ہیں تو کیمیا میں مختلف مادوں کی خاصیتوں کا مطالعہ۔ عناصر اور انکے مرکبات کا تجزیہ اور ان کے باہمی تعامل کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور نئے نئے مرکبات تیار کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح علم نباتات کا کام عالم نباتات کا مطالعہ اور علم الاجسام کا مقصد مختلف اجسام اور انکی ساخت سے بحث کرنا ہے۔ غرض کہ سائنس عالم فطرت کے ہر علم پر حاوی اور قدرت رکھتی ہے اور اس کا مقصد ان تمام چیزوں کو جو کائنات میں موجود ہیں باہمیت معلوم کرنا اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہے۔

تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی انسان قدرت کے پوشیدہ حزاؤں سے ناواقف تھا اور دنیا کی مختلف چیزوں کی باہمیت یا دوسرے الفاظ میں سائنس نہ جاننے کی وجہ سے منطس، بیکار اور غیر متقدم تھا لیکن جہل جوں لوگوں کا علم بڑھ گیا۔ اسی طرح وہ زیادہ مرفہ الحال اور مہذب ہوتے گئے حتیٰ کہ آج دنیا میں سائنس کا دور دورہ ہے اور انسان قدرت کی بہترین نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے ترقی کی اس منزل تک پہنچنے میں زمانہ مختلف دوروں سے گھنٹا اور ہر وہ دم جو زمانہ کے مطابق ہوتی وہی دنیا کی سب سے افضل۔ ترقی یافتہ اور مہذب قوم ہوتی تھی۔ اور ان کی یاد دہانی دنیا پر تسلیم کی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک زمانہ تھا جب قوت اور طاقت کی تمام عالم پر فراعزازی تھی۔ وہ دنیا کی سب سے مہذب اور ترقی یافتہ قومیں تھیں جو جسمانی اور آلات کی قوت کی ایک تھیں لیکن زمانہ نے کہوٹ بدلی اور ترقی کا معیار قوت سے بدل کر علم و مہر اور انسانی صلاحیت ہو گیا چنانچہ اس عہد میں وہ قومیں صاحب اقتدار تھیں جو مختلف فنون اور علوم کی مالک تھیں انھیں کے اقتدار

جیسا کہ نام قیادت ملی لہجہ قومیں جڑا تو نہیں۔ انکی مطیع اور انکے اقتدار کا ذریعہ بن گئیں۔

زمانہ صرف اسی حالت پر قائم نہ رہا بلکہ اس نے تہذیب کا معیار پھر بدلا اور اس مرتبہ عثمان قیادت ان قوموں کے اُنہیں آئی جو نظرت کے مطالعہ اور قدرت کے علم سے واقف تھیں یعنی جن کی قومیت کی بنیاد مذہب پر تھی وہ دنیا کی سب سے زیادہ مذہب اور ترقی یافتہ قومیں مانی گئیں۔ اور وہ قومیں جسکا سرمایہ صرف طاقت یا ادب تھا انکی غلام اور مطیع بن گئیں۔

زمانہ کے اس آخری انقلاب نے ایشیا کی قیادت اور تہذیب و تمدن کو ختم کئے یورپ کو اقتدار بخش اور مشرق جو کہ اب تک تہذیب و تمدن کا مرکز اور علوم کا علم بردار تھا۔ مغرب کے آگے جھک گیا۔ ایشیا اپنے قدرتی وسائل دولت یعنی اپنی ذخیرہ کی وجہ سے مرتدہ الحال تھا۔ اسی لئے تہذیب کا مرکز بھی تھا۔ اور یورپ اس حیثیت سے مغرب تھا اور قدرتی وسائل دولت کی کمی کی وجہ سے مغفلس اور غیر تمدن تھا۔ لیکن جب اہل یورپ نے سوچا اور سمجھا تو یہ وضع کیا یعنی سائنس کو انھوں نے اپنی ترقی کا ذریعہ بنایا تو انکی دیوان اور بنجر زمینیں کمیادی کھادوں کی مدد سے سرسبز اور پہلے ہاتے ہوئے کھیتوں میں تبدیل ہو گئیں۔ طوفان اور تاریکی بجھلات جو کل تک بالکل بے مصرف تھے۔ دنیا کی نعمتیں پیدا کرنے لگے انکا ہر تپہ اور شاخ و بنس بہا دولت میں تبدیل ہو گیا۔ اونچائی سے گرنے والے پانی کے دھارے جو کل تک سیلاب اور مصیبت کا باعث تھے آج قدرت کی بہترین نعمت یعنی بجلی جیسی قوت محرکہ پیدا کرنے لگے۔ کھٹے اور لہوے کی کانیں جو کل تک بیکار تھیں ان سے آج دیو قامت مشینیں اور سونے کے مول بننے والے فوڈز بننے لگے۔ غرض کہ یورپ جو ایشیا کے مقابلے میں کہیں زیادہ مغرب اور بیکار تھا۔ سائنس کی ترقیوں کی بدولت نہ صرف انتہائی زرخیز اور دولت و تہذیب کا مرکز بن گیا۔ بلکہ طاقت اور علوم کی انھیں کے قبضے میں آگئے اور اہل ایشیا جو اب تک تہذیب اور دولت کے مرکز اور علوم کے حوزہ تھے اور جو اپنے قدرتی وسائل دولت پر قانع ہو چکی وجہ سے سائنس سے زیادہ فائدہ نہ اٹھانے لگے۔ یورپ کے نہ صرف مطیع اور غلام ہو گئے بلکہ انھوں نے اپنے وسائل دولت کو بھی اپنے ہاتھ کی ترقی کا ذریعہ بنادیا اور خود بالکل مغفلس اور غلام ہو کر رہ گئے۔

کم و بیش یہی حالت ہمارے ہندوستان کی ہے۔ جس نے اپنے قدرتی وسائل دولت پر قائم
 کی تھی اور علوم جدیدہ سے زیادہ فائدہ نہ اٹھایا تھا ایک ترقی یافتہ اور علوم جدیدہ سے فیضیاب ہونے
 والی قوم کا غلام ہو گیا۔ آپ یقین مانتے کہ اگر تہذیب و تمدن اور ترقی کا معیار دیکھا رہا جو کبھی سائنس کی
 ترقی سے قبل تھا اور انگلستان و ہندوستان کی تجارت پر سخت پابندیاں عاید نہ ہوئیں اور اٹھارویں
 صدی کے آخر میں سائنس کی ایجادیں وجود میں نہ آئیں تو یقیناً آج انگلستان، ہندوستان کا کم از کم سماجی
 حیثیت سے ضرور غلام ہوتا۔ لیکن اٹھارویں صدی کے آخر کی ایجادوں یعنی *James Watt* کے
spinning-jenny اور *Arkwright* کی کائنات کی مشین اسکے علاوہ *James*
Cromton کی ایجاد اور *Newcomen* وغیرہ ایجادوں نے صورت ہی بدل دی۔
 نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مال ہندوستان سے نکل کر انگلستان جاتا تھا اس سے کہیں زیادہ انگلستان سے ہن کر
 ہندوستان آئے لگا۔ آخر ہندوستان کی ٹھیکہ داری غیر سائنٹیفک صنعت انگلستان کی کثیر ہے اور
 (*Raw Production*) اور سائنٹیفک صنعت کے سامنے کس طرح چل سکتی تھی۔ بالآخر ہندوستان
 کو انگلستان کی ایجادوں کی وجہ سے غلام بنا پڑا۔ اس کے بعد جس دن کے وہانی انجن نے توڑنا شروع
 کیا بدل ویا جس کی وجہ سے انگلستان دنیا کا سب سے زیادہ دولت مند ملک اور تہذیب و تمدن کا مرکز بن گیا
 دنیا کا ایک بڑا حصہ خصوصاً ہندوستان اور امریکہ اس کی صنعت کے لئے خام پیداوار مینیا کر لے گئے اور
 خود غرض ہو گئے۔ ہندوستان کی تمام صنعت ایک قفل مدت میں بالکل فنا ہو گئی۔ اور ہندوستان اور امریکہ
 خام پیداوار کوڑیوں کے مول انگلستان، جہاں اور ضرورت شکل میں آکر سونے کے مول بن گئے۔ لیکن امریکہ
 نے زمانہ کے گزر کو سمجھ لیا اور اس نے اپنی قومیت کی بنیاد سائنس پر رکھ کر انگلستان سے آڑھ ہوا حال کہ
 اور آج وہ دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ، مہذب ملک سے اور معاشی لحاظ سے تمام دنیا پر چھا
 ہوا ہے۔

کیا ہندوستان امریکہ کی طرح عروج اور ترقی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ یقیناً کر سکتا ہے۔
 کہ اس کے معاشی حالات امریکہ سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ ہندوستان خام اشیاء اور بیٹ

پہلے سے ترقی کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید ہندوستان کی تعمیر تیس سالہ سکیم بنیادوں پر رکھی جائے اور اسکو اصل اصول بنا کر قدرتی دولت کو خاطر خواہ استعمال کیا جائے اور خدمت کے عملیات کی صحیح معنوں میں ترقی کی جائے۔ یہ کام کچھ مشکل نہیں بلکہ ہر ملک میں لوگوں میں دلدادہ اور پیش ہو۔ آزادی کے لئے سچی لڑائی کی انگ ہو۔ ہمارے سامنے نہ صرف امریکہ بلکہ جاپان کی مثال بھی ہے۔ جس نے تیس سالہ سکیم کو اپنا نصب العین بنا کر انتہائی عروج حاصل کیا ہے۔ جاپان ۱۸۶۸ء سے قبل صرف ایک زراعتی ملک تھا لیکن جاپانیوں نے ترقی کے راز کو سمجھا اور ۱۸۶۸ء سے انھوں نے جدید جہاز شراعت کی ابتداء میں انھوں نے کپڑے کی صرف پارٹیں سائنٹفک اصولوں پر قائم کیں۔ اور لوگوں نے علوم تیس کی طرف توجہ کی۔ حکومت نے غیر مالک میں طلباء کیلئے جیسے جنھوں نے اپنی انتہائی کوششوں سے نہ صرف تیس کو سکھا بلکہ مختلف ممالک کے تجارتی راز بھی معلوم کئے اور انکی ایجادوں کو سمجھ کر اپنے ملک میں انھیں چیزوں کو تیار کیا اور اپنے حالات کے مطابق بہت سی نئی نئی چیزیں تیار کیں۔ سامان تیار کرنے کے سستے طریقے نکالے۔ اور ایک قلیل مدت میں انھوں نے ایسی ترقی حاصل کی کہ اسکا شمار آج صنف اول کی قوموں میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ہندوستان و بنگالہ کی مثال کو پیش راہ بنائے اور اس سے سبق حاصل کرے تو اس کے لئے ترقی کی راہیں کھلی اور عدوت کی منزل یقینی ہے۔ جرمنی کے اس چھوٹے سے خطے نے جو ہندوستان کی طرح صرف زراعتی ملک تھا۔ ایک ہی نسل کی کوششوں سے اور سائنس کی ایجادوں کی مدد سے ایک بہترین صنعتی ملک میں تبدیل ہو گیا۔ حالانکہ آج سے پچیس برس قبل اس کے لئے اپنی دیہی آبادی کے لئے خوراک اور روزگار دیکھا کہ باہمی شکل خالص نہ اس وقت سے کہیں زیادہ آبادی کا کفیل اور دولت و تہذیب کا مرکز ہے۔

آج جبکہ تیس کی ایجادوں نے ہر فرد اور ہر قوم کے لئے ترقی کی راہیں کھول دی ہیں۔ کیا ہندوستان اس وقت بھی ان سے محروم رہے گا۔ آج جبکہ تیس کی بدولت بھرپور علاقے سرسبز و آباد بن گئے ہیں۔ دنیا کے ذریعے نے دولت اگنا شروع کر دی ہے صنعتی پرزوں سے دھلی اور بہترین چیزیں اگر تیس کی مدد سے سونے میں تبدیل نہیں ہو جائیں تو پابندی اور سونے

کے مول فرخت ضرور ہوئی ہیں۔ اگر تارکول میبی بد صورت اور ذلیل شے سے تین سو سے زیادہ مفید مصنوعات۔ رنگ اور خوشبوؤں کی صورت میں نکالی جاسکتی ہیں تو کیا ہندوستان کے قدرتی وسائل دولت کو منتظم کر کے کمربا ہوا اقدار اور عروج حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ ہندوستانی قومیت کی ترقی کے لئے اس وقت اہل امریکہ جیسے ہندو اراحدوں اور اہل جاپان کے سے دلوں اور دلوں کی ضرورت ہے۔ آج بھی اگر ہم کو انجی پتی اور کمزوری کا احساس ہو جائے تو ہم نہایت ہی قلیل مدت میں دوسری قوموں کی طرح ترقی کر سکتے ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ ہندوستان کی خام پیداوار خود اس قدر زیادہ ہے کہ ابتدائی تمام پیداوار کا صحیح مصرف مکان بھی مشکل ہوگا۔ اسی طرح قوت محرکہ اتنی زیادہ ہندوستان میں پیدا کی جاسکتی ہے جو نہ صرف کافی بلکہ ضرورت سے زیادہ ہوگی۔ غرض کہ اگر آج بھی ہم صحیح معنوں میں ترقی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیں اور اپنی ترقی کا ذریعہ سانس کو بنا کر اپنے قدرتی وسائل دولت کو ضائع نہ جانے دیں اور نہ کوریوں اور دھڑلے کے مول ہندوستانی دولت با بیچیں بلکہ خود ہندوستان اس سے فائدہ اٹھائے اور اپنی ملکی دولت کو ترقی دے تو یقیناً ہم دیکھیں گے کہ ایک قلیل مدت میں ہندوستان بھی امریکہ اور جاپان کی تہذیب و تمدن کا مرکز۔ علوم کا مخزن اور دور جدید کے انتہائی ترقی یافتہ ممالک میں شمار ہونے لگیگا۔ اہ آج ہندوستان کو شب و روز کے جن معائب اور نکالیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کل نہ صرف سٹ جائیں گی بلکہ ہماری ترقی کا ذریعہ اور رحمت بن جائیں گی، آج جو سیلاب اور طوفان ہمارے لئے قہر ثابت ہو رہے ہیں کل ہماری خبر زمنوں کو زندہ کرنے اور قوت محرکہ پیدا کرنے کا مرکز بن جائیں گے۔ گرو اخبار اور گرمیوں میں اڑنے والی ریت سے ایسے سالے تیار ہو سکتے ہیں جو آسمان سے باتیں کرنے والی عمارتیں تعمیر کر سکتے ہیں۔ ہالیوڈ کے خوشنماک امداد ایک جگہ ہمارے تخیل اور کوششوں کے بعد صنعت و حرفت کا مرکز بن سکتے ہیں۔ اور انکی سرٹنے اور گھنے والی لکڑیوں پھلوں اور پھلوں سے قیمتی اشیاء پیدا کی جاسکتی ہیں۔ ہالیوڈ سرسبز و شاداب زمینیں جن کی قوت پیداوار روز بروز گھٹ رہی ہے۔ اور مغربیہ خبر ہونے والی ہیں۔

سنس کی کوششوں سے پھر سونا اگلنے لگیں گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا میں بہت کم ممالک بلکہ غایہ صرف امریکہ ایسا ملک ہے جو ہندوستان سے قدرتی وسائل دولت میں مقابلہ کر سکتا ہے اس لئے اگر ہندوستان سنس کی مدد سے اپنے تمام زراعتی اور صنعتی وسائل دولت سے خاطر غور فائدہ اٹھائے تو اسکی دولت کا شمار حال اور تہذیب و تمدن کی ترقی کا اندازہ مشکل ہوگا۔

یوں تو دنیا کی کوئی صنعت ہندوستان کے لئے ناممکن نہیں۔ کیونکہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں دنیا کی تقریباً ہر چیز کم و بیش پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہاں ان سب کے ذکر کی غمگینش اس تصویر سے وقت میں نظر نہیں آتی اس لئے منہ جذبی سطح میں صرف اہم صنعتوں کا جو سنس کی توجہ اور مدد کی محتاج ہیں نہایت ہی مختصر الفاظ میں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ سوتی کپڑے کی صنعت :- یوں تو آج بھی ہندوستان میں کافی ملیں موجود ہیں لیکن اس صنعت کو سائنٹفک طور پر اور اعلیٰ پیمانے پر چلانے کے لئے بہترین روٹی پیدا کرنے کی کپڑے رنگے اور ریلوں کے اندر جہاں تاگا کاٹا جاتا ہے۔ مرطوب فضا اور مناسب حالات پیدا کرنے کے لئے سنس کی تحقیقات کی سخت ضرورت ہے۔

۲۔ اونٹنی کپڑے کی صنعت :- ہندوستان میں اون کی صنعت اس قدر ترقی یافتہ نہیں جس قدر ہونا چاہئے۔ اس کے لئے رنگ کاٹنے اور رنگنے کے اچھے مرکبات درکار ہیں جن کو معمولی تجربات کے بعد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ ریشم کی صنعت :- ریشم کی صنعت ہندوستان میں بالکل ابتدائی اور پست حالت میں ہے۔ اس کے علاوہ مصنوعی سلک کا ہندوستان میں بالکل رواج نہیں حالانکہ C. I. L. and Co. مختلف قسم کے مٹل، Rayon and Co. ہندوستان میں بکثرت تیار کئے جاسکتے اور مصنوعی ریشم ملائی کر بہت کافی ترقی دی جاسکتی ہے۔

۴۔ کاغذ کی صنعت :- ہندوستان میں کاغذ سازی کی صنعت کو ترقی دینے کے بہت زیادہ مواقع مل رہے ہیں۔ جھگلات سے بہترین قسم کی کڑی۔ بانس۔ گھاس اور بھوسا وغیرہ بکثرت اور

بہت کم قیمت میں حاصل کر کے مختلف کیمیاوی طریقوں سے کاغذ کی بہت اچھی تبدیلی تیار کی جاسکتی ہے۔ لیکن آجکل صرف معمولی کاغذ کے لئے ٹسیدی ہندوستان میں تیار کی جاتی ہے اور اچانک یورپ کے ٹسیدی سے جتا ہے۔ حالانکہ تھوڑی سی محنت تحقیق اور تجربات کے بعد بہت اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

۵۔ رنگ اور رنگ سازی:- ہندوستان میں نیل اور بہت سے رنگ کثیر مقدار میں پیدا ہونے کے باوجود بھی ہر سال کروڑوں روپے کے رنگ باہر سے آتے ہیں۔ اور ہندوستان کے رنگ بالکل غالیع جاتے ہیں۔ چڑا رنگنے کے لئے مختلف قسم کی دھنسیں اور روغن ہندوستان میں بہت ہی اچھے اور سستے تیار کئے جاسکتے ہیں۔

۶۔ سانس کی مملوات کی کمی اور بے توجہی کی وجہ سے روزانہ لاکھوں جانوروں کے گھر، سینگ، ہڈیاں اور خون بیکر جاتے ہیں۔ حالانکہ انھیں اشیا کی مصنوعات یورپ سے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے منگائی جاتی ہیں۔ ان چیزوں کی صنعت بہت ہی آسان اور نفع بخش ہو سکتی ہے۔ بہت آسانی سے رائج کر جاسکتی ہے۔

۷۔ تیل اور مختلف قسم کے پربیاں ہندوستان میں غیر محدود مقدار میں پیدا ہوتی ہیں اور اس سے بھی زیادہ پیدا کی جاسکتی ہیں کیونکہ ان سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے۔ حالانکہ تیل کی بنا ہوئی چیزیں ہر سال کروڑوں روپے کی یورپ سے آتی ہیں۔ صابن، موم، تیلی اور پیرافین وغیرہ کی صنعت کے لئے جید مواقع ہیں۔

۸۔ ہندوستان میں بہترین قسم کی شکر تیار کی جاسکتی ہے۔ اور گذشتہ چند سالوں سے اس صنعت کی طرف کافی توجہ کی جا رہی ہے۔ لیکن اس صنعت کو ترقی دینے کے لئے سانس کا تحقیقات کی سخت ضرورت ہے۔ گنے کے رس سے صرف ۵ فی صدی شکر حاصل کی جاتی ہے اور باقی شکر شیرے کی صورت میں بالکل غالیع جاتی ہے جس کا کوئی مصارف نہیں۔ حالانکہ اس فضول اور بیکار چیز سے نہایت ہی سستا مکمل تیار کیا جاسکتا ہے جو موٹر اور دوسری مشینوں میں

ہرگز برا بھلا نہ کرے۔ ہندوستان کی کینپوں کے قیمتی پٹرول کی بجائے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور اس طرح سے ہندوستان میں پٹرول کی کمی ختم ہو سکتی ہے۔ نہایت ہی سستے اگس سے کی جاسکتی ہے۔ لیکن فائدہ حکومت ہند اپنے اغراض و مقاصد کی خاطر اسے تیار کرنے کی اجازت نہ دے۔

۹۔ ہر سال کروڑوں روپے کی لکڑیات ہندوستان میں یورپ اور امریکہ سے آتی ہیں تاکہ قیمتی دوائیں خود ہمارے ملک میں تیار کی جاسکتی ہیں۔ اس لئے کہ ان پودوں میں جن سے یہ دوائیں پیدا کی جاتی ہیں۔ بہت کم ایسے ہیں جو ہندوستان میں پیدا نہیں ہو سکتے یا پیدا نہیں کئے جاسکتے۔ اس کے علاوہ ہمارے ملک کے طیب آج بھی قدیم زمانہ کی طرح دھاتوں میں جڑی بوٹیاں، لکڑیاں اور پتے استعمال کرنے میں حالانکہ ترقی اور تہذیب و تمدن کے اس دور میں سائنس کی مدد سے دھاتوں کے مفید اجزاء نکال کر استعمال کئے جاسکتے ہیں جو بوٹیوں اور پتوں سے کہیں زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔ اور اس سے نہ صرف ملکی صنعت کو ترقی ہوگی بلکہ یونانی اور ویدک طب کے علاجی پھر جائیں گے اور ڈاکٹری کے مقابلے میں وہ شے کی بجائے پھر ترقی کرتے گئے۔

۱۰۔ معدنی پیداوار:- ہندوستان معدنی پیداوار کے لحاظ سے بھی کسی دوسرے ملک سے کم نہیں۔ مختلف دھاتیں اور ان کے کثیر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ سوڈیم اور پتاشیم کے مرکبات۔ لیکن، سونا، لہا، سیسہ، اسٹرانسیم، بکشیسم، شورو، ٹنگ، گرافٹ، گندھک، جیٹھ، ٹین، ہیرا، ڈاک، سونا اور کوکرو وغیرہ ہندوستان میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ میگنیز اور بارق غالباً دنیا میں سب سے زیادہ ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ہندوستان کی یہ تمام معدنی پیداوار یا تو ضائع ہو رہی ہے یا ہر جاتی ہے۔ جس سے فائدہ اہل یورپ اٹھاتے ہیں۔ اور انہیں اشیاء کے مرکبات کو ہندوستان کے مسلوں میں آسانی تیار کئے جاسکتے ہیں۔ یورپ سے بن کر ہندوستان آتے ہوئے سفر کے سول بکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ یورانیئم اور ریڈیم کی کچھ دھاتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ لیکن ہندوستان اور یورپ کم قیمت میں جاتے ہیں اور وہ ان سے یورانیئم اور ریڈیم بھی قیمتی اشیاء کا کچھ جڑی بوٹیوں میں فروخت کی جاتی ہیں۔

۱۱۔ ایلو اور گول بارود۔۔ ہندوستان میں گندھک، شورو، پیکرک ایسڈ، پھیرین اور نازک ایسڈ وغیرہ بہت کافی پیدا ہوتے ہیں جن کی مدد سے ہندوستان کی صنعت ایلو سازی کو ترقی دے جا سکتی ہے۔ بہترین قسم کے کاربوس، گولیاں، ہم، توپیں اور دوسری پھٹنے والی چیزیں تیار کی جا سکتی ہیں۔ جن کے بغیر ہندوستان کبھی ترقی کر سکتا ہے اور نہ اس خود غرض دنیا میں اپنا ٹھکانہ اور اپنے حقوق کی حفاظت کر سکتا ہے۔

۱۲۔ جنگلات کی پیداوار۔۔ ہندوستان کی جیش بہادرت ہالیہ اور کشمیر کے جنگلوں میں فاجہ جاری ہے۔ حالانکہ ان خفاک اور تاریک جنگلات کے ہر درختے اور ہر تنگے سے بہترین نعمتیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ بہترین لکڑی جو نہ صرف صنعت میں کام آ سکتی ہیں بلکہ انکو کشید کر کے تنوں، الکوہل، *Acetic Acid* اور *Acetone* وغیرہ جیسے مفید مائع *Salvents* تیار کئے جا سکتے ہیں جکی کہ موجودہ صنعت میں بہت ضرورت ہوتی ہے۔ لاکھوں قسم کے پل پل پڑ پڑاتے ہیں اور انھیں جنگلات میں سڑا رکھ جاتے ہیں حالانکہ ان کو آسانی سے محفوظ کیا جا سکتا ہے اور ان سے مختلف قسم کے وہ تیزاب حاصل کئے جا سکتے ہیں جو لاکھوں روپیہ خرچ کر کے یورپ سے منگائے جاتے ہیں معلوم نہیں کتنے پھول موزانہ کھلتے اور بیکار جاتے ہیں ان کی ساری خوشبو وہ تمام رنگ خاک میں مل جاتا ہے۔ ان کے علاوہ جنگلات کی پیداوار سو گوند، پیراغین اور لاکھ و فیرو بھی کثیر مقدار میں حاصل کی جا سکتی ہیں۔

۱۳۔ زراعت۔۔ ہندوستانی زراعت غالباً سب سے زیادہ تناس کی مدد کی محتاج ہے اسکی سرسبز کھیتوں اور سونا اگنے والی زمینوں کی قوت پیداوار موز برد گھٹنی جاری ہے اور اگر یہ رفتار تیز کر لی جاتی تو ممکن ہے کچھ عرصہ کے بعد شمالی ہند کی سرسبز وادیوں ہمارے غلط استعمال اور علوم تناس کی کمی کی وجہ سے بخر اور ویران علاقوں میں تبدیل ہو جائیں۔ ان زمینوں کی مائل اگر تحقیق جستجو کی جائے تو مختلف کیما دی کھادوں کے ذریعہ انکی قوت پیداوار میں اضافہ کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ زراعت کے سلسلہ میں جو مٹی، اشیاء حاصل ہوتی ہیں انکا بہترین استعمال

جانتا ہے۔ اور ہندوستان کے حالات اور زمینوں کے مطابق زراعت کے نئے نئے طریقے دریافت کئے جاسکتے ہیں جن سے ہمارے کھیتوں کی پیداوار امریکہ اور روس کی طرح کئی گنی بڑھ سکتی ہے۔ اور زراعت میں بہت سی سہولتیں بھی پیدا کی جاسکتی ہیں۔

۴۔ بجلی کی قوت :- ہندوستان میں قوت محرکہ کے پیدا کرنے کے لئے ٹکڑی اور کونے کی کوئی کمی نہیں اس کے علاوہ سیکڑوں آبشار ہیں جن سے ۴ لاکھ اسپیکھارت سے بھی زیادہ بجلی حاصل کی جاسکتی ہے۔ لیکن ان سے صرف ایک لاکھ اسپیکھارت کی بجلی حاصل کی جاتی ہے اور قدرت کی یہ نعمت بالکل بیکار اور ضائع جا رہی ہے۔

۱۵۔ ہر سال ہندوستان کے لاکھوں غریب اور غس کسان۔ دریاؤں کے سیلاب، ٹو، دھوپ، ند، اذیمبر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ انکی گاڑھی کٹائی اور جان سے زیادہ عزیز کھیتیاں موسم کی بددلیلیں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ طوفان اور سیلاب کی ان آفتوں سے کسان کی مختلف تجربہ گاہیں اور موسم وغیرہ کا مطالعہ کرنے والے شعبے قائم کر کے پہلے سے بچنے کی تدابیر اور ان سے تحفظ کا مناسب انتظام کیا جاسکتا ہے جیسا کہ آج امریکہ اور دوسرے ممالک کسان کی ان خدمات سے فائدہ اٹھا کر اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا صنعتوں کا حال آپ لوگوں نے سنا اور سننے سے زیادہ انکی ابتری کا مشاہدہ بھی کیا ہوگا۔ اسی صنعتی پستی اور علم کسان سے فائدہ نہ اٹھانے کی ذمہ داری تمام تر گورنمنٹ پر ہے۔ لیکن فوجداری سے شکوہ کیا۔ ہم کو اپنوں سے شکایت کرنا چاہئے جنہوں نے کسان کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اب تک اس کو ناقابل التفات سمجھتے رہے۔ لیکن جن لوگوں نے کسان کی تعلیم حاصل کی تھی اور یہ زیادہ شکایت ہے اس لئے کہ انہوں نے ایک مفید علم حاصل کرنے کے باوجود اس سے لکھ کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ انہوں نے کسان کی تعلیم کو محض تفریح اور ڈگری حاصل کرنے کا مقصد بنایا۔ محض قابل قدم سے جس کے مطالعے اور جس کے تجربات میں انہوں نے اپنا بہترین وقت صرف کیا۔ صرف اتنا فائدہ اٹھایا کہ آج سرکاری دفاتر میں کلرک اور محرموں کے اعلیٰ اور قابل قدر اہلیں انجمن

وے رہے ہیں ! اسکے علاوہ ہندوستانی کے ہم بنادشا ہی ریسرچ اسٹیٹوٹ سب سے ذیلہ قابل مذمت ہیں جو ہندوستان کی کوئی قابل قدر خدمت انجام نہیں دے رہے ہیں اور جن کے ہوا پتہ ہندوستان کے لئے گراں لورجن کا وجود معترضا بہت ہو رہا ہے۔

غرض کہ ہندوستان کی قدرتی پیداوار اور انکی ناقدری کی داستان بہت طویل ہے جس کے ذکر کے لئے دفا ترور کار میں۔ اب انکار و نارو نے اور افسوس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں رہا وقت اس امر کی ضرورت ہے کہ اپنے ترقی کے جذبے اور قوت عمل سے کام لیں اور دنیا پر اچھی حیثیت اور اہمیت بنادیں۔ بہکو چاہئے کہ جدید ہندوستان کی تعمیر کو علوم و تناس کی مستحکم بنیادوں پر اٹھائیں اور جس طرح دنیا کی دوسری قوموں نے ان سے فائدہ اٹھا کر عروج حاصل کیا ہے انہیں کی طرح ہم بھی ترقی کی راہ میں گامزن ہو جائیں۔ اور اپنے مقصد کے حصول میں ہر ممکن کوشش صرف کریں۔

(جامعہ، اگست ۱۹۳۸ء)

«اخلاق الرحمن صاحب قدوائی» پٹی۔ لے۔ جامد

مولانا عبدالحق کی تنقید نگاری

«اخلاق الرحمن صاحب قدوائی نے ایک طویل مقالہ اردو ادب میں تنقید نگاری اور مولانا عبدالحق کے میزان سے ترتیب دیا تھا یہ مضمون اسی طویل مقالے کا دوسرا جزو ہے» (ہیرما)

مولانا عبدالحق جس متعدی، انہماک اور فلسفے سے اردو زبان و ادب کی خدمت کر رہے ہیں اس کی مثال ہندوستان میں مشکل سے ملے گی۔ یہ واقعہ ہے کہ مولانا پہلے شخص ہیں جنہوں نے اردو زبان و ادب کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا ہے۔ اردو کی خدمت کا جذبہ ان کے دل و دماغ میں اس قدر رچ گیا ہے کہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ اسی کی خدمت کے لئے زندہ ہیں اور یہی ان کا اور سنا بچہ بننا ہے۔ ورنہ اس میری کے زمانے میں جبکہ لوگ عرف عبادت الہی میں مشغول ہو جاتے ہیں کوئی: جہنہ تھی فہم رہتا پاجوش اور قوت عمل کا مجسمہ ہونے بج تو یہ ہے کہ جوں جوں ان کی عمر بڑھتی جاتی ہے اسی طرح ان کو اپنے اس مشوق مجازی (اردو) سے بھی محبت بڑھتی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ ان کی علمی و ملی سرگرمیوں میں بھی روز افزوں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مولانا اگر ایک طرف زبان و ادب میں اصلاح اور اس کے ذخیرے میں اضافہ کر رہے اور اپنی تنقیدی و تحقیقی تحریروں کو اس کی خدمت کر رہے ہیں تو دوسری طرف مخالفین اردو سے بھی نبرہ آزمایں جو اردو کی جگہ ہندی کو ہندوستان کی مشترکہ زبان بنانا چاہتے ہیں۔ جہاں اردو کی بقا و تحفظ کے لئے مخالفین کو منہ توڑ جواب دے رہے ہیں وہاں اردو کے تمام خدمت گاروں کی فوج منظم کر لے کے لئے ہندوستان بیسے وسیع ملک کے چپے چپے کی ناک چھان رہے ہیں اور اپنی سلسل اور آئینک کو مشنوں سے تمام ملک کا اردو زبان کے مسئلہ میں اتحاد و ہم آواز کرنے میں مشغول ہیں۔ چنانچہ ان کی ٹنگ دو دو اور سرگرمی کو دیکھ کر سرورجنی ناپیدو نے کہا تھا۔

«مولوی عبدالحق کی کوشش ہے کہ تمام دنیا کی زبان اردو ہو جائے»

بظاہر یہ بالذات ہے لیکن ہندوستان کی مددگ اس میں حقیقت کی جھلک ضرور موجود ہے اور شاید اسی لئے یہ شعور قول ہے کہ - اردو اور عہدِ قلم مترادف الفاظ ہیں۔

جہاں ابھور زبان و ادب کی ترقی کے لئے مولانا کے یہ علمی دینی کارنامے ہماری تاریخ ادب میں غیر خانی قدر و منزلت کے تھے ہیں وہاں مولانا کی وہادبی خدمت بھی جو انہوں نے اس کے مسیار ادب کو بلند کرنے اور اسے زمانے کی دستبرد سے بچانے کے لئے انجام دیں ہمیشہ ہمارے یاد رہیں گی۔

مولانا عہدِ قلم نے اعلیٰ تنقید نگاری میں اس لئے قدم نہیں رکھا تھا کہ وہ ایک دین اس سلطنت کے بادشاہ ہوں گے بلکہ ان کی دور میں نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اس وقت اردو زبان کو سب سے زیادہ تنقید کی ضرورت ہے۔ عاکِ فنی نے جس کی داغ بیل ڈالی تھی اسے تکمیل تک پہنچانے کی ضرورت تھی۔ انہوں نے اس کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس بارگراں اور ٹیل ترین فرض کو اپنے ذمہ لیا۔ مولانا کی احساسِ طبیعت نے جب محسوس کیا کہ ہماری زبان و ادب کے موجودہ دور ارتقا میں گرو و پیش کے رجحانات اور زبان کے تخلیقی امکانات سے متاثر ہو کر اہل قلم اظہار خیال کے لئے نئی نئی راہیں تلاش کر رہے ہیں اور ادب اردو کو طرح طرح کے افکار و خیالات سے مالا مال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو انہوں نے ضروری سمجھا کہ ایسی حالت میں رطب دیا بس جن و قح اہل و نقل میں اتیار کرنے کے لئے تنجیدہ اور ذمہ دارانہ تنقید کی اشد ضرورت ہے۔ ورنہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے ادیب اس دشوار گزار منزل میں صحیح راہ چھوڑ کر غلط راہ اختیار کر لیں اور سطحی چیزوں کو قابل قدر چیزوں پر ترجیح نہ دینے لگیں۔ مولانا نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس وقت جبکہ زبان و ادب کی ترقی کے لئے تمام قوتوں اور قوتوں اور تمام صوبوں کی متحدہ کوشش اور ان کے اتحاد و یکجا گت کی ضرورت ہے کہیں بے جا اختلافات نہ پیدا ہو جائیں اور ہمارے ادب کی ترقی کا یہ بہترین موقع ان کے بھینٹ نہ چلے جاکے۔ انہوں نے سمجھا اور بالکل صحیح سمجھا کہ اعلیٰ تنقید نگاری ہی اردو ادب کی بہترین خدمت ہو سکتی ہے چنانچہ مولانا نے اپنی جولانی طبع کو اسی میدان کے لئے مخصوص کر لیا۔ ہمارے اس خیال کی تائید بالواسطہ طور پر مولانا عہدِ قلم خود اپنے انڈین اور ٹیل کانفرنس کے خطبہ صدارت میں اس طرح کرتے ہیں۔

تہذیب کی ابتدا مولوی مالی نے کی اور اب اس فن پر متحدہ کلمے دے پیا ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔
 حال کے انقلابات اور تغیرات سے ہمارا ادب بھی متاثر ہوا ہے اور اس میں طرح طرح کی
 جذبیں پیدا ہو رہی ہیں ان کے جانچنے کے لئے پہلے اصول کام میں آسکتے ان ہی چیزوں
 کے پرکھنے کے لئے ہیں نئے اصولوں سے کام لینا پڑے گا۔

(خطبات عبدالحق صفحہ ۱۱)

حق تو یہ ہے کہ اس دور تغیر و تبدل اور ادب اردو کی ترقی کے اس نازک دقت میں مولانا کی
 تنقیدوں نے ان تمام خطرات کے مقابلہ میں سپر کا کام دیا اور ہماری زبان کو دست برد سے بچا کر ترقی کی
 صیح راہ پر گامزن کر دیا۔ علاوہ ازیں مولانا کی تنقیدوں نے جہاں ہمارے ادبی معیار کو بلند کرنے میں مدد
 دی وہاں وہ مولانا جیسی قابل شخصیت اور پختہ کار صاحب قلم کے ہاتھ میں اگر تہذیب ہمارے ادب کی جان اور
 اس کی ایک اعلیٰ صفت ہو گئی اور مولانا عبدالحق اس اقلیم کے بلا تزلزل غیرے مشہنہ شاہ ہو گئے۔ ایسے
 نازک وقت میں یہ رہبری ضرورتاً بخیر حیثیت اختیار کر لے گی۔

مولانا کی ادبی اور تہذیبی زندگی کی ابتدا مولانا عبدالحق علی گڑھ کالج کے ان ہونہار فرزندوں میں سے ہیں جن
 پر یہ ادارہ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ اگرچہ بی۔ اے میں آپ کے مضامین میں فلسفہ اور تاریخ تھے لیکن اردو
 زبان و ادب سے آپ کو ابتدا ہی کو ذوق تھا چنانچہ آپ چھٹیوں میں گھر جانے کے بجائے سرسید
 کے ساتھ علمی اور ادبی مشاغل میں مصروف رہتے تھے جب مولانا حالی علی گڑھ تشریف لائے تو ان سے
 بھی پوری طرح استفادہ حاصل کیا اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ آپ کے دل میں اردو زبان و ادب کی
 خدمت کا شوق سرسید نے پیدا کیا اور تحفہ تحفہ اور تنقید نگاری کا وہ جذبہ جس نے مولانا کو اس مروج
 و کمال تک پہنچایا مالی کی مخلص کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس بیان کی تائید مولانا مالی کے خط سے ہوتی
 ہے جس میں انھوں نے مولانا عبدالحق کے اس ارادے پر مسرت ظاہر کی تھی جب انھوں نے ایک
 خط میں اس امر کا ذکر کیا تھا کہ وہ جدید اردو لٹریچر کے ناموران پر تنقید لکھنا چاہتے ہیں چنانچہ مولانا مالی لکھنؤ

”اگر ضرور لکھنے کو اردو لٹریچر میں درحقیقت اب تک کوئی نمونہ پورچین کو نہیں کامورج نہیں“
 (مکتوبات مالی صفحہ ۱۲)

اگر یہ صحیح ہے تو ہمیں مآلی اور سرسید کی خدمات اردو کے سلسلے میں اس عظیم الشان کارنامے کو بھی شامل کرنا پڑے گا کہ انہوں نے مولانا جلیل حق جیسا اردو کا محسن ادیب اور نقاد پیدا کیا۔

ہمارے خیال محض قیاس آرائی پر نہیں بلکہ واقعات پر مبنی ہے چنانچہ دورانِ تعلیم میں مولانا کے جذبہ خدمت میں ڈوبے ہوئے مضامین اور زبان و ادب کی ترقی کے متعلق ”تمذیب الاخلاق“ اور ”علی گڑھ میگزین“ میں شائع ہوتے رہے۔ پھر ۱۸۹۷ء میں جبکہ آپ ابھی طالب علم ہی تھے صرف پن پکی کے کتب خانہ کی تلاش میں علی گڑھ سے اورنگ آباد تک کا سفر کیا۔ علاوہ ازیں مولانا کا مذاق ان کے خیالات اور اسلوب بیان پر مولانا مآلی کا اثر اور مآلی سے ان کی غیر معمولی حقیقت و نیا زندگی جو ان کے تمام مضامین میں نمایاں اور متناصبے ہمارے خیال کے عین ثبوت واضح شواہد ہیں۔

۱۸۹۷ء میں جب مولانا نے بی۔ اے کی سند حاصل کی تو اورنگ آباد میں انسپکٹر آف اسکولز مقرر ہوئے۔ ایک تو آپ کا ذوق علمی اور پھر حیدر آباد کی پرسکون اور صلی فضا ان دنوں نے آپ کو اپنے ان ارادوں اور منصوبوں کو جن کا اخبار ”سب علی“ کے زمانہ میں کرتے تھے اور جن کا مدد و بیان مآلی اور سرسید کے اثر سے کیا تھا اب علی جاہر پینا نے کا موقع ملا۔ مولانا نے ملازمت کے دو سال بعد ہی ۱۸۹۹ء میں رسالہ ”آفر“ جاری کیا۔ اسی سے آپ کی تنقید نگاری کی ابتدا ہوتی ہے اس رسالے کے جہاں اور بہت سے ادبی مقاصد تھے اور ان پر ملک کے بلند پایہ ادیب خامہ فرسائی کرتے تھے وہاں اس کا ایک اہم مقصد تنقید نگاری بھی تھا جسے خود مولانا لکھتے تھے چنانچہ شیخ چاند مرحوم لکھتے ہیں:-

”اردو چونکہ اس وقت قہر کمائیوں کی سرمد سے بھل کر علمی میدان میں قدم رکھ رہی تھی اس لئے اس کی دیکھ بھال اور رہنمائی کے لئے تنقید بھی رسالہ ”آفر“ کا مقصد قرار دیا گیا اور غالباً یہ پہلا اردو رسالہ ہے جس نے کلاموں پر تنقید کرنے کو اپنا فرض قرار دیا۔“

(رسالہ نورس، مہینہ جلی، نمبر ۱)

سربانچ سال تک اردو زبان و ادب کی خدمت اور تنقیدی کام انجام دیتا رہا اور اس کے بعد بند ہو گیا۔ سووی صاحب صرف شوق علمی اور مطالعہ کتب کے لئے زندہ ہیں اور ہم اس لئے آپ نے

افسر کے ہند ہونے بعد بھی اعلیٰ اور ادنیٰ شامل کو جاری رکھا اس زمانے میں اردو زبان کے بہت سے نایاب نئے معجم لکے اور ادب کے قدیم ترین ماخذوں کی تلاش و جستجو میں مصروف ہو کر انہیں نہایت ہی محنت اور جان بکھاہی سے جمع کرتے اسی کے ساتھ مترجم بھی لکھتے تھے جن میں سے بعض نہایت ہی مبسوط اور طویل ہیں متعدد سے وحقیقت کتاب اور مصنف پر بہترین تنقید ہوتے تھے مولانا کے مقدموں کی اہمیت اسی وجہ سے زیادہ ہے ورنہ اردو زبان میں مقدمہ نگاری قدیم اور عام ہے کبھی کبھی کتاب کے آخر میں قدیم الفاظ کی فرہنگ بھی تیار کر کے شامل کرتے تھے غرض کہ آپ کے یہ ادبی کارنامے جو ایک طرف بہت ہی تحقیقی اور اعلیٰ ہوتے تھے تو دوسری طرف آپ کی تنقیدیں انہیں پارچاند لگا دیتی تھیں جس سے نہ صرف ان کی قدر و منزلت بڑھ جاتی تھی بلکہ ادب کا میاں بھی ان تنقیدوں کی بدولت بلند ہو رہا تھا۔

اس وقت جبکہ ہمارے ادیب ہا کسی منزل مقصود کے ہنگام رہے تھے اور ہا کسی مقصد نہ بنانے کے اپنی تحقیقی قوتوں کو بیکار اور کومکملی شاعری بے ربط اور بے مقصد ترنگاری میں ضائع کر رہے تھے۔ ان کی توجہ مولانا کے اچھوتے اور بلند پایہ کام کی طرف ہوئی اور نہایت قوم نے سلاسل میں آپ کی تحقیقی و تنقیدی صلاحیتوں میں اپنی زبان اور ادب کی صحیح ترقی کا راز منہ سمجھ کر انجمن ترقی اردو کو جو کہ آل انڈیا مٹرن ایکشنل کانفرنس کا ایک عمومی شعبہ تھی مولانا کے سپرد کر دیا۔ اس کے متعلق شیخ پاندرہوم لکھتے ہیں:- مولوی صاحب کا۔

”ذرائع تعلیم سے لے کر ۱۹۱۲ء تک جو زمانہ گزر رہا ہے اس میں آپ نے نہایت بلند پایہ مضامین لکھے۔ اعلیٰ درجہ کی کتابوں پر نہایت ناقدانہ اور مبرمانہ مضامین لکھے۔ اردو ادب میں مغربی طرز کا تنقیدی عنصر داخل کرنے کی کوشش کی اور چند ہی دنوں میں اپنی خصوصیت تنقیدی قابلیت، ادبی ذوق اور اعلیٰ شغف سے قدیم و جدید طرز کے مالموں اور جوبوں اور انشاء پر دانوں کو قائل کر دیا اور بہت جلد شہرت اور ناموری حاصل کر لی اور غالباً اسی وجہ ہے کہ آپ ۱۹۱۳ء میں انجمن ترقی اردو کے اعزازی ممبر منتخب ہو گئے۔“

ارسالہ فورس۔ جلد ہی نمبر

حق تو یہ ہے کہ مولانا عبدالحق کی ادبی زندگی کا مطالعہ زبان و ادب کی ترقی اور ثقافت کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کا ایک بین ثبوت اور روشن دلیل ہے۔ نقاد کی حیثیت سے آپ نے اپنی شخصیت اور مرتبہ کو جس طرح دوسروں کی نظروں میں بلند کیا۔ زبان میں جس طرح ترقی کی اور اس کے ادب میں جو اضافہ کیا اور اس کے معیار کو مقناہی کیا۔ یہ سب ایسی کامیابیاں ہیں جو ایک ناقد کو ادیب سے ممتاز کرتی ہیں۔ انہیں صلاحیتوں کی بنا پر زبان و ادب کو ترقی دینے کا عظیم الشان بیڑا آپ نے اٹھا۔ اگر ایک طرف انہیں ترقی اور دو کے ذریعہ اردو زبان کو منظم طریقے پر ترقی دینے کی کوشش کی تو دوسری طرف دارالترجمہ حیدرآباد کے ناظم کی حیثیت سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ نقاد زبان کی استعداد ادب کی وسعت اور جدید خیالات پھیلانے کی خدمت بھی کس طرح انجام دے سکتا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اردو زبان کی ترقی میں مولانا عبدالحق اور انہیں ترقی اور دو نے جو کوششیں کیں انہیں جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے تمام کام مولوی صاحب کی سرگرمی کا نتیجہ ہیں اور اس کی موجودہ ترقی ان کی مسلسل اور انتہک کوششوں کی رہین منت ہے۔

اردو زبان کے تنقیدی کارناموں میں انہیں ترقی اردو کے ترجمان رسالہ "اردو" کو بھی مولانا کی طرح غیر زانی شہرت حاصل ہے۔ مولوی صاحب نے جب دیکھا کہ صرف نئی کتابیں اور ان کے ساتھ مقدمے شائع کر دینے سے تنقید نگاری کا پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ بلکہ ہماری زبان میں جس قدر بھی کتابیں شائع ہوں ان کو بھی ادب کا معیار بلند کرنے کے لئے تنقید کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے۔ اور زبان کی اصلاح اور معیار مقرر کرنے کے لئے ایک ایسے ادبی رسالہ کی ضرورت ہے جو صرف اردو ادب کے متعلق ہو اور جس کا مقصد تنقیدی یعنی زبان و ادب کی خوبیوں کا معیار قائم کرنا اور اس معیار پر پرانے اور نئے کھنڈے و اوں کی کتابوں کو پرکھنا ہو چنانچہ "اردو" کے پہلے پرچے جنوری ۱۹۳۷ء میں آناز کے عنوان کے تحت مولانا لکھے ہیں :-

”تنقید جو ادب کی جان اور ذوقِ سلیم کی روح رواں ہے ابھی ہمارے ہاں ابتدائی مرحلے میں ہے اسے صحیح رنگ میں دکھانا بہت بڑا فرض ہے اس کے بغیر ادب کی

خدمت ادا ہونی ممکن نہیں۔

مولانا نے اردو کے ذریعہ اب اپنے میدان تنقید کو بہت وسیع کر لیا ہے اور اقلیم اردو پر چپا گئے ہیں۔ اس رسالہ میں مولوی صاحب نے اردو زبان کی جدید مطبوعات پر تبصرے لکھنا شروع کئے جس سے اردو کتابوں کا میاں بہت بلند ہو گیا۔ اور صنف تنقید کو بھی صحیح رنگ میں دکھا کر کمال عروض و محکم پہنچا دیا۔ چنانچہ شیخ چاند مرحوم رسالہ اردو کی تنقید نگاری کے متعلق لکھتے ہیں:-

”افسرہ کے مقاصد میں تنقید بھی ایک مقصد تھا۔ مولوی صاحب کا وہ قدیم خیال اور پختہ ہو گیا اور اردو میں اس کے لئے ایک حصہ وقف کر دیا ہے۔ اس سے قبل اردو زبان میں تنقید کا عنصر اس قدر کمزور تھا کہ وہ کسی شمارا و کسی لحاظ کے لائق نہیں۔ اردو نے اس خصوص میں بڑی قابل قدر خدمتیں انجام دی ہیں آئندہ تنقیدی ترقی اس کی ممنون رہے گی۔“ (نورس، جلد ہفتم نمبر ۳۳)

یہاں اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ رسالہ اردو کی تنقیدیں زیادہ تر مولانا عبدالحق صاحب کے قلم کا نتیجہ ہوتی تھیں اس لئے مذکورہ بالا بیان میں اردو کی تنقید نگاری کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ فی الحقیقت مولوی صاحب کی تنقیدوں کے متعلق ہے۔ ڈاکٹر سید مابہ حسین صاحب فرماتے ہیں:-

”رسالہ اردو کے تنقیدی مضامین اس قدر بہترین ہیں کہ اردو زبان کی دنیا کی کسی زبان میں اس کی مثال ملنی محال ہے۔ ان مضامین کے علاوہ رسالے نے تنقید و معبر کا ایک متعل باب کھولا ہے جس میں نئی کتابوں اور رسالوں پر اور کبھی کبھی علمی انجمنوں کے جلسوں اور ملی اداروں پر ملاحظہ اور محققانہ تنقید کی باقی ہے۔ نو سال کے عرصے میں اکثر تبصرے ایسے نکلے ہیں جو بجائے خود ادبی نکات اور معلومات کے مخزن ہیں۔“

ان میں سے زیادہ تر عبدالحق صاحب اور کتر دوسرے نقادوں کے لکھے ہوئے ہیں مولوی صاحب کا کمال یہ ہے کہ تنقید کے اعلیٰ اور پاکیزہ میاں کو بھی قائم رکھتے ہیں

علیہ یہ مضمون ملاحظہ میں شائع ہوا تھا۔

اور بندیوں اور زنجیروں کی بہت افزائی میں بھی دریغ نہیں کرتے موصوف کی تبصرہ
 بھاری پر تبصرہ کرنے کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ ان کی تنقید دہانے
 ملک میں یہ مقبولیت اور وقعت حاصل کی ہے کہ لوگ انہیں مولاناؤں کی طرح شوق
 سے پڑھتے ہیں اور شرعی عدالت کے فیصلہ کی طرح ادب سے تسلیم کرتے ہیں۔“

(نورس جلد ہفتم نمبر ۱۲)

اگرچہ اب اردو زبان و ادب کی آرتی کے سلسلے میں مولانا کے مٹی شامل ہیں روز افزوں اضافہ
 ہو رہا ہے اور ان کی خدمات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جاتا ہے لیکن اب بھی مولانا تنقید کو ادب کی جان اور
 ذوقِ سلیم کی روح رواں سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر تنقید کو صحیح رنگ میں نہ دکھایا گیا تب بے راہروی
 سے بچنا مشکل ہو گا۔ اس لئے اگر ایک طرف وہ اردو کی بقا و قیام کے لئے ہندی کے دعویداروں
 سے دستِ درگزیان ہیں مگر دوسری طرف وہ اس کو ملک کے طول و عرض میں پھیلانے کے لئے شب و روز نہ سناڑ
 میں بٹھتے ہیں تو دوسری طرف اس کے باوجود اب بھی آپ کی زندگی کا اہم ترین مقصد تنقید نگاری ہے جس
 کے ذریعہ آپ اردو زبان کی استعداد اور خیالات میں وسعت پیدا کر رہے ہیں اور اس کے معیار کو روز
 بروز بلند کر رہے ہیں۔ اس لئے اگر یہ لکنا جانے تو غلط نہ ہو گا کہ تنقید نگاری آپ کی زندگی کا ہر
 اور ایمان جو گئی ہے جس سے آپ کبھی ہٹائیں ہو سکتے۔

مولانا عبدالحق کے تنقیدی کارنامے | قبل اس کے کہ مولانا عبدالحق کی تنقید نگاری کی خوبیوں سے بحث
 کی جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کارناموں کا ایک مختصر سا جائزہ لے لیا جائے تاکہ ان کی
 تنقیدات کی نوعیت اور ان کی قسموں سے واقفیت ہو جائے۔

مولانا عبدالحق کے ادبی مشاغل کا بھرپور تحقیق و تجسس اور تنقید نگاری میں گذرنا ہے۔ اسی لئے
 آپ کی تقریباً تمام ادبی خدمات تاریخ و تنقید اور نقد و نظر پر مشتمل ہیں۔ یہ آپ کا بہت بڑا کمال ہے کہ
 ابتدا میں جن فرائض کو اپنے ذمے لیا تھا ان کے علاوہ کسی دوسری چیز کے لئے قلم نہیں اٹھایا۔ اس
 سے جان آپ کو اپنے مقرر کردہ مقصد سے سچا لگاؤ اور جذبہ خدمت میں خلوص ثابت ہوتا ہے

وہاں مولوی، دولہ اور خچر تکی ارادہ کا بھی ثبوت ملتا ہے مولوی صاحب نے اپنی چالیس سالہ ادبی و علمی زندگی میں منکر ادیب اور صاحب قلم ہوتے ہوئے بھی ان تمام ارادوں، حوصلوں اور محرکات کو جو انسانی طبیعت کو شاعر اور مضمون نویس، افسانہ نگار اور مصنف بننے کے لئے اکٹاتے ہیں دل و دماغ میں بالکل بیکر نہ دی یا یہاں تک تکمل کام ہے جیسے نفس کشی جو ہر شخص کے لئے ممکن نہیں نفس کشی صرف وہی شخصیتیں کر سکتی ہیں جو کسی سچے نصب العین کے لئے اپنی زندگی کو تہ تیغ دیں اور ان کا رہنا، سنا اور مرنا، جیسا سب اسی بلند مقصد کے لئے ہو چنانچہ مولوی صاحب کے ادبی کارناموں کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ملی کارناموں اور تحریروں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ملتا ہے جس کا ہر فقرہ اور ہر ورق اپنے مقرر کردہ جادو راہ سے الگ نہیں۔ اس کا ہر لفظ و ہر جملہ تحقیق و تفتیش اور مسح تنقید کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔

مولانا کے ادبی کارناموں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ تصانیف، مضامین اور مقالے خطبات تنقیدات اور مقدموں پر مشتمل نظر آئیں گے جن میں سے ہر ایک کا مفصل ذکر حسب ذیل ہے۔

(۱) تصانیف: حضرت وخوا، ردو، اور قوا مدارو، مولانا عبدالحق کی دو اہم تصانیف ہیں جن کا بظاہر مولانا کی تنقید نگاری سے کوئی تعلق نہیں لیکن ان کی نوعیت پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان تصانیف کے پیش نظر بھی اصول تنقید تھے اور مولانا نے وسیع النظرا ادیب اور بلند پایہ نقاد کی حیثیت سے ان تصانیف میں کمال پیدا کر دیا ہے۔ صرف وخوا اور قوا مدارو ان کے مسائل پر یہ کتابیں مسلم شہرت ہیں۔ مولانا نے ایک نقاد کی حیثیت سے ضروری سمجھا کہ جس زبان کی اصلاح کی جائے اور جس پر تنقید کی جائے اس کے متعلق مسلمہ اصول بھی ہونے چاہئیں اسی لئے آپ نے بڑی محنت اور جانکاہی سے ان کتابوں کی تصنیف کے فرائض انجام دیئے۔

(۲) مضامین: مولانا کی تصانیف کو چھوڑ کر ان کے تمام مضامین خواہ وہ سیرت نیچے متعلق ہوں یا تاریخ سے وہ کسی منظر پر تنقید کی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس لئے مولانا کے علمی اور ادبی مضامین کو ان کے تنقیدی کارناموں سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ان تنقیدیوں

کا تعلق اگر کچھ کسی کتاب سے نہیں ہوتا مگر وہ لوگوں کی سیرت ان کے کلام اور ان کے کارناموں پر ایک ناقدانہ بحث ہوتی ہے۔ آپ کے بہترین مضامین کا مجموعہ چند ہجرت کے نام سے شائع ہوا ہے اس میں زیادہ تر ان شاعروں، ادیبوں اور قوی لیڈروں کے حالات ہیں جو آپ کے ہمعصر تھے اور ان میں سے اکثر سے آپ کا قلمی اور جگری تعلق تھا۔ اس کے مطالعہ سے مولانا کی سماجی اور قدرت بیان پورا پورا ثبوت ملتا ہے اور چرچل کی مشہور کتاب (my contemporary) یاد آ جاتی ہے اس کتاب چند ہجرتی مضامین کی تعداد کل چٹوڑ ہے جن میں سے خاص خاص مولوی چغان علی، مولوی محمد عزیز مرزا، سید علی گلرانی، حسن الملک، مولانا محمد علی، اور مولانا حالی ہیں اور ان سب میں گزشتہ سیرت کا لعل نور خاں ہے جو کہ غوثی زبان اور جوہر قلم کے اعتبار سے بہت ہی لاجواب ہے۔ بعینہ تمام مضامین جہاں ان بزرگ ہستیوں کا صحیح ترین خاکہ ہیں وہاں ان میں ان کے ادبی کارناموں کا کلام اور زبان پر بھی تنقید کی گئی ہے اور اس لحاظ سے آپ کے مضامین دوسری سیرتوں سے جو کہ ان بزرگ ہستیوں کے متعلق لکھے گئے ہیں بہت ہی بلند پایہ اور مسلم الثبوت ہیں۔

اب مقالے! آپ کے علمی مقالے بھی متعلقی تعنیفات ہیں جو کہ تحقیقی اور تنقیدی لحاظ سے مستطابان ہیں اس حیثیت سے یہ مقالے اردو ادب میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ان مقالوں میں آپ نے جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ انتہائی صحیح اور مسلم ہیں۔

اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام لکھ کر آپ نے ہماری تاریخ ادب کی ایک گمشدہ کڑی کا پتہ چلا ہے۔ دوسرا اہم مقالہ جو تحقیق و تنقید کے لحاظ سے بہت اہم ہے، موٹلی زبان پر فارسی کا اثر کے نام سے شائع ہوا ہے یہ وسعت نظر اور عالمانہ تنقید کا بہترین نمونہ ہے۔

مجموع دہلی کا قلمی بھی آپ کی نمائندگی ہی مرکزہ آراء مقالہ ہے جس میں مولانا نے اس کالج کی اردو زبان و ادب کی ترقی میں اہمیت اور اس کی کوششوں کو خوب سراہا ہے اور اس کے کارناموں پر تنقیدی بحث کی ہے۔ ان مقالوں کے علاوہ آپ نے کئی معنی میں شعر اور ان کی تعنیفات کے متعلق بہت ہی اہم اور مرکزہ آراء مقالے لکھے ہیں جن میں سے قدیم اردو اور دوسرے مقالے بہت ہی

قابل قدر ہیں اور ان کی وجہ سے دکن کے اکثر ادیبوں کو قدیمی دکنی ادب سے دلچسپی ہو گئی ہے اور ان پر کام کیا۔

۳) خطبات :- مولانا جلد بلق کے ادبی کارناموں میں خطبات کو بھی کافی اہمیت حاصل ہے یہ نہ صرف اس لئے قابل قدر ہیں کہ علمی اور ادبی جہوں میں بڑے کر مقبول ہوئے بلکہ اس لئے بھی کہ زبان و ادب کی خوبیوں سے ملزوم ہیں۔ اگرچہ یہ خطبات تنقیدی رنگ سے الگ ہٹ کر لکھے گئے ہیں اور انہیں ایسا ہونا بھی چاہئے لیکن اس قسم کے خطبات کو بھی ماہر فن اور سلسلہ نقاد کی تنقید نگاری کا جزو سمجھنا چاہئے اس لئے کہ نقاد کے کلام و بیان میں بھی ناقدانہ شان پائی جاتی ہے۔ ان میں وہ جہاں زبان و ادب کی خامیوں اور خوبیوں کا محاکمہ کرتا ہے وہاں اصلاحی اور عملی تجاویز بھی سامعین کے سامنے رکھتا ہے جو کہ نقاد کا فرض ہے۔ اس لئے کسی نقاد کا اس مرتبہ پر پہنچ جانا کہ وہ مسلم اقلیت ہو جائے اور بڑی بڑی محفلوں اور جلسوں میں صدارت اور صلاح و شعور کے لئے طلب کیا جائے اس کے کمال تنقید کی دلیل سمجھنا چاہئے۔ چنانچہ مولانا کی تنقیدوں نے جس وقت سے اردو اداں حلقہ میں بہت مقبولیت حاصل کی ہے اور نقاد کی حیثیت سے ان کی صلاحیتوں کو ملک میں تسلیم کیا گیا ہے اس وقت سے مختلف زبان و ادب کے جلسوں میں مولانا جلد بلق مند صدارت کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں چنانچہ آپ کے دس خطبات کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے جس میں سے ہر خطبہ پڑھنے کے قابل ہے اور یہ تمام خطبات مولوی صاحب کی عام مقبولیت کی دلیل ہیں ان خطبات میں انجمن حمایت اسلام، انجمن ترقی پسند مصنفین، ہمارا دود کا نفرنس، ہندوستانی اکیڈمی اور انڈین اوپنٹیل کانفرنس کے خطبات بہت ہی پر منفرد ہیں۔

۴) تنقیدات :- یہی تنقیدات مولوی صاحب کے ادبی کارناموں کا بہت ہی اہم جزو ہیں کتابوں کے تبصروں میں مصنف اور کتاب کے ہر جملہ پر مفصل بحث ہوتی ہے جس کی بنیاد انصاف پر ہوتی ہے ان میں تحقیر کی شان بھی پائی جاتی ہے۔ مولانا کی تنقیدی تحقیراتی واقعات اور کبھی کبھی ظرافت آمیز جملوں سے ملو جوتی ہیں۔ تنقید کیا ہوتی ہے کتاب کا پتہ پڑتا ہے جس میں اصل کتاب کے پڑھنے سے زیادہ

لطف آتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ سادگی زبان اور زور بیان سے بھی آراستہ و پیراستہ ہوتی ہیں۔ اس لئے لوگ انھیں صرف ادبی سلومات کے لئے ہی نہیں بلکہ دلچسپی اور زبان کی چاشنی کے لئے بھی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ سالوں میں آپ کی تنقیدات کے دو مختصر مجموعے، تنقیدات مبدلہ حق کے نام سے شائع ہو کر مقبول عالم ہوئے ہیں آپ کی مشورۂ تنقیدوں میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

سرگزشت الفاظ، بہت ہی دلچسپ تنقید ہے جس میں الفاظ کی تاریخی سرگزشت اور ان کی اصل و معانی کی تبدیلی پر یوں اٹھانے جہاں مصنف کی کوششوں کی داد دی ہے۔ وہاں چند الفاظ کی منہمکہ نیز تشریح کی غلط بھی اشارہ کیا ہے اور خامیوں کی خود تصحیح کی ہے۔

مکاتیب امیر مینائی، پر نہایت منفعتانہ اور بے لاگ تبصرہ ہے۔ مشہور شاعر کے محاسن و معائب کو بلا روک ٹوک بیان کیا گیا ہے۔

اصلاح سخن، پر مولانا کی تنقید دوسری تنقیدوں سے مختلف نوعیت کی ہے جہاں مصنف کی شوخی کی داد دی گئی ہے وہاں ان کی اضافی غلطی کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ انداز بہت ہی ظرافت آمیز اور دلچسپ ہے۔

دقیقان شوق، کا تبصرہ بھی بہت ہی باکمال ہے حضرت شوق صیہ مستند زبان داں اور علم الثبوت استاد کی شاعری کی خامیاں دکھانے کے ساتھ ساتھ زبان دانی کی غلطیاں بھی پیش کی گئی ہیں۔ ان کے کلام کا مختصر انتخاب اور ان کی شاعری پر تبصرہ بھی ہے۔

اردو لٹریچر پر تبصرہ بھی انتہائی دلچسپ ہے۔ اس کا انداز تنقید بھی جدا ہے۔ مولانا کی وسعت نظر اور تاریخ و زبان پر عبور اور واقفیت کا بہترین نمونہ ہے۔ نہایت ہی دلچسپ غلطیاں شائد پیش کی گئی ہیں اگرچہ ناش غلطیوں کی فہرست بہت لمبی چوڑی ہے جس کی کہ کتاب یقیناً مستحق تھی لیکن پھر محراب دلجو میں کسی قسم کی سختی کا شائبہ نہیں پایا جاتا ہے اور ان خامیوں کے باوجود تاثر میں مصنف کی کوششوں کو سراہا گیا ہے۔

غرض کہ مولانا کے مختلف تبصرے انداز تنقید کے لحاظ سے مختلف اور بہت ہی دلچسپ ہیں جنکے

پڑنے سے صرف صحیح تنقید نگاری کا رنگ ہی سامنے نہیں آتا بلکہ زبان کا لطف بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور ادبی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مولانا کی تنقیدوں کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ انھیں چڑھ کر کتاب کا باطل صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے اور کتاب کا پورا سامنے آجاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مولانا کی تنقیدوں کے وہ دنوں مجھ سے غمخوار و ناکافی ہیں اس لئے تمام تنقیدات کو ایک جگہ جمع کرنے کی ضرورت ہے۔

۵۔ مقدمات ہمدردی و عین صواب، مقدمہ باز مشورہیں اور ہونا بھی چاہئے۔ مگر باز میں ذمہ کا پہلو صرف کرنے کے بعد، کیونکہ مولانا جیسا مفکر اور ادیب جس کی زندگی کا مقصد ہی عالمانہ اور تنقید ہی مقصد لکھنا ہوا اور جن کے تحقیقی و تنقیدی مقصد میں طبیعت، زبان اور اعلیٰ معیار کی وجہ سے حوار و دباؤ میں مشورہیں۔ اگر وہ نہ مقدمہ باز کہلائیں گے تو کون، مقدمہ نگاری تنقید نگاری ہی کی ایک جھل ہے لیکن اس سے بلند تر اس کا لکھنا اس سے زیادہ مشکل اور کٹھن ہے۔ مقدمہ نگاری کے لئے زیادہ طبیعت اور صلاحیت کی ضرورت ہے۔ تنقید صرف معیار پر کھنے کی کوئی ہے۔ لیکن مقدمہ کتاب کی حد سے بچ کر موضوع بحث، مصنف اور خود کتاب پر تنقید ہوتی ہے۔ مولانا عبدالحی کے مقدمے نہایت ہی مختصراً اور مبصر ہوتے ہیں اور ان میں تحقیقی رنگ بھی شامل ہوتا ہے، اپنی نوعیت اور سیارے اعتبار سے مولانا کے مقدمے دنیا کی انتہائی ترقی یافتہ زبانوں کے بہتر سے بہتر نمونوں کے مقابلے میں پیش کئے جاسکتے ہیں مولانا کا تجربہ ملی اور ان کی وسعت نظر جہاں ان کے مقدموں کو زیور علم سے آراستہ دیراستہ کرتی ہے وہاں ان کی قدرت زبان اور اسلوب بیان زیورات علم کو جلا دیتے ہیں اسی لئے ان مقدمات کو پڑھنے سے اگر معلومات میں اضافہ ہوتا ہے تو طبیعت کو سرور بھی حاصل ہوتا ہے مولانا کے مقدمے اکثر دہشتر صورتوں میں اصل کتاب سے بڑھ چڑھ کر ملتے ہیں اور جس کتاب کے ساتھ شائع ہوتے ہیں اسے چار چاند لگا دیتے ہیں۔ مولانا کے مقدمات کتاب کے پڑنے میں بہت ہی مفید ثابت ہوتے ہیں اور کتاب کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے اور موضوع کتاب کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتے ہیں مولانا کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر موضوع پر مقدمے لکھ سکتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ سب بلند پایہ ہوتے ہیں لیکن زبان و ادب کے مسائل میں ان کی رائے قطعی اور ان کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔

مذہب، سائنس، فلسفہ، تاریخ، زبان و ادب اور سماجی مسائل کے متعلق کتابوں پر ان کے مقدمات بہت بلند پایہ ہیں۔ مقدمات کی تعداد انتہائی سے اوپر ہے جن میں سے چند کا مختصر ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے تاکہ ان کے مقدموں کی نوعیت اور طرز مقدمہ نگاری کا ایک خاکہ ذہن میں قائم ہو جائے۔

مقدمہ، مرکزہ مذہب و سائنس، ڈاکٹر ڈیوڈ کی کتاب مذہب و سائنس، پر نہایت ہی عالمانہ مقدمہ ہے بلکہ اس کتاب کے مقابلہ میں اس مقدمے کو ایک مستقل تصنیف سمجھنا چاہئے جس میں مذہب کی حقیقت اس کی اہمیت اور سائنس پر نہایت ہی فلسفیانہ اور منطقی بحثیں کی گئی ہیں۔ نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ وجود باری تعالیٰ اور مذہب کی ضرورت کو ثابت کیا گیا ہے۔ یہ مقدمہ آپ کے دوسرے مقدموں سے اس حیثیت سے مختلف ہے کہ اس میں تمام تر علمی بحث ہے جو کہ زبان اور خیالات کی خوبیوں کی وجہ سے بہت ہی دلچسپ ہوا اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

مقدمہ، حیات النذیر، دوسرے مقدموں سے مختلف نہیں بلکہ آپ کے خاص رنگ میں ہے جس میں مولانا نذیر احمد کے حالات زندگی پر بہت اچھی اور صحیح بحث کی گئی ہے۔ ابتدائے مقدمہ میں آپ نے ان لوگوں کا جو کہ تاریخی شخصیتوں کی سیرت لکھتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے دور کی شخصیتوں کے حالات زندگی لکھتے ہیں۔ دونوں کے فرائض اور مشکلات کا محاکمہ کیا ہے۔ اس کے بعد مولانا نذیر احمد کی زندگی کو جس سبب آموز انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی قابلیت اور علمی صلاحیتوں کو جس قدر سراہا ہے۔ اس کی توقع بہت کم لوگوں سے کی جاسکتی ہے۔ آخر میں اماتہ الاسلامہ کے مسئلہ پر بلا خوف و خطر پوری وضاحت اور ذور بیان کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

مقدمہ، تمدن ہندو میں سید علی ہگڑامی کے حالات زندگی بہت خوش اسلوبی کے ساتھ ظہنہ کئے ہیں۔ اس کے بعد تمدن ہند پر نہایت ہی فاضلانہ طور پر تنقید کی ہے اس میں جہاں ایک ادیب اور عالم کی حیثیت سے بے لاگ تنقید کی ہے وہاں انجی تاریخ دانی کے جوہر بھی خوب دکھائے ہیں۔ مقدمہ، ذکر میرا میں جس قدر بہتر طریقہ پر اور جتنے صحیح حالات موجود ہیں کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتے تیر ماہ صبح کے متعلق تمام غلط فہمیوں کا بہت خوش اسلوبی کے ساتھ ازالہ کیا گیا ہے۔ تیر ماہ صبح اور نمان آندو

کارشہ اور ان کے باہم تعلقات پر اپنی تحقیقات کے نتائج پیش کئے ہیں۔
 مقدمہ: انتہاب کلام تہذیب و تمدن صاحب کے معرکہ آراء عقیدوں میں سے ایک ہے اس میں جہاں
 تہذیب کے مفصل حالات بیان کئے گئے ہیں وہاں ان کے کلام پر بہت ہی بلند پایہ اور دقیق تبصرہ بھی ہے۔
 اگرچہ تشنہ بیکیل ہے۔

مقدمہ: خطوط عطیہ بیگم، اپنی نوعیت کا بالکل جدا مقدمہ ہے کیا بہ اعتبار طرز بیان اور کیا
 بہ اعتبار مقدمہ نگاری۔ اس میں اصل رنگ کو چھوڑ کر طنز آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ مولانا شبلی کے وہ
 خطوط جو انھوں نے عطیہ بیگم کو لکھے تھے ان کے ذریعہ ان کی زبان کی خوبیوں پر روشنی ڈالی
 گئی ہے اور ان کے کیرکٹر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ مقدمہ اگرچہ دلچسپ ہے اور پڑھنے
 سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس میں مولانا اپنے انصاف اور سنجیدگی کو قائم نہ رکھ سکے۔

مولانا کے میں قدر بھی مقدمے میں سبکدوشی نہ کسی حیثیت سے اہم اور معرکہ آرا ہیں۔ اس لئے
 پیشکش ہے کہ کس کو کس پر ترجیح دی جاوے۔ ابھی ابھی ہم صرف چند مختلف النوع مقدموں کا ذکر
 ان کی مقدمہ نگاری کے انداز کو سمجھنے کے لئے کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ مقدمہ: باغ و بہار، مقدمہ
 سب رسی، مقدمہ شغری خواب و خیال، "نہر قی" اور مقدمہ دور یائے لطافت بہت ہی بلند پایہ
 (باقی آئندہ) اور قابل قدر ہیں۔

شیعہ سنی

تادرشاہ نے شیعہ اور سنیوں کو باہم متحد کرنے کی جو کوشش کی تھی اس کا فخر مذکورہ معائنات
 اپریل ۱۹۳۲ء کے مغربی خلافت میں آج سے پندرہ سال پہلے گند چکا ہے۔ اب مسلمان
 (مکملت کے گلاشتہ عید پر میں ایک منفرد مغربی و قلم ہوا ہے، اس کوشش میں علامہ مہتاب
 سوریہ کی خدمت بھی بہت نمایاں تھی، اور معروف نے اس پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ مگر یہ فرمایا
 تھا جس کے بعض حصے اس مغربی میں نقل کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ کون سا باب کی
 بنا پر یہ کوشش ناتمام رہی اب آج ہمارے مسلمانوں کے لئے یہ قابل فخر مسئلہ ہے کہ اب جب اسلام
 کے سیاسی حالات میں غمناک انقلابی تغیر پیدا ہو چکا ہے، اور سنییت اور شیعیت ترکی اور ایرانی
 مسلمانوں کے تعمیری اجزاء باقی نہیں رہے، ان ہی مفرز ماحول کے طائر پر فزیتین کے درمیان
 کیا اب سنی کی وفات قریب نہیں ہو سکتی؟ خصوصاً اس حالت میں کہ سلطان ابن سعود نے
 عربی مفرز بیچ چار مصلوں کی بدعت بھی مٹا دی ہے؟

مقتصد و فتوحات کے بعد جب ۱۳۳۰ھ میں تادرشاہ وادی خٹان میں داخل ہوا تو احمادین سلطنت نے
 ایران کا تاج اس کے سامنے پیش کیا، لیکن اس نے تاج کے قبول کرنے سے امتناع تک کے لئے
 انکار کر دیا جب تک شیعہ اور اہل سنت کا اختلاف دور نہ ہو جائے، تاہم سنیوں نے کہا کہ اس

ایرانی سرداروں سے حسب ذیل گفتگو کی:۔

نبی کریم صلیم کی وفات کے بعد آپ کے چار صحابہ خلافت پر مامور ہوئے، اس واقعہ کو نہایت
روم (ترکی) ترکستان اور دوسرے ملک نے تسلیم کر لیا ہے، قدیم زمانہ میں ایران کا بھی
یہی عقیدہ تھا، پھر شاہ بختیار نے ملکی اسباب کی بنا پر اسے ترک کر دیا، اگر اہل ایران چاہتے ہیں
کہ میں بادشاہی قبول کروں، اور وہ خود اپنی اصلاحات کے نبی خورشید میں، تو ضروری ہے کہ وہ اہل
وہجعت کا عقیدہ اختیار کریں، جو ہمارے آبا و اجداد کو مسک تھا، چونکہ امام جعفر صادق کو جو جیسے
نبی کی اولاد میں ہیں، تمام مسلمان امام تسلیم کرتے ہیں، نیز چونکہ اہل ایران انکے مسک واقف ہیں، لہذا
چاہئے کہ امام موصوف کے مسک کو اپنا مذہب بنالیں،

لوگوں نے یہ شرط منظور کی، اور ایک مہتر تیار کر کے اس پر اپنی ہر تین ثبت کر دیں، اس کے بعد
شاہ نے تاج قبول کر لیا، اور اس واقعہ کی اطلاعات امیر المومنین سلطان ترکی کی خدمت میں بھیجی
تاکہ دولت عثمانیہ اور حکومت ایران کے اختلافات دور ہو جائیں، اور دوستانہ تعلقات پھر قائم ہو جائیں
شاہ نے دربار خلافت میں جو مراسلہ بھیجا، ان میں مندرجہ ذیل امور کی درخواست بھی کی:۔

۱۔ چونکہ اہل ایران ان عقائد سے تائب ہو گئے ہیں، جو اب تک بنائے مخالفت تھے
اس لئے امید ہے کہ امیر المومنین اور علمائے دولت عثمانیہ جعفری مذہب کو اسلام کا پانچواں
مذہب تسلیم کریں گے،

۲۔ حرم کعبہ میں چار مصنفوں کے علاوہ ایک پانچویں مصنف یعنی جعفری مصنف کا اضافہ کر دیا جائے
تاکہ ہمارے آدمی اپنے ایام کے پیچھے نماز ادا کر سکیں،

۳۔ ایرانی ذرائع کو ایک ایرانی میراج کی قافہ سالاری میں کہ منسلک جانے کی اجازت دینا
اور عثمانی محال اس قافہ کے لئے ویسی ہی سہولتیں ہم پہنچائیں جیسی سمرقند، شام وغیرہ کے قافلوں

کو پہنچائی جاتی ہیں،

- ۴۔ جنگ کے قیدیوں کو جو دونوں حکومتوں میں ہیں، آزاد سمجھا جائے، اور انھیں غلام نہ بنائے جائے۔
 ۵۔ دونوں حکومتیں اپنے مستقل سفیر ایک دوسرے کے دارالسلطنت میں تعین رکھیں تاکہ باہمی

معاملات بہ حسن و خوبی طے ہوتے رہیں،

چونکہ باب عالی میں مذکور بالا معروضات بے اثر رہے، اس لئے جب ۱۲۵۹ ہجری میں نادر شاہ
 نجات گیا، تناس نے سلطان سے ان مطالبات کی منظوری حاصل کرنے کی ایک بار اور کوشش کی جس
 نے اپنی سلطنت کے تمام بڑے بڑے علماء اور سربراہان کو دعوت دی، کہ ایک مجلس منعقد کر کے
 عثمان کی تجدید و تصدیق کریں، چنانچہ احمد پاشا والی بغداد کو بھی لکھا گیا کہ وہ ایک ایسا عالم روانہ کرے جو
 دنیاویات کا فاضل ہو تاکہ ثنات کی حیثیت سے فریقین کے اختلافات دور کر کے اون کو باہم ملا سکے،
 احمد پاشا نے اس خدمت کے لئے علامہ عبد اللہ سویدی کو منتخب کیا، جو اپنے وقت میں بغداد کے سب
 سے بڑے فاضل تھے،

یہ مجلس کامیاب ہوئی، معاہدہ عثمان از سر نو مستحکم کیا گیا، نادر شاہ نے مرزا محمد علی نائب وزیر
 کو ایران کے تمام حصوں میں مجلس کے فیصلہ کا اعلان کرنے اور خلفائے اربعہ کے نام تمام ایران میں
 جمعہ کے خطبے میں داخل کرانے کے لئے روانہ کیا، اس نے مجلس کی روئے اور بار خلافت میں مستطیع
 بھیجی، اور اپنے مطالبات کی منظوری کے لئے پھر استدعا کی، ترکی شیخ الاسلام اور سلطان محمود خان
 پہلے دو مطالبات پر راضی نہیں ہوئے، یعنی جزیری مذہب کو تسلیم کرنا، اور کعبہ میں ایک پانچواں
 مصلی قائم کرنا، نادر شاہ نے بھی سادگی دشواری دیکھ کر نیا بندہ نہیں دیا، اور بدترین مطالبات کی
 منظوری پر قناعت کر لی، اس کے بعد چرچا میں بالا و خوار سلطنت عثمانیہ اور حکومت اہل ان کے درمیان
 ایک صلح مرتب ہو گئی،

قائم محمد احمد سیدی نے ایک رسالہ الطبع القاطعہ فی اتفاق الامم الاسلامیہ کے عنوان سے لکھا ہے جس میں انھوں نے ہندو سے سخت تنگ کے سفر اور اس مجلس کے حالات بیان کئے ہیں۔
 بسن اقتباسات درج ذیل میں:-

میں دور ان سفر میں فریقین کے املائی دلائل کے سوچنے اور حرب کرنے نیز جو اعتراضات پیش کئے جاسکتے تھے، ان کے جوابات تیار کرنے میں تمام تر تنگ رہا، یہ انہماک اور اعتراضات کے جوابات معلوم کرنے اور شبہات کے دور کرنے کی کوشش اس وقت تک جاری رہی، جب تک میں نے اپنے ذہن میں سو سے زیادہ املائی سوالات اور ہر سوال کے ایک دو یا تین جواب اس شبہ کی مناسبت سے جو اس کے متعلق پیدا ہو سکتا تھا، مرتب نہ کر لیا، ان باتوں کا انرجی پر اتنا پڑا کہ میں بیمار ہو گیا۔

اس کے بعد علامہ موصوف نادر شاہ کی طاقت کا حال بیان کرتے ہیں:-

میں نے اپنے سامنے ایک دراز قد آدمی کو دیکھا جب کہ انکی نشست سے اندازہ ہو سکتا تھا اس کے سر پر قندۃ کے مثل جو ابل ایران پہننے ہیں، ایک بلند چوکور ٹوپی تھی، اس پر ایک عمامہ تھا جو موتیوں، لعل، میرے اور دوسرے قیمتی جواہرات سے آراستہ تھا، گلے میں موتیوں اور لعل کا ایک ہار تھا، بازو و لہ پر بازو بند تھے، جن پر موتی، میرے اور لعل ٹکے ہوئے تھے، اس کے چہرے سے بوڑھا چہرے کی علامتیں ظاہر تھیں، سامنے کے دانت گر گئے تھے، عمر تقریباً اسی سال تھی، دواڑھی میں نیل کا خضاب تھا، بمنزل مثل دو کمانوں کے تھیں، انکیں کسی قدر بھری لیکن خوبصورت تھیں، چہرہ بحیثیت بھری خوشنما تھا، بون ہی میری نظر اس پر پڑی، میرے دل سے تمام بول زائل ہو گیا، اور انکی طرف سے جو خوف تھا، وہ بجاتا رہا، وہ پہلے کی طرح مجھ سے ترکمانی زبان میں مخاطب ہوا، پوچھا کہ احمد خان کیسا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ غیریت ہے، پھر اس نے پوچھا کیا تم جانتے ہو؟

کہ میں نے ٹھکریوں بلایا ہے؟ میں نے کہا نہیں، تب اُس نے کہا میری ملکیت میں دوسرے
 میں یعنی ترکستان اور افغانستان کے لوگ جو ایرانیوں کو کا فر کہتے ہیں، اور مذہب میں کفر میرے
 نزدیک ایک نفرت انگیز چیز ہے،

ایسا نہ ہونا چاہئے، کہ میری حکومت کے اندر بعض جماعتیں بعض دوسری جماعتوں کو کہیں
 ب میں تمہیں اپنا وکیل مقرر کرتے ہوں، اور تم سے کہتا ہوں کہ تمام مذاہدہ کا اہتمام کر دو، اور
 ان تینوں گروہوں کے درمیان جو منہ ہوا میری طرف سے اس کے گواہ رہو، جو کچھ تم سنو اور
 دیکھو، اسکی اطلاع مجھے دو، نیز احمد خاں کو بھی اس سے مطلع کرو، پھر اس نے مجھے نصیحت ہونے
 کی اجازت دی، اور حکم دیا کہ میرا قیام اعتماد الدولہ کے مکان پر ہو، اور بعد نماز ظہر تک ملا باشی
 سے ملاقات کروں، میں حضور شاہ سے بڑی خوشی اور مسرت کی حالت میں نکلا، کیونکہ شاہی
 کی خدمت مجھے عطا کرائی تھی،

جب میں ملا باشی کی خدمت میں پہنچا تو وہ محل کر میرے استقبال کے لئے آیا وہ ایک چھوٹے
 قد کا آدمی ہے، گندی رنگ، جھٹے سے جو نشان کپڑی پر پڑ گیا ہے، وہ سر کے درمیان میں پہنچا
 ہے، میں گھوڑے سے اتر پڑا، اس نے مجھے تعظیم دی، اور تخت پر بٹھایا، اور خود ایک شاگرد کی
 طرح میرے سامنے بیٹھ، پھر ہمارے درمیان گفتگو شروع ہوئی، تا اس کے بعد مذہبی مباحثہ
 کی تفصیلات ہیں)

"شاہ کو اس بحث کی اطلاع بالکل صحیح صحیح دے دی گئی، اُس نے ملاے ایران
 ملاے افغانستان اور ملاے ماوراء النہر کو حکم دیا، کہ جمع ہو کر بدعت و مذاہدہ کے ختم کرنے کا
 فیصلہ کریں، پھر سے کہا کہ تم میرے نمائندہ کی حیثیت کو انکو دیکھتے رہو، اور زیر بحث مسائل پر جو افراد ہمارے
 درمیان مرقب ہوں، اس کے گواہ رہو،

جلسہ کے روز جمعہ بہت تھا حضرت علیؑ کے روضہ کے چچے ایران کے شہر علم و جمعہ ہوئے ان میں
 مفتی اردلان کے سوا اور کوئی نہ تھا، میں نے کاغذ اور قلم و دوات گھڑائی اور جو لوگ ان میں سے
 زیادہ اہم تھے، ان کے نام لک لئے..... اس کے بعد افغان علماء آئے، میں نے ان کے
 نام بھی لک لئے..... تھوڑی دیر کے بعد علمائے ماوراء النہر آئے علیؑ تہہ اوسات تھی.....
 میں نے ان کے نام بھی لک لئے، جب مجلس باقاعدہ طور پر بٹ لگئی، تو ماباشی نے بھرا علم (یہ لقب
 علامہ ہادی خواجہ کا تھا جو علمائے ماوراء النہر میں سب سے زیادہ ممتاز تھے) کو مخاطب کر کے پوچھا، کیا آپ
 اس شخص کو جانتے ہیں؟ یعنی جے، انھوں نے جواب دیا، کر نہیں، تب ماباشی نے کہا: یہ شیخ عبداللہ
 آفندی ہیں، جو سنی فرقہ کے اکابر علماء میں ہیں، انھیں وزیر احمد پاشا نے شاہ کی دعوت پر بھیجا ہے، تاکہ
 اس جہد میں ثبات کی حیثیت سے موجود رہیں، یہ شاہ کے وکیل ہیں، لہذا اگر ہمارے درمیان کسی
 بات پر اتفاق ہوگا، تو وہ ہم سب کی طرف سے اوس کے گواہ ہوں گے، اب بتائیے
 آپ کن باتوں کی وجہ سے ہم پر کفر کا الزام لگتے ہیں، تاکہ ہم شیخ عبداللہ کی موجودگی میں ان
 بازا جائیں، لیکن حقیقت یہ ہے، کہ ابوحنیفہ کے مسلک کی رو سے بھی ہم کافر نہیں ہیں، وہ اپنی کتاب
 جامع الاصول میں لکھتے ہیں، کہ اسلام پانچ فرقوں کو تسلیم کرتا ہے، اور انھوں نے امامیہ فرقہ
 کے پانچویں مذہب ہونے کا اقرار کیا ہے، صاحب المواقف بھی امامیہ فرقہ کو اسلامی فرقوں میں
 شمار کرتے ہیں، ابوحنیفہؒ اپنی فقہ الاکبر میں لکھتے ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو اور وہ سید جس کا نام
 میں اس وقت بول رہا ہوں، انھوں نے ہدایۃ الفقہ یعنی کی شرح میں لکھا ہے، کہ یہ صحیح ہے کہ
 امامیہ فرقہ اسلامی فرقوں میں سے ایک ہے، لیکن جب آپ کے علمائے متاخرین آئے، تو
 انھوں نے ہجو کا فر کن شروع کیا، اور اسی طرح ہمارے علمائے متاخرین آپ لوگوں کو کافر
 کہنے لگے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ نہ آپ کافر ہیں نہ ہم، بہر حال وہ بتائیں بتائیے، جو آپ کے علمائے متاخرین

نے بیان کی ہیں، اور جن کی بنا پر آپ لوگوں نے میں کو فرمایا ہے، تاکہ ہم انہیں ترک کر دیں،

بادی خواہ بحر اعظم۔ آپ کا فریضہ اپنے گنہگار پر تراکتے ہیں،

ملا باشی۔ ہم گنہگار پر تراکتا کن چھوڑتے ہیں،

بحر اعظم۔ آپ کا فریضہ اسے کہ صحابہ کو گمراہ اور کافر بناتے ہیں،

ملا باشی۔ تمام صحابہ عادل تھے۔

بحر اعظم۔ آپ حضرات ابو بکر و عمر پر حضرت علیؓ کی توفیق دیتے ہیں، آپ کہتے ہیں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علیؓ کو ملنی چاہئے تھی،

ملا باشی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر لوگ تھے، ان کے بعد عمرؓ، تب عثمانؓ، پھر

علیؓ بن ابی طالب، اور ان کا منصب خلافت پر مامور ہونا ان کی نصیحت کی ترتیب کے مطابق تھا

بحر اعظم۔ جب صورت حال یہ ہے تو آپ مسلمان ہیں، ہمارا نفع نقصان آپ کا نفع

نقصان ہے،

سب لوگوں نے کھڑے ہو کر ہاتھ ملائے، اور ایک دوسرے کو مبارک باد دی،

یمنون گروہوں نے جسہ کی کاڑوائی اور اپنے فیصلہ کی جگہ سے تصدیق کرائی، ۲۴ غوال چار شنبہ

کے روز قریب مغرب ہلہ برفات ہوا،

دوسرے روز نادر شاہ کے کمرے سے یہ مجلس پھر منعقد ہوئی، اور شاہی مفتی آقا حسین نے نادر شاہ کا فرائض

پڑھا کر سنایا، وہ قرائت یہ تھا:-

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محنت کا دے نبیوں کو بھیجا مقرر فرمایا، وہ کیے بعد دیگرے نبیوں

کو بھیجا، ہا، یہاں تک کہ سب سے آخر ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے، جب

آپ کا انتقال ہوا، تو چونکہ آپ نبیوں اور رسولوں میں سب سے آخری تھے، اس لئے آپ کے صحابہ نے

آپ کی بانی کے لئے اپنے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ دانشمند شخص ابو بکر صدیقؓ بن ابی قحافہ کو منتخب کیا، انھوں نے مجمع ہو کر بالاتفاق حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا فیصلہ کیا، اور سب نے مل کر ان کی اطاعت اور وفاداری کا عہد لیا، ان میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے، انھوں نے بھی عہد و رغبت اور بغیر کسی جبر یا دباؤ کے یہ عہد لیا، اس طرح بیعت اور خلافت کی تصدیق ہوئی اور صحابہ کا اتفاق آرا اس قدر قاطع ثبوت تھا، کہ یہ کہہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی تعریف فرمائی ہے، کہ جبیک اللہ مومنوں سے غرض ہوا جب کہ انھوں نے درخت کے نیچے تمھاری اطاعت کا عہد لیا، یہ صحابہ بعد اویں سات سو تھے، اور حضرت صدیقؓ کی بیعت کے وقت سب موجود تھے، نبی کریمؐ نے فرمایا کہ میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں، ان میں سے جس کی کبیرہ روی کر دے گا ہدایت پاؤ گے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلافت کیلئے اپنا جانشین حضرت عمرؓ کو انتخاب کیا، نامزد کیا، اور تمام صحابہ نے ان کے سامنے بیعت کی، جس میں حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی شامل تھے، اس طرح حضرت عمرؓ کی بیعت صحابہ کے متفق علیہ فیصلہ کے مطابق بھی تھی، اور خود فیصلہ کی ہدایت کے مطابق بھی، حضرت عمرؓ نے خلافت کا مسئلہ چارویسوں کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا، جس میں ایک حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی تھے، مجلس نے حضرت عثمانؓ بن عفانؓ پر اتفاق کیا، جب وہ اپنے گھر میں شہید کئے گئے، اور اپنا جانشین نامزد نہ کر سکے، تو خلافت کا عہدہ معطل رہا، پھر صحابہ نے اس روز سہ پہر کو حضرت علیؓ بن ابی طالب کی خلافت پر اتفاق کیا، یہ چاروں حضرات نہ ایک ساتھ ایک مقام پر اور ایک وقت میں تھے، لیکن ان کے درمیان کبھی کوئی لڑائی جھگڑایا جھگڑا نہیں ہوئی، ہر خلافت اس کے وہ ایک دو مہرے کا استدار اعلیٰ اور مدح سرا کی کرتے تھے، کہ جب حضرت علیؓ نے یحییٰ بن یحییٰ کے متعلق سوال کیا گیا، تو انھوں نے فرمایا کہ وہ دو مہرے کا استدار اور مدح سرا تھا، وہ حق پر مذہب رہے، اور حق پر مہرے، اسی طرح جب حضرت ابو بکرؓ غلط ہوئے تو انھوں نے فرمایا، کیا تم میرے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہو، جب کہ علیؓ تمھارے درمیان میں ہے؟

اہل ایران تم کو معلوم ہونا چاہیے، کہ ان حضرات کی فضیلت اور پیشگی کی ترتیب وحی تھی، جو بیان کی گئی، اب اگر تم میں سے کوئی شخص ان پر تبرکے کا، یا ان کی عیب جوئی کرے گا، تو اس کی دولت اُس کے بال بچے، اس کے اعزہ و اقربا اور اس کا خون شاہ کے لئے جائز ہو جائے گا، اور اسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ اُس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی، جب تم نے ۳۳ھ میں وادی منہاں میں میری وفاداری کا طعن لیا تھا، تو میں نے یہ شرما تم پر پہنچے ہی حامد کر دی تھی، کہ تبریک قلم موقوف کر دیا جائے گا، چنانچہ اب میں اسکو بند کرتا ہوں، آئندہ اگر کوئی صحابہ پر تبرکے لگائے تو میں اسے قتل کر دوں گا، اس کے بال بچوں کو قید اور اسکی جائیداد کو ضبط کر لوں گا، زمانہ قدیم میں مملکت ایران یا ان ممالک میں جو ایرانی علاقوں کے اطراف میں تھے، ان شرمناک بد مذہبیوں کی قسم کی کوئی چیز نہ تھی، ان کا رواج بد ذات شاہ اسماعیل صفوی کے مہدی میں ہوا، اور اُس کے جانشین اُسی کے نقش قدم پر چلتے رہے، یہاں تک کہ تبراتی کرتا گیا، بدعت و زندہ قبروں میں پھیل گیا، اور خنہ و سیت ہو گئے، یہ ۵۳ھ ہجری میں ہوا، ان نفرت انگیز باتوں کو شاید جوئے میں برس گذر چکے ہیں.....“

شاہی فرمان کے نیچے اسی کاغذ پر ایک اقرار نامہ اہل ایران کی طرف سے درج تھا: وہ یہ تھا: ”ہم لوگوں کو قبول ہے کہ صحابہ پر تبرکے کا اصل موقوف کر دیا جائے، ہم ان کی فضیلت اور ترتیب عنایت کو جیسا کہ اس دستاویز میں مذکور ہے تسلیم کرتے ہیں، ہم میں سے جو شخص تبرکے یا ان صحابہوں کے خلاف کچھ زبان سے نکالے اُس پر خدا کی لعنت، اس کے فرشتوں کی لعنت اور تمام نیک انسانوں کی لعنت ہو، اور ہم لوگوں پر نامور شاہ کا غضب نازل ہوا اور ہماری جائیدادوں خون اور بال بچے اس کے لئے جائز ہو جائیں“

ایرانوں نے اس اقرار نامہ پر اپنی ہر س لگائی، اس کے نیچے نعت، کہ عبادت اور

خودزم کے لوگوں کی طرف سے بھی ایک اقرار نامہ تھا، اس کا مضمون بھی وہی تھا جہاں ایران کے اقرار نامہ کا، پھر اسکے نیچے افغانوں کی طرف سے حسب ذیل اقرار نامہ تھا :-
 جب تک اہل ایران مسابہ کے پابند رہیں گے، اور اس کی خلافت ورزی نہ کریں گے اس وقت تک وہ اسلامی فرقوں میں شمار ہوں گے، اور ان کا نفع نقصان مسلمانوں کا نفع نقصان سمجھا جائے گا،

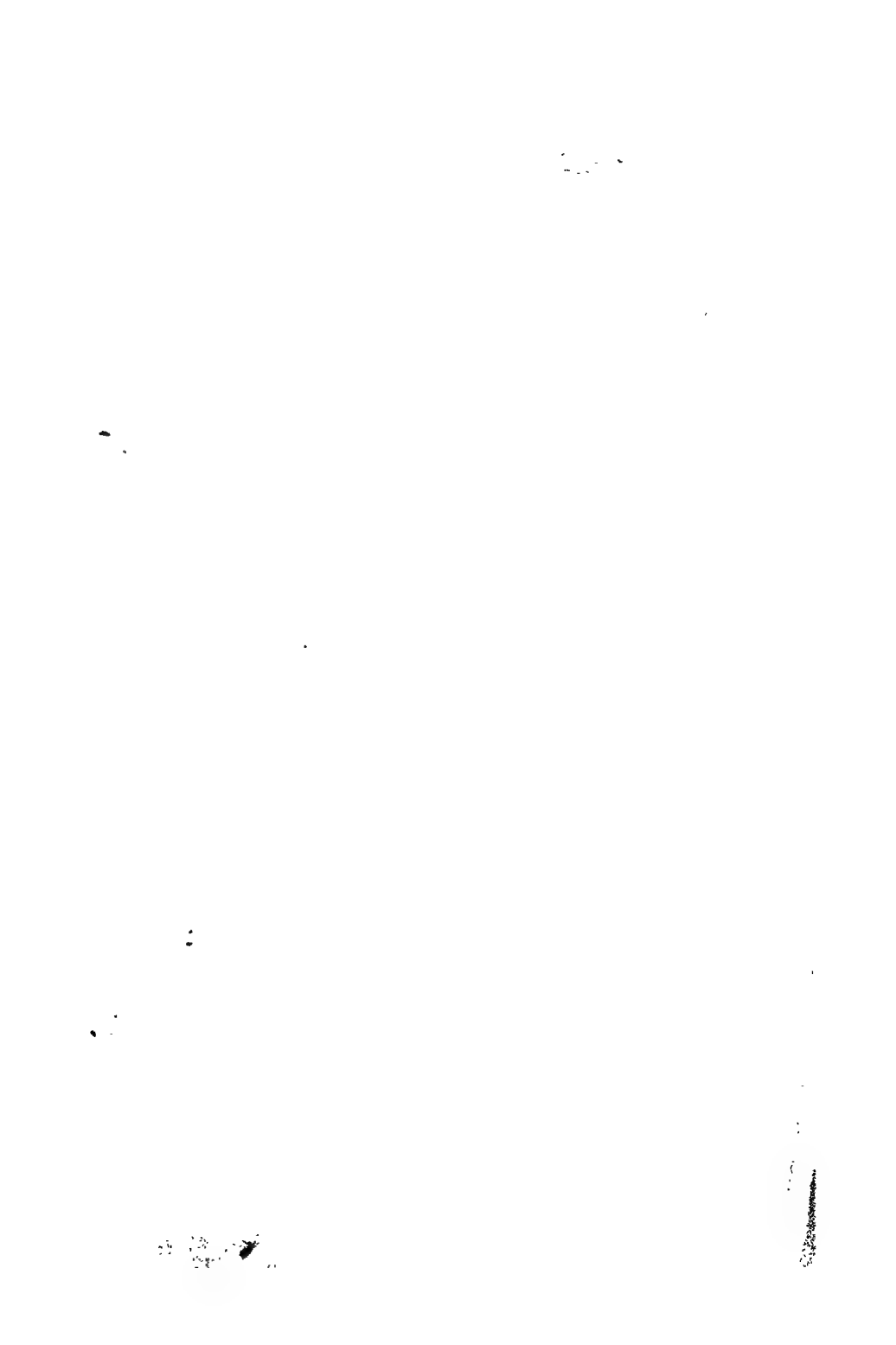
ان لوگوں نے بھی اپنے اقرار نامہ پر اپنی مہریں ثبت کیں، اس کے علاوہ خلائے مادہ النہر کی طرف سے ایک اقرار نامہ تھا، جس کا مضمون افغانوں کے اقرار نامہ کے مثل تھا، انہوں نے بھی اپنی مہریں لگائیں، تب میں نے دشاوینکے سرے پر اپنی یہ شہادت درج کی :-
 میں اس مسابہ کی تصدیق کرتا ہوں، جس پر تینوں جماعتوں نے اتفاق کیا ہے، اور اس پر پابند رہنے کا وعدہ کیا ہے، نیز اس امر کی کہ انہوں نے اپنے اس اقرار نامہ کا مجھے گواہ بنایا ہے ؟

نادر شاہ نے حامد سوید کی کو بلا کر ان کا شکریہ ادا کیا، اور مجلس کی کامیابی پر نہایت مسرت ظاہر کی، دوسرے روز جمعہ کو اسکے کم سے کوئٹہ کی مسجد میں خلفا سے ار بعد کے نام خطبہ میں بالترتیب پڑھے گئے، مادہ سلطان محمود خاں شہانی اور اس کے بعد نادر شاہ کے لئے دعا کی گئی، انہذا جعفری طریقہ کے مطابق ادا ہوئی، پھر حامد سوید کو بعد ازاں پاس جانے کی اجازت ملی، اور ان کے ساتھ مسابہ مذکور اور اس خطبہ کی ایک نقل بھی روانہ کی گئی،

برصغیر

علمائے معقولات اور انکی تصنیفات

عبد السلام خاں



مسلمانوں کے علوم کی ابتدائی چار صدیاں

مسلمانوں اور یونانیوں کے اپنے اصلی علوم و فنون تو قرآن و حدیث اور زیادہ سے زیادہ ان کے مہادی و متعلقات تک محدود تھے۔ اموی عہد میں رومی فتوحات اور پھر نو مسلموں سے تعلقات نے انہیں یونانی فکر سے آشنا کیا۔ یونانی فکر سے ان کا یہ تحارف جتنے جمل براہ راست نہ تھا کیوں کہ ابھی یونانی کتابوں کے حرم شروع نہیں ہوئے تھے بلکہ ایسے لوگوں سے جو یونانی فلسفے سے حرم کے ذریعے یا براہ راست واقف تھے میل جول اور ان سے علمی گفتگوں کا نتیجہ تھا۔ اس عہد میں اموی عہد میں اموی فرماندار کاغبرازہ خالد بن یزید (متوفی ۸۵ء) نظر آتا ہے جس نے موسیٰ بن نوہ (Morienus) رومی کی شاگردی اختیار کی اور خاص طور سے علم کیمیا میں مہارت پیدا کی۔ یہ موسیٰ بن نوہ درسا اسکندریہ سے تعلق رکھتا تھا جو اس زمانے میں یونانی علوم و فنون کا مرکز تھا۔ عرب دنیا کی بارہوی کے واسطے سے یونانی طب، کیمیا اور نجوم سے واقف ہوئی۔ اواخر اموی عہد میں یونانی فکر کے اثرات اسلامی عقائد پر بحث و تحقیق اور تفسیر و تشریح میں ظاہر ہونے لگے تھے۔

عرب عہد میں یونانی سے تراجم

عباسی خلافت میں تراجم کا دور شروع ہوا اور عرب براہ راست یونانی فکر سے آشنا ہوا۔ ابھی خلافت عباسیہ کی ادھائی تھی کہ علیہ منصور (۳۶-۱۵۸ء) کے زمانے میں اس کے حکم سے ارسطو کے متعدد رسائل کا ترجمہ اصل یونانی سے ہو چکا تھا۔ ان عربی مسای سے قطع نظر تراجم حقیقی زمانہ مشہور علم دوست عباسی علیہ المامون (۱۹۸-۲۱۸ء) کے عہد خلافت میں شروع ہوا۔ قزوینی ہی عرصے میں عربی میں ارسطو کی کتابوں کے بڑے حصے کے ترجمے ہو گئے۔ ارسطو کے نو فلاطونی شارحین کی اہم شرحوں کے ترجمے بھی عربی میں آ گئے۔ افلاطون کے بعض مکالموں کے ترجمے کیے جا چکے تھے۔ ان تراجم کی ہی بدولت مسلمانوں میں یونانی فلسفہ کی بنیاد پڑی اور مسئلہ فلسفہ کے سلسلے کا آغاز ہوا۔

مسلمانوں میں یونانی فلسفہ کا آغاز

اس سلسلے کا پہلا اہم اور عربی النسل فلسفی یعقوب بن اسحاق کھڑی (متوفی قریب ۹۰ء) تھا۔ ابو نصر محمد بن طرہان لاری (متوفی ۳۳۹ء) اس کے بعد ابو علی حسین بن عبداللہ ابن سینا (متوفی ۴۲۸ء) ابن سینا کے بعد سے اس کے شاگردوں اور شاگردوں کے گناہ کا دور شروع ہوا۔

تا ہے۔ یہی سلسلہ ہے جو مسلمانوں کی یونانی خصوصاً ارسطاطالیسی اور نولاطونی فکر کا علاحدہ رہا۔ ان مسلم فلاسفہ کی بدولت یونانی عقلیت نے مسلم فکر کو ہمہ گیر انداز میں متاثر کیا، عقائد و کلام، تفسیر، اصول فقہ اور فقہ وغیرہ وہ علوم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے جو بنیادی طور پر عائلی اسلامی تھے حتیٰ کہ صرف و محو تک بھی اس تاثر سے نہیں بچیں۔ علوم کے مناخ یونان کے لکری مناخ میں مدغم ہو گئے۔ یونانی فکر منطق و فلسفہ، الہیات، ریاضیات اور طبیعیات تک محدود نہیں رہی اور علوم عقلیہ دائرہ حاصل طور سے علاحدہ کلام بلکہ اصول فقہ تک پھیل گیا۔

اعتزالی کلام تو شروع سے ہی یونانی فکر کا مرہون منت تھا۔ محقق طوسی (المصیر الدین محمد بن عبد الطوسی متوفی ۶۷۲ھ) نے علم کلام کی اپنی مشہور کتاب تجرید الکلام میں علم کلام کو فلسفے سے مخلوط کیا۔ بیضاوی (ناصر الدین محمد ابن عبداللہ بن علی بیضاوی المتوفی ۷۶۸ھ) نے اصول فقہ میں فلسفیانہ فکر شامل کی۔

برصغیر ہندوپاک میں حاصل منطق و فلسفہ کے علاوہ کلام و عقائد اسی مخلوط صورت میں آئے۔ اس طرح کہ ان کے مسائل، مباحث اور مناخ لغو و حقیق حاصل عقلی نہ رہے۔ چنانچہ ان کو بھی فلسفے اور عقلی علوم میں ہی شمار کرنا چاہیے، خصوصاً کلام کو جس کی بنیاد ہی مسلمانوں میں فلسفہ یونان ہی درآمد سے پڑی لیکن ان سب پر تفصیلی گفتگو کرنا، ان کا تجزیہ کر کے ان کے عقلی اور فلسفیانہ عناصر اور مناخ کی نشاندہی کرنا اور ہمصرہ کرنا اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں پھر مقالے کے حدود موضوع سے بھی خارج ہے، یہ صرف برصغیر کے علمائے عقلیین کی گویا فہرست ہے اور اس میں بھی استقصا نہیں، ساتھ ساتھ اگر دریافت ہو سکی ہیں تو علوم عقلیہ میں ان کی تصنیفات بھی ذکر کر دی گئی ہیں، لیکن ان سب کی موجودگی کا سچہ چلانا بہت دشوار ہے۔

چوتھی صدی

برصغیر میں فلسفہ یونان کا داخلہ

برصغیر میں فلسفہ کب آیا، یقین سے کہہ نہیں کہا جاسکتا، تاہم اس قیاس کی معقول وجہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں جہاں فلسفہ داخل ہو چکا تھا۔ چوتھی صدی میں جہاں قرمطی تحریک پہنچ چکی تھی اور یہ معلوم ہے کہ اس کی تعلیمات میں یونانی فلسفے کی بنیادی اہمیت ہے اس لیے یہ کہنا غیر معقول نہیں کہ قرمطی تعلیمات کے ضمن میں یا اس کی پشت پر فلسفے کی تعلیم کا آغاز چوتھی صدی سے ہی ہو چکا تھا لیکن چونکہ یہ تحریک اپنی جگہ عقلیہ تھی اس لیے اس کے متبعین میں

لفظے کی درس و تدریس بھی اگر قحی تو ظاہر ہے قحی چنانچہ اس عہد میں لفظ کی کتابیں لکھی گئی ہوں گی اور یقیناً لکھی گئی ہوں گی تو غالباً مذہبی رنگ میں ہوں گی اور بہت رازدارانہ ہوں گی۔ غالباً بھی وجہ ہے کہ ہماری عقلی تاریخ ان کے ذکر سے خالی ہے۔ ہاں اس کے شواہد ہیں کہ پانچویں صدی میں برصغیر مسلمانوں کے یونانی لفظ سے آشنا ہو چکا تھا۔

پانچویں صدی

یونانی منطق و لفظ کا عملاً فاضل جس سے ہم برصغیر میں روشناس ہوتے ہیں ابو یوسف بن محمد بن احمد البیرونی (المتوفی ۴۴۰ ھ) ہے۔ بیرونی ہیئت نجوم اور علم ہندسہ میں فضل و کمال کا حامل تھا ہی لیکن یونانی حکمت و لفظ میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ شیخ بوعلی سینا سے اس کے سوالات اور شیخ کے جوابات فلسفیانہ قدر و قیمت رکھتے ہیں۔

۱۔ بیرونی غالباً عملاً فاضل تھا جس نے ایک طرف ہندو علما کو یونانی فکر اور اس کے اسالیب سے روشناس کیا، اور دوسری طرف ہندوؤں کے علوم و فنون، ان کی معاشرت اور ان کے انداز فکر سے اپنی گراں بہاد تصانیف کے ذریعے مسلمان علما کو آشنا کیا۔

چھٹی صدی ہجری

۲۔ جمال لاسنہ یوسف بن محمد ویرجی چھٹی صدی کا مشہور فاضل ہے۔ یہ شاہان غزنویہ کا درباری اسیر تھا اور منطق و لفظ میں مہارت اور ان سے شغف کی بنا پر جمال لاسنہ کہلاتا تھا۔

ساتویں صدی

۳۔ نجم الدین عبدالعزیز بن محمد دہشتی ساتویں صدی کے ہندو اہم علما میں شمار ہوتے تھے، امام رازی (قرائین محمد بن عمر متوفی ۶۰۶ ھ) کے شاگرد تھے، علوم حکمیہ میں اپنے عہد کے نامور عالم تھے، سلطان فیاض الدین بلبن (۷۳۱ - ۱۱۸۶) ہر ملنے درجہ کے بعد ان کے جہاں حاضر ہوتا اور ان کی صحبت سے مستفید ہوتا تھا اور دلی میں ان کے وجود کو فہمیت جانتا تھا۔

ہندستان میں علوم عقلیہ برصغیر میں علوم حکمی کے ان عامل حال نوابو علما اور ان کے مخصوص نگارہ کے حوالے کی ابتدا سے قطع نظر ابھی تک عقلی اور حکمی علوم کا عام پرمچا نہیں شروع ہوا تھا صحیح معنی میں عقلی علوم کا دور مشہور ایرانی فاضل قطب الدین محمد بن محمد رازی خوارزمی شمسی (متوفی ۶۶۱ ھ) کے شاگردوں اور ان کے نگارہ سے شروع ہوتا ہے۔ قطب الدین رازی سے احتساب رکھنے والوں کے سلسلے کی ابتدا

آٹھویں صدی

۳۔ جلال الدین دہلوی آٹھویں صدی کے مشاہیر ہیں اور قطب الدین رازی کے براہ راست شاگرد ہیں۔ فیروز شاہ تغلق (۵۶۱-۵۹۹) نے دہلی میں اپنے مدرسے فیروزیا کو انہیں کے سپرد کیا تھا۔ وہ یہاں فلسفہ، حدیث اور فقہ کا درس تو دیتے ہی تھے ساتھ ساتھ دوسرے علوم و فنون کا درس بھی ان سے متعلق تھا۔ قطب الدین رازی سے تلمذ کی بنا پر ان دیگر علوم میں علوم حکمیہ کو یقیناً شامل سمجھنا چاہیے۔

۵۔ سعد الدین منطقی دہلوی۔ اسی عہد کے فضلا میں سے تھے اور منطق سے خاص تعلق کی وجہ سے منطقی کہلاتے تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے معرین میں تھے اور اس کی طرف سے صاحب علم و نفاذ تھے فیروز شاہ کے بعد اس کے پوتے غیاث الدین تغلق (۶۱۱-۶۲۵) کے دربار میں انہیں تقریباً حاصل رہا۔ اس کے بیٹے محمد شاہ تغلق (۶۲۵-۶۵۲) سے تو ان کے علمی مذاکرے ہی بہتے تھے۔

۶۔ صدر الشریف نجم سرحدی۔ اسی عہد کے اہم علمائے حکمت و فلسفہ میں سے تھے اور علم نجوم سے خصوصی شغف کی بنا پر نجم گویا ان کے نام کا جز ہو گیا تھا۔

۷۔ عبدالعزیز دہلوی۔ اسی زمانے کے مشہور فاضل تھے اور علوم حکمیہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، فیروز شاہ کے حکم سے انہوں نے علم نجوم کی ایک سنسکرت کتاب کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ ترجمہ علی گڑھ کے حبیب گنج ذخیرے میں محفوظ ہے۔

۸۔ سعد الدین دہلوی بھی آٹھویں صدی کے مشہور فضلا میں تھے، منطق و فلسفہ میں کامل مہارت تھی۔ محمد شاہ بن غیاث الدین تغلق انکا شاگرد تھا۔

۹۔ حکیم علیم الدین شیرازی بھی اس عہد کے مشہور فضلا میں تھے علوم حکمیہ کے ماہرین اور دہلی کے اصحاب درس میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ محمد شاہ تغلق ان سے علمی مذاکرے کرتا تھا۔

۱۰۔ معین الدین مرانی۔ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دہلی کے مدرسے میں ان کے درس کی شہرت تھی، اس وقت کے علماء میں کون تھا جو ان کے حلقہ تلمذ سے باہر تھا، فقہ، اصول اور معانی و بیان میں مہارت کے ساتھ ساتھ منطق و کلام بھی ان کے خصوصی مضمون تھے۔

۱۱۔ حکیم نصیر الدین شیرازی۔ اس صدی کے مشہور فاضل اور حکمت و منطق میں ماہر تھے علاوہ الدین حسن ہمینی (۴۸۱-۵۵۹) کے عہد میں ان کے درس کی شہرت تھی۔

نویں صدی

۱۲۔ حکیم شہاء الدین بن قطب لمٹانی - میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ سے جرجان میں منطق و حکمت اور دوسرے فنون حاصل کیے۔ علوم حکمیہ میں ان کا فضل و کمال مسلم تھا۔ لمٹان میں رہے اور درس و تعلیم مشغلہ رہا۔

۱۳۔ محمد بن علی ہمدانی (متوفی ۱۸۰۹)۔ اپنے زمانے کے مشہور فاضل تھے، منطق میں شمس کی شرح اور ایک رسالہ جو علوم کشفیہ اور فنون حکمیہ دونوں پر مشتمل ہے، ان کی تصنیف ہیں۔

۱۴۔ حکیم حسن بن علی گیلانی - متوفی ۸۰۹ء - منطق و حکمت اور دوسرے علوم عقلیہ میں کمال حاصل تھا۔ سلطان فیروز شاہ بن داؤد بہمنی (۸۱۰ - ۸۲۵) کے مصاحب تھے۔ سلطان کے حکم سے دوسرے علمائے ہند کی مدد سے بالائکات میں رصد گاہ کی تعمیر شروع کی تھی لیکن ان کی موت نے جلدی کی اور رصد گاہ کی تعمیر تکمیل نہ ہو سکی۔

۱۵۔ فتح اللہ لمٹانی - شہاء الدین لمٹانی اور موسیٰ جعبری شاگرد سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ء کے شاگرد ہیں۔ دہلی میں تحصیل کی اور جعبری سے اجازت حاصل کی۔

۱۶۔ فضل اللہ بن فیض اللہ شیرازی - طاء الدین حسن بہمنی کے امرا میں تھے، علامہ تفتازانی کے شاگرد تھے۔ ریخت، ہند۔ اور دوسرے فنون حکمت میں خصوصی پائے رکھتے تھے، نویں صدی کی سمیری دہائی میں ولایت پائی۔

۱۷۔ حکیم الکھما، فضل اللہ مندوی - تمام فنون حکمیہ میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ محمود شاہ طبری (۸۴۳ - ۸۴۹) نے مندو کے سرکاری شغفائے کمال افسر اعلیٰ بنا کر حکیم الکھما کا خطاب دیا۔

۱۸۔ فیروز شاہ بہمنی سلطان دکن - علوم حکمیہ میں اپنے دور کے تمام ناما سے فائق تھا۔ سلطنت کی مصروفیت کے باوجود بھٹتے میں تین دن درس کے لیے مخصوص تھے۔ اگر دن میں فرصت ملتی تو رات کو چھاتا۔ فنون کی بڑی اور اہم کتابیں زیر دررس رہتی - ۸۲۵ء میں انتقال ہوا اور ۲۵ سال سات مہینے حکومت کی۔

۱۹۔ لطف اللہ سہروردی - منطق و حکمت میں امتیازی درجہ تھا فیروز شاہ بہمنی نے امیر تیمور (۷۵۱ - ۸۰۷) کے دربار میں ان کو وکیل السلطنت کی حیثیت سے بھیجا تھا۔

پروفیسر میں عبدعلیہ [کسی مام گورنر بن کر رہی] دسویں صدی علم عقلیہ کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ یہاں منطق میں صرف تفسیر اور کلام میں شرح مصنف عام درس کے نصاب میں شامل تھیں۔ منطق و فلسفہ اور کلام کی اعلیٰ اور دقیق کتابیں عمومی نصاب درس میں اسی صدی سے شامل ہونا شروع ہوئیں محقق دوانی متوفی ۹۱۸ھ، مرزا جان متوفی ۹۹۳ھ، عبد اللہ بخاری متوفی ۹۸۱ھ وغیرہ متأخرین علمائے ایران کی کتابیں اسی عہد میں ہندستان پہنچیں اور عام درسیات اور عام کتب مطالعہ میں داخل ہوئیں اور آہستہ آہستہ خود ہندستان علم عقلیہ کا مستقل اور منفرد مرکز بن گیا۔ اب ہندی علماء ایرانی علما کے براہ راست تلمذ کے محتاج نہ رہے۔ بھی وہ صدی ہے جہاں سے ہندستان میں عبد اللہ بخاری، مرزا جان محقق دوانی وغیرہ ایرانی علما کے گماذہ، گماذہ کے شاگردوں اور ان سے انتساب رکھنے والوں کا دور شروع ہو جاتا ہے، چنانچہ ہندستان کے علوم عقلیہ کے اساتذہ کا ان ہی سے سلسلہ متاخرین علمائے ایران تک خصوصاً محقق دوانی تک پہنچتا ہے۔ اسی صدی سے علوم عقلیہ میں دقیق بحثیں اور موضوعات نیاں شروع ہوئی ہیں اور علوم عقلیہ کا مرکز نقل پورب کی طرف منتقل ہونے لگتا ہے

۲۰۔ ابو الفتح مسیح الدین بن عبدالرزاق گیلانی - علوم حکمیہ میں بڑا پایہ رکھتے تھے۔ اصلی وطن گیلان تھا وہیں نشوونما پائی اور اپنے والد اور دوسرے علمائے تحصیل علوم کی - طہماسپ شاہ صفوی (۹۳۰ - ۹۸۳) کے عہد ۹۶۴ھ میں ہندستان آئے اور اگبر (۹۶۳ - ۱۰۱۳ھ) کے دربار میں مقررین میں شامل ہو گئے۔ اکبر کے گمراہ ہونے میں (ن) کو بھی عاصد مل تھا۔ ۹۹۷ھ میں حسن ابدال میں انتقال ہوا۔

۲۱۔ ابو الفضل استرابادی - قاضی جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی مشہور ۷۰ طا جلال و محقق دوانی کے شاگرد تھے اور علوم حکمیہ میں اپنی جگہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے، ہندستان آکر گجرات میں اقامت اختیار کی۔ ان کا درس اس عہد کا مشہور اور مستند درس تھا۔ چنانچہ ان کے درس سے کثیر علما نے فیض حاصل کیا۔

۲۲۔ احمد بن نصر اللہ سدھی - مشہور ایرانی لاصل، حبیب اللہ بن عبد اللہ معروف ۷۰ مرزا جان شیرازی کے شاگرد تھے، فلاسفہ کے مختلف مذاہب و مسالک پر نظر تھی، چنانچہ انہوں نے فلاسفہ کا تذکرہ بھی لکھا تھا جس میں ان کے مذاہب پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔

۲۳۔ اسماعیل عرب دہلوی - دہلی کے مشہور اصحاب درس میں شمار کیے جاتے تھے، شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور بعد کے اکثر مشہور علما انہیں کے حلقہ درس کے خوش چہیں رہے تمام فنون حکمیہ،

ہست ، محدث ، طب وغیرہ میں ان کے درس کی فہرت تھی ، دہلی کے مدرسہ ہمایونی میں جس کو شہنشاہ ہمایون (۹۳۴ - ۹۶۳) نے قائم کیا تھا - درس دیتے تھے اور کثیر المدرس شمار ہوتے تھے - دہلی میں اپنے گھر میں چاروں کے ہاتھوں شہید ہوئے -

۲۳ - ابو داؤد بن احمد سلطان - درس منطق و فلسفہ کے نامور اساتذہ میں تھے - پرداز اکمال الدین نے براہ راست میر سید شریف سے تحصیل علوم کی تھی -

۲۵ - سید جلال الدین حسینی - علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ منطق و فلسفہ میں بھی مہارت رکھتے تھے - منطق و فلسفہ کی تحصیل کے لیے دہلی میں منطق و فلسفہ کے مشہور اساتذہ عبداللہ طلمینی ملتانی کے درس میں شامل ہو کر علوم حکمیہ کی تکمیل کی دہلی سے آگے آئے اور شیخ رفیع الدین صفوی شیرازی مشہور محدث کی خدمت میں رہ کر ان کے محدث کے درس میں شریک ہوئے اور فراغت کے بعد اپنے وطن بدایوں میں اپنا سلسلہ درس جاری کیا جو تا حیات قائم رہا - بعد کے اکثر مقامی اور غیر مقامی اکابر نے ان کے حلقہ درس سے فیض اٹھایا ہے -

۲۶ - جمال الدین شیرازی - اپنے وطن ایران میں علامہ دوانی کی شاگردی اختیار کی - اسماعیل صفوی (۹۰۶ - ۹۳۰) کے ایران پر تسلط پانے کے بعد جہاں اور بہت سے علمائے ہجرت کی یہ بھی ہندوستان آگئے شیخ رفیع الدین شیرازی محدث کی صحبت میں رہے پھر گجرات چلے گئے دہلی سے آگے آئے اور یہیں رہ پڑے - علامہ دوانی کے حاشیہ قدیمہ پر ان کا بھی حاشیہ ہے - دسویں صدی کی آخری دہائی میں انتقال ہوا -

۲۷ - رفیع الدین بن مرشد الدین حسینی صفوی شیرازی - علامہ دوانی کے شاگردوں میں تھے ، علوم عقلیہ کی علامہ دوانی سے تکمیل کرنے کے بعد حج و زیارت کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا ، علامہ سخاوی متوفی ۹۰۲ھ سے محدث پڑی اور ان کی خدمت میں بہت دنوں رہے ، سلطان سکندر لودی (۸۹۳ - ۹۲۳) کے زمانے میں ہندوستان آئے اور آگرہ میں سکونت اختیار کی - ہندوستان کے اکابر علم اور متمدن علما میں گئے جاتے تھے - سلطان سکندر لودی بہت عزت کرتا تھا اور حضرت علیا سے مخاطب کرتا تھا - علم حدیث کی تصنیف اور اس کے درس کی وجہ سے محدث گویا نام کا جز بن گیا - ۹۵۳ھ میں آگرہ میں ہی وفات پائی -

۲۸ - سلطان شاہی بیگ بن ذوالنون ارغون قندھاری - صاحب علم و کلام اور اپنے مہد میں علوم

عقلیہ اور نقلیہ کے ماضی تھے۔ والد کے بعد قہدار کے عہد پر بیٹھے اور ایک زمانے تک مستقل حکومت کی۔ باپ نے قہدار پر قبضہ کیا تو سداہ آکر اس پر قابض ہو کے سلطنت کی۔ سلطنت کی معرعاتوں کے باوجود تصنیف و تالیف سے بھی غافل نہیں رہے منطق میں شرح مطالع پر حاشیہ لکھا نحو میں ابن حاجب متوفی ۶۳۹ھ کے کافیہ کی شرح کی۔ فرائض میں میر سید شریف کی شرح سراپا پر اور دوسرے مختلف فنون کی کتابوں پر حواشی لکھے ۳ شعبان ۹۲۸ھ میں ولایت پائی۔ بیکر میں دفن ہوئے پھر نکوت کہ معطر لے جایا گیا اور جنت معنی میں دفن کیا گیا۔

۲۹۔ شمس الدین احمد سلطان پوری۔ شیخ الہ داد سلطان پوری کے بھائی ہیں۔ اور بھائی کی طرح منطق و فلسفہ میں بڑا پایہ رکھتے تھے اور علوم عقلیہ کے مشہور اساتذ تھے۔

۳۰۔ حکیم الملک شمس الدین۔ شاہ محمد شاہ آبادی وغیرہ مشہور علما سے تحصیل علوم کی، فقہ و اصول فہمی مہارت کے ساتھ منطق اور دوسرے فنون حکمیہ میں اپنے معاصرین میں ان جیسا کوئی نہ تھا، مختلف علوم و فنون کا درس دیتے تھے اور اوقات درس کا اہتمام لکھتے تھے کہ کہیں آتے جاتے نہ تھے کہ درس مانع نہ ہو جائے۔ ہندت شریف الطبع تھے۔ کرم و سخا گویا فطرت تھی۔ طلباء کو اپنے ساتھ لکھا کھلاتے تھے۔ تنہا کبھی نہیں کھاتے تھے۔ دہلی آئے تو بڑی عزت اور احترام سے دیکھے گئے حتیٰ کہ اکبر (۹۶۳ - ۱۰۱۳) نے اپنے معاصرین میں شامل کر لیا، بادشاہ اور دیگر علما میں ان کی بات کا وزن تھا اور یہ بھی حاجت مندوں کی حاجت روائی اور سفارش میں بخل نہیں کرتے تھے۔ شاہی مصاحبت میں علما سے آگئے اور اکبر ان سے متاثر ہونے لگا اور اپنی موعظت اور بحث کا اثر نہیں دیکھا تو شاہی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ۸۸-۹۸۹ھ میں حجاز ہجرت کر گئے اور ولایت پائی۔

۳۱۔ طاہر بن رضی اسماعیل عبیدی حمدانی۔ عراقی عجم کی مشیخت حمدانی تھی جب طاہر اس حمدانی منصب پر فائز ہوا تو مستعدین کی بہت بڑی جماعت اپنے گرد جمع کر لی۔ شاہ ایران اسماعیل بن حیدر صلی کو ان کے گرد مستعدین کی اتنی بڑی جماعت دیکھ کر بدظنی ہوئی۔ تو انہوں نے اس مشیخت سے علحدگی اختیار کر لی اور شاہ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ کچھ دنوں ان کے پاس رہے پھر کاشان میں صدر ایسی خدمت سپرد ہوئی کچھ مدت دبا رہے اور وہاں بھی اچھے عاصی مستعدین پیدا کر لیے۔ ساتھ ساتھ پرانے مستعدین بھی جمع ہونے لگے اسماعیل کو اس اجتماع سے پھر وحشت ہونے لگی۔ ادھر کچھ لوگوں نے الحاد کا الزام لگا کر شروع کر دیا، چنانچہ اسماعیل نے ان کے قتل کا حکم دے دیا یہ گرفتاری سے

خطے ہی ہندوستان کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور دہلی میں اقامت اختیار کر لی۔ بادشاہ کو ان کے علم و فضل کی اطلاع ہوئی تو احمد نگر بلا لیا اور ملتے میں دو دن تھے میں ان کے درس مقرر کروئے، ان کے درس میں وہاں کے علاوہ فضلاء بیٹھنے لگے کبھی کبھی خود بادشاہ بھی حاضری دیتے۔ اس اثناء میں بہان نظام شاہ (۱۳-۹۶۱) دہلی احمد نگر وکالا کا عہد القادر تخت بیدار ہوا زیست کی امید جاتی رہی۔ طاہر نے اس سے یہ عہد لے کر کہ لڑکا بیداری سے شغلیاب ہو جائے تو وہ جنھوں اور عیدین کے خطبوں میں ائمہ اہل عشری کے ناموں کا اضافہ کرادیا اور شہی مسلک کی اپنے مقبوضات میں ترویج کر دیا۔ بادشاہ نے یہ عہد کر لیا لڑکا شغلیاب ہو گیا تو طاہر نے اسے شیعیت کی، اس کے ٹولے اور تبرائی متعلقین کی۔ پتھانچہ نظام نے مع اپنے حامدان اور خدمت گاروں کے شیعیت اختیار کر لی۔ ۹۵۶ھ میں احمد نگر میں انتقال ہوا۔ اور احمد نگر میں دفن ہوئے اور بعد کو ان کا مکتبہ کربلا لے جایا گیا اور دفن کر دیا گیا علوم عقلیہ اور نقلیہ کے ساتھ علوم غریبہ، جہر رمل وغیرہ میں بھی یدِ طولی رکھتے تھے کلام و عقاید فقہ وغیرہ فنون میں ان کی تصانیف ہیں کلام میں باب حادی عشر، فقہ امامیہ میں جعفری کی شرحیں تفسیر بیضاوی، اشارات و محکمات، شفا، تجسّطی، مطول اور گلشن راز پر حواشی لکھے۔ محمد شاہی کی شرح کی پانچ نام کا رسالہ دستے میں پانچ میں بیٹھے بیٹھے لکھا ان سب پر شاعری مستزاد تھی۔

۳۲۔ میرک عبدالہائی بن محمود سہزادی سندھی۔ علوم حکمیہ منطق و فلسفہ، دینیت و حدیث وغیرہ علوم میں غیر معمولی دستگاہ تھی۔ اقلیدسی شکلوں کے علاوہ ہندسی شکلیں اختراع کی تھیں۔ اپنے زمانے کے کثیر الدرس استاد میں شمار ہوتے تھے۔ ۹۸۳ھ میں وفات پائی۔

۳۳۔ عبدالحق گیلانی علوم حکمیہ میں درجہ کمال حاصل تھا۔ فاضل مرزا جان اور امیر فتح اللہ شیرازی کے پائے کے فاضل تھے قاضی محمود اور اس عہد کے بڑے لوگ ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ مشہور فاضل عبد اللہ بڑوی کے شاگرد تھے قدح تار ۹۷۲ھ میں سندھ میں بمکر میں آئے وہاں سے ٹھٹھ میں آکر سکونت اختیار کر لی اور درس میں معروف ہوئے آخر میں دکن آگئے تھے۔

۳۴۔ قاضی عبدالکامیل احمد جانی۔ صاحب ہدایہ بہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ کی اولاد میں اولاد کے شاگردوں میں تھے۔ اکبر کے عہد میں ہندوستان آئے، اکبر نے انہیں قاضی بنادیا۔ شرح مواہف اور شرح مطالع اور ان کے حواشی کا درس بہت مشہور تھا۔ اور ضرب المثل کے طور پر حوالہ دیا جاتا تھا۔

۳۵۔ وزیر کیمبر، مسعود علی، آصف خان، آغا کاظم عبدالعزیز بن محمد گیلانی۔ علوم شرعیہ میں بہت بڑا درجہ رکھنے کے ساتھ منطق و فلسفہ میں بڑا پاپہ تھا اور ان علوم میں سید فضل احمد اسرار آبادی سے تلمذ تھا جو علقہ دوانی کے ارشد کاغذہ میں سے تھے مگر ان کے باوجود بہادر شاہ گیلانی (۱۰۳۳ھ - ۱۰۴۳ھ) کے وزیر اعظم تھے۔ اہل بیت کے لباس میں درویشی مریض تھے ۹۱۱ھ میں شہید ہوئے۔

۳۶۔ شیخ عبداللہ دوس بن اسماعیل رودلوئی گیلوی ہمدستان کے مشہور مشائخ میں ہیں۔ تصوف و کلام میں تصنیفات ہیں شرح صحائف جو کلام میں ہمدستان کی درسی کتاب تھی اس پر ان کے حواشی تھے، تصوف میں حواریہ المصالح کی بہت مفصل شرح لکھی ہے۔ ان کے علاوہ تصوف میں متعدد کتابیں ہیں۔ جمادی الاخریٰ ۹۴۲ھ میں گنگوہ میں ولادت پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

۳۷۔ ملک الملک عبداللہ بن الہ داد تلبینی ملتان دیوبند کے مشہور اصحاب درس اساتذہ میں شمار تھا۔ علمائے ہند کا سلسلہ اساتذہ ان تک پہنچتا ہے۔ منطق و فلسفہ کی تحصیل کے لیے عراق عجم میں عبداللہ بخاری کی شاگردی اختیار کی اور مدت تک ان کی صحبت میں رہے اور ان کے اکابر کاغذہ میں گئے جاتے تھے۔ ہمدستان میں یہ خطے ٹھہس ہیں جنہوں نے ایمان کے متأخرین علوم عقلیہ کی کتابوں کو ملک میں رواج دیا اور بہت توفیق و تحقیق سے ان کا درس دیا۔ سلطان سکندر لودھی (۸۹۳-۹۲۳) خاص طور سے ان کی بہت عزت اور ان کا احترام کرتا تھا۔ ملاقات کے لیے خود آتا تھا ملک العلماء کا خطاب اسی نے دیا تھا۔ ۹۳۲ھ میں ولادت پائی۔

۳۸۔ عضد الملک امیر فتح اللہ بن شکر اللہ شبلی شیرازی۔ ایمان کے علوم عقلیہ کے مشہور فضلاء جمال الدین محمود کمال الدین ثروانی، میر غیاث الدین منصور متوفی ۹۳۸ھ سے تلمذ ہے اور ایک زمانے تک ان اساتذہ کی سمجھوتوں سے مستفید ہوئے، غیر معمولی شہرت حاصل کی علوم عقلیہ میں اپنے زمانے کی واحد شخصیت شمار ہوتے تھے۔ ہمدستان میں علی عادل شاہ (۶۵۰ - ۹۸۸) کی طلب پر آئے اور بڑی حُرمت و منزلت سے رہے۔ علی عادل شاہ کے قتل کے بعد آگرہ آگئے۔ اکبر نے بھی بڑے اعزاز سے رکھا خطے صدر بنایا پھر دہلی وزارت میں تقرر کیا۔ خطے امیر الملک پھر مستند الدولہ اور آخر میں عضد الملک کے خطاطوں سے نوازا۔ علوم عقلیہ میں مہارت کے ساتھ ساتھ علوم غریبہ، غیر نبات و طلائع میں بھی ان کی نظیر نہ تھی۔ تحقیق دوانی صدر الدین شیرازی متوفی ۹۰۲ھ غیاث الدین منصور لاضل مرزا جان و غیرہ متأخرین حکماء مسلمین کی کتابوں سے اہل ہند کو روشناس کیا اور درسیات

میں ان کو مقبول بنایا۔ اکثر مسلم لافظ بعد کا سلسلہ تلمذ ان کے توسط سے ہی متاخرین اہل ایمان تک پہنچا ہے۔ ان کی تصنیفات میں فارسی میں قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ علامہ دوانی کی شرح چندیاب کا مکملہ بھی لکھا اور اس پر حاشیہ لکھا۔ ۹۹۳ھ میں ولایت پائی۔ کشمیر کے رستے میں کوہ سلیمان پر دفن کیا گیا۔

۳۹۔ کریم الدین ٹھٹھوی، سدھی۔ لغت نحو، فقہ، اصول فقہ اور منطق و لفظ کے نامور علما میں شمار تھا۔ درس ولادت میں اوقات صرف ہوتے تھے۔

۴۰۔ محمد بن حسن علی احمد نگرہی۔ علمائے منطق و لفظ میں اعتباری درجہ رکھتے تھے۔ قاضی میر حسین بن معین الدین ہندوی متوفی ۸۹۰ھ کی شرح ہدایہ اشعرہ پر سلطان حسین نظام شاہ (۹۱۱ھ) کے عہد میں حاشیہ لکھا تھا۔

۴۱۔ علامہ الدین محمد بن کمال الدین حسین لاری سنبلہ۔ عراقی اصلی وطن تھا۔ علامہ دوانی کے شاگرد ہیں۔ منطق و حکمت خاص معنوں تھے۔ علی کلی شیبانی مقتول ۹۷۴ھ کے استاد تھے۔ کچھ دنوں بجنور میں رہے پھر آگرہ آگئے جہاں مدرسے کی بنیاد ڈالی چون کہ مدرسے کی عمارت گھاس پھوس کے چھوڑوں پر قائم تھی لوگوں نے مدرسہ غس سے اس کی ترمیم کلائی ہے۔ مغل بادشاہ اکبر نے سنبلہ میں جاگیر میں زمین دی تھی چنانچہ سنبلہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے

۴۲۔ جمال الدین محمد بن زین الدین عربی۔ شیراز اصلی وطن تھا، وہیں کے اساتذہ سے علوم فنون کی تحصیل کی۔ اس کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ علوم حکمیہ میں خاصی دستگاہ تھی، ہندوستان آکر ابوالفیض مبارک ناگوری متوفی ۱۰۰۴ھ کی مصاحبت میں کچھ مدت تک رہا پھر ابوالفتح بن عبدالرزاق گیلانی متوفی ۹۹۷ھ کے مقربین میں شامل ہو گیا۔ ابوالفتح کی سفارش سے جان جاناں عبدالرحیم حاکم بن بزم حاکم متوفی ۱۰۳۶ھ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ ۹۹۹ھ میں لاہور میں ولایت پائی اور نجف اشرف میں اس کی ہڈیاں دفن کر دی گئیں۔ نفس ناطقہ کی بحث پر اس کا بہت عمدہ رسالہ ہے۔

۴۳۔ محمد الدین محمد بن محمود الطارنی۔ خراسان کے گاؤں طارم میں پیدا ہوئے علامہ دوانی اور دیگر علما سے تحصیل علم کی۔ ہندوستان میں آکر گجرات میں سکونت اختیار کی۔ بہر والد اپنے مسکن پر ہی درس و تدریس شروع کر دی۔ گجرات کے بڑے بڑے علما نے ان کے حامن تلمذ میں تربیت پائی۔ چنانچہ اپنے عہد میں گجرات کی علمی ریاست کے جہاں مسند نفیس بکھے جاتے تھے، بہادر شاہ گجراتی (۳۲۱ - ۹۴۳)

کے عہد میں ۹۳۱ء میں ولادت پائی۔

۳۳۔ سید کلن الدین گنج شہزادی گجراتی۔ علوم حکمیہ میں اپنے زمانے کے نمایاں حکما میں شمار تھا۔ اپنے والد سے علوم فنون کی تحصیل کی اور اپنے زمانے کے کئی گئے جاتے تھے، پوری زندگی درس تدریس میں گزار دی، اُن کے دامن تلمذ میں بڑے بڑے علمائے حریت پائی۔

۳۵۔ قاضی محمد بخاری جو بخاری۔ منطق و حکمت میں اپنے وقت کے نامور فاضل تھے۔ ایرانی علمائے تحصیل علم کی۔ مرزا جان شیرازی کے شاگردوں میں تھے، اکبر کے دربار میں بہت دنوں باہر باب بیٹے۔ پھر جون پور کے قاضی بنائے گئے، ہنالت متعصب شیعہ تھے۔ ۹۹۸ء میں اکبر کے خلاف باغیوں کی موافقت کے الزام میں قید و بند کے ساتھ اکبر نے گرفتار کرا کے دلی طلب کیا۔ رستے میں دریائے جمنا میں کشتی ڈوب گئی یا ڈوب دی گئی اور اس حادثہ میں ہلاک ہوئے۔

۳۶۔ محمد سعید ترکستانی۔ منطق و فلسفہ میں وحید العصر تھے، کچھ کتابیں احمد جود سے پڑھیں اور کچھ محمد سرخ سے کچھ دنوں عصام الدین ابراہیم بن محمد بن عرب شاہ اسطرائیلی متوفی ۹۳۵ء کی شاگردی اختیار کی۔ ۹۶۰ء میں ہندوستان آئے اکبر کی تھرو دانوں نے پھر جہاں سے جانے نہ دیا۔ طلبہ جوق در جوق ان کے درس میں جانے لگے اور درس و افلاک میں عمر بھر معروف رہ کر ۹۷۰ء میں ولادت پائی۔

۳۷۔ سید مرتضیٰ شریانی۔ میر سید شریف جرجانی کے پوتوں میں اور مذہباً شیعہ تھے۔ منطق و حکمت دریاخی میں بڑی طویل حاصل تھا جہاں ان میں نواور عصر میں شمار کیے جاتے تھے اور ان میں ان کے درس کی شہرت تھی۔ ۹۷۲ء میں دلی میں ولادت پائی۔

۳۸۔ صفی الدین لاری۔ فنون حکمیہ میں یکماتے عصر تھے درس و تدریس میں ایک مدت گزار دی بعد کا سلطان، مرزا شاہ حسین (۹۲۸ - ۹۶۲) ان کا شاگرد تھا۔ ۹۶۶ء میں مکہ معظمہ ہجرت کر کے چلے گئے ان کی تصنیفات میں تفسیر بیضاوی پر حواشی اور شمائل ترمذی پر بسطہ شرح کے ساتھ لاری میں منطق پر بھی رسالہ ہے۔

۳۹۔ نجم الدین کسری۔ علوم حکمیہ کے نامور فضلا میں شمار تھا۔ ہندوستان میں آنے پر احمد نگر میں سکونت اختیار کی اور وہاں کے سلاطین و امرا کی بخششوں اور انعاموں سے فیضیاب ہوتے رہے اور آرام و راحت سے زندگی بسر کی۔ ۹۹۷ء میں قتل ہوئے۔

۵۰۔ نصیر الدین کشمیری نابھیا۔ ہندو کشی نابھیا تھے منطق و فلسفہ اور کلام میں یگانہ عصر تھے۔ کشمیر

میں محدثی رہاست ان پر غم قہمی۔ پوری زندگی درس و تلامذہ میں گزار دی۔ بڑے بڑے فضلاء ان کے درس سے لگے۔ ۹۳۶ھ میں ولایت پائی۔ شہیت کی طرف میلان تھا۔

۵۱۔ نور الدین بن سلطان ہروی، سلیطہ دہلی۔ فنون ریاضیہ میں مہارت کے ساتھ منطق و حکمت میں ید طولی تھا۔ خراسان کے جام نائی قصبہ میں پیدا ہوئے، مشہد میں لکھو نما ہوا۔ ہمایوں کے عہد میں ہندوستان آئے ہمایوں نے قدر دانی کی اور اس کے مصاحبین میں شامل ہو گئے۔ ہمایوں نے راجن سے بعض فنون میں استفادہ کیا، علم اسطرلاب انھوں نے ہمایوں سے حاصل کیا۔ درہائے حجازے کرہاں تک اور وہاں سے دوسرے شہروں میں ایک خبر لکھنا سو بہل کے رقبے میں نکالی تھی۔ جس سے لوگوں نے ایک زمانے تک لامدہ اٹھایا۔ سرحد سے متعلق علاقے میں سلیطہ دن گاؤں ان کے محنت تھا، جس کی وجہ سے سلیطہ دہلی کہلائے، اکبر کے عہد میں ۹۹۳ھ میں ولایت پائی۔

۵۲۔ وجیہ الدین بن نصر اللہ علوی گجراتی۔ ہندوستان کے سب سے بڑے استاد میں شمار کیے جاتے تھے۔ معاصرین میں کثرت تصانیف اور قوت درس میں ان کی نظیر نہ تھی۔ اپنے زمانے کے استاد سے تعلیم حاصل کی اور آخر میں عماد الدین محمد ظہری کی شاگردی اختیار کی اور منطق و حکمت کے علاوہ دوسرے علوم آئینہ و عالیہ کی ان سے تکمیل کی اور پوری توجہ صرف کی چنانچہ اپنے استاد کی زندگی میں ہی اکابر علماء میں شمار ہونے لگا۔ مونا جونا جونا اور حوامی انداز میں زندگی گزار دی۔ امرا اور اہل دولت سے ہمیشہ اجتناب رہا۔ عمر میں ایک دو مرتبہ ایسے لوگوں کے جہاں کبھی جانے کا اتفاق بھی ہوا تو جبریہ۔ نڈرانوں و میرہ سے جو حاصل ہوتا وہ بھی طلبہ پر خرچ ہوتا۔ درس و تعلیم اور تصنیف و تالیف میں عمر بسر کر دی۔ نحو، فقہ، اصول حدیث و خیرہ کے علاوہ فنون عقلیہ میں تحقیق طوی متونی ۶۷۲ھ کی تہرید کی۔ اسمہانی (فلس الدین محمود بن عبدالرحمان اسمہانی متونی ۷۳۶ھ) کی شرح پر حاشیہ، توضیح شرح تنقیح الاصول از صدرا الشریعہ عبداللہ بن مسعود محبوبی متونی ۷۳۶ھ کے حاشیہ تلویح از علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی پر حاشیہ، اصول الہودوی از فخر الاسلام علی بن محمد بدودی متونی ۸۲۸ھ پر حاشیہ، عقائد نسفی از نجم الدین ابو طحس عمر بن نسفی متونی ۸۳۷ھ کی تفتازانی کی شرح پر حاشیہ، قاصی عضد الدین عبدالرحمان بن احمد ابھی متونی ۸۵۶ھ کی عقائد مضبوط پر حاشیہ، ردائی کے حاشیہ ہرمرہ پر حاشیہ، ابھی کی مواقف الکلام کی میر سید شریف کی شرح پر حاشیہ، معاصدا الطالبین فی علم اصول الدین از تفتازانی کی مصنف کی اپنی شرح پر حاشیہ، حکمت العین از نجم

الدین ابو الحسن علی بن محمد کلابی متوفی ۶۷۵ھ کی فہم الدین محمد بن مبارک شاہ کی شرح پر حاشیہ، کلابی کی فہم کی قلم الدین محمد رازی حنفی متوفی ۷۶۶ھ کی شرح، تحریر القواعد السطیہ پر حاشیہ، ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔ ۹۹۸ھ ولادت پائی۔

۵۳۔ شیخ اللہ بن عطاء اللہ، شاہ میر شیرازی گجراتی۔ اپنے ہمد کے بڑے علما میں تھے۔ اور میر صدر الدین محمد شیرازی متوفی در حدود ۹۳۰ھ صاحب اسرار اربعہ متوفی ۱۰۵۹ھ نے ہی فی البیان ساقیوں میں تھے اور انہیں کے اساتذہ سے ان کے ساتھ ہی تعلیم حاصل کی۔ ۸۹۸ھ میں گجرات آئے اور وہیں سکونت اختیار کی اور دس کا سلسلہ شروع کر دیا، دور دور سے طلبہ پہنچنے لگے۔ دست و ضبط کے علاوہ فنون عقلیہ میں مواقف کی شرح، لواحق البرہان فی فہم القرآن، تفسیرانی کی جہتہ المطلق و انکلام کی شرح اور فہم کی شرحوں (الابواب قطبی و صحیحہ) پر ملاحظہ ان کی تصنیفات ہیں۔

۵۴۔ یونس بن ابی یونس سرحدی، سدھی۔ علوم حکمیہ کے نامور علما میں شمار ہوتے تھے۔ ۹۵۱ھ میں ولادت پائی۔

گیارہویں صدی

ہندستان میں علوم عقلیہ کی گرم بھاری کی ابتدا تو ہو ہی چکی تھی، مسافرین حکمائے ایران کی کتابیں آپکی تھیں اور ہندستان درسگاہوں میں مبادلہ تھیں، لیکن محققین و مدقین سے فکر کی حریت و اصالت کی ابتدا گیارہویں صدی میں ہوئی، عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہ اسی ہمد کے ہیں۔ ۵۵۔ ابوالفتح ملکانی۔ فقہ و اصول اور حریت کے نامور اور فنون حکمیہ کے معروف علما میں شمار ہوتے تھے اور ان میں ان کی مہارت مسلمہ تھی۔ شاہ جہاں کے ہمد کے اصحاب درس میں ان کا شمار تھا۔

۵۶۔ ابوالفضل بن مبارک ناگوری۔ ذہانت و فطانت میں یکنائے روزگار تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں مصارف علوم سے فراغت حاصل کر لی تھی اور اب پوری توجہ علوم حکمیہ پر تھی چنانچہ ان میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ تھری پانچ سال درس و تعلیم میں گزارے۔ ان کی شہرت سن کر اکبر نے ان کو طلب کیا اور اپنے مقربین میں ان کو شامل کر لیا اور آخر وزارت عظمیٰ کے درجے پر فائز ہوئے۔ اکبر کے اتحاد میں ان کو خاص و صل تھا۔ ۱۰۱۱ھ میں دکن سے لوٹے میں جاکر (۱۰۱۳-۱۰۳۶) کے حکم سے اکبر

کے مہر میں قتل کر دیے گئے۔

۵۷۔ احمد بن سلیمان بکراتی۔ اصلاً گرد تھے والدہ دستان آئے اور بکرات میں حکومت اختیار کر لی۔
عام درسیات کا مضمون محد شریف بکراتی سے حاصل کیے اور فنون عقلیہ کی تکمیل خانوادہ بکراتی سے کی
فنون حکمیہ کی اشاعت ان سے ہی ہوئی۔ دس سالانہ میں ساری عمر صرف کر دی۔ مختلف فنون میں
تصنیفات ہیں۔ ۱۰۹۶ھ میں ولایت پائی۔ فیض القدس کے نام سے علم کلام میں ان کی مطبوعہ کتاب

۵۸۔ قاضی الداد صدیقی بکراتی۔ اپنے زمانے کے معروف فاضل تھے۔ مولود علی بگرام تھا لاہور

پور کے عبدالرحمان بن علاء الدین عباسی متوفی ۹۷۶ھ کے پاس رہ کر درسیات کی تکمیل کی اور
بگرام میں لہا دس جاری کیا۔ کچھ دن بگرام کے قاضی بھی رہے۔ چندیب المعلق پر ان کے حواشی
تھے۔

۵۹۔ عبدالہادی بن خورشید الاسلام صدیقی جو پوری۔ منطق و فلسفہ کے مشہور اساتذہ میں تھے۔ ملاحضہ
جو پوری کے شاگرد تھے۔ استاد کی ولایت کے بعد مسود دس سنبھالی، مانگیر (۱۰۶۸-۱۱۸۸) نے آٹھ نو
سو کی سالانہ آمدنی کا ایک گاؤں صلحت کیا۔ فن مناظرہ میں شریلیہ کی شرح الاداب الباقیہ لکھی۔ پھر
استاذ کے حکم سے ایک دوسری شرح الاساتذ الباقیہ لکھی جو رشیدیہ پر تبخیر ہیں۔ ۱۲ جلوس مطابق
۱۰۸۲ھ میں ولایت پائی۔

۶۰۔ شیخ عبدالغنی بن سیف الدین محدث دہلوی۔ دستان کے محلے بزرگ ہیں جنہوں نے ملک میں
علم حدیث کو رواج دیا اور دس و تصنیفات سے اس کی اشاعت کی۔ ہجرت کم سنی میں اپنے
والدہ متوفی ۹۹۰ھ اور دہلی کے دیگر اساتذہ سے درسیات کی تکمیل کی پھر کہ مطہر ماکرج و زیادت سے
مشرف ہوئے اور حرمین کے شیعخ حدیث سے کتب حدیث پڑھیں اور عام و خاص اجلا میں حاصل
کیں۔ پھر دستان آکر خدمت حدیث میں معروف ہوئے۔ مختلف علوم و فنون میں کثرت سے
تصنیفات ہیں۔ منطق میں فہمیہ کا اقتصاد کیا فہمیہ کی شرح بھی لکھی لیکن مکمل نہیں ہوئی۔ الہیات
میں رسالہ فی بحث الوجود لکھا۔ ۱۰۵۲ھ میں ولایت پائی۔

۶۱۔ عبد الکیم بن فہم الدین سیالکوٹی۔ دستان کے ہجرت مشہور اور نامور فاضل ہیں،
ذکاوت، استحضار وقت نظر اور نقد و تحقیق میں بے نظیر تھے۔ شاہ جہاں (۳۶۱-۱۱۰۹۸) نے انہیں دو

ہندوستانی میں تلوا یا اور کئی گاؤں جاگیریں تھیں چنانچہ غرض عشی کے ساتھ تصنیف و تالیف اور دوس و
 سمدر میں عمر سمر کی فتح کمال الدین بن موسیٰ کشمیری سے درجہ اولیٰ کی۔ قریب قریب
 ساٹھ سال تک دوس رہا۔ چنانچہ کثرت دوس میں ان کے ہند میں ان کا کمالیہ قریب ساٹھ سال تک رہا۔ ان
 کے فضل و کمال کا گرویدہ تھا اور ہر محفل میں ان سے حضور کرتا تھا۔ ساتھ ساتھ کئی کئی ہندو
 کی ہوا وہ نہیں کرتے تھے۔ ۱۸ صبح الاول ۱۰۶۷ء کو دلات پائی اور سیاگوٹ میں مدفون ہوئے۔ تفسیر
 میں بیضاوی ہے۔ اصول فقہ میں تلوح کے مقدمات اربع ہے۔ محلی و بیان میں تفتاری کی مطول ہے۔
 علم کلام میں میر سید شریف کی شرح موافق ہے۔ تفتاری اور دواتی کی علاوہ حنفیہ کی شرحوں پر اور
 شرح علاوہ تفتاری کے شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۶۰ھ کے حاشیہ ہے۔ منطق میں قطبی
 اور اس کے حاشیہ میر سید شریف پر اور شرح مطلع پر حکمت و فلسفہ میں شرح حکمت العین اور عابدی کی
 شرح ہدایہ اقلتہ پر انھوں میں ابن حاجب متوفی ۶۳۶ھ کے کافیہ کی عبدالرحمان جانی متوفی ۸۹۸ھ کی
 شرح فوائد ضیائیہ ہے اور عبدالغفور لاری متوفی ۹۱۲ھ کے حاشیہ پر حاشی لکھے۔ صرف میں احمد بن
 علی کی حراج الارواح پر حاشیہ لکھا۔ ان کے علاوہ ان کے دوسرے حواشی اور رسائل ہیں۔ علم
 واجب تعالیٰ پر الدرر الخشعی فی اثبات علم الواجب ان کا مشہور رسالہ ہے۔

۶۲۔ عبدالرحمان بن ابوالفضل ناگوری علوم حکمیہ میں نامور فاضل تھے علوم حکمیہ میں اپنے باپ
 ابوالفضل بن مبارک ناگوری کے شاگرد ہیں عمر بھر حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر رہے چنانچہ نے افضل
 حاکم کا خطاب دیا، صوبہ بہار کا حاکم بنایا اور گورکھپور جاگیر میں رہا۔ ۱۰۲۲ء میں انتقال ۱۰۶۷ء۔

۶۳۔ قاضی عبدالرحیم بن عبدالرشید بہاری، مراد آبادی۔ اپنے زمانے کے مشہور علما میں ہیں۔
 عبدالکیم سیاگوٹی سے قریب قریب نو سال ان کی خدمت میں رہ کر تحصیل علوم کی مراد آباد کے قاضی کے
 عہدے پر فائز ہوئے اور ایک زمانے تک وہیں دوس دیا۔

۶۴۔ عبدالرزاق کشمیری منطق و فلسفہ اور کلام کے سرآمد اور علما میں تھے، شبہاں کے ہند میں
 ہندوستان آئے، شبہاں نے انہیں کابل میں درس دینے کی خدمت سپرد کی، چنانچہ بہت زمانے تک
 درس دیتے رہے قریب الدین رازی کی محاکمات کی تردید لکھ رہے تھے، کئی راتیں مسلسل جاگے، اس
 سے دماغ قفل ہو گیا۔ اس دماغی اختلال میں حقوق پر پھری پھیری، شاگردوں نے یہ حال دیکھا تو فوراً
 کس کر بندھ دیا اور علاج شروع کر دیا، خدا نے شفا دی، انہوں نے خدمت دوس سے استعفاء دیر یا

اور تکسیر چلے آئے اور سکونت اختیار کر لی شرح تجرید پر حواشی لکھتے تھے۔

۶۵۔ مفتی عبدالسلام بن دوسعد کرمانی دیوبند اپنے زمانے کے غیر معمولی ذہین لوگوں میں شمار تھا اور علوم نقلیہ و عقلیہ دونوں میں فضل و کمال رکھتے تھے۔ قصبہ دیوبند مولانا غلام محمد، شہر کے استاد سے تعلیم پوری کر لی تو لاہور چاکر مفتی عبدالسلام لاہوری کی صحبت میں ان سے علوم نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل کی اور وہیں ایک مدت تک درس دیا۔ پھر شاہ جہاں کے لشکر کے مفتی مقرر ہو گئے ایک زمانے تک یہ خدمت انجام دی، پھر اس سے سبکدوش ہو کر لاہور کی سکونت لے لی۔ حاشیہ خیالیہ شرح صحائف ہد تکسیر بیضاوی پر، ہدایہ وغیرہ پر حواشی لکھے اور جہناب المنطق کی شرح لکھی۔ ۱۰۳۶ھ تک زندہ تھے۔

۶۶۔ مفتی عبدالسلام لاہوری۔ اپنے زمانے کے اکابر علماء میں سے تھے۔ فنون حکمیہ فتح اللہ شیرازی سے حاصل کیے اور لاہور میں تقریباً پچاس سال تک درس دیا، بڑے بڑے علماء ان کے درس سے نکلے۔ ایک زمانے تک لشکر کے مفتی بھی رہے پھر اس خدمت سے سبکدوش ہو کر درس و التادہ میں زندگی گزار دی۔ ۱۰۳۶ھ میں ۸۰ یا ۹۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا، تفسیر بیضاوی پر ان کا حاشیہ ہے۔

۶۷۔ عبدالعزیز بن عبدالرشید اکبر آبادی۔ اپنے والد سے تحصیل علم کی پھر درس و التادہ میں معروف ہو گئے، فتاویٰ حاکم عالمگیری متوفی ۱۰۶۶ھ نے ۱۰۸۰ھ میں عالمگیری اور نگنہ کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر انھوں نے انھیں منصب عطا کیا، علم کلام میں ان کا فارسی رسالہ کشف الخطا ہے۔ ۱۰۸۸ھ میں انتقال ہوا۔

۶۸۔ علی بن حسین نقشبندی۔ بہر کے نیچے کھودنے میں ماہر تھے، ان کے نیچے عراقی غراسان وغیرہ مختلف ممالک میں جاتے تھے۔ اسی لیے نقشبندی کے لقب سے مشہور تھے نقشبندی تو ان کا پدھر تھا جس نے ان کے علمی کمالات کو چھپا لیا ورنہ وہ اپنے زمانے کے فضلاء میں تھے۔ حکمت طبعی اور ریاضت میں یہ طوفی حاصل تھا۔ ۱۰۱۹ھ میں وفات پائی۔

۶۹۔ محب اللہ بن مبارک لکھنوی الدہلوی۔ اکابر مطالع جیشیہ میں تھے۔ مفتی عبدالسلام لاہوری سے تحصیل علم کی۔ محمد میر بن قاضی سائیں متوفی ۱۰۴۵ھ اور محمد اللہ علی لاہوری مشہور وزیر متوفی ۱۰۶۶ھ ان کے ہم سبق تھے۔ محمد اللہ علی وزارت پر فائز ہوئے تو انھوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو بلایا۔ میاں میر نے تو اپنے زہد کی وجہ سے آنے سے انکار کر دیا، محب اللہ چلے گئے۔ ان کو محمد اللہ علی

نے عالم ہمارے کہہ کر اللہ آباد دعا کر دیا۔ پھر ان پر بھی زحمت کا طلب ہوا تو یہ سب چھوڑ کر گھوڑے میں شیخ ابو سعید گھوڑی متوفی ۱۰۳۹ء کے چلتی سلسلے میں مرید ہو گئے اور ایک زمانے تک ان کی خدمت میں رہے حتیٰ کہ خود بھی شیخ سلسلہ ہو گئے۔ اللہ آباد میں جہاں کے کولے سکونت اختیار کر لی، بہت دن فقر وفاقہ میں گزارے، آئندہ آئندہ قبول عام ہوا۔ تقریباً بیس سال رفق و بدلت میں مشغول رہ کر ۱۰۸۵ء میں ولایت پائی، ان کے معاصرین میں لوگ مختلف الزامات تھے۔ کسی نے زندقہ کا الزام لگایا کسی نے واصل باللہ کہا، بہر حال وہ وحدت الوجود کے تحت حامیوں میں تھے اور ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ کے کلام کی تعبیر اپنے موقف سے کرتے تھے معطلات میں فصوص الحکم کی شرح، الکتاب السہیل، تسویہ اور اس کی شرح وغیرہ رسائل و کتب ہیں۔

۷۰۔ قاضی محمد اسلم ہروی۔ منطق و حکمت میں نمایاں حیثیت تھی۔ محد لا ضل لاہوری اور نعلول لاہوری کے شاگرد تھے۔ جہانگیر نے جیلے کاہل کا قاضی پھر قاضی لشکر بنایا۔ شاہجہاں کی امامت پر مقرر ہوئے اور ایک ہزاری منصب عطا کیا۔ کئی مرتبہ چاندی سے تو لے گئے۔ ۱۰۹۱ء میں ولایت پائی۔

۷۱۔ محمود بن محمد عمری جو چوہدری۔ ہندستان کے نامور اور مشہور فاضل تھے، ان کے معاصرین میں علوم حکمیہ اور فنون ادبیہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ اپنے دادا شاہ محمد کی آغوش حریت میں پرورش پائی اور انہیں سے دیہات کی تحصیل کی اور پھر استاد اعلیٰ محمد افضل بن محمد حمزہ عثمانی جو چوہدری متوفی ۱۰۶۲ء سے تکمیل کی اور ان کی صحبت اختیار کر لی۔ منطق و حکمت ایسا خصوصی مضمون قرار دیا، ابھی سترہ سال کی عمر تھی کہ ان علوم میں کمال کا درجہ حاصل کر لیا، ذکاوت، فطانت ذہن کی روانی اور حلقہ و اتحاد میں اپنے تمام معاصرین میں بڑھ گئے ان کے مدد کردہ لکھروں کا یہ فیصلہ تھا کہ ہندستان بھر میں فنون حکمیہ اور ادبیہ میں ان جیسا پیدا نہیں ہوا۔ ہندستان میں رصد گاہ بنانے کا منصوبہ لے کر اکبر آباد گئے کہ شاہجہاں کو اس کی تعمیر پر آمادہ کریں لیکن وزارت نے بلا حاد کو کثرت مصارف کی بنا پر حیدرہ ہونے دیا۔ ۱۰۶۲ء میں اسٹاذ کی زندگی میں انتقال ہو گیا اسٹاذ کو ان کی موت کا حقائق ہوا کہ چالیس دن تک چہرے پر مسکراہٹ نہیں آئی، جہاں تک کہ اسی حلق میں انتقال ہو گیا۔ النفس البڑہ ان کی حکمت میں بہت مشہور کتاب ہے جس کی تکمیل کی موت نے بہت مدد دی۔ میرے مدد کو لے تک حکمت کے اعلیٰ درس میں شامل تھی۔ قاضی عبداللہ بن ابی کی معافی دیوان میں مشہور کتب العلماء النبیہ کی تراویح کے نام سے شرح کی جو

بعض مدارس کی درسیات میں شامل ہے۔ اسی شرح پر ان کے حواشی بھی ہیں۔ شیخ محب اللہ الدربادی کی کتاب تسبیح کی تردید میں مرزا لایمان کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے رسائل بھی ہیں۔

۷۶۔ شہید ثالث قاضی نور اللہ بن خلیفہ کسری۔ مشہور شیخ عالم ہیں، ایران کا مہر کسری مولد و مضاف ہے۔ مشہد میں تعلیم حاصل کی، ہندوستان آکر لکھنؤ اللع بن عبدالرزاق گیلانی متوفی ۹۹۷ھ کی سلاطین سے اکبر نے لاہور کی قضا کا عہدہ دیا جس پر جہانگیر کے عہد تک فائز رہے۔ جہاں بقیے کی زندگی گزار رہے تھے اور معاشیات کے فیصلے شیخی مذہب کے موافق کرتے تھے اور جہاں یہ تھا کہ اکثر ارباب کی رائے پر قوت دلیل کی بنا پر بغیر کسی خاص نام کے مسلک کی پابندی کے فیصلے کرتے ہیں۔ عہد اہل السنۃ والجماعت کی تردید و تفتیح میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے تھے۔ بعض علماء اہل السنۃ والجماعت کو کسی نہ کسی طرح ان کی مجالس المومنین پانچ آجٹی اور انہوں نے اس کو جہانگیر کے سامنے پیش کر دیا۔ جہانگیر اسے دیکھ کر غصے میں بھر گیا اور حکم دیا کہ ہمارا دارورے لگائے جائیں درے لگتے ہی موت ہو گئی۔ یہ ۱۰۱۹ھ کا واقعہ ہے۔ علوم عقلیہ میں شرح تجرید کی الہیات پر، دوائی کے قدیم اور شرح جہند الکلام پر دو حاشیے تفسیر بیضاوی پر، قطبی بھڑی اور محمود چشتی متوفی ۱۱۸ھ کی تفسیر فی الہ کی قاضی زادہ موسیٰ بن محمد متوفی ۸۴۰ھ کی شرح پر حواشی ہیں۔

۷۷۔ مقلیٰ وجیہ الدین بن عیسیٰ گریپاموسی، گویا مولد و مضاف ہے اپنے دادا جعفر بن نظام الدین عثمانی متوفی ۱۱۰۳ھ اور دوسرے علماء درسیات کی تفسیل کی، فتاویٰ عالمگیری کی تصنیف میں بھی شریک رہے۔ اپنے عہد کے کثیر الدرس علماء میں شمار تھا۔ عثمانی اور مغل پر ان کے حواشی ہیں ۱۰۸۳ھ میں ولادت پائی۔

۷۸۔ خانوادہ محمد گجراتی۔ مقلیٰ وحکمت کے نامور اساتذہ میں سے تھے، گجرات میں ان کے درس کی شہرت تھی۔

۷۹۔ بیوقوف بن حسن کشمیری۔ اپنے عہد کے بڑے اساتذہ میں شمار تھا، تفسیر الدین النبی متوفی ۹۳۶ھ سے درسیات کی تفسیل کی، سر قند، بغداد اور حرمین کے شیوخ و محدثین سے استفادہ کیا، کشمیر، آگرہ، دس والادہ میں بھر وں ہو گئے۔ تصانیف میں طوطی پر حاشیہ ہے۔ ۱۰۰۳ھ میں ولادت پائی۔

۸۰۔ لاہور میں بیوقوف بھائی لاہوری۔ لاہور مولد و مضاف ہے، فقہ، حدیث اور فنون حکمیہ میں بڑے

طوبی تھا شعبان کے فطر میں میر محل تھے۔ مدرسہ شعبانی میں اسکا علمی بیڑہ۔ محاسب الکام کی شرح، بیضاوی وغیرہ پر حواشی لکھے۔ عالمگیر نے عدالتوں کا ناظر مقرر کر دیا تھا۔ ۱۱۸۸ھ میں ولایت پائی۔

بارہویں صدی

بارہویں صدی، گیارہویں صدی کا ہی تسلسل ہے حب اللہ بہاری، میر زاہد اور قاضی مبارک اسی عہد کے مشاہیر ہیں جن کا عہد گیارہویں اور بارہویں صدی پر محیط ہے۔

۷۷۰ھ - ملا احمد دلاوی راہپوری - سرحد پار سے لاہور آئے اور وہاں سے تکمیل درس کے لیے مولیٰ بکرت اللہ آبادی اور ملا محمد اعلم مدلی کے شاگرد ہوئے۔ درسیات کی تکمیل کے بعد کچھ دنوں خوش گویا اور مستقلاً راہپور گئے۔ منطق و فلسفہ کے نامی استاذ تھے۔ علمائے راہپور کا سلسلہ عموماً انہیں پر شعی ہوتا ہے بارہویں صدی کے اواخر میں ولایت ہوئی۔ ان کے اصناف میں مولوی اسحاق النبی عاں متوفی ۱۱۸۸ھ صاحب رفع التصادع ہدی خیر العباد بن اشفاق النبی عاں اور تبیل النبی عاں بن اشفاق النبی عاں اور ان کی بعض عالیہ بیگم مرحومہ دباجرہ بیگم زوجہ اکتیظ علی عاں عرشی مرحوم اور میری بیوی سارا بیگم ہیں۔

۷۸۰ھ - افضل بن امین راہجدروی - مشہور مشائخ میں سے تھے، ارکات کا قصبہ راہجدری مولد و مشاء تھا۔ مولانا روم متوفی ۶۷۲ھ کی شہرہ معنوی، ابن عربی کی قصص الککم، عراقی متوفی ۶۸۸ھ کی لحات اور جانی کی لوائے کا درس دیتے رہے، انکی تصنیفات میں عقائد و کلام کی امام ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ کی طرف منسوب کتاب فقہ اکبر کی شرح اور بحث و جود پر رسالہ ہے۔ ۱۱۹۳ھ میں ولایت پائی۔

۷۹۰ھ - امام اللہ بن نور اللہ بہاری - اصول و کلام کے مشہور فاضل میں تھے، مدارس میں پیدا ہوئے اور لغوی ما پائی، قرآن مجید حفظ کیا، درسیات کی تحصیل کے لیے سڑکیا اور شیخ محمد ماہ دیوگامی متوفی ۸۹۵ھ اور مولانا قطب الدین غمیس آبادی متوفی ۱۱۲۱ھ وغیرہ علمائے درسیات کی تکمیل کی۔ عہد عالمگیر میں گھوڑکی صدارت سپرد ہوئی ملا حب اللہ بہاری اسی زمانے میں لکھنؤ کے قاضی تھے چنانچہ دونوں میں کافی بحثیں چلیں، تصنیفات میں اصول میں مفسر اور اسی کی شرح محکم، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ، طوط پر حواشی، دوائی کے ترجمہ پر اور ان کی شرح عقائد پر، شرح مواقف پر، محمد رشید بن محمد مصطفیٰ عثانی متوفی ۱۰۸۳ھ کے معاصرۃ الرشیدیہ پر حواشی، حادث دہری کے باب میں میر محمد

۸۵۔ حمد اللہ بن شکر اللہ صدیقی مدنی - مدنی مولد و مضاف ہے۔ محکم احیاء کر لیا تھا، کمال الدین خجندیہ اور نظام الدین بہاؤی سے درسیات کی تکمیل کی۔ مشہور اساتذہ میں سے تھے اور ان علوم میں ان کی ریاست مسلمہ تھی۔ صاحب اودھ الاولیٰ محمد بن محمد بن جگ نے (۱۱۵۲-۱۱۵۹ء) کی سفارش پر احمد شاہ متوفی ۱۱۷۳ء فضل اللہ کا خطاب دیا اور کئی گاؤں جاگیر کے طور پر عینیت کئے چنانچہ مدنیہ میں ایک بڑا مدرسہ تعمیر کیا، شمس بادشاہ پر حواشی، صدر الدین محمد بن ابراہیم شیرازی معروف بہ ملا صدرا متوفی ۱۰۱۹ء کی شرح حدائق الفکر پر حواشی، محب اللہ بہاری کی سلم العلوم کی شرح اور اصول میں بہاء الدین محمد بن حسین عالی متوفی ۱۰۳۱ء کی زبدۃ الامول کی شرح ان کی تصنیفات ہیں۔ ۱۱۹۰ء میں دہلی میں ولادت پائی۔

۸۶۔ رفیع الدین بن نیم کرد (نیک مراد یا نیک مرد) دہلوی - فنون حکمیہ کے اپنے ہند کے مشہور اور نامور فاضل۔ میں تھے۔ شیخ محمد شلیح بن محمد عظیم لاہوری ثم الدہلوی متوفی ۱۱۰۹ء سے تکمیل علوم کی نگہبنا بدہ سال درس و الاداء میں گزارے ان کی مصنفات میں ابو نصر محمد بن الدارابی کی فصوص کی شرح کشف الغوص، شیخ الاشراق شہاب الدین ابوالفتح عی بن حبش مقلول ۵۸۷ء کی الواح کی شرح اور ہر مس ابراہیم کی طرف و منسوب بیخبر الحیاۃ پر لاری سے عربی ترجمے کے بعد حواشی ہیں۔

۸۷۔ عبدالحی بن علی عظیم جوہوری - جوہور مولد مضاف ہے مسلک شیعہ تھے سید محمد عسکری متوفی ۱۱۹۰ء سے تحصیل علوم کی اور ایک زمانے تک ان کی صحبت میں رہ کر منطق و فلسفہ میں کمال حاصل کیا۔ ۱۱۹۰ء میں انتقال ہوا۔

۸۸۔ عبدالحی بن مطلق درویش محمد عثمانی بدایونی - علوم حکمیہ کے مشہور فاضل۔ میں تھے، بدایوں مولد مضاف تھا۔ درس و الاداء میں زندگی گزارے۔ قطبیہ کے حاشیہ میرزاہد پر اور دوانی کے شرح چمنب کے حاشیہ میرزاہد پر حواشی لکھے۔

۸۹۔ غلام عی بن نجم الدین بدہوی بہاری - منطق و فلسفہ میں اہل کمال علماء میں شمار تھا، مدنیہ میں مدرسہ منصورہ میں باب اللہ جوہوری سے درسیات کی تکمیل کی لکھنؤ میں کچھ زمانے تک درس و الاداء میں مشغول رہے پھر سب چھوڑ کر دہلی جا کر مرزا مظہر جان جاناں متوفی شہید ۱۱۹۵ء کے مرید ہو گئے اور پانچ سال تک ان کی صحبت میں رہے اور ملافت پاکر لکھنؤ میں رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ میرزاہد رسالہ پر لواء الہدایہ کے نام سے ہفتت و قتی حاشیہ لکھا۔ اس کے علاوہ ان کی

تصنیفات میں حمد اللہ کی شرح سلم پر حاشیہ ہے، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود پر حماد ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ کے رسالہ حکاکہ کی ترویج میں کمرہ الحلق لکھا۔ ۱۱۸۰ھ میں گھٹو میں ولایت پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

۹۰۔ قاضی شیخ اللہ قنوی۔ قنوج کے قاضی تھے۔ درسیات شیخ علی اصغر متوفی ۱۱۳۰ھ سے پڑھیں۔ معقولات میں میرزا بدی دوانی کی شرح تہذیب کے حاشیہ پر حاشیہ ہے، بارہویں صدی کے حدود میں انتقال

۱۹۲

۹۱۔ فرخ شاہ بن محمد سعید، مجددی سمرقندی۔ اپنے والد محمد سعید بن شیخ احمد سمرقندی متوفی ۱۰۷۰ھ کے درسیات کی تکمیل کی علوم معادلہ میں کمال حاصل تھا، خصوصاً فقہ، حدیث اور تصوف میں، قوی الحافظ اور زبرد فہم اور تہذیب تھے۔ درس والادہ طلاب میں زندگی گزار دی خیالی کے حاشیہ پر مجدد التکیم کے حاشیہ پر حاشیہ لکھے۔ ۱۱۷۲ھ میں انتقال ہوا۔

۹۲۔ قطب الدین بن مجدد التکیم السہلوی۔ معقولات و معقولات میں نمایاں حیثیت تھی۔ لکھنؤ کے سہلی قصبہ میں پیدا ہوئے اور لغو پائی۔ طادانیال چدراسی اور مجدد القادر لکھنوی متوفی ۱۰۷۶ھ وغیرہ علماء سے درسیات کی تکمیل کی، درس والادہ مشط تھا صرف منگل اور عہد مسیح تھے اور تصنیف و تالیف کے لیے مخصوص تھے، ہندت مابد و مرتاض تھے، صائم اللہ رب اور قائم اللیل، روزانہ تہجد میں ایک ختم قرآن کر لیتے، تصنیفات میں شرح مواقف اسور عامہ پر حاشیہ، تلویح پر شرح حکمہ العین پر شرح عقائد مضد پر مطلق پر حاشیہ تھے۔ جن کا بڑا حصہ ان کی فہدات کے موقع پر مناجع ہو گیا۔ اسور عامہ کے حاشیہ کا کچھ حصہ باقی رہ گیا۔ ۱۱۰۳ھ میں زمین کے ٹھکڑے میں ان کا گھر بار لٹ گیا اور اذوا عامہ ان سمیت قتل ہوئے۔ محاسبہ ٹھنڈا ہوا تو محمد سعید ان کے صاحبزادے دکن میں خانگیر سے لے اور واقعہ بیان کیا چنانچہ خانگیر نے لکھنؤ میں ایک مغربی تہجر کا محل جو اسپتال تک چنچا تھا صلحت کر دیا اور پورا عائدان اس میں بس گیا اور فرنگی محل کہلایا۔

۹۳۔ قاضی قیام الدین دہرودی۔ علوم حکمیہ میں مشہور تھے، دہرے میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی درسیات کی تکمیل قطب الدین غیس آبادی متوفی ۱۱۳۱ھ وغیرہ علماء سے کی، دہرے کی قضا ان کے سپرد ہوئی۔ محب اللہ بہاری کی سلم العلوم کی مفصل شرح لکھی۔

۹۴۔ کمال الدین بن دولت قہروری۔ قطب الدین سہلوی کے عم زادوں میں تھے فہجور مولد

خلفہ۔ نظام الدین سہاوی سے درسیات کی تکمیل کی اور ایک نکتہ تک ان کی توحید میں رہے اور نظام الدین کے تمام شاگردوں میں ان کے ملی مرتبے کو کوئی نہیں فتح کیا۔ اس کی زندگی میں ہی مسعود پر بیٹھ گئے۔ اور اکابر علماء میں شمار کئے گئے۔ کلام اور دیگر فنون حکمیہ ان کے خاص مضامین تھے۔ ہدایت ذہین اور ذکی تھے۔ مصطلحات میں، کبریت احمر، اقبالہ عبدالوہاب بن احمد شحرانی متوفی ۷۹۳ھ کی اکبریت الاقرنی علوم الشیخ الاکبر، فتوحات مکیہ کے انتخاب انواع الانوار المقدسیہ کا اقتصاد کی شرح اور العروۃ الوثقی وغیرہ حواشی ہیں۔ ۱۱۰۵ھ میں انتقال ہوا۔

۹۵۔ قاضی مہدک بن محمد دائم گہاسوی۔ اپنی ذہانت و فطانت میں مشہور تھے۔ طبیعت نکتہ رس قوی۔ وقتِ لطف میں اپنی مثال آپ ہی تھے۔ گہاسو میں لٹو دیا پائی۔ اجماعی تعلیم قاضی بدرالہین گہاسوی سے حاصل کی اور شیخ صفی اللہ خیر آبادی متوفی ۱۱۰۵ھ سے تکمیل کی دلی جاکر بحث و تحقیق اور ملی انہماک جاری رہا جہاں تک کہ اپنے زمانے کے یکتا مانے گئے دلی میں درس و التلاذ کی مجلس قائم کی اور طویل مدت تک وہیں درس دیتے رہے۔ تصنیفات میں سلم العلوم کی شرح اور زادہ ثلاث (میرزاہد رسالہ، میرزاہد ملاحلال اور میرزاہد امور عامہ شرح مواقف) پر حواشی ہیں۔ ۱۱۶۲ھ میں اپنے وطن گہاسو میں ولادت پائی اور وہیں دادا کے مدرسے میں مدون ہوئے۔

۹۶۔ قاضی محمد اللہ بن عبدالغفور بہاری۔ ذکاوت و فطانت میں شہرہ آفاق تھے۔ بہار کے قصبہ کرا میں پیدا ہوئے اور وہیں لٹو دیا پائی۔ نیک خاندان سے تعلق تھا۔ کچھ درسیات قطب الدین سہاوی سے پڑھے اور زیادہ ترکی تکمیل قطب الدین شمس آبادی متوفی ۱۱۲۱ھ سے کی دکن شاہی لشکر میں بیٹھے تو عالمگیر نے لکھنؤ کی قضا کے لیے نامزد کر دیا، پھر حیدرآباد بلا کر قضا سے سبکدوش کر کے اپنے پوتے رفیع الدین بن شاہ عالم متوفی ۱۱۳۲ھ کا معلم مقرر کر دیا، شاہ عالم کابل کا حاکم ہوا تو اپنے لڑکے رفیع اللہ کے ساتھ انہیں بھی کابل لے گیا۔ اور جب بادشاہ ہوا تو انہیں صدارت عظمیٰ کے عہدے پر مقرر کیا اور فاضل عاں کے خطاب سے نوازا۔ سلم العلوم، منطق میں، مسلم الثبوت، اصول فقہ میں، دلائل البرہانی بحث الخیر، الاذی لاجتہادی، فلسفہ میں ان کی مشہور اور مہا اول تصنیفات میں سے ہیں، رسالہ فی المصطلحات العات اور ایک دوسرا رسالہ اس بیان میں کہ حنفی مسلک شافعی مسلک کی نسبت سے رائے و قیاس سے زیادہ بعید ہے، ان کی تصنیف ہے۔ ۱۱۸۹ھ میں ولادت پائی۔

۹۷۔ محمد اعلم بن محمد شاکر سدیلوی۔ منطق و فلسفہ میں اپنے عہد کے نمایاں ترین فضلا میں تھے۔

سولہ مولود و غلام تھا۔ کمال الدین فچھوری سے ملنے تھا میں نے اپنے استاد سے سنا ہے کہ محمد اعلم کے توسط سے ان کا سلسلہ تلمذ بحر العلوم مولانا مہدی علی تک پہنچتا ہے۔ روایت جو ان کو اپنے استاد سے پہنچی ہے اس کے خلا ہونے کی وجہ نہیں، ہو سکتا ہے کہ ملا اعلم مدنی نے کمال الدین کے ساتھ ساتھ بحر العلوم سے بھی فیض انصاف ہوا۔ ملا محمد اعلم نے درس سے فراغت اور مطالعہ کتب اور بحث و تحقیق و تدقیق سے مطلق و فلسفہ کی تکمیل کے بعد تحصیل معاش کے لیے دہلی کا سفر کیا اور کافی مدت تک لیکن ملاس ہو کر واپس آگئے اور عدا پر توکل کر کے خیر آباد میں درس شروع کر دیا اور ایک زمانے تک وہاں رہے اور پھر مدینہ آگئے اور گھر میں بیکو ہو کر بیٹھ گئے اور سلسلہ درس شروع کر دیا اور اسی میں عمر گزار دی۔ ان کے مشہور اور صاحب درس شاگردوں میں ان کے بھائی مفتی عبدالواحد خیر آبادی متوفی ۱۲۱۶ھ ہیں۔ ملا محمد اعلم نے آخر عمر میں اپنی بہت سی تصنیفات کو خود حلف کر دیا اور صرف وہی رہ گئیں جو لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھیں۔ مثلاً صدر الک شرح ہدایہ اشعر ہا حاشیہ، غیس الدین محمد بن محمد سیاسی کے دائرۃ الاصول کا حاشیہ یا بحث فطریک پر رسالہ اور رسالہ؛ قسط اللیب و حظ اللیب۔ ۱۱۹۸ھ میں مدینہ میں ولادت پائی۔

۹۸۔ مفتی محمد اکبر بن محمد شریف دہلوی۔ علوم حکمیہ میں اپنے زمانے کے نمایاں حکما میں تھے۔ احمد آباد گجرات میں مفتی کے عہدے پر فائز تھے۔ اور افتاء کی مصروفیتوں کے باوجود درس و الادب میں جاری تھا، میرزا بد حاشیہ شرح مواقف پر حاشیہ ان کی تصنیف ہے۔

۹۹۔ محمد امین کشمیری کشمیر کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ قاضی ابوالکلام کشمیری اور ان کے والد جمال الدین کشمیری سے درسیات کی تکمیل کی اور پھر مسند درس پر بیٹھ گئے اور درس و الادب میں زندگی گزار دی درسیات پر حواشی لکھے۔ ۱۱۰۹ھ میں کشمیر پر زلزلات پائی۔

۱۰۰۔ محمد باقر بن محمد علی دہلوی۔ سنہ شعبہ تھے۔ دادا مدینہ منورہ سے ہجرا پر آئے اور ہمیں وہ بڑے تحصیل علم کے بعد حاشیہ کے حضور میں پہنچ گئے اور ایک بڑے منصب پر فائز ہوئے اور ایک مدت تک خدمات جلیلہ انجام دیتے رہے اور کمر سب چوز کر اور رنگ آباد میں گوشہ نشین ہو گئے۔ علم کلام میں شیخی اصول پنکناہ پر تحقیق الامام یارونستہ الانوار کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔ ۱۱۲۸ھ میں اورنگ آباد میں ولادت پائی۔

۱۰۱۔ محمد برکت بن عبدالرحمان الہ آبادی۔ بڑے پائے کے علما میں شمار ہے۔ کمال الدین فچھوری

سے درسیات کی تکمیل کی فنون حکمیہ میں اپنے زمانے میں پکا کچھ پہنچے تھے خصوصاً ریاضی میں۔
دوسرے علاوہ طلبہ میں ساری زندگی گزار دی اور بڑے بڑے علما ان کے فنی دوس سے نکلے۔ دہائی
کی شرح نظام اللہ پر حاشیہ لکھا۔ میرزا پور سالہ اور میرزا ہادی مورعہ پر بھی حواشی ہیں۔

۱۰۲۔ قاضی محمد چلہ جو پوری۔ اپنے عہد کے اکابر علما میں سے تھے۔ جو پور مولد و مضافہ۔ چلہ
مضافی علما سے پڑھا اور دہلی جا کر کراچ محمد دہلوی متوفی ۱۱۵۵ھ سے تکمیل کی مقول و مقول میں
معاصرین میں بڑے پائے کے علما میں تھے، علما بحث و مناظرہ میں انہیں ہی آگے رکھتے تھے
دہلوی شاہ (۱۱۳۵-۱۱۵۹ھ) نے انہیں مستعدیوں کے خطاب سے نوازا اور محمد شاہ (۱۱۳۱-۱۱۶۱) نے
جو پور کی قضا کا عہدہ عہدہ عہدہ کیا۔ چنانچہ جو پور اگر تاحیات اس عہدے پر فائز رہے۔ حجل مرکب
واسطی کی تکمیل میں ان کا سالہ ہے۔

۱۰۳۔ محمد حسن بن غلام مصطفیٰ انصاری سہالوی رامپوری۔ ذکاوت، حلقہ نکتہ رسی اور استحضار میں
اقتداری درجہ رکھتے تھے۔ لکھنؤ کا فرنگی محل مولد مضافہ تھا، کچھ درسیات اپنے ماموں کمال الدین جو پوری
سے اور زیادہ تر اپنے والد کے چچا نظام الدین سہالوی سے پڑھے اور تکمیل کی اور فرنگی محل میں دوس
شروع کر دیا جو بیس سال جاری رہا۔ شیخ سنی تھے میں لکھنؤ چھوڑنا پڑا شریعہاں پور گئے اور وہاں سے
نواب خاں علی بن نجیب الدولہ متوفی ۱۲۰۰ھ کے پاس پہنچ گئے اور ان کے مدرسے میں درسی
خدمات انجام دینے لگے۔ نواب خاں علی کی حکومت کے زوال کے بعد مستقل طور پر رامپور میں
سکونت اختیار کر لی۔ نواب فیض اللہ علی (۱۱۸۸-۱۲۰۸) نے بڑی قدر منزلت سے اپنے مدرسے
(بعد کا مدرسہ عالیہ) کی مدرسہ کی خدمات سپرد کر دیں، ان کی تصنیفات میں سلم العلوم کی شرح خاص طور پر
مشہور ہے اور درسی کتب میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ قاضی محب اللہ کی مسلم اثبوت کی سہادی
الاحکام تک شرح لکھی ماصدرا کی ہدایہ الفکر پر، شمس باریہ پر اور زواہد ثلاثہ پر حواشی لکھے۔ معارج
العلوم کے نام سے منطق میں رسالہ لکھا، اور طبعیات کے بحث، مائیم الاحکام پر غایۃ العلوم کے
نام سے رسالہ لکھا۔ ۱۱۹۹ھ میں وفات پائی اور رامپور میں محلہ مدرسہ میں مدفون ہوئے۔ ان کی
رامپوری بیوی کے بطن سے ان کے اطفال رامپور میں موجود ہیں لیکن ان کا علم سے کوئی تعلق نہیں

۱۰۴۔ محمد حسین بن طویل اللہ پوری۔ پوری کے اکابر علما میں سے تھے۔ وہیں پیدا ہوئے۔ شیخ
محمد زبیدی پوری متوفی ۱۰۸۸ھ سے تحصیل علم کی۔ مگر گئے تو عائشہ نے پور میں محمود گداں

شمیہ ۸۸۶ھ کے مدرسے میں محدثین سید کردی، چنانچہ سیدی عرفان دوس دیا۔ علوم قطبیہ سے متعلق ان کی تصنیفات سے قطب المشرق اور شرح مواقف، شرح معاصر، دہلوی کی شرح معاصر، حنفیہ اور نقد توفانی کی شرح معاصر نسفی کے فہیات ہیں۔ وحدہ الوجود پر بھی ایک رسالہ ہے۔ ۸۸۸ھ میں مدرسے کی مسجد میں تراویح پڑھ رہے تھے کہ بجلی گرنے سے انتقال ہوا۔

۱۰۵۔ قاضی محمد زاہد بن قاضی محمد اسلم ہراتی معروف بہ میر لہد۔ ہندستان کے مفہم فسطا میں اور ذکاوت و فطانت میں یکنائے روزگار تھے۔ ہندستان مولد و عطا تھا۔ اپنے والد قاضی محمد اسلم متوفی ۱۰۶۱ھ اور مرزا محمد نائل بدھشتی متوفی ۱۰۵۰ھ سے تحصیل علوم کی تیرہ سال تک عمر تھی کہ مدرسے و افتاء کی اہلیت پیدا کر لی۔ زود فہمی، قوت حلقہ اور سرعت اور اک میں ان کی نظیر نہ تھی۔ منطق و فلسفہ ان کے خصوصی مضمون تھے جن میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ پنجاب نے انہیں کابل کی سوانح نگاری کا عہدہ دیا اور ایک زمانے تک سوانح نگاری کی خدمت انجام دیتے رہے۔ عالمگیر نے اپنے لشکر کا محاسب مقرر کر دیا اور یہ اکبر آباد آگئے اور اپنے مدرسے کے فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ درس کا سلسلہ بھی جاری کر دیا، کچھ زمانے کے بعد سبکدوش ہو گئے اور کابل کی صدارت کے لیے مامور کر دیئے گئے۔ اور کابل آگئے۔ جہاں بھی صدارت کی ذمہ داریوں کے ساتھ درس و تلامذہ چل رہی رہا۔ تصنیفات میں قطب الدین رازی کے رسالہ قطبیہ، دہلوی کی شرح چندیب اور میر سید شریف کی شرح مواقف پر حاشی ہیں۔ جنہیں ہمارے اساتذہ زائد علیہ کہتے تھے اور لساب درس میں شامل تھے۔ شرح تجرید اور شیخ شہاب الدین مقبول ۵۸۷ھ کی میناک النور کی دہلوی کی شرح پر بھی حاشی ہیں۔ ۱۱۰۱ھ میں کابل میں ولادت ہوئی۔

۱۰۶۔ محمد شاہر بن مسعود اللہ عمری لکھنوی۔ مفہم علما میں سے تھے اپنے والد قاضی مسعود اللہ متوفی ۱۱۱۳ھ اور دادا عبداللہ متوفی ۱۰۷۳ھ اور مفتی وحید الدین گوباسوی اور پیر محمد لکھنوی سے تحصیل علوم کی اور انیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے اور درس و تلامذہ کے لیے بیٹھ گئے۔ منطق میں چندیب المشرق کی شرح لکھی۔ ۱۱۳۳ھ میں ولادت پائی۔

۱۰۷۔ محمد شجاع بن معز الدین چنگی۔ محمد برکت اللہ الہ آبادی اور قاضی محمد جہاد جو پوری کے فاضل تھے۔ علم کلام میں ان کا ایک رسالہ ہے جو ۱۱۸۱ھ کا خط مصحف مکتوب ہے۔

۱۰۸۔ محمد صالح بنگالی بیخدا و اصول اور منطق و حکمت اور کلام میں دایاں تحقیث رکھتے تھے، درسیات

قاضی شہاب الدین گوباسوی متوفی چھٹے اہد ۱۱۲۰ھ سے پڑھیں اور پھر دہلی کی شاگردی اختیار کر لی اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے اور پھر درس والادہ میں زندگی گزار دی۔

۱۰۹۔ محمد صالح خیر آبادی - خیر آباد مولد تھا۔ اپنے زمانے کے اکابر علماء میں شمار تھا۔ قاضی عبدالرحیم مراد آبادی سے تکمیل کی اور درس والادہ میں مشغول ہو گئے۔ ان کی تصنیفات میں جہتنب الکلام کی شرح ہے۔ ۱۱۳۷ھ میں دہلی میں ولادت پائی اور اپنے وطن خیر آبادی میں دفن ہوئے۔

۱۱۰۔ محمد طاہر بن محمد بنی عباسی الہ آبادی - ملقب جلال اللہ آبادی سے تکمیل درسیات کی اور پھر درس والادہ میں مصروف ہو گئے۔ مظل و استحضار اور نہایت میں مجاہد روزگار تھے۔ تصنیفات میں بیضاوی پر حواشی ہیں۔ ابن عربی کی فصوص کی شرح اور متعدد کتابیں ہیں۔ ۱۱۳۳ھ میں متوفی ہوئے۔

سال کی عمر میں ولادت پائی۔

۱۱۱۔ محمد عظیم بن کلام اللہ لاروی گوباسوی، ملانوی۔ منطق و حکمت میں نمایاں درجہ تھا۔ گوباسوی مولد و ملکا تھا۔ منطق و فلسفہ میں قطب الدین گوباسوی متوفی ۱۱۶۰ھ اور محمد عرض خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ درس والادہ مشغول تھا۔ اپنے پیچھے بہت سی تصانیف چھوڑیں جن میں سے سلم العلوم کی شرح، ملاصدرا کی شرح ہدایۃ الفکر، حواشی اور زوائد ثلاثہ پر حواشی ہیں۔

۱۱۲۔ محمد علی جوہروری ذاکر مولد و ملکا تھا، اچھائی تعلیم وہیں کے اساتذہ سے حاصل کی پھر دہلی میں وہاں کے اساتذہ سے تکمیل کی اور درس والادہ میں مشغول ہو گئے۔ منطق میں کئی کتابیں لکھیں جن میں مشہور ترین سلم العلوم کی شرح معراج المہیوم ہے۔

۱۱۳۔ محمد عرض خیر آبادی منطق و حکمت کے نمایاں علماء میں تھے۔ خیر آبادی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ گوباسوی وہاں کے اساتذہ سے درسیات کی تکمیل کی اور وہیں سکونت اختیار کر کے درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ متعدد درسی کتابوں پر حواشی لکھے ہیں۔

۱۱۴۔ محمد قاسم بن شاہ اسماعیل آبادی۔ منطق و فلسفہ کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ قطب الدین رازی کی شرح تفسیر کے مخطوطات کی تشریح پر رسالہ ہے۔ اس رسالہ کے حاتمہ میں مصنف نے اپنی دوسری تصنیفات کو بیان کیا ہے جن میں جہتنب کے مخطوط کی شرح ہے۔ قضایا منطقیہ کے مابین فہم ہیں۔ شرح چغنی پر حواشی ہیں میرزا ملاجلال اور میرزا امیر عامہ پر، دوانی کی شرح عقائد پر اور مسداشہ کی شرح سلم پر حواشی ہیں۔

محمد اعظم کے قتل کے بعد شاہ عالم (۱۱۸۸-۱۱۹۳) کے مقربین میں شامل ہو گئے اس نے علوی خاں کا خطاب دیا اور مصاحب بنالیا برادر اعظمی مراتب پر لاکو ہوئے سب پر محمد شاہ کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ اس نے معتد الملک کا خطاب اور عین ہزاری کا منصب دیا۔ ان کی طب، ہیئت، ہندسہ میں کثیر تصانیف ہیں، حکمت میں ہبزی کی شرح ہدایہ الکلمہ پر حاشیہ ہے۔ ۱۱۶۰ھ میں دہلی میں وفات پائی۔

۱۲۱ - محمد رامپوری - محمد برکت اللہ بادی کے شاگرد تھے، علوم حکمیہ میں بہت نمایاں شخصیت تھی رامپور میں نواب فیض اللہ خاں کے عہد میں ان کے درس کی شہرت تھی۔ ایک مدت تک فرخ آباد میں رہے تھے، پھر رام پور آ گئے۔ اور عین انتقال ہوا۔

۱۲۲ - قاضی سہری ترمذی سہاوی - قصبہ سہانی مولد و مطلق تھا۔ مختلف شہروں میں تحصیل علم کی۔ آخر میں قصبہ الدین قس آبادی کے پاس آ گئے اور ان کی خدمت میں تکمیل کی۔ اور فرخ آباد میں قاضی مقرر ہو گئے۔ سلم العلوم کی شرح اور رمیسر زاد رسالہ پر حواشی لکھے۔

۱۲۳ - نظام الدین بن قصب الدین سہاوی - علمائے ہند کے تمام سلسلے علوم عقلیہ میں ان پر متقی ہوتے ہیں۔ علماء میں یگانہ روزگار تھے۔ منطق و حکمت اور اصول و کام میں اپنے عہد میں فرو تھے سہانی میں پیدا ہوئے۔ قاصب الدین سہانی کے قتل اور کربلا لٹ جانے کے بعد حاکمیر نے لکھنؤ کا فرنگی محل ان کو اور ان کے عہد ان کو محلہ کت کیا تو لکھنؤ کے فرنگی محل میں آباد ہو گئے۔ اکثر درسیات ماضی لکھی جاسکی سے پڑے۔ پھر ہندس جاکر ایمان اللہ بخاری کے شاگرد ہوئے پچیس سال کی عمر میں لایعہ تحصیل ہو گئے اور دس شروح کر دیا۔ اطراف الکاف سے طلبہ کا جہوم ہو گیا۔ ان کا درس پورے ملک میں مقبول ہو گیا اور دس لکھائی کے نام سے شہرت پائی۔ کثیر تصانیف لکھی یادگار ہیں۔ ان کے نمونہ مسلم اجوت کی دو شریں طول اور طویل ہیں، مفرد الاصول کی شرح، صدر کی شرح ہدایہ الکلمہ پر حاشیہ، قس بارز پر حاشیہ، دوائی کی شرح عقائد مضد پر حاشیہ دوائی کے حاشیہ قدسہ پر حاشیہ وغیرہ شروح و حواشی ہیں۔ ۱۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

۱۲۵ - نعمت اللہ بن محمد زہاد بنگرانی - بنگرام مولد مطلق ہے۔ کچھ درسیات اپنے چچا عہد الہدیٰ مستوفی ۱۱۳۳ھ سے پڑے۔ پھر سہانی جاکر قصبہ الدین سہاوی کے شاگرد ہوئے اور ان سے تکمیل کی اور اپنے بہترین درس و مذاقہ میں مشغول ہو گئے علوم حکمیہ میں مہارت میں بے نظیر تھے۔ ۱۱۴۴ھ میں وفات پائی۔

۱۲۶۔ نور الدین محمد بن علی احمد آبادی۔ ہندوستان کے مشہور اسکالر ہیں۔ درسیات مولانا احمد بن سلیمان گجراتی اور فرید الدین احمد آبادی متوفی ۱۰۹۰ھ سے بڑے۔ اپنے زمانے کے ممتاز علماء میں تھے۔ شیخ الاسلام عاں اکرم الدین گجراتی ان کے شاگرد نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے سے ان کے لیے مدرسہ بدلت بخش تعمیر کیا اور طلبہ و فیرہ کے مصارف کے لیے مزید وقف قائم کیا۔ انکے مصنفات میں تفسیر بیضاوی پر حاشیہ ہے، قدیمہ پر الحاشیہ القومہ کے نام سے حاشیہ ہے۔ شرح مواظف حاشیہ ہندیب المنطق کی شرح ہے۔ ان کی تصنیفات کی تعداد کم و بیش لڑھ سو تک پہنچی ہے۔ ۱۱۵۵ھ میں انتقال ہوا۔ اپنے مدرسے کے محصل دفن ہوئے۔

۱۲۷۔ نور اللہ معروف بہ نور بالملک۔ اپنے زمانے کے اکابر علماء میں سے تھے۔ کچھ کتابیں مہاراستہ کشمیری سے بڑھیں پھر دہلی جا کر حسام الدین محمد، قاضی مسعود عاں (الانہا قاضی محمداہ) اور قاضی مہارک کی خدمت میں رہ کر مکمل کی، خیالی پر حاشیہ لکھا اور دوسری تصنیفیں کیں ۱۱۵۵ھ میں انتقال ہوا۔

۱۲۸۔ امام قطب الدین احمد شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم عمری دہلوی۔ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت تھے نہ صرف اپنے ہم معرود کے لیے بلکہ مسعود میں اور متاخرین سب کے لیے۔ ۱۳ شوال ۱۱۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ظاہری و باطنی علوم و معارف کی آغوش میں تربیت پائی۔ ۲۵ سال کی عمر میں تفسیر، حدیث، کلام، فقہ، صرف و نحو، معانی و بیان اور منطق و حکمت و فیرہ کی درسیات سے فارغ ہوئے اور سب میں مجتہدانہ بصیرت حاصل کی۔ ۱۱۴۳ھ میں عربین کی زہدیت کے لیے روانہ ہوئے۔ مکے اور مدینے کے اکابر محدثین سے کتب حدیث کی سماعت و قرأت کی اور اہل علم حاصل کر کے ۱۱۴۵ھ میں ہندوستان لوٹے اور ساری زندگی خدمت حدیث اور تدریس تصنیف میں بسر کردی۔ اللہ نے ان کے سلسلہ سند کو بے برکت اور وسعت دی کہ برصغیر ہندوستان و پاکستان کا واحد سلسلہ ہو گیا۔ عہد کی آخری تاریخ ۱۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف کا تنوع، تنکثر، تہجد اور الامت ان کی معرفت اور بصیرت کی دلیل ہیں۔ کلام و عقائد میں حسن العقیدہ اور بدور ہزارہ کہیں۔

۱۲۹۔ دیاج الدین بن قطب الدین لاروقی گوجرانوی۔ گوجرانو میں پیدا ہوئے اور وہیں لفظ خدا ہوا۔ اپنے والد سے کتب درسیہ کی تکمیل کا پیر تدریس میں مشغول ہو گئے۔ منطق و فلسفہ میں اپنے معاصرین میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

تیسری صدی بھی بارہویں صدی کا ہی تسلسل ہے۔ فقہ تحقیق الافاضالت لکھ کے لکھ سے ملتی
سعد اللہ رامپوری مولانا فضل افغانی بھیر آبادی مولانا نور الاسلام رامپوری وغیرہ کا صدی کے نمایاں بزرگ ہیں۔

۱۳۰۔ ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بکرجی - اپنے مجدد کے بڑے علما میں شمار تھا۔ ابتدائی کتابیں اپنے
والد اور دیگر علمائے پڑھیں پھر رامپور آکر مولانا نور الاسلام، مفتی شرف الدین اور حیدر علی ٹوٹکی کی
شاگردی اختیار کی۔ دہلی میں مفتی صدر الدین دہلوی متوفی ۱۲۸۵ھ سے پڑھا اور وطن آکر درس والاہ
میں معروف ہو گئے۔ اور اٹھارہ سال مدرسہ خالیہ میں درس دیا قطبی پران کے حواشی ہیں۔ ۱۲۸۶ھ میں انکا انتقال ہوا۔

۱۳۱۔ مفتی ابراہیم بن عمر بخاری - علوم حکمیہ کے نانی فاضل ہیں تھے۔ بخاریس میں لکھا ہوا ہے، اپنے
والد عمر بن موث بخاری متوفی ۱۲۲۵ھ اور محمد لائق شاگرد بحر العلوم فرنگی علی سے تحصیل کی پھر
درس والاہ میں مشغول ہو گئے۔ شاہان اودھ سے قریب پیدا کیا اور مفتی مقرر ہو گئے۔ یو علی سہاکی
اشارات پران کے حواشی ہیں۔ ۱۲۵۳ھ میں لکھنؤ میں ولادت پائی۔

۱۳۲۔ ابوالحسن بن قاضی شاکر منطقی عظیم آبادی بنانی علما میں شمار ہوتے تھے۔ منطق میں امام کا
درجہ رکھتے تھے۔ اپنے مجدد میں انہیں کو علی ریاست حاصل تھی۔ ایک سو تیس سال سے زیادہ عمر پائی اور
درس والاہ میں عمر گزاری۔ ۱۲۹۳ھ میں انتقال ہوا۔

۱۳۳۔ احمد بن محمد سعید رامپوری فقہ و اصول کے مشہور ہیں تھے، درس و تدریس عمر بھر کا پیشہ تھا
مجلد دیگر تصانیف میں تھکڑائی کی جہتہب المنطق کی شہرت رامپور میں ولادت پائی۔

۱۳۴۔ احمد علی بن غلام حسین عباسی چڑیا کوٹی - فقہ و اصول کے نانی علما میں تھے۔ اپنے وطن میں
غلام علی متوفی ۱۲۸۳ھ سے پڑھا رامپور آکر قاری نسیم رامپوری متوفی ۱۲۱۴ھ سے قرأت سیکھی۔ ریاضی
میں غلام جیلانی رفعت رامپوری شاگرد بحر العلوم متوفی ۱۲۳۴ھ و میرہ کے شاگرد ہیں۔ قال اقول شرح
ایضاً خوبی کا حاشیہ لکھا۔ سلم العلوم کی شرح بھی کی تھی لیکن پوری نہیں ہوئی۔ ۱۲۶۲ھ میں انتقال ہوا۔

۱۳۵۔ احمد الدین بن نور حیات گجروی - حدیث و فقہ کے نانی علما میں تھے، کتب و نسخہ اپنے بھائی محی
الدین اور دوسرے علما سے پڑھیں، شاہ اسحاق صاحب دہلوی متوفی ۱۲۶۲ھ سے حدیث میں مدلی
پھر پنجاب میں درس والاہ میں عمر گزاری۔ ۱۲۸۶ھ میں انتقال ہوا۔ مصنفات میں خیالی بیکری حاشیہ تھا۔

۱۳۶ - احمدی بن وحید الحق پھولپوری - پھولپوری مولود و مطا تھا - اپنے والد وحید الحق متوفی ۱۲۰۰ یا ۱۲۰۱ھ سے فنون درسیہ کی تکمیل کی اور مسعودیہ میں پڑھ گئے - پورب کی ریاست ملی کی تاجداری ان کے ہمد میں انکے ہی پاس تھی - ان کے مصنوعات میں سیر زاہد جلال اور سیر زاہد امور عامہ پر ، شمس بلاض پر ، ماصدرا کی شرح ہدایہ القلم پر حاشیہ بنی شتاہ بالکثر پر ایک رسالہ ہے ۱۲۵۲ھ میں وفات پائی -

۱۳۷ - انہار الحق بن احمد عبدالحق الصادری لکھنوی - فنون حکمیہ نے نامی علما میں تھے - بحر العلوم کے شاہجاں پور جانے کے بعد احمد حسین فرنگی علی اور ملاحسن کی شاگردی اختیار کی پھر شاہجاں پور جاکر بحر العلوم سے تکمیل کی اور حافظ الملک حافظ رحمت علی الشہید ۱۱۸۸ھ کے مدرسے میں مدرسہ کی خدمات انجام دیں ان کی شہادت کے بعد لکھنؤ گئے اور درس شروع کر دیا - بحر العلوم ہمد گئے تو رائے بریلی میں شیخ عدل متوفی ۱۱۹۲ھ کی مخالفا میں شیخ عدل کے اصحاب کے پاس تھے - بحر العلوم کے داماد تھے چنانچہ وہ ہمارے گئے - اور صدر الدین بہاری کے مدرسے میں درس دیتے گئے - بحر العلوم کے مدراس جانے کے بعد یہ لکھنؤ گئے اور ستر سال کی عمر میں انتقال ہوا -

۱۳۸ - اسد اللہ بھابی - بھاب کے مشہور علما میں تھے - مولانا برکت اللہ الہ آبادی کے شاگرد تھے بھاب میں ہی ان کا درس تھا ، نملہ دیگر تصانیف کے حوالہ کی شرح سلم پر حاشیہ ہے اور علم واجب پر مستقل رسالہ ہے -

۱۳۹ - شاہ اسماعیل بن شاہ عبدالحق دہلوی - ذکاہ فطانت ، فہامت میں یگانہ روزگار تھے ، شیخ عبدالحق اور بن شاہ ولی اللہ متوفی ۱۲۳۰ھ کی آغوش تربیت میں بڑے بچے اور ان سے اور اپنے چچا شیخ رفیع الدین دہلوی اور شیخ عبدالعزیز سے تحصیل علم کی اور سید احمد شہید ۱۲۴۶ھ کی صحبت اختیار کی اور ان کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے اور پاکستان کے بلاکوٹ میں ۱۲۴۶ھ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے - نملہ دیگر تصانیف کے امکان ظہور و معتدع ظہیر پر رسالہ ہے - ایک رسالہ منطق میں لکھا جس میں ثابت کیا ہے کہ شکل رابع اعلیٰ پر ہیپات میں سے ہے اور شکل اولیٰ سب شکلوں میں اعلیٰ ہے

۱۴۰ - مفتی اسماعیل بن مفتی وجیہ الدین مراد آبادی معروف بہ لدنی - فنون حکمیہ کے مشہور فضلاء میں سے تھے - مملہ لکھنؤ سے علوم کی تکمیل کی ، لکھنؤ کے عدل و قضا کے ایک زمانے تک حاکم سپہ پیر نصیر الدین حیدر شاہ اودھ (۱۲۴۳ - ۱۲۵۳ھ) نے بعض سلفی خدمات کے لیے

انگلستان کے ایک سرکاری مس اف سے نکاح کر لیا اور ایک زمانے کے بعد وطن کو واپس ہوئے لوگوں نے اعتدال عقیدہ کا بھی اصرار کیا ہے۔ تصانیف میں شرح جہنم اور ہندی پر حواشی ہیں۔
تبع اللغات کی تصنیف میں بھی ان کا خاص حصہ رہا ہے۔

۱۳۱۔ امام داد طالب معروف بہ حافظ شہزادی راجپوری۔ راجپور کے بعض نکاحات کے قول کے مطابق یہ ملاحسن کے باندی کے بطن سے چنے تھے بچپن میں چنگ سے آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ ملاحسن کے ہنر مند نامور شاگردوں میں سے تھے نابینائی کی حالت میں تکمیل فنون کی۔ اور درس دینا شروع کر دیا۔ بعد کے اکابر کے اساتذہ۔ علم و ذکا میں اپنے عہد کے مشہور علما میں تھے، شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی اور طالب محض کرتے تھے، منطق و حکمت ان کا خصوصی مضمون تھا۔ ۱۲۷۵ھ میں راجپور میں ولادت پائی۔

۱۳۲۔ امام الدین بن شیخ الاسلام کاندھلوی۔ اپنے زمانے کے یگانہ ادیب میں تھے۔ کاندھلہ مولد مظاہر تھا، اپنے بھائی مفتی الہی بخش متوفی ۱۲۴۵ھ سے تحصیل کی اور دہلی جا کر شاہ عبدالعزیز سے سدا حدت حاصل کی۔ علوم حکمیہ میں نادرہ روزگار تھے متعدد کتب حکمت پر حواشی لکھے۔ جوانی میں ولادت پائی

۱۳۳۔ امیر حسن بن لیاقت علی ہسوانی۔ فضل و کمال میں مشاہیر علما میں عہد تھا۔ کچھ کتابیں عبداللطیف کوٹلی متوفی ۱۲۷۳ھ سے اور کچھ قاضی طہیر الدین قنوی سے پڑھیں، تکمیل مفتی سدا اللہ راجپوری، شیخ تراق علی لکھنوی اور سراج احمد شہبلی سے کی۔ حدیث سید نذیر حسین دہلوی المتوفی ۱۳۲۰ھ سے حاصل کی کچھ زمانے اپنے وطن میں درس دیا پھر مراد آباد کے مدرسہ امدادیہ میں پڑھانے لگے۔ خیر مسمولی حافظ تھا ہنر مند و فاضل تھے۔ ۱۲۹۱ھ میں علیگڑھ میں ولادت پائی۔ منہلہ دیگر

تصانیف شیخ کی خلا کے طبعیات پر حواشی ہیں۔

۱۳۴۔ امین اللہ بن سلیم اللہ الممدی عظیم آبادی۔ پورب کے مشاہیر میں تھے، منطق و حکمت میں یدِ طریق حاصل تھا۔ نگر جسہ میں پیدا ہوئے۔ اجمراتی درسیات اپنے والد سلیم اللہ متوفی ۱۱۹۱ھ سے پڑھیں پھر الہ آباد جا کر محمد قائم الدین آبادی سے منطق و فلسفہ کی تحصیل کی۔ دہلی میں شاہ ولی اللہ اور

شاہ عبدالعزیز سے حدیث کی مدنی اور پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں مدرسہ کی خدمات انجام دیں۔ میرزا نادر رسالہ، میرزا نادر امور عامہ اور مسلم الثبوت پر ان کے حواشی ہیں۔ ۱۲۳۳ھ میں کلکتہ میں وفات پائی۔ ۱۳۵ھ - امین اللہ بن محمد اکبر السعدی لکھنؤی - لکھنؤ مولود تھا۔ درسیات اپنے چچا مفتی محمد اصغر متونی ۱۲۵۵ھ اور اپنے ناما مفتی محمود راہ سے پڑے۔ نجلہ دیگر تصانیف لکھنؤی کی جتناب المطلق کے ضابطہ کا حاشیہ ہے۔ ۱۳۵۳ھ میں انتقال ہوا۔

۱۳۶ھ - اولاد حسین شکوہ آبادی - شیخ عالم تھے، علوم حکمیہ میں نمایاں حیثیت تھی۔ سید حسین بن سید دلدار علی متونی ۱۲۷۳ھ کے شاگرد تھے اور ان کی صحبت سے ایک زمانے تک فائدہ اٹھایا تھا، چنانچہ فقہ، اصول وغیرہ فنون میں اپنے رفقا سے بڑھ گئے۔ امور عامہ، اعراس ذمہ اور ان کی تعریفات میں النور المربیہ، لکھی۔ ۱۲۶۲ھ میں انتقال ہوا۔

۱۳۷ھ - اولاد احمد بن آل احمد سہیلی - مظاہر علماء میں شمار تھا، سہوان مولود تھا، رامپور میں مفتی شرف الدین کی شاگردی اختیار کی پھر لکھنؤ میں شیخ حرب علی اور اسماعیل لدھی سے تکمیل کی اور ہمیں قرآن مجید حلقہ کیا اور درس والدہ میں معروف ہو گئے، ان کی تصنیفات میں ضابطہ جتناب کی شرح ہے جو اپنے بھائی سراج احمد متونی ۱۲۷۹ھ کے لیے لکھی تھی پچاس سال کی عمر میں ۱۲۸۱ھ میں وفات پائی۔

۱۳۸ھ - باب اللہ جو پوری - محدثہ مدنی کے شاگرد تھے، ذہانت اور وقت لفظ محاصرین میں مسلم تھی - درس دھریس کا اچھا طلبہ تھا - مستقل تصانیف شرح یا حاشیے کی صورت میں تو نہیں چھوڑیں کچھ متفرق حواشی لکھے ہیں جو مولانا فضل مام شیر آبادی متونی ۱۲۳۳ھ کی نظر میں خوب ہیں - درس دھریس مشغلہ رہا۔

۱۳۹ھ - بہان الدین بن سر فرید علی اعظمی دیوی - مظاہر علماء میں شمار تھا، مفتی عبدالسلام دیوی کے اہل خانہ میں تھے، والدہ مولود تھا اپنے چچا ذوالفقار علی دیوی سے تحصیل دہام کی - پھر چچا کے ساتھ رائے بریلی شیخ محمد عدل سے بیعت کی اور درس والدہ کا سلسلہ شروع کر دیا - شرح جتناب مدنی کا حاشیہ ان کی تصنیفات میں سے ہے۔

۱۴۰ھ - بشیر احمد بن کاظم علی لکھنؤی - مطلق و فلسفہ کے نمایاں علماء ہیں تھے - تفسیر آباد مولود تھا تھا - اپنے وطن میں تحصیل علم کی پھر لکھنؤ چلا شیخ حرب علی وغیرہ علماء سے تکمیل کی اور درس دہا

خروج سے پہلے حافظ بہت قوی تھا ورنہ ہم تھے۔ ۱۲۸۶ء میں انتقال ہوا۔

۱۵۱۔ قاضی بشیر الدین بن کریم الدین عثمانی قنوی۔ اپنے زمانے کے سفیر میں شمار تھا۔ تفضل حسین رائے پری، اپنے والد، محمد حسن پری، مفتی شرف الدین لاہوری کے بھانجے محمد علی شیخ اللہ داد راہپوری وغیرہ سے تحصیل مقام کی۔ پھر ٹونک میں مدرسہ کی خدمات انجام دیں، مراد آباد، علی گڑھ اور کانپور میں بھی درس دیا۔ بھوپال میں قاضی سہبہ احمد کے صاحبزادے ان کے درس سے مستفید ہوئے۔ حوالہ کی شرح سلم پر، میرزا بدایوں عامہ پر ان کے حاشیے ہیں۔ مسلم الثبوت کی شرح کشف السیم ان کی مشہور تصنیف ہے۔ بھوپال میں ۱۲۹۶ء میں ولادت پائی۔

۱۵۲۔ مفتی تاج الدین بن غیاث الدین مدرسی مشہور فاضل تھے، شیخ تراب علی لکھنوی عباسی، شیخ حسن علی جوہری وغیرہ علماء سے تحصیل علم کی۔ پالم کوٹے میں مفتی سہبہ، پھر بس دوسرے فہروں میں مفتی مقرر ہوئے۔ قاضی مبارک کی شرح سلم پر حاشیہ ان کی تصنیفات میں سے ہے۔

۱۵۳۔ تراب علی بن شجاعت علی، امرہ ہوی لکھنوی۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کے نمایاں علماء میں تھے۔ لکھو مولد و مشافہ۔ مولانا محمود حسینی متوفی ۱۲۲۹ھ وغیرہ علماء سے اجماعی درسیات پڑھے اور مفتی اسماعیل لدنی اور مفتی ظہور اللہ سے تکمیل کی اور پھر درس و تدریس پر ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔ ان کے مصنفات میں قاضی کی شرح سلم پر تعلیق مرضی کے نام سے حاشیہ اور التعلیق الاحسن کے نام سے طاحسن کی شرح سلم پر حاشیہ، حمد اللہ کی شرح پر حاشیہ، طاصدرا کی شرح ہدایہ الکلمہ پر حاشیہ اور غلام مچی کے میرزا بدایوں سالے پر النفس الضعی لالائۃ الدینی کے نام سے حاشیہ اور اس کا مکملہ مکملہ العلنی للواء الہدی وغیرہ ہیں۔ ۱۲۸۱ء میں محمد آباد میں ولادت پائی۔

۱۵۴۔ تراب علی بن نصر اللہ عباسی خیر آبادی۔ خیر آباد مولد و مشافہ، شیخ احمد علی، غلام امام رضوی اور سید عبدالواحد خیر آبادی متوفی ۱۲۱۶ھ سے تحصیل کی۔ نکلنے میں ساداتی خدمات کی وجہ سے ایمان کا سرکاریا، پھر مدراس میں مدرسہ کی خدمات انجام دیں، وہاں سے راج و زیارات کے لیے حرمین کا سفر کیا تو نے میں سید ہوئے اور سرنگا چم میں ۱۲۳۱ھ میں ولادت پائی۔ منطق میں در مظلم کے نام سے کتاب لکھی۔ کتاب کی تصنیف پر مدراس کے حاکم نے سات ہزار روپے انعام میں دئے۔

۱۵۵۔ نواب تفضل حسین بن اسد اللہ لاہوری لکھنوی۔ فنون ریاضیہ میں اپنے عہد کے یگانہ روزگار تھے۔ سیالکوٹ مولد تھا، دہلی میں محمد وجیہ دہلوی، محمد علی بن خیر اللہ مہندس سے فنون حکمیہ و ریاضیہ کی تحصیل کی۔ لکھو میں طاحسن کی شاگردی اختیار کی اور وہیں درس شروع کیا۔ نواب شجاع الدولہ نے اپنے لڑکے سعادت علی خاں (۱۲۱۲ - ۱۲۲۸) کا تلمیذ مقرر کر دیا اور ان کے ساتھ

کہوتے رہے۔ بخاری میں ان سے علمی اختیار کر کے کھڑے میں گورنر جنرل کی مصاحبت میں رہے اور وہیں انگریزی لاطینی سیکھی۔ آصف الاولہ (۱۱۸۸-۱۱۹۲) کی کھٹے میں سفارتی خدمات انجام دیں۔ پھر اس کے وزیر رہے۔ سعادت علی خاں نے ان کو کھٹو سے ہٹانے کے لیے کھڑے بھیج دیا اور سند سعادت نہیں بھیجی، وہیں بیمار ہو گئے اور نزاری باغ تک پہنچتے پہنچتے ۱۲۱۵ھ میں انتقال ہو گیا۔ کثرت درس اور وفور علم میں نادورہ روزگار تھے۔ ساتھ ساتھ مہمات حکومت کی ادائی اور تصنیف و تہذیب مستزاد۔ کتب درسیہ پر حلیے لکھے جو فنون حکمیہ میں ان کے بحر کی دلیل ہیں۔

۱۵۶۔ حکیم، علما، اللہ بن فیض اللہ مہدائی۔ علوم حکمیہ کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے اور درس و تدریس مشغلہ تمام مدت تک علیگزہ رہے پھر فرخ آباد آ گئے۔ ۱۲۰۱ھ میں فرخ آباد میں ولادت پائی۔ ۱۵۷۔ جان علی عظیم آبادی۔ اپنے وطن کے مشاہیر علما میں تھے۔ منطق و حکمت میں یدِ طولی تھا۔ ساری زندگی درس و ولادہ میں گزار دی۔ ۱۲۷۶ھ میں گیا میں انتقال ہوا۔

۱۵۸۔ جلال الدین بن کمال الدین نابیا۔ بچپن میں آنکھیں جاتی رہی تھیں، اسی حال میں علما، رامپور سے درسیات کی تکمیل، تمام مصادر فنون میں کامل تھے۔ خصوصاً علوم حکمیہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ درس و ولادہ ان کی زندگی تھی۔ ۱۲۴۰ھ تک حیات تھے۔

۱۵۹۔ جمال الدین لکڑوی عظیم آبادی۔ منطق و حکمت میں نمایاں درجہ تھا اپنے وطن میں اجماعتی درسیات پڑھے پھر الہ آباد میں مولانا برکت الہ آبادی سے تکمیل کی اور بہت مدت تک ان کی خدمت میں رہے۔ وہاں سے وطن آکر مدریس میں مشغول ہو گئے۔ ہنالت کالج، پاکپڑ اور دین دار تھے۔ ۱۲۰۱ھ تک حیات تھے۔

۱۶۰۔ جواد سابط لطفی بن ابراہیم سابط، سابطی۔ مشہور لوگوں میں شمار تھا، عرب سے آئے اور ہندوستان جا جا سیاحت کرتے پھرے اور ہر جگہ نیا مذہب بناتے۔ بخاری میں سنی، ذہاکہ میں شیعہ، کھڑے میں مرید اس کے بعد پھر مسلمان ہو گئے۔ گویا مسکرمگی پیٹھ بنالیا تھا، ان کی تعصبات میں مقدمۃ العلوم کے نام سے منطق کی بھی کتاب ہے۔

۱۶۱۔ حامد بن عصمت اللہ لاہوری۔ منطق و حکمت میں نمایاں حیثیت تھی، ہر کام میں پیدا ہوئے اپنے والد اور غلام بنی ہر گامی، فضل امام خیر آبادی اور ولی اللہ کھٹو سے تحصیل کی پھر لاہور میں درس شروع کر دیا اور سیکڑوں طالبین نے ان سے استفادہ کیا۔ ۱۲۴۱ھ میں لاہور میں انتقال ہوا۔

۱۶۲۔ شاہجہاں پوری علوم حکمیہ میں اپنے ہمد کے مشہور فاضل تھے۔ بکرا العلوم جس زمانے میں شاہجہاں پور تھے وہیں ان سے تحصیل کی تھی۔

۱۶۳۔ مرزا حسن علی بن مرزا علی شفیق لکھنوی مخاطب بہ صیحا الدولہ بہادر۔ لکھنؤ مولد و مضاف تھا۔ اپنے ہمد کے علماء سے تحصیل کی، شاہی کترب نے دینی و دہانت میں اضافہ کیا، علوم حکمیہ میں ماسور لوگوں میں تھے، غلوکلات و مطبوعات کے جمع کرنے کا شوق تھا۔ لیکن چھپکی ولات کے بعد پورا ذخیرہ برباد ہو گیا۔ ۱۲۷۵ھ میں لکھنؤ میں ولات پائی۔

۱۶۴۔ حسن علی بن نوازش علی الصمدی مالیل جو پوری۔ جو پور کے مال فہمے میں پیدا ہوئے۔ مدرس محمد عمر ہندسی وغیرہ سے تحصیل کی۔ فنون ریاضیہ کے ماہرین میں گنے جاتے تھے۔ کچھ زمانے کلکتہ میں درس دیا پھر مدراس کے انگریزی مدرسے میں درس ہو گئے پھر افغان کی خدمت متعلق ہو گئی اور آخر تک اسی میں مصروف رہے۔ طبیعیات و الہیات میں مہرۃ الکھر کے نام سے کتاب لکھی۔

۱۲۵۸ھ میں انتقال ہوا۔

۱۶۵۔ حسین علی چھوری۔ اپنے ہمد کے مشاہیر میں تھے، شیخ سلامت اللہ بدایونی متوفی ۱۲۸۱ھ سے کاپور میں اور پھر رامپور میں مفتی سعد اللہ سے تحصیل علوم کی، صدرا کی شرح ہدایہ الکھر پر ان کا حاشیہ ہے۔ ۱۲۸۳ھ میں ولات پائی۔

۱۶۶۔ حسین علی احمدی بریلوی۔ سمان علی عاں متوفی ۱۲۶۳ھ کے چچا زادوں میں تھے۔ جو اخباری شیعوں کے مشہور منظم تھے۔ میرزا بدر سالہ پر ان کا حاشیہ ہے۔ ۱۲۴۰ھ کے کچھ سالوں کے بعد ولات پائی۔

۱۶۷۔ حنیف الدین دمٹوری۔ اچھائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی پھر دہلی میں شاہ محمد العزیز بن شاہ دلی اللہ دہلوی سے بڑھا، شیخ غلام علی دہلوی متوفی ۱۲۴۰ھ سے کسب فیض کیا اور لکھنؤ میں شیخ انوار الحق الصمدی متوفی ۱۲۳۶ھ اور ان کے صاحبزادے نور الحق متوفی ۱۲۳۸ھ کی خاکسروی اختیار کی پھر جہل پور میں صدر امین ہوئے پھر دہلی آ گئے اور جہاں درس شروع کیا بعد کو مدرسہ عالیہ کلکتہ میں کچھ دنوں درس رہے پھر بھاٹپور کے قاضی ہو گئے۔ اور ایک زمانے تک عظیم آباد میں رہے۔ ۱۲۷۹ھ میں انتقال ہوا سلم العلوم کی شرح منویر السلم اور عقائد لسانی کی شرح توحیح العقائد ان کی یادگار ہیں

۱۶۸۔ حمید علی بن محمد اللہ سعد علی۔ مشاہیر علماء میں سے تھے۔ سندیلہ مولد مضاف تھا۔ اپنے والد اور

قاضی احمد علی سوہیلوی متوفی ۱۳۳۱ھ اور باب اعظم جو پوری سے درسیات پڑھے اور درس اللہ کی مجلس سنبھالی۔ ۱۳۲۵ھ میں انتقال ہوا۔ مصنفات میں دارالکری شرح مسلم کا مکملہ اور ان کی شرح پر حاشیہ اور میرزا بدر سالہ اور میرزا ملا جلال پر حاشیہ ہیں۔

۱۶۹۔ حیدر بن حسین الصادری لکھنؤی۔ لکھو مولد تھا تھا۔ اپنے والد کا حسین الصادری لکھنؤی سے کسب علم کیا اور مسودہ دس پر بیچ دیے۔ نواب سعادت علی خاں (۱۳۲۹-۱۳۳۱) عین دسے روز بے مقرر کیا، نواب سعادت علی خاں کے بعد مذہبی حقائق کے سچے میں لکھو چھوڑ کر گئے۔ پھر کہ معتمد جاکر سیدوسف اہل بھٹی اور عمر بن عبدالرسل کی سے حدیث پڑھی۔ دسے منہ جاکر شیخ عبداللطیف جمیلی کی اور محمد حامد سوہیلی متوفی ۱۳۵۰ھ سے حدیث کی اجازت لی۔ اٹھائے سفر میں قرآن مجید یاد کر لیا تھا کہ معتمد جاکر مسجد حرام میں قراوح میں سنایا۔ داپسی میں ان کا جہاز غرق ہو گیا اور سب سامان اور کتابیں جو ساتھ لے رہے تھے غرق ہو گئیں۔ یہ سننے کے دوسرے جہاز سے بمبئی آئے اور وہیں خمس الامراء حیدر آبادی متوفی ۱۳۹۳ھ سے ملاقات ہو گئی وہ حیدر آباد لے آئے نظام حیدر آباد نے ہزار روپیہ مقرر کر دیا۔ ۱۳۵۶ھ میں حیدر آباد میں انتقال ہوا۔ مطلق میں ایک رسالہ اور متعدد کتابوں پر حاشیہ لکھے۔

۱۷۰۔ حیدر علی بن سعادت علی ٹونکی۔ دلی مولد و علا تھا تھاک سنی میں رامپور آگئے شیخ غلام جیلانی رامپوری متوفی ۱۳۳۳ھ اور عبدالرحمان کوستانی رامپوری سے اجمالی کتابیں پڑھیں، کچھ دنوں رسم علی جو پوری سے پڑھا اور لکھو جاکر طابین کے فائز ہوئے۔ پھر دلی میں شیخ رفیع الدین دہلوی اور ان کے بھائی شیخ عبدالعزیز دہلوی سے حدیث حاصل کی۔ حکیم خریف خاں دہلوی سے طب پڑھی، ہندت ذکی تھے کتاب سنت اور اختلاف فقہاء کے باہر اور علوم حکمیہ میں بے پایاں سمجھتے تھے، رامپور میں نکاح کیا اور وہاں رہ پڑے اور کچھ دنوں قیام کے بعد ٹونک آگئے نواب وزیر الدولہ (۱۳۵۰-۱۳۸۱) نے جہات ریاست ان کے سچو کر دیں اور درس و اللہ میں مشغول ہو گئے۔ ۱۳۶۳ھ میں ٹونک میں انتقال ہوا۔

۱۷۱۔ غلام احمد بن حیدر الصادری لکھنؤی۔ لکھو مولد و علا تھا اپنے چچا معین الدین متوفی ۱۳۵۰ھ سے تحصیل کی اور سند فراغ لی۔ ۱۳۶۱ھ میں انتقال ہوا، بہت سے رسائل و حاشیہ یادگار ہیں، مطلق میں غلام حسن کی شرح مسلم پر بھی حاشیہ ہے۔

۱۶۲۔ گاشی، علی بن محمد حران راہپوری۔ فقہ و اصول میں نمایاں تھے۔ راہپور مولد و مضاف تھا۔ اپنے باپ محمد حران راہپوری متوفی قبل ۱۲۱۳ھ متعلق شرف الدین راہپوری اور طاہر حسن فرنگی علی سے علوم معارف حاصل کیے۔ نوک میں مہد قضا سمجھلا، وہاں سے حج کے لیے گئے اور آکر ہادرہ رہا شروع کیا۔ ان کی تصنیفات میں مدار الاصول کی اشروح الہ آخر میرزا ہد رسالہ، میرزا ہد اسرار عامہ اور حاشیہ نظام نبی پر حواشی ہیں۔

۱۶۳۔ سید دلدار علی بن محمد مہین نصیر آبادی۔ فقی علیہ میں مکتے عالم ہیں جنہوں نے اجتہاد کا دعویٰ کیا اور مجدد و عیدین کی فہمائیں قائم کیں۔ الہ آباد جا کر اکثر درسی کتابیں شیخ ملاط حسین دکنی الہ آبادی سے اور سہیلہ میں حیدر علی بن محمد اصفہانی اور باب اللہ جوہوری سے پڑھیں۔ پھر عراق جا کر باقر محمد بہانی متوفی قریب ۱۲۰۸ھ و علی محمد طباطبائی متوفی ۱۲۰۱ھ سے اور حدیث کی کتابیں ہمدی بن ابی قاسم تہرستانی سے پڑھیں۔ ہمدی بن مرتضیٰ طباطبائی نجفی کے سطروں میں ساتھ رہے اور ان سے فیضیاب ہوئے پھر مشہد میں ہمدی بن ہدایت اللہ موسوی اصفہانی کے ساتھ رہے اور ان سے اہل اجتہاد حاصل کر کے وطن آکر کچھ دنوں نصیر آباد رہے پھر لکھنؤ گئے اور آخر تک وہیں عورت و احترام سے رہے۔ ۱۲۳۵ھ میں انتقال ہوا۔ ان کی کثیر چھوٹی بڑی تصانیف ہیں، ان میں کلام میں مواد الاسلام، پانچ جلدوں میں ہے۔ اصول فقہ میں مفتی الافکار، شیرازی کی شرح ہدایہ اھلقت پر اداصل عمر میں لکھا ہوا حاشیہ ہے۔

۱۶۴۔ حکیم ذکا طہ بن اسماعیل اکبر آبادی۔ علوم حکمیہ میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ اکبر آباد مولد و مضاف ہے۔ اساتذہ مصر سے علوم کی تحصیل کی دولت راؤ سدھا مہاراجہ گوالیار (۱۲۰۸-۱۲۳۳) سے تقرب ہوا، اس نے لہنا طیب خاص مظہر الایوب میں قریبا دین دکائی ان کی مشہور تصنیف ہے۔ اکبر آباد میں ۱۲۰۹ھ میں انتقال ہوا۔

۱۶۵۔ حکیم ذوالفقار علی بن عبدالغنی ذہاکوی، فنون حکمیہ میں اپنے ہمد کی نمایاں شخصیت تھی۔

۱۶۶۔ سید رحم علی بن سید اسماعیل راہپوری۔ اکثر کتابیں مولوی نور عالم راہپوری اور مولوی امام بخش راہپوری سے پڑھیں، معقولات کی تکمیل بحر العلم وغیرہ علماء سے کی، ہدایت مفتی اور مراتب بدرج تھے، درس و تلامذہ میں عمر گزار دی۔ طلبہ کو انفرادی طور سے پڑھاتے تھے۔ ۱۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ تصانیف میں حاشیہ بر میرزا ہد رسالہ اور اس حاشیہ پر حواشی مع تقاریر سبع ہیں، اسماعیل لدنی

سے مباحثہ ہے۔ رسالہ فی بیان بعض المغالطات الدائرة علی شکل الاول واجوبہا اور صدر اپر حاشیہ ہے۔

۱۷۷۔ رضی الدین بن فرحت اللہ اعظموی الہ آبادی۔ منطق و حکمت میں نمایاں لوگوں میں تھے۔ الہ آباد مولد غلط تھا۔ اپنے چچا مولانا برکت الہ آبادی سے تحصیل علم کی اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے اور الہ آباد میں ہی درس و الاداء کے لیے بیٹھ گئے۔

۱۷۸۔ رفیع الدین بن شیخ ولی اللہ دہلوی۔ مشہور محدث و متکلم ہیں۔ اپنے زمانے کے یگانہ علما میں تھے۔ دہلی مولد و غلط ہے۔ اپنے بھائی شاہ عبدالعزیز دہلوی سے تحصیل علم کی اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے۔ شاہ عبدالعزیز کی آنکھیں جاتی رہیں تو ان کی مجلس میں نیابت کی۔ ہر طرف سے طلبہ آنے لگے اور بعد از استعداد مستقید ہوئے۔ ان کی تصنیفات میں اسرار الحجبہ، رسالہ فی اثبات شق القمر، رسالہ فی برہان المتناہی، رسالہ فی المنطق، رسالہ فی الاموالعات اور میرزا ہد رسالہ پر حاشیہ ہے، ۱۲۳۳ھ میں ولادت پائی۔

۱۷۹۔ سعادت علی بن سعادت علی جوہوری۔ جوہور کے مشاہیر علما میں تھے، درسیات میں تحصرات مولانا قدرت علی رودلوی، احمد اللہ انامی اور احمد اللہ چنیا کوٹی سے پڑھیں اور مطولات شاہ اسماعیل دہلوی اور شیخ عبدالحق بذعانوی متوفی ۱۲۴۳ھ سے پڑھیں پھر مجلس درس میں بیٹھ گئے۔ اسلام کے نام سے منطق میں ایک رسالہ تصنیف کیا۔ ۱۲۷۴ھ کے بعد کہ معمر میں ولادت پائی۔

۱۸۰۔ سدید الدین بن رشید الدین دہلوی رامپوری۔ منطق و حکمت کے ماہرین میں شمار تھا، دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ کچھ درسیات اپنے والد رشید الدین متوفی ۱۲۴۳ھ سے اور زیادہ مولانا مخلوک علی نانوتوی سے پڑھے اور درس و الاداء میں مشغول ہو گئے۔ آخر میں نواب کلب علی خاں والی رامپور (۱۲۸۲-۱۱۳۰۴) نے بلا کر مفتی عدالت کر دیا اور رام پور رو پڑے۔

۱۸۱۔ سدید الدین بن طاہر شبجہاں پوری۔ علوم میں نمایاں درجہ تھا۔ شبجہاں پور مولد غلط تھا۔ شجاع الدولہ (۱۱۶۷-۱۱۸۸) نے بلا کر سعادت علی خاں (۱۲۱۳-۱۱۲۹) کی تعلیم پر مقرر کر دیا۔ ہجرت دہلی اور مدبر تھے۔

۱۸۲۔ سراج الدین مجنوری لکھنوی۔ منطق و حکمت کے نمایاں علما میں تھے، مولانا فضل حق شیرآبادی اور مرزا حسن علی متوفی ۱۲۵۵ھ وغیرہ علما سے درسیات پڑھیں اور ایک مدت تک لکھنوی میں

درس دیا۔ تصنیفات میں امکان لغیر اور اقل لغیر پر رسالہ ہے جس میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے رسالے اقل لغیر کی تردید کی ہے۔

۱۸۳۱ء - مفتی مسیح اللہ بن نظام الدین مراد آبادی رامپوری - جامعیت میں لکھ کر دوڑ گئے تھے۔ مغل رامپور میں وہاں کے علما سے تحفہ کادرس لیا۔ نجیب آباد جاکر عبدالرحمان کوسستانی سے پڑھا۔ دہلی جاکر مولانا شیر محمد قدح مدنی متوفی ۱۲۵۰ھ، محمد حیات لدھی سے، منطلق صدرا الدین متوفی ۱۲۸۵ھ سے لکھنؤ کے اساتذہ میں مولانا اشرف متوفی ۱۲۲۲ھ، مفتی اسماعیل، مرزا حسن علی متوفی ۱۲۵۵ھ اور مفتی لہور اللہ سے تکمیل درس کی اور مدرسہ سلطانپور میں اسٹوڈنٹ مقرر ہو گئے پھر ناظر تالیفات ہوئے اور انیس سال اسی خدمت پر رہے۔ اہد حیا کے قصبے میں لکھنؤ سے فرار ہو کر رامپور آئے اور رامپور میں مفتی عدالت مقرر ہوئے۔ اور آخر حیات تک فائز رہے۔ آخر کا واقعہ ہے کہ نواب کلب خاں نے بلا کر ایک مقدمے کے بارے میں مولانا کی عدالت میں تھا ایک فریق کے حق میں واقعہ پر روشنی ڈالی اور اس فریق کے حق میں فیصلہ دینے کا اشارہ کیا۔ مولانا نے کہا مقدمے کا مرافعہ تو آپ کے ہی پاس آئیگا۔ نواب صاحب نے چاہا کہ فیصلہ مفتی صاحب ہی کریں۔ کالی دوڑ گئی ہوئی حق کہ مولانا نے کہا کہ اہدیت دیکھئے کہ میں کھ دوں کہ سرکار کا اس میں یہ فیصلہ ہے۔ نواب صاحب مدافض ہو کر اٹھ گئے، مولانا چلے آئے اور دوسرے دن سے عدالت میں جانا چھوڑ دیا۔ مگر پرتو طلبہ کو درس دیتے ہی تھے اٹھائے درس میں لایا کا دورہ ہوا اور دو مہینہ دن میں ۱۲۹۳ھ میں ولایت پائی۔ میرے والد مرحوم حافظ عبدالغفار خاں متوفی ۱۹۴۲ء فرماتے تھے کہ دوسرے دن نواب صاحب تعزیت کے لیے آئے تو میرے سامنے انہوں نے کہا کہ مولانا بہت جلدیم سے رخصت ہو گئے میں تو انہیں معانے کے لیے آئے والا تھا، مولانا کی قریب قریب ہر فن میں کھائے ہیں۔ منجملہ ان کے قطعی کے حصے کی شرح ہے۔ جہتہ المنطق کے ضابطے کی شرح، حواظ کی شرح سلم پر حاشیہ، رسالہ فی تحقیق علم الواجب، وغیرہ ہیں۔

۱۸۳۲ء - مفتی سلطان حسن بن احمد حسن عثمانی بریلی - منطق و حکمت میں نمایاں شخصیت تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی اور دوسرے علما سے درسیات پڑھے، مغل مفتی اور پھر حقی کرتے کرتے گورکھ پور کے صدرا مین مقرر ہوئے۔ عدالتی اور افتائی معروضات کے ساتھ ساتھ مدرسے و تعلیم کا مشغلہ برابر جاری رہا تھا۔ تصنیفات میں فایز الطریق فی ضابطہ الجہتہ ہے جس میں مفتی

سردار رامپوری، عبدالکیم کھنوی فرنگی علی وغیرہ کی گرفت کی ہے۔ ان کے علاوہ اپنے استاد مولانا فضل حق خیر آبادی کے دلائل میں کچھ رسائل ہیں۔ ۱۳۹۸ھ میں انتقال ۱۸۶۱ھ۔

۱۸۵۰ھ - شرف الدین بن ہادی بھٹواری۔ اپنے ماموں محمد حسین بھٹواری متوفی ۱۳۷۸ھ سے تحصیل کی چناب منطق پر ان کی مفصل شرح ہے۔ ۱۳۸۹ھ میں انتقال ۱۸۶۱ھ۔

۱۸۶۱ھ - ملتی شرف الدین رامپوری۔ چناب کے رہنے والے تھے۔ رامپور میں طاهر دینی کے خصوصی شاگرد تھے۔ انہیں نے اپنی لڑکی سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ اکثر اساتذہ کا سلسلہ تلمذ ان تک پہنچتا ہے۔ مدرسہ والدہ میں ریاست حاصل تھی کتب درسیہ کے شروع و حواشی حلقہ تھے۔ تصانیف میں سراج المیزان منطق میں ہے۔ سلم کی لکھ و لا بصورت تک شرح کی ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے رسائل و فتاویٰ ہیں۔ ۱۳۶۴ھ میں ولادت پائی۔

۱۸۷۰ھ - حکیم شریف بن اکمل دہلوی۔ دہلی مولد تھا۔ اپنے کثرت دروس میں دہلی میں خاص فہرست رکھتے تھے، علوم حکمیہ اور طب کے مشہور فضلا میں شمار تھا، طبی شروع و حواشی کے علاوہ حوالہ کی شرح سلم پر بھی حافیہ ہے۔ ۱۳۲۲ھ میں ولادت پائی۔ دہلی کے شریف عالمی اطباء کے سلسلے کے مورث اعلیٰ بھی تھے۔

۱۸۸۰ھ - حکیم شمس الدین علی خاں حیدر آبادی۔ اصل ملک جہاں پور کے تھے وہی مولدو تھا۔ ہے۔ بحر العلوم سے درسیات ہند سے اور ان کی ہرابی میں چھوٹا کاسٹریکٹا اور ان کے ساتھ میں مدداس گئے اور وہیں حکیم احمد اللہ سے طب کی تحصیل کی اور ان کے پاس کچھ مدت گزار کے حیدر آباد چلے گئے۔ اور پھر دہلی متوفی ۱۳۶۱ھ کے پاس رہے پھر سکندر جاہ (۱۳۱۸-۱۳۴۲) کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے معتبر الملک کا خطاب دیکر ہزار روپیہ مقرر کر دیا۔ یہ علوم حکمیہ کے ماہر اور طب میں حفاقت کا درجہ رکھتے تھے۔ ۱۳۵۰ھ میں ولادت پائی۔

۱۸۹۰ھ - شمس الدین بن امیر الدین دہلوی، حیدر آبادی۔ معقولات و معقولات دونوں میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ دکن میں پیدا ہوئے لیکن میں ہی حیدر آباد آ گئے۔ وہیں قرآن حلقہ کیا اور وہیں کے علماء سے درسیات ہند سے اور مدرسہ تعلیم میں مشغول ہو گئے اور کثرت سے کتابیں لکھیں۔ ۱۳۳۸ھ میں حیدر آباد میں ولادت پائی۔

۱۹۰۰ھ - شمس الدین عمری گوباسوی۔ قاضی مہارک کے اصناف میں تھے، منطق و فلسفہ ان کا خاص

مضمون تھا۔ مدراس مولد و خطا تھا۔ بحر العلوم اور ان کے بیٹے عبدالرب متوفی ۱۲۴۲ھ سے درسیات کی تحصیل کی اور مدراس میں ہی مدرس میں مشغول ہو گئے۔ ۱۳۰۰ھ میں انتقال ہوا۔

۱۹۱۔ حکیم صادق علی عاں بن حکیم شریف عاں دہلوی۔ دہلی مولد و خطا تھا اپنے باپ کی صحبت سے عاں طور پر مستفید ہوئے۔ منطق و حکمت میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ مجلس درس پر بیٹھے تو معافی اور غیر معافی طلبہ کا ان کے گرد جھوم ہو گیا۔ ۱۲۶۳ھ میں دہلی میں ولادت پائی۔

۱۹۲۔ صادق علی بن فرزند علی، پھرتوی غازی پوری۔ پھرتی ضلع غازی پور مولد و خطا تھا۔ رائے بریلی میں مولانا طاہر بن غلام جیلانی رائے بریلی تو فی ۱۲۷۸ھ کی خدمت میں رہ کر کتب دوسرے پر میں۔ پھر کھوکھو جاکر وہاں کے استاد سے فیض اٹھایا، ہندت ذہین تھے علامت اچھا تھا ساتھ ساتھ تیز قلم بھی تھے۔ شیرازی کی شرح ہداچہ الفخر وغیرہ درسیات پر ان کے حواشی ہیں۔ ۱۳۶۲ھ میں انتقال ہوا۔

۱۹۳۔ صہبہ اللہ بن محمد خوث مدراسی۔ حافظ قرآن تھے جبر کا بحر العلوم سے ایک دو سبق پڑھے پھر جعفر حسین مدراسی سے اور اپنے والد محمد خوث متوفی ۱۲۳۸ھ سے پڑھیں۔ مسلم الثبوت میر زہاد مورعامہ وغیرہ علاء الدین لکھنوی متوفی ۱۲۴۲ھ سے پڑھیں۔ خطے ناگور کی صدر امینی پیر افتا اور پھر مجدد قضا پر مستکن ہوئے۔ مدراس میں اسلامی حکومت کے اختتام پر انگریزی حکام نے دینی پر رخصت کیا تو درس والادہ میں مشغول ہو گئے ان کی کثیر تصانیف میں سے میرزا ہادامورعامہ پر حواشی ہیں۔ ۱۲۸۰ھ میں ولادت پائی۔

۱۹۴۔ لہور علی بن حیدر علی الصاری لکھنوی۔ فقہ و اصول کے نمایاں علما میں تھے۔ درسیات اپنے والد حیدر علی، مفتی لہور اللہ لکھنوی وغیرہ سے پڑھیں۔ جوانی میں قرآن مجید بھی حفظ کر لیا تھا۔ بہت دنوں تک کھوکھو میں درس دیا، حیدر آباد گئے اور بڑی قدر و منزلت ہوئی پچانچہ وہیں رہ پڑے۔ مختلف دیگر تصانیف کے قاضی مبارک کی شرح سلم کے خطبہ کی شرح بھی ہے۔ ۱۲۷۵ھ میں حیدر آباد میں انتقال ہوا۔

۱۹۵۔ مفتی لہور اللہ بن محمد ولی الصاری لکھنوی۔ کھوکھو کے اکابر علما میں تھے۔ اپنے والد محمد ولی اور چچا ملا حسن سے درسیات کی تکمیل کی اور درس والادہ میں مشغول ہو گئے۔ پیر افتا کی خدمت سپرد ہو گئی۔ تصانیف میں میرزا ہادامورعامہ اور میرزا ہادامورعامہ پر اور ملا محمود جو پوری کی

دوسرے میادہ اور خمس بلاغ پر حواشی ہیں۔ ۱۲۵۶ھ میں ولادت پائی۔

۱۶۶۔ عالم علی بن کلمات علی لکھنوی، رامپوری، مراد آبادی۔ مشہور محدث ہیں رامپور کے محدثین کا سلسلہ روایت انہیں پر ختم ہوتا ہے۔ نگلیہ مولد و خطا ہے۔ رامپور اگر مفتی شرف الدین اور طاہر خفرائی متوفی ۱۲۶۰ھ سے درسیات پڑھیں دہلی جاکر مولانا ملکوک علی مانوتوی سے پڑھا۔ طب میں حکیم نعر اللہ کے شاگرد ہوئے۔ شاہ اسماعیل صاحب متوفی ۱۲۶۲ھ سے روایت حدیث کی مدد لی اور طب و حدیث پر پوری طرح توجہ دی۔ رامپور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ مراد آباد کی جامع مسجد کی امامت کے لیے قاضی عباس حسین متوفی ۱۳۰۵ھ رئیس مراد آباد نے نواب کلب علی خاں سے مولانا کو مراد آباد بھجھنے کی درخواست کی۔ نواب صاحب نے انہیں مراد آباد روانہ کر دیا، منجملہ دیگر تصانیف کے جہتہب المنطق کے ضابطے کی ہندت مفصل شرح ہے۔ ۱۲۹۵ھ میں مراد آباد میں ولادت پائی۔ میرے والد مرحوم ان سے بیعت تھے بیعت کی سہ میرے پاس محفوظ ہے۔

۱۹۷۔ عبداللطیف بن کریم اللہ صدیقی قلات پوری، بخاری۔ اپنے والد اور دیگر علماء سے درسیات پڑھیں ان کا منطق میں فارسی کا ایک مضمون ہے۔ ۱۲۷۴ھ میں بخاری میں ولادت پائی۔

۱۹۸۔ عبدالہاسط بن رستم علی صدیقی قنوجی۔ قنوج مولد و خطا تھا، اپنے والد (متوفی ۱۱۷۸ھ) کی صحبت میں مدت تک رہ کر تحصیل کی اپنے زمانے کے اساتذہ لاسازم تھے، طلبہ ان کی خدمت میں دور دور سے آتے اور فیضیاب ہوتے۔ ان کی تصانیف میں سے سلم العلوم کی آخر شرطیات تک اور جہتہب المنطق کی شرحیں ہیں۔ ۱۲۲۳ھ میں ولادت پائی۔

۱۹۹۔ عبدالحکیم بن عبدالرب انصاری لکھنوی۔ مولانا بحر العلوم کے پوتے تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے کچھ درسیات مولانا محمد دائم سے پڑھیں پھر نورالحق متوفی (۱۱۸۰ھ) کی صحبت اختیار کی ان سے تکمیل کی اور مسند درس پر بیٹھ گئے۔ درس کے ساتھ طلبہ کی امداد کرتے تھے۔ شرح سلم عبداللہ پر اور میرزاہد ملاجلال پر اور العروۃ الوثقیٰ پر حواشی ہیں۔ ۱۲۸۶ھ میں ولادت پائی۔

۲۰۰۔ عبدالحکیم بن کرامت حسین شہنپوری۔ منطق، کلام اور اصول و فقہ میں یدِ طوبی حاصل تھا۔ ۱۲۹۵ھ میں ولادت پائی۔

۲۰۱۔ عبداللطیف بن امین اللہ انصاری لکھنوی مخلصہ علماء میں سے تھے، صرف خود والد سے حاصل کیے پھر اپنے چچا مفتی یوسف اور اپنے ماموں مفتی نعمت اللہ متوفی (۱۲۹۹ھ) کی صحبت لے لی اور ان سے

تکسیر کی اور تھوڑے دنوں میں طہورائد اور محمد اصغر (متوفی ۱۲۵۵) سے بھی پڑھا۔ پانچواں سال تک سدریسی صہات انہام دیں۔ لکھنؤ آکر جو پور کے مدرسہ امامیہ میں نو سال رہے وہاں سے آکر حیدرآباد گئے اور وہاں کے دارالعلوم میں درس رہے، چرواہیں قاضی مقرر ہو گئے۔ منطق و کلام ان کے خاص مضنون تھے، ان کی تصانیف میں سے میرزا پادرسالے پر تحقیقات الرضیہ ملاحظہ حسن کی شرح پر سلم پر القول الاسلام کے نام سے بحر العلوم کے حواشی میرزا پادرسالے پر کشف المکرم کے نام سے حواشی ہیں۔ حل المسائل کے نام سے درانی کی شرح معارف حاشیہ ہے، قطبی کے مخططات پر ایضاحات ہے، کشف الاحیاء شرح سلم محمد اللہ کا حاشیہ ہے۔ ضابطہ جہدب کی البیان العجیب کے نام سے شرح ہے۔ اقسام حکمت کی تشریح میں کاشف الظلمہ، منطق میں ایک رسالہ العرفان کے نام سے ہے۔ محب اللہ آبادی کی تفسیر کی التعلیہ کے نام سے شرح ہے۔ ۱۲۸۵ھ میں حیدرآباد میں وفات پائی۔

۲۰۲۔ عبدالرحمن عاں بن عبداللہ عاں، حیدرآبادی راہپوری۔ منطق و حکمت میں نمایاں حیثیت تھی۔ ہنلیٹ بکٹ اور کٹر آنری تھے، علم ظاہر کے ساتھ صاحب باطن بھی تھے۔ ۱۲۳۲ھ میں راہپور میں انتقال ہوا۔

۲۰۳۔ عبدالرحیم بن مصاحب علی گورکھپوری۔ علوم حکمیہ میں اسے زمانے کی نمایاں شخصیت تھی۔ دہلی میں شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائیوں سے تحصیل علم کی، کلکتہ جاکر انگریزی زبان حاصل کی۔ لوگ انہیں الاماد و زندہ سے شوب کرتے تھے۔ مصنفات میں سے سورج کے وسط عالم سکون کے اہیات میں ایک رسالہ، الانوار الشرقیہ فی الاسرار المنطقیہ اور التالیفات التحفیلہ ابی رسالہ الاسرار المنطقیہ ہیں۔

۲۰۴۔ عبدالرزاق افغانی راہپوری منطق و حکمت میں نمایاں درجہ رکھتے تھے تدریس و تعلیم شغل تھا۔

۲۰۵۔ عبدالصمد بن عبدالرب پٹاوری اپنے ہمد کے ہنلیٹ ذہن لوگوں میں تھے منطق و اصول میں خاص درجہ تقاضا صاحب صدیق حسن عاں (متوفی ۱۳۰۶ھ) نے اپنی تالیفات کی تصحیح کے لیے رکھ لیا تھا، تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں بمبھال میں انتقال ہوا۔

۲۰۶۔ عبدالصمد بن کرامت علی امرودہی۔ علوم حکمیہ میں نمایاں حیثیت تھی۔ سید غلام نبی راہپوری اور جلال الدین راہپوری (فائز سید جلال الدین نابھ) سے تحصیل علم کی۔ دہلی میں جاکر

حکیم امام الدین دہلوی سے طب پڑھی راجہ صاحب جہالادار غالباً مدینہ منورہ (۱۸۳۵-۱۸۳۸ء) سنگھ کے ملازمین میں داخل ہو گئے اور کچھ دنوں وہاں رہے پھر مہاراجہ اودے پور (غالباً بمبئی سنگھ متوفی ۱۲۹۱ھ) کے مقربین خاص میں شامل ہو گئے۔

۲۰۷۔ شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ہندوستان کے اکابر محدثین و متکلمین میں تھے اور یگانہ روزگار علما میں شمار تھا۔ دہلی مولد، مشا و مدفن ہے، اپنے والد سے تحصیل علم اور ان کی ولایت کے بعد اپنے والد کے اجلہ تلامذہ، شیخ نور اللہ بڑھانوی، خواجہ محمد امین کشمیری سے اور تکمیل محمد عاشق پمپلی سے کی جنہوں نے تقریباً ۱۱۸۷ھ میں ولایت پائی۔ مسرتی سمیت تمام معارف علوم عقلیہ و نقلیہ میں درجہ کمال حاصل تھا۔ ہندوستان میں حدیث کے تمام درجہ سلسلے انہیں کے واسطے سے شاہ ولی اللہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ متعدد علوم و فنون میں ہنر مند محققانہ تصانیف میں علوم عقلیہ میں زواید ثلاث پر اور صدراے شیرازی کی شرح ہدایہ افکار پر اور ملاکونج (حسام الدین علی بن طلیل متوفی ۸۴۳ھ) کے حاشیہ پر حواشی ہیں۔ ۱۲۳۹ھ میں دہلی میں ولایت پائی۔

۲۰۸۔ عبدالعزیز بن احمد پری ہاری لمٹانی۔ اکابر علما میں شمار تھا۔ کثیر التصانیف تھے۔ شرح عقاید نسفی کی شرح نبرس ان کی مشہور تصنیف ہے۔ منطق میں لاسا غوجی پر حاشیہ ہے، جوانی میں انتقال ہوا۔

۲۰۹۔ ملک العلماء بحر العلوم عبداللطیف بن نظام الدین انصاری لکھنؤی یگانہ روزگار تھے فقہ و اصول میں رئیس مہند منطق و حکمت میں امام کا درجہ رکھتے تھے۔ لکھنؤ مولد و مشا تھا۔ اپنے والد ملا نظام الدین سہاوی سے تحصیل تمام کی۔ مطالعہ کا بچپن سے شوق تھا قدامت کی کتابوں پر خصوصی نظر تھی۔ محقق و مدقق عادت بن گئی تھی ایک زمانے تک لکھنؤ میں درس دیا۔ ایک غلط فہمی کی بنا پر تعویذ کی توڑ پھوڑ کی بنا پر ان کے طلبہ اور شیعی حضرات میں تصادم ہو گیا۔ یہ قصہ اگرچہ مصالحت پر ختم ہو گیا لیکن شیعی ان کو خطیہ طور سے قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ پھر بے بھائی بھتیجیوں نے انہیں لکھنؤ چھوڑ دینے پر مجبور کیا، چنانچہ شہر ہاں پور گئے۔ حافظ رحمت ہاں شہید ۱۲۷۳ھ نے ہنر مند تعلیم و اکرام سے ہاتھوں ہاتھ لیا اور یہ شہر ہاں پور کے قلعہ میں مقیم ہو کر مدرسہ و تصنیف میں معروف ہو گئے۔ حافظ رحمت ہاں کی شہادت کے بعد رام پور گئے۔ نواب فیض اللہ ہاں بانی رام پور ۱۱۶۳-۱۲۰۸ھ نے قدر منزلت سے استقبال کیا اور دس کے لیے مدرسہ قائم کیا۔ (بعد کو مدرسہ عالیہ سے موسوم ہوا اور مدرسہ کے مشعل ہو چکنے کے بعد بھی یہ محلہ مدرسہ محلہ کے نام سے آج تک مشہور ہے)۔ مولانا

۲۱۰۔ قاضی علی بن احمد گوپابوی معروف بہ قاضی ارتقا علی عباس مدرسی۔ گوپابو میں پیدا ہوئے۔ تحفہات لبیب والدہ (وفی ۱۲۳۳) سے پڑھے، لکھنؤ جا کر وہاں کے اساتذہ سے پڑھا۔ سندیلہ میں مولوی حیدر علی بن محمد اللہ سے منطق و حکمت اور کلام کی تحصیل کی، بلگرام میں حدیث کا مدرس رہا پھر گوپابو آکر مدراس چلے گئے۔ احمد وہاں مدرسہ میں مشغول ہو گئے پھر ملتان اور اس کے بعد چٹوڑ کے قاضی ہو گئے بعد کو مدراس کے جج قاضی بن گئے، تیرہ سال اس عہدے پر رہ کر ج کو گئے اور فسطے میں حدیدہ میں ۱۲۶۰ھ میں ولادت پائی منجملہ دیگر تصانیف کے صحرا پر حاشیہ ہے، میرزا بہادر

علامہ جلال اور سید محمد اسحاق صاحب پر حواشی ہیں۔

۲۱۱۔ علی بن محمد بن علی رضا قزوینی الرازی۔ محمد علی الرازی سے تحصیل علم کی اور تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ تصانیف میں سیر قطبی پر حاشیہ، میرزا ہدایت اللہ پر حاشیہ اور بیہی پر حاشیہ ہے۔ ۱۲۳۹ھ میں وفات ہوئی۔

۲۱۲۔ مرزا علی شریف بن محمد رضا لکھنوی۔ سید ولد علی شہی مجاہد سے تحصیل کی۔ منطق پر حکمت اور کلام و طب میں مہارت پیدا کی۔ علم کلام کی متعدد کتابوں پر حواشی ہیں۔ ۱۲۳۱ھ میں بکھڑیں وفات ہوئی۔

۲۱۳۔ علی ضامن بن احمد علی نوہروی۔ قاری پور کے قصبہ نوہرہ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کے لیے عبداللیم فرنگی علی اور حجاب علی امرودہوی لکھنوی کی شاگردی اختیار کی فہم بلاذ پر حاشیہ لکھا۔ ۱۲۸۰ھ میں وفات پائی۔

۲۱۴۔ علی الدین بن فیض الدین قنوی علوم عربیہ میں نمایاں درجہ تھا عبدالہاس قنوی سے درسیات پڑھے۔ تصانیف میں منطق پر متعدد رسائل ہیں۔

۲۱۵۔ عماد الدین لکھنوی۔ منطق و حکمت میں نمایاں درجہ تھا۔ کچھ درسیات بحر العلوم سے پڑھیں اور کچھ ملاحسن فرنگی علی سے، منطق و حکمت میں نواد زمانہ تھے تصانیف میں حکمت کے بعض مسائل میں مقدمہ و شہرتی بعض مسائل فکر اور بحث علم فی الشرائع و فقہات عشرین ایک رسالہ ہے، بخدی کی شرح تہذیب پر حاشیہ ہے ان کے علاوہ درسیات پر حواشی اور شروح ہیں۔

۲۱۶۔ عماد علی بدایونی۔ علوم حکمیہ کے ماہر تھے بدایوں میں مولد و عفا تھا، مختلف اسانذہ سے درسیات پڑھے۔ آخر میں بحر العلوم کی شاہ جہانپور میں شاگردی اختیار کی اور درس افادہ میں مشغول ہو گئے۔

۲۱۷۔ غلام حیدر بن قطب الدین عباسی الرازی۔ علوم حکمیہ کے نمایاں افراد میں تھے۔ چچا محمد اعلیٰ (متوفی ۱۲۸۶ھ) کی آغوش تربیت میں پرورش پائی، روح البیاض الموی (متوفی ۱۲۵۲ھ) وغیرہ سے تکمیل درسیات کی اور علوم حکمیہ میں مہارت پیدا کی پھر مدرس میں مشغول ہو گئے ۱۲۶۸ھ میں وفات پائی۔

۲۱۸۔ غلام مصطفیٰ بزدوانی۔ فنون حکمت میں ماہر تھے۔ بحر العلوم دوسرے اسانذہ سے تکمیل درس کی ۱۳۱۵ھ میں مفتی رہے وہاں سے بنگال کے بیرجم میں مبادلہ ہو گیا۔

۲۱۹۔ غلام نبی بکرامی۔ منطق و حکمت کے نامی علما میں تھے بکرام مولد عفا تھا۔ کمال الدین خجوردی وغیرہ علما سے درسیات کی تکمیل کی پھر فرخ آباد گئے اور بخشی رحمت خاں کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ ۱۳۱۱ھ میں وفات پائی۔

۲۲۱۔ غلام نبی خلیفہ پوری۔ منطق و حکمت کے نامی ساتھ میں تھے راہپور میں مکر العلوم اور طاحسن کی شاگردی اختیار کی اور ایک زمانے تک ان کی خدمت میں رہے۔ سدریس مشغلہ تھا۔ منطق میں متعدد تصانیف ہیں۔ میرزا بد رسالہ پر ان کے حواشی ہیں۔

۲۲۲۔ حکیم فتح اللہ بن شمس اللہ دہلوی علوم حکمیہ میں نمایاں فاضل تھے۔ دہلی مولد و مغل تھا اور دہلی کے علماء سے درسیات پڑھے اور درس میں مشغول ہو گئے۔

۲۲۳۔ فضل امام بن محمد ارشد عمری ہرگامی، خیر آبادی منطق و حکمت میں امانت کا درجہ رکھتے تھے خیر آباد مولد و مغل تھا۔ عبدالواحد خیر آبادی (متوفی ۱۲۱۶ھ) سے درسیات کی تکمیل کی اور منطق و حکمت پر ساری توجہ مرکوز کردی اور درس میں معروف ہو گئے۔ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری رہا۔ انگریزی ملازمت سے وظیفہ لیا۔ تصنیفات میں ان کی سب سے مشہور کتاب مرآت ہے۔ شفاء شرح کی تھیں۔ میرزا بد رسالہ اور میرزا بد جلال پر حواشی ہیں۔ ۱۲۴۳ھ میں وفات پائی۔

۲۲۴۔ فضل حق بن فضل امام خیر آبادی۔ فنون حکمیہ میں بگائے روز گرتھے۔ اپنے والد سے درسیات پڑھے، چار مہینے میں قرآن مجید یاد کر لیا۔ علم خلاف و بدل، منطق و حکمت، علوم عربیہ و لغت میں اپنے معاصرین پر بہت حاصل کریں۔ طلبہ اقطار و اصحاب سے ان کی خدمت میں پہنچتے گئے۔ رئیسانہ انداز تھا اور انہیں جیسی پوشش پہنچنے، رفس و سرود کی مجلسوں میں بے محابا شریک ہوتے تھے۔ دہلی میں دیوان العلماء میں صدر تھے۔ ۱۲۵۰ھ کی بغاوت کے الزام میں سید فضل حق راہپوری کی اسی شرکت کی بنا پر گرفتار ہو گئے اور جراثیم سلین میں حکم برائت کے پہنچنے سے چھلے ہی ۱۲۵۸ھ میں وفات ہو گئی۔ مصنفات میں حکمت الہیہ میں الجنس الغالی، فی شرح احوال العالی، ہدیہ سعیدہ حکمت طبعی میں الروض الجود فی حقیقہ الوجود، والد کی تھیں الشفاء پر حاشیہ ملا باقر داماد کی الافق المسہین پر حاشیہ، قاضی مہار کی شرح سلم پر حاشیہ سادہ فی تحقیق العلم والعلوم، رسالہ فی تحقیق الاجسام، رسالہ فی تحقیق النکی الطبی، رسالہ فی تفکیک المایات، رسالہ فی اختراع النظیر وغیرہ مصنفات ہیں۔

۲۲۵۔ فضل رسول بن عبدالحمید بدایونی۔ درسیات کی بعض کتابیں اپنے دادا عبدالحمید (متوفی ۱۲۳۵ھ) سے پڑھیں پھر لکھنؤ جاکر نور الحق الصمدی (متوفی ۱۲۳۸ھ) سے تکمیل کی دہلیور میں حکیم ببر علی موہانی سے طب پڑھ کر پھر دہلیوں وہاں مقیم رہے پھر بدایوں آ گئے وہاں سے بدایوں جاکر مطب شروع کر دیا۔ وہاں سے آ کر حج کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں حدیث کی سدری پھر دوسری بار حج کو گئے وہاں

سے بلند آئے اور تکیہ الاشرف سے بیت کی واپس آکر حیدرآباد چلے گئے۔ وہاں قبول عام حاصل ہو گیا۔ ہندت مصعب اور بحث تھے شاہ اسماعیل کی تلمیذ کرتے تھے شاہ ولی اللہ دہلوی کو عربی کہتے تھے، شیخ احمد سرحدی پر طعن و تفتیح کرتے۔ منجملہ تصانیف فصوص الحکم کی شرح اور میرزا ہد رسالہ اور میرزا ہد ملاحال کے حواشی ہیں ۱۲۸۹ھ میں انتقال ہوا۔

۲۲۶۔ ملا حسین بن ملا صاحب انصاری لکھنوی۔ لکھو مولہ علی تھا ملا حسن سے درسیات پڑھیں اور ان کی صحبت میں ایک مدت تک رہے۔ فراغت کے بعد مدرس میں مشغول ہو گئے۔ مدرس، تصنیف اور وعظ و تذکیر میں اپنے معاصروں میں ممتاز تھے فرنگی مہلبا میں یہ خطے بزرگ تھے جنہوں نے وعظ و تذکیر کی اجراء کی تصنیفات میں سلم کی ہندت مصلح شرح، مسلم البتوت کی مصلح شرح، میرزا ہد رسالہ، میرزا ہد ملاحال اور میرزا ہد امور عامہ پر حواشی ملدا پر حاشیہ ہدیہ ہیں۔ چوں کہ ان کے شروع و حواشی کی بڑی خصوصیت ہے کہ اصل کو بہت سہل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ میرے اساتذہ کتاب کے مطالعے میں ان کے شروع و حواشی کو سنانے رکھنے سے منع کرتے تھے کیوں کہ اصل متن سے مطلب اخذ کرنے کی جو مشقت بھیجو مطالعے کا مقصد ہے ختم ہو جاتی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ تمہیں را نہیں۔ ۱۲۲۵ھ ولادت پائی۔

۲۲۷۔ مجد الدین بن طاہر شاہجہاں پوری علوم حکمیہ میں خصوصی شہرت تھی۔ شاہجہا پور مولہ وعظ تھا۔ گویا موزا کر و ہاج الدین گویا موزا سے تحصیل علم کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قاضی مہارک سے بھی پڑھا۔ فارغ ہو کر کلکتہ چلے گئے اور درسہ عالیہ کلکتہ میں اساتذہ ہو گئے۔ آخر عمر میں دوسے میں ہٹا ہو گئے تھے۔ اور غسل و وضو میں مشکوں پانی بہا دیتے تھے۔ شاہجہا پور میں مولوی مدن کے عرف سے شہرت تھی۔ ۱۲۰۸ھ میں بریلی میں انتقال ہوا۔

۲۲۸۔ محمد بن احمد اللہ تھانوی۔ مظفر نگر کے قصبہ تھانہ کے رہنے والے تھے۔ مجد الدین تھانوی شیخ گلدر بخش جلال آبادی (متوفی ۱۲۶۰ھ) سے درسیات پڑھے پھر دہلی جاکر مولانا ملک علی نانوتوی سے اور منطق و حکمت مولانا فضل حق شیر آبادی سے پڑھیں۔ ہندت ذہین زود فہم اور قوی الحافظ تھے، نو تک میں ایک زمانے تک درس دیا پھر وطن آکر تلمیذ و تذکیر میں مصروف ہو گئے۔ شرح معاد نسلی پر حواشی ہیں۔ ۱۲۹۶ھ میں انتقال ہوا۔

۲۲۹۔ سید محمد بن دلدار علی لکھنوی۔ شیخی مجتہد تھے۔ اپنے والد سے علوم کی تحصیل کی اور ان کی

حکومت میں پہلے پھر مدرسہ میں سے معروف ہو گئے۔ کلام و اصول میں اتنی ہی درجہ رکھتے تھے۔ شاہانِ اودھ میں عامی قدر منزلت تھی۔ احمد علی شاہ (۱۲۵۸-۱۲۶۲) نے سلطان العلماء کا خطاب دیا تھا اور افتاد کی خدمت ان کے سپرد کی تھی۔ ان کی تصنیفات میں سے حمد اللہ کی شرح سلم پر حواشی ہیں۔ ۱۲۸۴ھ میں ولایت پائی۔

۲۳۰۔ محمد احسن بن محمد صادق خوشابی، پشاور میں معروف بہ حافظ دراز منطق و حکمت کے نامی علما میں تھے۔ قاضی مبارک کی شرح سلم پر حواشی ان کی تصنیفات میں سے ۱۲۶۳ھ میں انتقال ہوا۔
۲۳۱۔ محمد ارشد بن عبدالغنی حاکم المعروف بہ شغنائی حاکم۔ منطق و حکمت کے نامی علما میں تھے دہلی وطن تھا، احمد شاہ درانی (۱۷۲۲-۱۷۴۳) کے دہلی حملہ کے زمانے میں فیض آباد آ گئے اور جمیع الدولہ نے ہندوستان و حریم سے انہیں باقتول بلاتھام کیا۔ ۱۲۴۳ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی۔
۲۳۲۔ محمد اسلم ہندوی علومِ حکمیہ کے نامور علما میں شمار تھا۔ اپنے عہد کے علما سے بزرگِ علوم سے تحصیلِ کام کی اور ان کی خدمت میں ایک زمانے تک رہے۔ ابو علی قوشچی (متوفی ۸۹۰ھ) کی الملبی فی العلمائے ہند کی تحفہ میں ہے۔

۲۳۳۔ محمد حسن بن علی ابو الحسن بریلوی۔ بحقوقات و معقولات کے نامی علما میں شمار تھا۔ منطق شرف الدین راجپوری اور دیگر علما سے تحصیل کی تصنیفات میں ملاحسن کی معارج العلوم کی مفصل شرح ہے۔ فاضل الکلام فی حقیقۃ الصور معدہ لکھا والا نام وغیرہ ہیں۔

۲۳۴۔ محمد حسین بن محمد علی بڑاڑی علومِ حکمیہ کے نامور عالم تھے شیراز میں پیدا ہوئے وہاں کے علما سے تحصیل کی۔ والد حیدر آباد میں تھے ان کے بلانے پہ، لیکن ان کی ولایت کے بعد حیدر آباد چلے گئے اور پھر وہیں مقیم ہو گئے۔ ۱۲۸۹ھ میں ولایت پائی۔

۲۳۵۔ محمد علی بن خواجہ راجپوری فنونِ لکیری میں ماہر تھے امور عامہ، مایع الاجسام کی بحثیں، میرزاہد کے حواشی اور سلم العلوم کی شرح کے گویا حافظ تھے۔ ۱۲۱۳ھ تک حیات تھے۔

۲۳۶۔ محمد معین بن ملامین لکھنؤی۔ لکھنؤ مولد و شفا تھا، اپنے بڑے بھائی ملا حیدر اور چچا زاد بھائی ولی اللہ اور مفتی ظہور اللہ سے تحصیل کی پھر مدرسہ میں مشغول ہو گئے۔ ہر جہہ کو والد کے بھانے و خط و تذکرہ کرتے، متعدد کتب درسیہ پر حواشی ہیں۔ صدرا پر بھی حاشیہ ہے۔ ۱۲۵۸ھ میں وفات ہوئی۔

۲۳۷۔ مکی الدین بن عبدالقادر بدایونی۔ اپنے والد سے تحصیل کی۔ مصطلحات میں میرزاہد رسالہ پر

حاشیہ ہے۔ ۱۲۷۰ھ میں وفات ہوئی۔

۲۳۸۔ مملوک علی ابن احمد علی نانوتوی، دہلی کے مشہور اساتذہ میں سے تھے، نانوتہ مولد و مغل تھا، کچھ دنوں اپنے خلیع سہارنپور کے اساتذہ سے پڑھا پھر دہلی جا کر رشید الدین متوفی ۱۲۴۳ھ کے شاگرد ہوئے اور ساتھ ساتھ دیگر اساتذہ دہلی سے پڑھا، فقہ و اصول اور عربیہ میں مہارت کے ساتھ منطق و حکمت میں بھی غیر معمولی درجہ تھا، مدرسہ دارالبقا میں ان کا درس مشہور تھا۔ اسی مدرسے میں عمر گزاری اور ہزار ہا طلبہ ان کے درس سے فائدہ ہوئے۔ ۱۲۶۷ھ میں انتقال ہوا۔

۲۳۹۔ نجف علی نوہروی۔ غازی پور کے قصبے نوہرہ میں پیدا ہوئے، اکابر علمائے شیعہ میں شمار ہوتے تھے لکھنؤ میں فرنگی محل کے اساتذہ سے فنون کی تکمیل کی، فقہ سید دلدار علی شیبی مجتہد سے حاصل کی۔ تصنیفات میں رسالہ شفاء بالنگریز پر حاشیہ اور میرزا ہد ملا جلال پر حاشیہ ہے۔ ۱۲۶۱ھ میں وفات پائی۔

۲۴۰۔ حکیم نصر اللہ بن شاہ، اللہ دہلوی، پنت، بداسہ، منطق و حکمت کے نامی علما میں شمار تھا، شاہ عبدالعزیز شاہ عبدالغفار اور شاہ رفیع الدین سے تحصیل کی، طب حکیم شریف علی سے بیوی اور دہلی میں تدریس شروع کر دی۔ ۱۲۷۱ھ میں سو جو تھے۔

۲۴۱۔ نظام الدین بن مہدی علی، دہلوی۔ فنون حکمت میں عاصی شہرت قبی ان کی متعدد تصنیفات ہیں جن میں رسالہ فی العلوم الطبیعیہ ہے اور منطق میں بھی ایک رسالہ ہے۔

۲۴۲۔ مفتی نظام الدین بن نور احمدی دیوبی۔ منطق و حکمت کے نامی علما میں تھے۔ تفضل حسین کشمیری سے درسیات پڑھے پھر افتاء کی خدمت پر مامور ہوئے اور بڑھتے بڑھتے مدارس کی صدراعظمی تک پہنچ گئے ۱۲۱۱ھ تک حیات تھے۔

۲۴۳۔ نسیم الدین بن فصیح الدین قنوی۔ معقول و معقول کے نامی علما میں تھے۔ عبدالباہق قنوی سے تحصیل علم کی ان کی تصنیفات میں سلم کی تصدیقات کی شرح اور صدرا پر حاشیہ ہے۔

۲۴۴۔ نسیم اللہ بن حبیب اللہ الصمدی لکھنوی۔ لکھنؤ مولد و مغل ہے، اپنے بڑے بھائی ولی اللہ الصمدی سے تحصیل کی ۱۲۸۲ھ میں وفات پائی۔

۲۴۵۔ نسیم اللہ بن غلام قطب الدین بہرائچی۔ قصرات اساتذہ فہر سے پڑھے، لکھنؤ مسین محمد طیل سے شہد جاں پور میں امام بخش سے اور بریلی میں شہاب الدین سے پڑھا پھر لکھنؤ جا کر محمد علی

اصداری کو لایم پکڑ لیا اور معقولات و منقولات کی درسیات کی تکمیل کی۔ دہلی میں حاجی احمد شاہ گرد شاہ ولی اللہ سے سادہ حدیث حاصل کی اور متکثرین و تذکیر میں معروف ہو گئے۔ ان کے مصنفات میں میرزا نادر رسالہ اور میرزا بدیع المجلد کے حواشی ہیں۔ ۱۳۱۸ھ میں ولایت پائی۔

۲۳۶۔ ملفوظ نور احمد بن لغز محمد سہبائی۔ سہبائی مولد و خطا تھا۔ تحصیل علم کے لیے مراد آباد رامپور اور لکھنؤ کا سفر کیا اور معاصر علماء سے خصوصاً بحر العلوم سے درسیات کی تکمیل کی اور سہبائی کی خدمت افتاب ہوئی۔ قاضی مہدک کی شرح مسلم پر شمس باز رفیعہ افغانی لکھے۔ ۱۲۸۰ھ میں انتقال ہوا۔

۲۳۷۔ نور الاسلام بن سلام اللہ رامپوری شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے اصناف میں تھے، رامپور مولد و خطا تھا۔ بحر العلوم سے جب وہ رامپور میں تھے اور طاحن اور دیگر اساتذہ رامپور سے درسیات پڑھے، ہیئت، ہندسہ اور حساب میں بے نظیر تھے۔ ان کی تصانیف میں رسالہ فی ماہیۃ المکان مصنف ۱۲۷۴ھ اور رسالہ فی الزمان، قاضی مہدک کی شرح مسلم پر حاشیہ اور میرزا نادر رسالہ پر حاشیہ ہے، شفاء بالقرآن پر تفصیلی حاشیہ ہے، رسالہ اصطلاح لاری میں لکھ کر نواب نصر اللہ خاں متوفی ۱۲۲۵ھ کے نام مضمون کیا تھا۔ رامپور میں انتقال ہوا اور مزار بغدادی صاحب میں مدفون ہوئے۔

۲۳۸۔ نور الحسن بن ابوالحسن کاندھلوی۔ مشہور علماء میں سے تھے۔ کاندھلہ مولد و خطا تھا، کچھ زمانے تک والد متوفی ۱۲۶۹ھ سے پڑھا اور مولانا فضل حق خیر آبادی کی صحبت میں رہ کر علوم حکمیہ کی تحصیل کی اور مہارت حاصل کی۔ حلیم، متواضع اور خوش گفتار تھے۔ ۱۹۵۸ھ میں ولایت پائی۔ ان کے درس سے اکابر علمائے فراغت حاصل کی ہے۔

۲۳۹۔ نور عالم رامپوری۔ افغانی الاصل تھے، فنون حکمیہ کے نای علماء میں تھے، درس و تعلیم میں عمر گزار دی۔ بیہیڈی پر حاشیہ ہے۔

۲۴۰۔ نور احمد بن قمر الدین اورنگ آبادی۔ اپنے والد سے علوم و درسیہ پڑھے اور قرآن حفظ کیا۔ والد کے ساتھ حج و زیارت سے فراغت حاصل کی اور ساری عمر درس و التلامذہ میں بسر کر دی۔ والد کے رسالے مظہر النور فی بحث الوجود کی شرح کی تشکیل ماہیہ میں رسالہ لکھا، بواریق النور کے نام سے شرح مظہر النور پر حاشیہ لکھا، قاضی عبداللہ بن ابی ہریرہ کی صورت میں رسالہ لکھا، ایک رسالہ فی ما اور علی السیرۃ الزاہد کے نام سے لکھا۔ ان کے علاوہ متعدد رسائل لکھے۔ ۱۳۱۰ھ یا ۱۳۰۲ھ میں وفات پائی۔

۲۴۱۔ نور احمد بن رحمت علی بریلی۔ اکابر مشائخ چشتیہ میں تھے۔ سرحد میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی میں

دہلی آئے اور شیخ فرید الدین متوفی ۱۱۹۹ء کی آغوش میں تربیت پائی اور علم و طریقت کی تعلیم حاصل کی اور پھر بریلی گئے۔ اور مستقل سکونت اختیار کرنی اور قبول عام حاصل کیا۔ علوم حکمیہ میں ماہر تھے خصوصاً فنون ریاضی میں۔ ۱۲۵۰ء میں بریلی میں وفات پائی۔

۲۵۲۔ مفتی تاجد علی بن ابراہیم بھاری۔ منطق و حکمت کے نامی علما میں شمار تھا۔ لکھنؤ مولد و مضاف تھا۔ اپنے والد اور دوسرے علما سے تحصیل علم کی اور لکھنؤ کی انگریزی سہلات میں منصب افتا پر فائز ہوئے اور پانچ سال تک کام کیا۔ پھر بقیہ کے رئیس نے ملازم رکھ لیا۔ شفاء، شیخ، الافق السہین اور دوانی کے حواشی قدیم و جدیدہ کی تدریس میں یگانہ مصرعے، ہزار ہا شاگردوں نے ان کے دامن تعلیم میں فراغت حاصل کی چھبرے میں ۱۲۷۶ء میں وفات پائی۔

۲۵۳۔ وجیہ الدین دہلوی۔ منطق و حکمت میں فہرت قہی ملا نظام الدین سہالوی سے تحصیل کی اور دہلی میں تدریسی خدمت سپرد ہوئی اور بہت سے لوگوں نے ان سے فیض اٹھایا۔ ہنالت ذکی اور زود فہم تھے۔

۲۵۴۔ وحید الحق بن وجیہ الحق پھلواروی۔ اکابر اساتذہ میں شمار تھا۔ پھلواروی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی کچھ درسیات والد متوفی ۱۱۵۰ء سے اور زیادہ اپنے ماموں مبین جعفری متوفی ۱۲۳۲ء سے پڑھیں اور پھر تدریس و تعلیم شروع کر دی بھرعات اور مشقیات سے سخت پرہیز تھا۔ انگلیوں کے ملازم کے جہاں کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ قوالی سے اجہا۔ پرہیز تھا، لیکن جب حالت کا قلبہ ہوا سننے لگے۔ تصنیفات میں سے تفسیر بیضاوی پر حواشی ہیں ۱۲۰۰ء یا ۱۲۰۱ء میں وفات پائی۔

۲۵۵۔ مفتی یوسف بن اصغر انصاری لکھنؤی۔ مشہور علمائے لکھنؤ میں تھے، مفتی محمد اصغر انصاری متوفی ۱۲۵۵ء مفتی لہور اللہ اور مفتی نور اللہ متوفی ۱۲۹۱ء سے درسیات کی تکمیل کی۔ والد کے بعد ان کے بجائے مفتی کے عہدے پر تقرر ہو گیا۔ پھر اسکو چھوڑ کر کچھ دنوں گھر پر رہے پھر جو پور کے مدرسہ امامیہ میں اساتذہ ہو گئے۔ ۱۲۸۶ء میں حج و زیارت کے لیے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گئے اور آخر شوال میں مدینہ میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں قاضی کی شرح سلم پر اور ملاحسن کی شرح سلم پر فہم ہادہ پر حواشی ہیں۔ ملاحسن کے فہم ہادہ کے حاشیے کا تکملہ بھی لکھا، شفاء، شیخ کی طبیعات پر تفسیر بیضاوی پر بھی حواشی لکھے۔

چودھویں صدی

تیرہویں صدی میں معقولات کی گرم بلداری میں جس طرح اساتذہ فرنگی محل خصوصاً بحر العلوم، طاحسن اور ان کے گاہذہ و محققین کو دخل پہلے۔ اسی طرح چودھویں صدی میں یہ تسلسل خیرآبادی فائدان اور ان کے گاہذہ اور محققین سے جدی رہا چودھویں صدی کے نصف اول سے کچھ زیادہ پر محیط ہے۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی شمس العلماء مولانا ہدایت علی بریلوی، مولانا ہدایت اللہ عاں رامپوری، مولانا فضل حق رامپوری، حکیم برکات احمد ٹوکنی وغیرہ فضل اسی صدی کے نصف اول اور اس کے بعد کے لوگ ہیں۔ اس سلسلے میں رامپور کے مدرسہ عالیہ مرحوم کو خصوصی دخل پہلے۔ مولانا فضل حق رامپوری مدرسہ عالیہ کے صدر نشینوں میں آخری علمائے معقولات ہیں تھے۔ ان کے بعد سے معقولات کا مونا اور مدرسہ عالیہ کی عقلیت پسندی کا خصوصاً زوال ہو گیا اور اس تیزی سے ہوا کہ پندرہویں صدی شروع ہوتے ہوتے معقولات کے چرچے بھی ختم ہو گئے۔ اس زوال میں دارالعلوم دیوبند ندوۃ العلماء اور ان مدارس سے متاثر درس گاہوں کو بھی دخل ہے جنہوں نے علوم عقلیہ سے طلبہ کے ذہنوں کو پھرنے میں خاصا حصہ لیا۔ طلبہ کی سہولت پسندی و عداوت مذکور خطبات و انکسائیں عقلیات کی عدم الادیت پھر ان کا اشکال و دقت ایسے اسباب ہوئے جنہوں نے زوال کو تیز کر دیا اور علمائے عقلیات کے جانشین تیار نہیں ہو سکے۔ اب یہ حالت ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے پورے برصغیر میں نظریں ڈھونڈ سکتی ہیں اور بے مرام واپس آجاتی ہیں۔ اگر دو چار بوڑھے کہیں ہوں تو چراغ محری ہیں اور گنتی کے دنوں کے مہمان۔ حالات کا جائزہ بتاتا ہے کہ شاید یہ زوال دائمی ہے اور ان علوم کے ابھرنے کی کوئی توقع نہیں ہے۔ کاش کچھ ایسے جوان اور ذہین و دقت پسند علما انھیں اور کم از کم، ہندوستان کے متاخرین علمائے عقلیات کی فکری اور اصیل کاوشوں کو نئے انداز سے جمع کرنے کا بار اپنے کندھوں پر لیں۔

چودھویں صدی کے علمائے عقلیات، تیرہویں صدی کا تسلسل ہے، اسی میں عبدالحق خیرآبادی، فضل حق رامپوری، حکیم برکات احمد ٹوکنی جیسے حضرات ہیں جن میں اصالت فکر کے نمونے مل جاتے ہیں یہی وہ صدی ہے جو علمائے عقلیات کے خاتمے اور قدیم عقلیت کے کلی زوال کی صدی ہے۔ مدرسہ عالیہ رامپور جو ۱۷۷۳ء سے ہی جو اس کے قیام کی تاریخ ہے علوم عقلیہ کی تدریس میں ایتھاری درجہ رکھتا تھا۔ اپنے صدر نشینوں میں علوم عقلیہ میں مہارت کی شرط سے

درست بردار ہو چکا تھا اور عام اساتذہ بھی علی لیاقت سے مداری تھے۔ چنانچہ اس پر بھی زوال شروع ہو گیا اور اب محض نام کے لیے اگرچہ باقی ہے لیکن درس و تعلیم ختم ہو چکا۔ طلبہ کی حاضری قسم ہو گئی۔ اساتذہ تقریباً وقت گزاری کرتے ہیں۔ علم سے سدوں تک تعلق ہے۔

۲۵۶۔ ابوالحسن بن بدوہ حسن لکھنوی۔ مولانا ولد ار علی کے پر پوتے تھے۔ ہندت ذکی اور ذہین، لکھنوی مولد و منشا تھا، اپنے والد سید بدوہ حسن متوفی ۱۲۹۳ھ، علی نقی، سید حسین متوفی ۱۲۷۳ھ اور کمال الدین موبانی سے تحصیل کی، ہندت کبیر الدرس تھے، فنون حکمیہ میں بھی اچھی لیاقت تھی۔ مقالات عامہ اور دہ پران کے حواشی ہیں۔ ۱۳۰۹ھ میں انتقال ہوا۔

۲۵۷۔ احمد امین بن عبداللہ افغانی رامپوری۔ نوشہرہ ضلع کے ولئی علاقے کے باشندے تھے۔ اچھائی کتابیں وطن میں پڑھیں۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں تحصیل کی۔ مولانا فضل حق رامپوری سے منطق و حکمت اور کلام کے اعلیٰ درسیات پڑھے ہندت جامع اساتذہ تھے، کثرت درس میں شہرت تھی کوئی وقت درس سے غالی نہ تھا۔ میرے مرحوم بھائی اور اساتذہ مولانا عبدالوہاب خاں صاحب مرحوم نے مولانا سے گھر پر تفسیر، بیضاوی پڑھنے کے لیے وقت مانگا تو فرمایا کہ میرے پاس سوائے تہجد کے کوئی وقت نہیں۔ چنانچہ بھائی صاحب مرحوم تہجد کے وقت ان کی خدمت میں جا کر درس لیتے۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں درجہ دوم کے اساتذہ تھے اور درس نظامی کی اعلیٰ کتابیں پڑھاتے تھے، منطق و حکمت اور کلام میں یدِ طولی تھا، سیکڑوں شاگرد تھے۔ آخر میں مولین برما ملے گئے۔ افتائی خدمت تھی ہر سال رامپور میں اہل و عیال میں آتے، ایک رسالہ لکھا تھا جو اشکال اربع کی تحقیق پر مشتمل تھا اور اس میں ہر شکل کی مثال قرآنی آیات سے فراہم کی تھی جو طبع ہو چکا تھا، لیکن اب نایاب ہے۔ ۱۰ محرم الحرام ۱۹۳۸ء میں مولین میں ولات پائی۔ دو لڑکے چھوڑے مولانا محمد یوسف متوفی ۱۸ فروری ۱۹۸۶ء جو مدرسہ عالیہ کے اساتذہ تھے۔ دوسرے محمد اسحاق جو حیات ہیں، عربی تعلیم سے بے بہرہ۔

۲۵۸۔ احمد حسن خالوتی، کانپور بخالد گورداس پور مولد و منشا تھا۔ طلب علم کے لیے علیگڑھ میں مفتی لطف اللہ علیگڑھی متوفی ۱۳۳۳ھ کی خدمت میں پہنچے اور ان کے پاس رہ کر درسیات سے فراغت حاصل کی۔ سہارنپور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں کچھ مدت تک درس دیا پھر کانپور کے مدرسہ فیض عام میں ایک زمانے تک پڑھایا اور وہیں نکاح کر کے رہ چکے۔ ہندت کبیر الدرس تھے، پندرہ سبق پڑھاتے تھے۔ ۱۳۲۲ھ میں ولات پائی۔ تصنیفات میں، ممدانہ کی شرح مسلم، ہندت مفصل حاشیہ ہے

احکام کذب و اختلاجات کذب میں الگ رسالہ ہے۔

۲۵۹۔ اسحاق حائے دہلہ حافظ الکبر حائے اصل وطن خاں پور تھا۔ غدر کے بعد رامپور گئے۔ مولانا بدلت اللہ حائے ابراہائی کتابیں پڑھیں، مولانا نور اللہ بنی منطق و حکمت کی تکمیل کی۔ دہلی جاکر سید نذیر حسین محدث متوفی ۱۳۲۰ھ سے سند حدیث لی منطق و حکمت اور ریاضی کے نامور فضلا میں تھے۔ آخر میں دہلی پہنچے لگے۔

۲۶۰۔ اسد الحق بن عبدالحق شیر آبادی رامپوری۔ رامپور مولد و مشا تھا۔ والد سے درسیات کی تکمیل کی۔ ابراہائی کتابوں کے علاوہ سب کتابیں والد سے پڑھیں، جہلت ذہین اور زود فہم تھے، منطق و حکمت خاص مضمون تھا۔ مولانا عبدالعزیز اپنے والد کے شاگرد سے ابن حاجب کا کافہ پڑھتے تھے معارف فطین کی بحث تھی مولانا نے ان کے اساذ کو بدلت کی اس بحث میں مکشافی و لم مطلب قلیل من المسائل لیس منہ کو چھوڑ دیا کیوں کہ اس کا مطلب اسد الحق سے ذاتی مطالعے میں نہیں لکل سیکتا تو اس کو خیال ہوگا کہ اس کی قوت مطالعہ ناقص اور کمزور ہے۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ کافے کا پڑھنے والا اسکو اپنے مطالعے میں لکل ہی نہیں سکتا اور جو چیز مطالعے میں نہ لکل سکے اس کا پڑھنا اور پڑھانا دونوں غیر مفید ہیں۔ اسد الحق، مولانا عبدالحق کے رامپور جانے کے بعد مدرسہ عالیہ میں صدر مدرس تھے۔ لیکن عین جوانی میں ۱۳۱۸ھ میں بیٹے کی وبا میں رامپور میں انتقال ہو گیا اور میاں خواجہ احمد صاحب متوفی ۱۳۵۳ھ کے باغ میں دفن ہوئے۔

۲۶۱۔ اعجاز احمد بن عبدالہادی حسوانی۔ درسی کتابیں حکیم محمود عالم حسوانی سے پڑھیں اور بہت دنوں ان کی خدمت میں رہے پھر بمبھال جاکر محمد بطیر حسوانی متوفی ۱۳۲۳ھ اور قاضی عبدالحق کابلی بمبھالی سے درسیات کی تکمیل کی اور حسوانی گئے۔ وہاں بسوی میں درس کے ساتھ مطلب بھی شروع کر دیا۔ ہدایوں کے مدرسے میں عربی لٹری کے اساذ مقرر ہوئے۔ آخر میں فیض آباد کے کالج میں نائب پرنسپل ہوئے۔ اور پنشن لے کر وطن آگئے اور مطالعہ کتب و تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے۔ ۱۳۸۲ھ میں انتقال ہوا۔ منجد دیگر تصانیف لٹری کی فصوص الحکم کی شرح رشحات الحکم کے نام سے لکھی۔

۲۶۲۔ فہام اللہ بن انعام اللہ انصاری لکھنوی۔ اکابر علمائے لکھنو میں تھے۔ لکھنو مولد و مشا تھا۔ مختصرات عبدالباق لکھنوی متوفی ۱۲۹۵ھ سے پڑھے پھر مولانا عبدالحق کی خدمت میں بہت دنوں رہ کر تکمیل کی اور مدراس کے ولیر کے مدرسے میں درس دینے لگے۔ وہاں سے دکن میں گھر گئے کے مدرسے

میں مقرر ہو گئے۔ منجملہ دیگر تصنیفات کے شرح معارف نسفی اور اس کے حاشیہ جمالی پر اور قطبی پر حاشیہ لکھے۔ ۱۳۱۶ھ میں انتقال ہوا۔

۲۶۳- الملیٰ نقشب فیض آبادی۔ ذہانت و قوتِ حطّ اور ذہن کی روانی میں عام طور سے شہرت قس فیض آباد مولد و مختص تھا، لکھنو جاکر مولانا انور علی لکھنوی متوفی ۱۳۰۳ھ اور دوسرے اساتذہ سے تحصیلِ حرام کی اور لکھنو میں ہی ایک زمانے تک صدری خدمات انجام دیں۔ جمہول میں نواب صدیق حسن خاں متوفی ۱۳۰۶ھ نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے رکھ لیا اور کچھ دنوں بعد جمہول کے مدارس کی نظارت پر مقرر ہو گیا۔ ۱۳۰۶ھ میں مکہ معظمہ میں ولایت پائی۔ ان کی تصنیفات میں شرح مرقاة لاری میں، حمد اللہ کی شرح سلم پر حاشیہ اور شرح جہنم بخودی پر مفصل حاشیہ اور بعض دوسری درسیات پر حواشی ہیں، جو سب کے سب مطبوعہ ہیں۔ منطق کی کتابوں کی منطقی تحریک ان کی ہی استخراج قس۔

۲۶۴- سید میر علی بن معظم علی علی آبادی، لکھنوی۔ ہندستان کے مظہر میں تھے اچھا مکتبی تعلیم حاصل کی اور عربی کے قصرات عبد اللہ آروی و حیدر علی مہاجر سے پڑھیں۔ پھر قاضی بطیر الدین عثمانی قنوجی کی خدمت میں رہ کر درسیات کی تکمیل کی اور اصول، کلام، منطق و فلسفہ وغیرہ علوم حاصل کیے۔ سید نذیر حسین سے حدیث اور حکیم عبدالغنی خاں متوفی ۱۳۱۶ھ سے طب پڑھی۔ لکھنو میں جمادی کر کے کتابوں کی تصحیح و ترمیم پر مشغول ہو گئے اور کچھ دنوں ملازم رہے پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل نے مدرسہ عالیہ میں مقرر کر دیا، لیکن سال دو سال بعد ہی مدعوۃ العلماء کے مدرسے میں صدر مدرس بنادے گئے۔ دو تین سال بعد ۱۳۲۷ھ میں ولایت پائی۔ مصنفات میں توضیح و تلویح پر ہدایت اسوۃ حاشیہ بھی ہے۔

۲۶۵- انوار اللہ بن فہار الدین قندھاری حیدر آبادی۔ دکن کے نامدوں کے قصبہ قندھار میں پیدا ہوئے، حطّ قرآن کے بعد اپنے وطنی اساتذہ سے قصرات پڑھیں۔ لکھنو جاکر عبد اللہ انصاری سے اور ان کے بیٹے عبدالملیٰ کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی عبد اللہ معنی سے تفسیر کا درس لیا۔ اکثر علوم و فنون میں ماہر تھے۔ کچھ دنوں حکومت کی ملازمت کی پھر حج کے لیے سفر کیا وہیں شیخ احمد اللہ مہاجر کی متوفی ۱۳۱۷ھ سے بیعت کی۔ دکن میں واپسی کے بعد محبوب علی خاں نظام دکن (۱۱۳۰/۱۸۸۴ - ۱۲۲۹/۱۹۱۱) کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ خان بہادر کا خطاب ملا۔ پھر میر عثمان علی خاں (۱۹۱۱ - ۱۹۳۸) کی تعلیم پر

نامور ہوتے۔ میر عثمان علی خاں نے دکن پر سخت فطینی کے بعد صدارت اور احتساب کے محکمے سپرد کیے پھر درزیر اوقاف بنائے گئے اور فضیلت جنگ عطا رہا۔ بعد کو فہر ادگان کی تعلیم بھی مصلحت ہو گئی۔ علوم عقلیہ میں ینگہ مصر تھے۔ اور درس و الاداد اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ حیدر آباد میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد ڈالی۔ تالیفات اور نشر و اشاعت کتب کے لیے اشاعت العلوم کے نام سے ایک مجلس کی تاسیس کی۔ ۱۳۳۶ھ میں ولایت پائی۔ ان کی مصنفات میں سے کتاب العقل کافی مشہور ہے۔ جو فلسفہ جدید و قدیم کی جامعیت کے ساتھ جدید علم کلام ہے۔

۲۶۶۔ حکیم برکات احمد بن دائم علی ٹوکی۔ منطق و فلسفہ کے فضلا میں شمار ہوتے تھے، اجماعی کتابیں اپنے والد اور محمد حسن خاں عسکری متوفی ۱۳۱۵ھ سے پڑھیں۔ پھر رامپور آکر صاحبزادہ محمد علی خاں معروف بہ چمن صاحب تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی کے جہاں قیام کر کے عبدالحق خیر آبادی سے معقولات کی تکمیل کی اور کئی سال ان کی خدمت میں گزارے پھر کئی سال دہلی میں رہ کر حکیم غلام مصطفیٰ خاں متوفی ۱۳۴۰ھ سے طب حاصل کی بھوپال میں مولانا ایوب بھٹنی متوفی ۱۳۱۵ھ سے حدیث پڑھی ٹونک آکر سرکاری شفاخانہ کے افسر الاطباء ہو گئے۔ درس و تعلیم ان کا حقیقی مشغلہ رہا، اطراف و اصداد کے طلبہ پہنچتے گئے۔ منطق و فلسفہ کے مسلک اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ مولانا عبدالوہاب بہاری استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ رامپور آئے اور نواب حامد علی خاں (۱۳۰۶ھ - ۱۳۴۹ھ) کو قصیدہ پیش کیا۔ مولانا نے میرزا بد رسالہ پر صحیفہ ملکوتیہ کے نام سے حاشیہ لکھا تھا جس میں مولانا خیر آبادی پر اعتراضات تھے۔ صاحبزادہ چمن صاحب چاہتے تھے کہ ان کو رامپور میں علمی رک بچھائی جائے۔ وہ مولانا فضل حق رامپوری کے پاس آئے اور کہا کہ تمہیں نواب صاحب کے سامنے صحیفہ شیطانیہ والے عبدالوہاب سے مناظرہ کرنا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ان کا تعلق مجھ سے خورد وازد بزرگانہ ہے نہ میں ان سے مناظرہ کے لیے تیار ہوں اور نہ وہ ہونگے۔ وہ مجھ سے ملنے آئے تھے تو میں نے ان کے اعتراضات کا جواب دیدیا تھا اور انہوں نے میرے جوابات تسلیم کر لیے ہیں اور یہ کہہ گئے ہیں کہ یہ اعتراضات میں نے جہارے لیے نہیں کئے ہیں۔ صاحبزادے صاحب نے مجبوراً حکیم برکات احمد صاحب کو بلالیا اور نواب حامد علی خاں کے سامنے مناظرہ ٹھہر گیا۔ نواب صاحب نے مولانا فضل حق صاحب کو بلا کر فیصلے کے لیے مطہر کے طور پر مجلس میں پہنچنے کا حکم دیا۔ مولانا عبدالوہاب حضرت مولانا کے پاس آئے اور کہا کہ برکات احمد اپنے شاعر و مولوی معین الدین (بحیری) کو لائے ہیں اور

میرے ساتھ کوئی شاگرد نہیں آپ اپنے کسی شاگرد کو میرے ساتھ کر دیتے کہ اگر معین الدین بحث شروع کر دیں تو وہ جواب دیں۔ ہاں اگر برکات احمد نے گھٹکو شروع کی تو میں بیٹ لوں گا۔ چنانچہ مولانا نے اپنے صاحبزادے استاذی مولانا افضل الحق مرحوم متوفی ۱۳۷۵ھ اور استاذی وافی السعظم مولانا عبدالوہاب خاں کو ساتھ کر دیا۔ گھٹکو مولانا برکات احمد اور مولانا عبدالوہاب بہاری نے شروع کی حکیم برکات احمد صاحب کا ابھرائی سوال یہ تھا کہ قضیہ، منطقین کے نزدیک معقولات ثانیہ میں سے ہے کہ جن کا ظرف عروض ذہن ہے جبکہ قضیہ شخصہ جس کا موضوع جزئی اور شخصی ہوتا ہے اور خارجی وجود رکھتا ہے اس کا محلی عند خارجی ہوتا ہے۔ تو اس کو قضیہ کیسے عارض ہوگا۔ مولانا فضل حق صاحب فرماتے تھے کہ میں نے محسوس کیا کہ عبدالوہاب الہی پیر رہے ہیں اور جواب بن نہیں پڑتا ہے تو میں نے حکیم برکات احمد کے سوال کی تشریح کرتے ہوئے جواب کی طرف اشارہ کر دیا پھر ایک موقع پر برکات احمد دشواری میں پڑ گئے میں نے عبدالوہاب بہاری کی بات کی تشریح کی اور جواب کی طرف اشارہ کیا۔ بہر حال میں نے دونوں حضرات کی بحث کو نزاع لفظی قرار دیتے ہوئے فیصلہ کر دیا اور اس طرح نواب صاحب کے سلسلے دنوں کی بات رہ گئی پھر ان دونوں حضرات نے الگ الگ اگر مسیحا شکر پر ادا کیا۔ حکیم صاحب کو منطق و فلسفہ میں غیر معمولی تو غل تھا۔ ان کی تصنیفات میں القول الضابط فی تحقیق الوجود المرابط، امام الکلام فی تحقیق الالہام اور کلام و فلسفہ کی بعض کتابوں پر حواشی ہیں۔ ۱۳۴۷ھ میں انتقال ہوا۔

۲۶۷۔ پھول کاٹی۔ منطق و فلسفہ کے مشہور لوگوں میں تھے سیدہ افغانستن کا علاقہ آزاد وطن تھا۔ طلب علم میں ہندوستان آئے۔ ملحق لطف اللہ علیگزوی اور دیگر اساتذہ سے تحصیل علم کی۔ سامپور آکر ہٹھان عابدان میں قلعہ کیا اور کچھ دنوں غالباً انوار العلوم میں درس دیا۔ ٹونک میں مدرسہ حلیلیہ میں بہت دنوں پڑھایا۔ حکیم برکات احمد سے اختلاف کے باعث نواب صاحب ٹونک نے خارج البلد کر دیا تو دہلی آ گئے اور مدرسہ نعمانیہ میں آخر عمر تک درس دیا۔ ۱۳۴۹ھ میں انتقال ہوا۔

۲۶۸۔ حطیط اللہ بن دین علی ہندوہی۔ اعظم گڑھ کا قصبہ ہندوہ مولد و مشا تھا۔ غازی پور جا کر عبداللہ غازی پوری وغیرہ سے پڑھا، وہاں سے لکھنؤ آئے اور مولانا عبدالحی کا دامن پکڑ لیا۔ اور ان کے پاس فراغت پائی اور کانگریس کے سرکاری مدرسے میں ملازم ہو گئے۔ وہاں سے ان کے اساتذہ عبدالحی نے اپنے داماد یوسف بن قاسم متوفی ۱۳۶۳ھ کی تعلیم کے لیے لکھنؤ بلالیا، لکھنؤ میں ایک زمانے تک درس دیا پھر رامپور

اور مدرسہ عالیہ میں صدر مدرس پر تقرر ہو گیا۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی پر نسیل تھے اور سوائے اپنے متحسین کے کسی کو برداشت نہیں کرتے تھے علاوہ ان میں مولانا عبدالحق سے انہیں شدید علمی اختلافات تھے، رامپور کے احباب نے انہیں متعدد بار مشورہ دیا کہ مولانا خیر آبادی کے جہاں کبھی کبھی حاضری دیدیا کریں۔ لیکن وہ کبھی ان کی مجلس بلکہ دربار میں نہیں گئے اور یہ کہ کر مشورہ کو مسترد کر دیتے کہ مجھ سے اپنے اساتذہ کو گالیاں سننی نہیں چاہیگی اور میں جواب دے نہیں سکوں گا اس لیے بہتر یہی ہے کہ نہ جاؤں۔ مولانا عبدالحق مولانا عبدالحق کے شاگرد کو مدرسہ کا صدر مدرس کیسے برداشت کرتے، انہوں نے خسرو باغ علی کو ٹھہری میں (جس میں اب رضا ڈگری کالج ہے) جہاں نواب حامد علی صاحب اس زمانے میں قیام پذیر تھے، مدرسہ عالیہ کے بڑے اساتذہ کا ان کے حضور میں امتحان رکھ دیا۔ مولانا حنیف اللہ کی باری آئی تو خیر آبادی نے ان سے سوال کیا کہ فرد محترم کا کیا مفہوم ہے، مولانا نے تشریح کی تو سوال کیا کہ فرد محترم کا ثبوت و انتفاء کس طرح ہوتا ہے، مولانا نے جواب دیا کہ کسی ایک فرد سے موجود ہوتا ہے اور ایک ہی فرد کے انتفاء سے منقبتی ہو جاتا ہے۔ خیر آبادی نے نواب صاحب سے مخاطب ہو کر اور ایک خدمت گار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ اس خدمت گار کی موت سے انسان فنا ہو جاتا ہے حالانکہ فرد محترم بمعنی مفہوم فردیت منصف بہ کلتی ملّا جسم تا، و حیوان تا یعنی کوئی سا جسم کوئی سا حیوان اور کوئی سا انسان، بلا تخصیص و تعین کے ثبوت کے لیے کسی ایک کا وہ کوئی بھی ہو ثبوت کافی ہوتا ہے، اور انتفاء کے لیے جمیع کا انتفاء ضروری ہوتا ہے۔ پھر خیر آبادی نے بھی جان بوجھ کر مغالطے سے کام لیا۔ نواب صاحب نے کہا نکالو اس کو چنانچہ مولانا مدرسہ عالیہ سے الگ کر دیے گئے۔ مدرسہ عالیہ سے الگ ہو کر ندوے کے دارالعلوم میں صدر مدرس ہو گئے اور بہت دنوں وہاں درس دیا، وہاں سے ڈھاکہ گئے اور وہاں کے مدرسہ عالیہ میں اساتذہ مقرر ہو گئے۔ حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ وہاں سے پنشن لے کر رخصت ہوئے۔ اور راج کے بعد پھر ندوۃ العلماء کے صدر مدرس ہو گئے اور ۱۳۴۸ھ میں اس سے سبکدوش ہو گئے۔ ۱۳۶۲ھ میں ولایت پائی۔ مولانا کو معقولات و مقولات میں یتوئی حاصل تھا اور علم ہیئت تو ان کا مرغوب فن تھا، چنانچہ مدرسہ عالیہ کے حساب میں مولانا نے شروع سے درجہ اول تک ریاضیات کا اضافہ کر دیا مولانا کا تشریح شرح تعریض پر اوسط حاشیہ بھی ہے۔

۲۹۹۔ حمید الدین بن رحمت اللہ ہزاروی۔ معقولات و مقولات میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ بانسہرہ

منع ہزارہ مولد و خطا تھا۔ ابراہمی کتابیں وطنی اساتذہ سے پڑھیں۔ رامپور آکر منطق و حکمت اور کلام، اساتذہ رامپور سے حاصل کیے اور مولانا فضل حق رامپوری سے تکمیل کی، بریلی میں صدر لیبی خدمات انجام دیں ذکی تھے طبیعت میں جولانی تھی فنون ادبیہ سے بھی کافی معاہدت تھی۔

۲۷۰۔ سید حیدر علی رضوی شیخی پختہ۔ انہوں نے اپنے والد اور مولانا تراقب علی لکھنوی سے درسیات پڑھے، شیخی اصول اور مسلم الثبوت احمد علی محمد آبادی، متوفی ۱۲۹۵ھ سے پڑھے۔ ادبیات کی تحصیل مفتی عباس تیسری لکھنوی متوفی ۱۳۰۶ھ سے کی۔ پٹنہ میں امام جمعہ و جماعت رہے۔ لکھنؤ کے مدرسہ ایامیہ میں رضا کارانہ درس دیتے تھے، ہندت کلچر، مفتی اور عبادت گراہ تھے، معقولات و مقولات دونوں میں نمایاں تھے، مصنفات میں سے صدرا پہ، حمد اللہ اور ملاحسن کی تسلی کی شرحوں پر حواشی ہیں ۱۳۰۲ھ میں انتقال ہوا۔

۲۷۱۔ قاضی دوست محمد بن امیر کابلی ٹوٹکی۔ کامل مولد و خطا تھا، وطنی اساتذہ سے ابراہمی کتابیں پڑھیں لکھنؤ آکر مفتی نعمت اللہ انصاری متوفی ۱۲۹۹ھ سے فنون ریاضیہ اور دیگر علوم کی تحصیل کی اور بہت دنوں تک ان کے پاس رہے۔ مراد آباد میں سید عالم علی ٹکھنوی سے حدیث کی سہلی۔ اکبر آباد میں اساتذہ ہو گئے اور بہت دنوں پڑھایا۔ ٹونک میں چاکر عہد کیا اور قاضی مقرر کر دے گئے، علوم حکمیہ میں جید فاضل تھے، تخریج ہدایہ الکفر (قابلاً ہیڈی) پر بھی حاشیہ لکھا ہے۔ ۱۳۲۸ھ میں ٹونک میں انتقال ہوا۔

۲۷۲۔ سراج الحق بن فیض احمد عثمانی بدایونی۔ مشہور فضلاء میں تھے کچھ کتابیں والد سے پڑھیں اور کچھ اپنے ماموں نور احمد بدایونی، متوفی ۱۳۰۲ھ سے۔ مصنفات میں حکمت طبعیہ میں سراج الکفر اور میزان منطق کی شرح اور الامم طمس عمر بن محمد لسنی متوفی ۱۲۷۴ھ کی مصنفہ کی شرح شہد از شرف الدین اسماعیل بن امامیم شیبانی پر حاشیہ ہے۔

۲۷۳۔ قس العلاء سادات حسین بن رحمت علی بہاری۔ کٹھا مولد و خطا ہے، کچھ دنوں اپنے وطن بہار میں پڑھا پھر جون پور میں مفتی یوسف لکھنوی فرنگی علی سے تکمیل کی اور آٹھ میں دس سال درس

دیا۔ پھر حج و زیارت کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ میں اسٹاڈنٹ کے طور پر شمولیت کی۔ حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ میرزا بدر رسالہ پر حاشیہ اور رسالہ فی المبالغۃ ان کی تصنیفات میں سے ہیں طویل عمر پائی۔

قربب قربب ایک سو دو سال کی عمر میں ۱۳۶۰ھ میں ولادت پائی۔
۲۷۴۔ شمس بن حبیب اللہ نعمانی بھڑولی، اعظم گڑھ کے قصبے، بھڑول میں پیدا ہوئے، اچھائی عمری کی کتابیں لاروق چڑیا کوئی متوفی ۱۲۲۷ھ سے پڑھ کر ان سے منطق و حکمت پڑھی اور بہت دنوں تک ان سے فیض اٹھایا، پھر رامپور میں آکر مولانا ارشاد حسین بھڑوی متوفی ۱۳۱۱ھ سے فقہ و اصول حاصل کیے، مولانا فیض الحسن بہار پوری متوفی ۱۳۰۲ھ سے ادب عربی حاصل کیا۔ اس زمانے میں اپنے اساتذہ مولانا ارشاد حسین کے زیر اثر متعدد حنفی تھے اور زبانی طور پر فقہ آخر تک قائم رہا۔ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم متوفی ۱۳۷۳ھ نے مجھ سے فرمایا کہ اپنی مجلس میں وہ ہمارے سامنے مسکرا کر فرماتے کہ دیکھیے میں متعدد حنفی اور میرے یہ شاگرد غیر مقلد۔ لیکن علی گڑھ کے مدرسہ العلوم میں جا کر مغربی اور دوسرے جدید تعلیم یافتہ اساتذوں اور سرسید متوفی ۱۳۱۵ھ اور ان کے ساتھیوں کے زیر اثر یہ تشدد جاتا رہا تھا اور انھیں اپنا ہونٹیا تھا۔ ممالک اسلامیہ کا سفر کیا سلطان عبدالحمید شاہ دوم (۱۲۹۳ھ - ۱۸۷۶ء - ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) متوفی ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء نے متحدہ ہندوستان کا انعام دیا، ہندوستانی حکومت نے شمس العلماء کا خطاب عنایت کیا، مدرسہ العلوم سے حیدر آباد آگئے اور علوم و فنون کی نظارت سنبھالے ہوئی۔ پانچ سال وہاں رہے اور سورج پور ہاؤس پر انجمن پر آئے سال دارالعلوم ندوۃ العلماء کی سربراہی کی ۱۳۲۳ھ میں پاس رکھی ہوئی بھڑول چل جانے سے چھ ماہ بعد پانڈوں پر پڑے جسے کاٹنا پڑا۔ علامہ قوی الحافظ، ذکی، وسیع النظر، باریک بین، قوی الحج، کثیر الملاحظہ اور بااثر تھے۔ کثرت سے تصانیف ہیں۔ معتمد و کلام پر ہنر مند و دقیق نظر تھی چنانچہ علم کلام کی تدریس اور کلام ان کی ہنر مند اہم کتابیں ہیں۔ ۱۳۱۸ھ میں ولادت پائی۔

۲۷۵۔ ضیاء الدین بن محمد بخش بستی دہلوی۔ اپنے زمانہ کے مشہور علماء میں سے تھے۔ دہلی کے قصبے بستی کے رہنے والے تھے۔ مولانا مملوک علی، مفتی عبداللہ بن متوفی ۱۲۸۵ھ، حکیم احمد علی وغیرہ علماء سے تحصیل علم کی، دہلی کے مدرسے میں درس رہے، پھر انگریزی حکومت کی طرف سے کسی مناصب میں نائب حاکم رہے، خان بہادر کے ساتھ شمس العلماء کا خطاب پایا اور انجمن دہلی۔ ایک اردو

رسالہ طبعیات میں یادگار ہے۔ ۱۳۲۷ھ میں انتقال ہوا۔

۲۷۶۔ ظہور الحسن بن نیاز اللہ رامپوری۔ گیارہویں پشت پر رفیع الدین سرہندی پر سلسلہ نسب شیخ احمد سرہندی متوفی ۱۰۳۲ھ سے مل جاتا ہے۔ والد سے لاری پڑھی۔ صرف و نحو کی اہرائی کتابیں مولانا امداد حسین مجددی رامپوری متوفی ۱۳۱۷ھ سے پڑھیں معقولات کی اہرائی کتابیں مجددی مغلطی ریاضی داں رامپوری اور نورالقی رامپوری سے پڑھیں۔ دغیات مولوی ارشاد حسین سے پڑھی اور کچھ مفتی سعد اللہ مراد آبادی رامپوری سے عہدالمنیہ آبادی سے معقولات کی آخری کتابیں پڑھیں اور بہت دنوں تک ان کی خدمت میں رہے۔ مدرسہ عالیہ میں درس ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں اساتذہ مدرسہ کو نواب حامد علی خاں کے سامنے ان کا امتحان لینے کے لیے پیش کیا گیا۔ جو در حقیقت مولانا حلیہ اللہ کو مدرسہ سے الگ کرنے کے لیے تھا۔ اساتذی مولانا معز اللہ خان صاحب متوفی ۱۳۶۱ھ اساتذہ درجہ دوم مجھ سے فرماتے تھے کہ میں موجود تھا مگر احمد خیر آبادی عبارت پڑھتے تھے اور اساتذہ کتاب سامنے رکھے بغیر تقریر کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے حمد اللہ کے اہرائی کسی موقع کی عبارت پڑھی، عبارت پوری نہیں ہوئی تھی پڑھنا شروع ہی کی تھی کہ مولانا نے تقریر شروع کر دی اور پورے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ تقریر شروع کی۔ کسی نے کہا کہ یہ موقع تو متواتر مولانا کے زیر درس رہتا ہے چنانچہ ادا مگر کتاب سے عبارت پڑھنی شروع کی گئی مولانا نے پورے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ تقریر شروع کر دی، فرق اتنا تھا کہ سکون سے پوری عبارت سنی اور پھر تقریر کی۔ ۱۳۰۳ھ میں مولانا راندیر چلے گئے اور مولانا فضل حق ان کی جگہ صدر مدرس اور پرنسپل بنادیتے گئے۔ نواب صاحب نے کسی بات پر ناراض ہو کر مولانا فضل حق کو الگ کر دیا اور مولانا کلکتہ مدرسہ عالیہ میں چلے گئے تو مولانا ظہور الحسن صاحب کو بلا کر پھر صدر مدرس بنادیا گیا۔ کچھ دنوں بعد پھر مولانا فضل حق کو نواب صاحب نے طلب کیا۔ مولانا نہیں چاہتے تھے کہ آئیں، لیکن ان کے اعزہ و اقارب نے انہیں رہاست کے خوف کی وجہ سے آنے پر مجبور کر دیا اور آنے کے بعد ان کو پھر صدر مدرس اور پرنسپل کر دیا گیا اور مولانا ظہور الحسن صاحب کو ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی بنا کر مدرسہ عالیہ کی پرنسپل کی تنخواہ پر بھیج دیا۔ تصانیف میں الافق المبین کا حاشیہ، حاضی مبارک کی شرح حمد اللہ کا حاشیہ، میرزا ہد رسالہ کا حاشیہ، حمد اللہ کی شرح سلم کا حاشیہ حکمت العین کی شرح شفاء بالکھری کی تحفہ اور مبسوط شرحیں ہیں۔ لیکن سوائے میرزا ہد رسالہ کے حاشیہ کے کوئی حاشیہ اور شرح مکمل نہ ہو سکی۔ ۱۳۴۲ھ کو

راہپور میں ولایت پائی۔ مولانا آنحضرت کے علم غیب، بیچ مالان و انکین کے قائل تھے اور بعض جمعرات کو بھی جانچا جلتے تھے۔ اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ کے بہت سی باتوں میں موافق تھے۔

۲۶۷۔ عبدالباری بن سراج احمد سہسوانی۔ مولانا امیر احمد سہسوانی سے تحصیل کی اور ان کی خدمت میں بہت زمانے تک استفادہ کیا۔ ہنلت ذکی، زود فہم، قوی الحافظ تھے۔ بحث و مناظرہ ان کی عادت ہو گئی تھی۔ آریں اور صیانیوں سے مناظرے کرتے تھے۔ درسیات پر حواشی کے علاوہ صیانیوں کی تردید میں موطا کتاب ہے، اللہ اعلىٰ العلم کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ ۱۳۳۲ھ میں بھوپال میں وفات پائی۔

۲۶۸۔ عبدالباری بن عبداللہ ابی الصاری لکھنوی۔ لکھنؤ مولانا و خطا تھا، عبدالباقی الصاری متوفی ۱۳۹۳ھ سے اکثر درسیات پڑھے اور کچھ عین القضاء سے۔ ۱۳۲۲ھ میں حج و زیارت سے فراغت پائی اور اسی اٹھامیں حدیث میں وہاں کے اکابر محدثین سے اجازتیں حاصل کیں۔ آنکدروس شروع کر دیا۔ فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ کی تاسیس کے بعد اس میں درس دینے لگے آخر عمر میں قرآن و حدیث کا درس واحد مشغلہ رہ گیا تھا۔ مگر پرمولائے روم کی شہزی پڑھا تے تھے، ملی انجمنوں تعلیمی جمہدوں اور عوامی خدمات اور مسلمانوں کے عام معاملات سے زیادہ تعلق رہتا تھا اور عاصا وقت سفر اور جلسوں میں گزرتا، تحریک خلافت کے قائدین میں سے تھے۔ مولانا محمد علی متوفی ۱۹۳۱ھ، شوکت علی متوفی ۱۹۳۸ھ نے بیعت کی تھی۔ اور ان کا مکان سیاسی جلسوں اور ملی قائدین کا مرکز بن گیا تھا، ۱۳۴۳ھ میں ولایت پائی کتب درسیہ پر حواشی کے علاوہ پست جدید و دھیم پر ایک رسالہ ہے، مہم المسکوت کے نام سے مسلم الثبوت کی شرح ہے ان کے علاوہ فتاویٰ اور دوسرے رسائل ہیں۔

۲۶۹۔ عبدالحق بن فضل حق خیرآبادی۔ منطق و حکمت کے بے بدل لاضل تھے۔ انداز اور مزاج عالمانہ سے کہیں زیادہ رئیسانہ تھا۔ لباس بھی اس زمانہ کے رؤسا کا نسب من ہوتا تھا۔ پان کثرت سے کھاتے تھے۔ ہنلت ذہین اور تیز فہم، قوی الحافظ اور بادقار شخصیت تھی۔ میرے لڑپن اور جوانی میں ان کے لطائف و طرائف علمائ کی زبان پر تھے۔ غیر معمولی فضول خرچ تھے۔ سود کے بغیر گزر نہیں ہوتی تھی۔ پاکی رہن کر دیتے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ پاکی مگر میں مجبوس ہوتی اب آتا جانا بدھو جانا تھا تا دھیکھ نواب کلب علی خاں قرضہ ادا نہیں کر دیتے اور اگر ادا کے قرض میں تاخیر ہوتی تو راہپور

چھوٹے کی تعمیر کرتے اور نواب قرض ادا کرتے۔ میرے استاد مولانا فضل حق رامپوری نے ایک بار ان کے رامپور چھوٹے کا واقعہ بیان کیا کہ قرض بہت ہو گیا تھا نواب صاحب تک خبریں نہیں لیکن وہ توجہ نہیں کر رہے تھے، رامپور چھوڑ کر جانے کا ارادہ بھی معلوم ہو گیا تھا، لیکن نواب صاحب نے اثر نہیں لیا۔ استاذی مرحوم اس واقعے کو مولانا ارغوا حسین مجددی کی علم نوازی اور ان کی غیر معمولی خرافت نفس کی مثال میں پیش کرتے تھے۔ چنانچہ استاذی مرحوم نے فرمایا کہ ہادیہ کہ مولانا شیرآبادی، مولانا ارغوا حسین کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے اور اپنی درسی مجلسوں میں کوئی موقع ان پر طعن و طنز کا نہیں چھوڑتے تھے۔ ان کے علم و کلام پر بھی اور ان کی مشقت اور تودیع پر بھی ان کے شاگردوں اور علما کو لطمہ پلٹن کھتے تھے اور یہ سب کچھ ان تک پہنچتا تھا، چنانچہ مولانا شیرآبادی نے جب رامپور چھوٹے کا ارادہ کر لیا تو رخصتی ملاقات کے لیے ان کے چال اور کہا کہ میں رامپور سے جا رہا ہوں اور رخصتی ملاقات کے لیے آیا ہوں۔ مولانا نے کہا: ارے کیوں؟ مولانا نے اپنے اوپر قرضے کا بار اور نواب صاحب کی بے توجہی کو بیان کیا۔ مولانا نے رامپور رہنے پر اصرار کیا۔ شیرآبادی نے اپنی معذوری بیان کی اور رخصت ہو کر گئے۔ نواب صاحب مولانا ارغوا حسین صاحب سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے اور ان کی بات نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا عطا وقت فوری طور پر نواب صاحب کے پاس پہنچے، نواب صاحب نے مولانا کی فوری آمد کی وجہ دریافت کی۔ مولانا نے کہا کہ مولانا شیرآبادی رامپور سے جا رہے ہیں۔ سرکار نے کہا حضرت بس جانے دیجئے میں کہاں تک ان کے قرضے ادا کرتا رہوں، مولانا نے فرمایا کہ وہ رامپور کی آمد ہیں، ان کا رامپور سے جانا رامپور کی آمد کا جانا ہے۔ چنانچہ نواب صاحب نے ان کا قرض ادا کیا۔ مولانا بہت خود بہد تھے اور سوائے اپنے متحبسین کے کسی کو درخور اہتیا نہیں سمجھتے تھے بلکہ تشنیک سے بھی نہیں چمکتے تھے۔ استاذی مولانا معزاللہ مالصاحب مرحوم نے جو ان کے شاگرد بھی تھے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک روز صبح صبح مولانا کی خدمت میں پہنچا تو مجھ سے فرماتے گئے کہ تم نے کچھ سنا، میں نے کہا کیا، فرماتے گئے کہ رامپور کے سب مولوی مرگے ہیں، میں نے کہا نہیں حضرت ایسا تو نہیں میں کبھی سے اس کے متعلق کچھ نہیں سنا، فرماتے گئے کہ ابھی کچھ دیر ہوئی ایک صاحب مجھ سے مسئلہ دریافت کرنے آئے تھے اگر رامپور میں کوئی مولوی بھی زندہ ہوتا تو مجھ سے مسئلہ پوچھنے کیوں آتے۔ مولانا کے اس طرح کے لطیفے اور واقعات بہت سے ہیں۔ ہر حال مولانا نے سولہ سال کی عمر میں درسیات کی تکمیل شروع

سے آخر تک اپنے والد سے کی۔ چند سال والد کے ساتھ سہارنپور رہے پھر انور رہے اور محمد بن ریاست میں شمار ہونے لگے۔ انور میں ہی تھے کہ نذر ہو گیا۔ آپ دلی آ گئے اور والد کالے ہائی بیچ دئے گئے۔ دلی سے شیر آباد چلے آئے وہاں سے لوٹ گئے دو سال وہاں رہے۔ وہاں سے کلکتہ مدرسہ عالیہ میں منتقل ہو گیا، لیکن ان کی ملاک حجازی بلکہ تنک حجازی نے انہیں کہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیا، اپنی وضع کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، خود پندی اور رعیتانہ مزاج کہ کلکتہ چند سال سے زیادہ نہیں رہ سکے اور ترک تعلق کر دیا۔ نواب کلب علی خاں نے رامپور بلالیا اور وہ حسرت و ملالہ داری کی اور ان کی تنک حجازیاں اٹھائیں کہ ہمیں وہ پڑے، رامپور کے مدرسہ عالیہ میں پرنسپل کرنے کے علاوہ حاکم مرافحہ بھی کر دیا۔ دو سو مہینہ بابائے کلکتہ ہر سال ان کے قرض کی ادائی کے لیے دو تین ہزار روپے سالانہ عطیت کر دیتے تھے۔ چنانچہ ۱۲۸۱ھ سے ۱۳۰۴ھ تک رامپور میں رہے۔ طلبہ کا جوم رسا تھا۔ طلبہ درس کے شکر، تصنیف کے کاغذ ملتے ہیں لکھتے بھی جاتے ہیں، درس کی تقریر بھی ہو رہی ہے۔ احباب سے باتیں بھی ہو رہی ہیں ایک ایک مہینہ درس نہیں ہوتا، طلبہ ان کے احباب سے سفارشیں کراتے جب درس کے لیے طلب کرتے اور کسی شاگرد کو غیر حاضر پاتے اس کا داخلہ بند کر دیتے، وہ باہر پڑ جاتا، سفارشیں کراتا، مولانا کو رحم آجاتا تو بلا لیتے۔ آنے والے طلبہ مولانا فراغت یافتہ ہوتے تھے اور ان کی تقریر سے استفادہ کرتے۔ تقریر ہندت سلجی اور مالہ و ماعلیہ پر حاوی ہوتی، حتی الامکان سہل الفاظ استعمال کرتے، مولانا کے دولفظ خاص طور سے اساتذہ سے سنے ہیں۔ قیسل کو ماما بندہ جانا اور دور کو ہیر پھیر کہتے تھے۔ اس ملاک حجازی اور رعیتانہ دماغ داری کے ساتھ غریب پرور، اہلکار پیشہ تھے، حسن صورت کے ساتھ پودار شخصیت تھی، اسلامی حیت کے ساتھ خوش عقیدہ اور بزرگان دین اور مشائخ سے لگاؤ تھا۔ نواب کلب علی خاں کے انتقال کے بعد شیر آباد چلے گئے۔ جنرل اعظم الدین خاں شہید ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء ریاست کے دارالہمام نے بے طلب آٹھ مہینے کی رخصت منظور کر لی لیکن مولانا نہیں آئے حیدر آباد چلے گئے، ریاست نے ہمت اعزاز سے رکھا، دو سو مہینہ بطور منصب مقرر کر دیا، لیکن رامپور جہی نذر داری اور اہل ہمت کہاں وہاں سے بھی چلے آئے۔ نواب حامد علی خاں برسر اقتدار آچکے تھے، انہوں نے قدیم اعزاز کے ساتھ بلالیا اور منطق و فلسفہ کے دو چار سبق بھی پڑھے پھر ہر علی شاہ گولڑی کے مشورے سے۔ تو نے کے شیخ اٹھ بخش متوفی ۱۹۰۱ء سے بیعت تھی انگریزی حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا تھا۔ رامپور کے قیام کے زمانے میں امراض جگر میں مبتلا ہوئے۔ وطن

گئے اور ۱۳۱۶ھ میں انتقال ہوا۔ مولانا کے درس کی یہ صورت تھی کہ طالب علم عبارت پڑھتا اور مولانا تقریر کرتے تقریر کو عبارت کتاب سے چپاں کرنا مولانا کا طریق درس نہ تھا۔ تصنیف میں اگر کسی کتاب سے نقل کرنا ہوتا تو اس کتاب پر نشان لگادیتے، اس کا نقل کرنا کام کی ذمہ داری تھی۔ چنانچہ بعض اوقات غلطیاں راہ پاچاتیں اور بغیر اصل کی طرف رجوع کیے ان کا حل کرنا دشوار ہو جاتا، مولانا کی تصنیفات میں ہذاچہ اٹھارہ کی شرح، غلام بخاری بر میرزا ہر سالہ کا حاشیہ، میرزا ہدایا مورعہ پر حاشیہ، حمد اللہ کی شرح سلم پر حاشیہ، قاضی کی شرح سلم پر حاشیہ اور مسلم الثبوت کی شرح ہیں۔ کافہ کی شرح جو حقیقہ میر سید شریف کی لاری کی تخریب ہے۔ مولانا نے اپنے بیٹے اسحاق کے لیے لکھی تھی تاکہ کافہ اور شرح ملا جائی کے درمیان حلقہ کا کام دے۔

۲۸۰۔ قاضی عبدالحق بن محمد معلم کابلی۔ کابل مولد و مضاف تھا، اجماعی کتابیں وطنی علماء سے پڑھ کر کلکتہ میں عبدالحق خیر آبادی سے الافق المسبین کے کچھ اسباق پڑھے، پھر جوہور بخشنے، راہپور آئے اور مولانا عبدالحق ریاضی داں راہپوری سے الافق المسبین اور شیخ کی شفا پڑھی۔ تحصیل عزم کرنے کے بعد راج و زبانت سے فارغ ہوئے اور اسی اثناء میں شام و عراق کے شہروں کی سیاحت بھی کر ڈالی اور بھوپال جا کر فتح اللہ نائب مطلق بھوپال سے فنون ریاضیہ پڑھے۔ نائب مطلق نے اپنی لڑکی سے عقد کر دیا اور مدرسہ شاہجہانیہ میں اساتذہ ہو گئے اور بہت دنوں تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ شیخ فتح اللہ کے انتقال کے بعد ان کی جگہ نائب مطلق ہو گئے، پھر مطلق ہوئے اور پھر قاضی اور ۱۳۲۱ھ اپنی سال وفات تک قاضی رہے۔ منطق و فلسفہ اور کلام کے ماہر تھے، قاضی مبارک کی شرح سلم پر حاشیہ القول المسلم کے نام سے لکھا، قاضی مبارک کے میرزا ہدایا مورعہ کا حاشیہ پر حاشیہ لکھا تو شیخ شرح تلویح پر حاشیہ لکھا، شفاء بالقریر پر بھی رسالہ ہے۔ ان کے علاوہ دیگر رسائل بھی ہیں۔ طامون میں انتقال ہوا۔

۲۸۱۔ عبدالحق بن عبدالحلیم لکھنوی فرنگی مہلی۔ اپنے ہمد کے یگانہ جامع الطنون اور اذکیائے رول لکھتے، حفظ قرآن کے بعد اپنے والد سے علوم و فنون اول سے آخر تک پڑھے، کچھ پست کی کتابیں اپنے والد کے ماموں مطلق نعمت اللہ متوفی ۱۲۹۲ھ سے پڑھیں۔ سترہ سال کی عمر میں فراغت پائی۔ ایک زمانہ تک حیدرآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ حیدرآباد سے ڈھائی سو روپے کے بلا خدمت و وظیفہ پہلے آئے اور لکھنؤ میں عمر بسر دروس، تصنیف اور وعظ میں مشغول ہو گئے۔ کسی فن یا کسی مسئلہ میں ان کے

سلئے علماء میں بحث چھڑاتی تو یہ خاموشی سے سنے رہتے اور کسی طرح کی مداخلت نہیں کرتے تھے بلکہ بلکہ جب لوگ ان کی طرف رجوع ہو کر ان کی رائے دریافت کرتے تو ایسی بات کہتے جس کو سب قبول کر لیتے۔ اگرچہ حنفی مسلک رکھتے تھے لیکن منصوبہ نہ تھے۔ اگر علاف مسلک کوئی قوی دلیل ہوتی تو اس پر عمل کرتے اور اسے علاف تقلید نہیں جانتے تھے۔ علوم عقلیہ میں بھی ان کا بحرِ مباحل انکار تھا۔ غلام بخئی کے حاشیہ پر مولانا خیر آبادی کی غلطی کی لغامدہی پر مولانا خیر آبادی ان سے مداخلت ہو گئے اور بخئی درسی مجلسوں میں طعن و تشنیع کرتے، لیکن مناظرے کے لیے میدان نہ ہونے کہ کہیں عہدائی ہے نہ سمجھ لیں کہ وہ بھی قابلِ اہتمام ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں کو وفیات کے سلسلے کی غلطیوں پر متنبہ کیا تھا اور آپس میں بے مزگیاں پیدا ہو گئیں تھیں۔ بحرالعلوم اگرچہ بحرالعلوم ہیں، لیکن اپنی جامعیت کے اعتبار سے فرنگی محلّی علماء میں مولانا عہدائی کا مرتبہ کسی سے کم نہیں ہے۔ تقریباً تمام فنون میں مولانا کا قابلِ قدر اور بے نظیر تصانیف ہیں۔ منجملہ ان کی کثیر تصنیفات کے غلام بخئی بڑا بڑا رسالہ پر ہدایت الوریٰ الی سوا، الہدیٰ، مصباح الدینی اور علم الہدیٰ ان کے حواشی ہیں۔ ان کے علاوہ ملاحظہ لال پر المصلح اللجیب کے نام سے حاشیہ ہے۔ جمہول المطلق کی بحث میں حل الملقن نام کا رسالہ ہے، عدم تنہائی کے ابطال میں براہین پر الکلام المعین کے نام سے ایک رسالہ ہے، مثلاً بالکفر پر سیرا لیسر رسالہ ہے۔ سبب عرض شعیرہ پر الامدادہ الخیرہ ہے۔ کمال الدین کے حاشیہ ملاحسن پر دفع الکلال عن طلاب تحقیقات الکمال ہے، شرح مواقف کے حواشی پر المصطفیٰ ہے۔ شرح ہماکل کے حواشی زاہد پر تعلقین المماثل ہے۔ بدیع السیران کی شرح ہے۔ آخری چار کتابیں تکمیل نہیں پاسکیں۔ قطبی سے متعلق الکلام الوہبی ہے۔ ۱۳۰۴ء میں جبکہ عمر اسیالیس سال سے متجاوز نہیں ہوئی تھی، وفات پائی۔

۲۸۲۔ مہدار حمان بن محمد قلاوی پوری۔ اپنے مہد کے مشہور فاضل تھے۔ مہد اللہ بن مہدار حمید قلاوی پوری کے بھائی تھے۔ خط قرآن کے بعد عربی کی کچھ کتابیں کچھ دنوں مہد اللہ لکھنؤ سے پڑھیں اور اپنے ناموں مہد اللہ سے تمام درسیات پڑھے بعد کو قلاوی پور کے مدرسہ چشمہ رحمت میں اساتذہ ہو گئے اور کچھ زمانے تک درس دیا اور اسے چھوڑ کر بطور خود بلا مہارت درس دینا شروع کر دیا۔ بخدی کی شرح جنسب کی اردو میں جہالت موطا شرح لکھی ہے۔

۲۸۳۔ مہدار حمان بن حلت اللہ بخنوری امدادی۔ بمبئی میں پیدا ہوئے۔ کد معطرہ میں قرآن مجید

حفظ کیا۔ اپنے والد اور دیگر اساتذہ مکہ سے تحصیل کی۔ مراد آباد کی شاہی مسجد کے مدرسے میں مدرسہ میں خدمات انجام دیں۔ پنجابی پبلک اسکول اور کونو پبلک اسکول کے مدرسے میں درس پڑھائے۔ پھر امرتسر کے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد میں شیخ الحدیث ہو گئے۔ کچھ دنوں کو ڈھائی کے جامعہ اسلامیہ میں بھی پڑھایا۔ مختلف تصنیفات تفسیر، بیاضی کا حاشیہ ہے۔ ۱۳۳۶ھ میں امرتسر میں انتقال ہوا اور جامع مسجد امرتسر میں دفن ہوئے۔

۲۸۴۔ عبدالعزیز اعظمی، رامپوری۔ اٹکھٹ ضلع بہار پور مولد تھا۔ وطن اور اس کے قرب و جوار کے علماء سے تحصیل کی۔ پھر مولانا عبدالحق خیر آبادی کے حلقہ نگاہ میں داخل ہو گئے، اور تقریباً سال تک ان کے درسوں میں شرکت کی۔ چنانچہ مولانا کی اکثر تقریریں ان کے الفاظ اور ان کے ہاتھوں کے اشاروں کے ساتھ محفوظ تھیں، منطق لفظ اور کلام ہی ان کا خاص مضمون تھا۔ آخر زمانے میں دسویں اور دہم میں ملتے تھے۔ وضو کے لیے بیسیوں لوٹے اور غسل کے لیے بیسیوں گھوڑے درکار ہوتے۔ اسٹادی مولانا منور علی صاحب محدث رامپوری المستوفی ۱۳۵۱ھ نے فرمایا کہ میرے اساتذہ تھے اور میں ان کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ ایک روز میں نے عرض کیا کہ ذرا میرا وضو ملاحظہ فرمائیے۔ اگر کہیں کوئی غلطی ہو تو بتائیے چنانچہ میں نے ایک لونا پانی کا ٹیکر وضو کرنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ ہر عضو پہ پانی بہایا اور برابر پوچھتا رہا کہ کہیں غلطی تو نہیں رہی۔ مولانا بہت خور سے ملاحظہ فرماتے رہے۔ اور کہتے رہے کہ ٹھیک وصل گیا۔ میرے صانع ہونے کے بعد خود وضو کے لیے بیٹھے اور ہاتھ دھونے میں ہی ایک لونا بہا رہا جب میں کہتا کہ وصل گیا اور کہیں غلطی نہیں رہی تو انگلی سے بتاتے کہ یہ رہ گئی، یہ رہ گئی، جبکہ واقع میں ایسا نہ ہوتا، آخر دہی نہیں نکلیں لوٹے وضو میں صرف کر دئے۔ مولانا اسلاف خیر آبادی کے انتقال ۱۳۱۸ھ کے بعد حاد علی خاں نے طلب کر کے مدرسہ عالیہ کا صدر مدرس کر دیا اور خود بھی حاضر و ہوتے۔ گھیر سیف الدین خاں میں ادنیٰ مسجد کے قریب مکان تھا۔ رامپور کے بہت سے علماء ان کے حاضر و ہوتے۔ غالباً ۱۳۳۸ھ میں رامپور میں انتقال ہوا اور محلے کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

۲۸۵۔ عبدالحق بن قاضی علی الرحمن رامپوری ٹوکی۔ رامپور مولد و عطا تھا۔ اپنے والد سے تحصیل علم اہلانہ کے ساتھ ٹونک آئے اور ٹونک میں رہ پڑے علوم حکمیہ میں حاصل اور علمیاں درجہ تھا۔ درس و الادب مشغول تھا۔ ۱۳۰۸ھ میں ٹونک میں ولادت پائی۔

۲۸۶۔ عبدالحی علی ریاضی داں ولد یوسف علی رامپوری۔ محلہ راج ڈوارہ میں رہتے تھے۔ منطق و حکمت و سہ ماہی کے علاوہ فنون ریاضیہ میں بے بدل تھے، مدرسہ عالیہ رامپور کے صدر مدرس تھے۔ مولانا محمد رضا علی بریلی، ریاضی میں انہیں کے شاگرد تھے۔ ابھار مولانا حیدر علی ٹوکی متوفی ۱۲۷۲ھ سے استفادہ کیا۔ پھر مفتی شرف الدین رامپوری۔ ملا عبدالرحیم علی تیراہی متوفی ۱۲۳۴ھ اور اخوند زادہ رفیع اللہ علی سوادی متوفی ۱۲۸۲ھ سے تکمیل کی نواب یوسف علی علی (۱۲۷۱ھ - ۱۲۸۱ھ) نے بھی پڑھا تھا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی نواب یوسف علی علی کی تعلیم کے لیے رامپور آئے تو ان سے بہ حرکت مولوی نور اللہ دوانی کا قہر پڑھا ۱۳۰۳ھ میں رامپور میں ولادت پائی اور راج ڈوارے میں مولوی غلام جیلانی متوفی ۱۲۳۴ھ کے مکتب میں دفن ہوئے۔

۲۸۷۔ عبدالقہور رمضانپوری۔ رمضانپور مونگیر مولد ہے۔ کچھ دنوں مولوی اسماعیل رمضانپوری اور محمد احسن گیلانوی سے پڑھا پھر لکھنؤ میں مولانا عبدالحی سے تحصیل کی۔ مصنفات میں شرح جہنم بزدی کا حاشیہ بھی ہے۔

۲۸۸۔ عبدالقادر بن محمد ادریس سلہی۔ بنگال کے مشہور علما میں تھے مولوی رمضان اللہ سے تحصیل کی پھر درس میں مشغول ہوئے۔ مصنفات میں فقہ اکبر کی شرح الدالالہ، فوائد قادریہ، عقائد نسفی کی شرح وغیرہ ہیں۔

۲۸۹۔ عبدالکریم بن عبدالرزاق ہزاروی۔ معقولات و مقولات دونوں میں نمایاں شخصیت تھے، ضلع ہزارہ کے لیبر کوٹ میں پیدا ہوئے اجماعی صرف و نحو نور عالم ہزاروی سے پڑھے ہیں۔ دہلی ہندس فقہ و حدیث وغیرہ پڑھیں۔ رامپور جا کر عبدالحق خیر آبادی سے پڑھا اور رامپور میں ہی درس دینا شروع کر دیا، پھر شاہ جہانپور میں درس ہو کر چلے گئے۔ وہاں حیدر آبادی مدرسہ مجوسیہ میں درس ہوئے۔ وہاں سے لکھنؤ میں دارالعلوم اہل سنت ہوئے۔ حرکت زمین کے ابطال میں ایک رسالہ ان کے مصنفات میں سے ہے۔ تجلیں سال کی عمریں ۱۳۰۲ھ میں اشغال ہوا۔

۲۹۰۔ عبد اللہ بن آل احمد بنگالی۔ بگرام میں پیدا ہوئے، مولانا سلامت اللہ بدایونی متوفی ۱۲۸۱ھ، مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی نور الحسن کاندھلوی وغیرہ علما سے تحصیل کی۔ مصنفات میں ہدیہ سعیدیہ کا حاشیہ مختصر طبع ہے۔ ۱۳۰۵ھ میں ولادت پائی۔

۲۹۱۔ مفتی عبداللہ بن صابر علی ٹوکی۔ مفتی لطف اللہ علی گڑھی وغیرہ علما سے تحصیل کی۔ دلی میں

درسہ جدارب میں ایک زمانے تک استلاسہ ہے۔ وہاں سے لاہور کے اور نعل کلچ میں تقرر ہو گیا۔ وہاں سے آکر دارالعلوم لکھنؤ میں غلام ہو گئے۔ پھر درسہ عالیہ کلکتہ میں تقرر ہو گیا۔ وہاں کچھ ہی دن کام کیا کہ کلچ کا دورہ ہوا چنانچہ بمبہل میں اپنے لڑکے انوالق کے پاس آ گئے اور وہیں ۱۳۳۹ھ میں انتقال ہوا۔ تصنیفات میں جہاد کی شرح سلم پر مشتمل ہے۔ اشعار کتب واجب میں مجلہ الراس



۴۔

۲۹۷۔ جہاد بن جہاد رحمہ اللہ غازی پوری۔ متواہم غزوہ میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن کے بعد غازی ہو گئے اور رحمت اللہ لکھنؤی متوفی ۱۳۰۵ھ اور ان کے بڑے بھائی مفتی نعمت اللہ غازی علی متوفی ۱۲۹۹ھ سے پڑھا۔ پھر جو پور ہا کر درسہ امامیہ میں مفتی یوسف بن محمد اصغر وغیرہ سے تحصیل کیا۔ حج کے بعد غازی پور رہا وہاں، آرمی درس واقف میں مشغول ہو گئے پھر اہل دلی کے اصرار دلی میں حدیث کا درس دیا پھر لکھنؤ آ گئے اور ۱۳۳۷ھ میں لکھنؤ میں ولایت پائی مصنفات میں ایک منطق کا رسلا بھی ہے۔

۲۹۳۔ عبدالواسع بن یوسف علی انصاری۔ منطق و حکمت کے علمایاں علماء میں تھے بمبہل مولد و ما تھا۔ قاضی عبدالقادر کابل سے منطق و حکمت و کلام کی تحصیل کی۔ فنون ادبیہ اور فقہ و حدیث دیگہ علمائے حاصل کئے حیدرآباد میں کھلے دارالعلوم میں پھر عثمینیہ یونیورسٹی میں مدرسہ اسلامیات انہما دیں۔ مصنفات میں جہاد کی شرح سلم پر حواشی اور قدیم و جدید دست اور قدیم و جدید منطق میں اردو کتابیں ہیں۔

۲۹۴۔ عبدالوہاب حاکم بن حافظ عبدالغفار حاکم رامپوری ریاست رامپور میں پیدا ہوئے۔ مولانا گلاب حاکم پانی پتی متوفی ۱۹۳۸ء سے عربی کی اہوائی کتابیں پڑھیں۔ درسہ عالیہ رامپور میں تحصیل علم کی۔ مولانا غلام محمد لمٹانی سے فنی طور پر پڑھا اور ان کے لمٹان چلے جانے کے بعد لمٹان گئے۔ سال ہجران کے پاس رہ کر پڑھا۔ وہاں سے آنے کے بعد درسہ عالیہ میں داخلہ لیا اور فراغت پائی منطق و حکمت کی اعلیٰ درجیات مولانا فضل حق رامپوری سے پڑھیں اور ان فنون میں خاص طور امتیازی درجہ پیدا کیا۔ عبدالوہاب بہاری اور حکیم برکات احمد لونجی کے مناظرے کے موقع عبدالوہاب بہاری کے شاگرد کی حیثیت میں مناظرے کی مجلس میں شرکت کی۔ مولانا منور علی محد رامپوری متوفی ۱۳۵۱ھ سے حدیث کی محدثی اور رامپور کے مدرسہ مطلق العلوم میں درس دیا وہاں سے

ماہی فضل الحق رامپوری نے اہل آباد مدرسہ محمدیہ اہلادیہ میں بیچ دیا وہاں دو سال دہری عدالت اہم دیں رامپور آکر حاجی نظام حضرت رامپوری متوفی ۱۳۵۰ھ کے وقف سے مصطفیٰ عمری دہانت میں تعلیم دی اس کے بعد مدرسہ جامعہ الحادف کی بنیاد ڈالی اور مرض موت تک اپنے مدرسے میں رضاکارانہ تعلیم دیتے رہے۔ وہ میان میں ریاست کے خلاف ذمہ دار آئینی حکومت کی تحریک کی قیادت کی، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آخر میں مطلق و لکھنؤ سے تعلق چھوڑ کر حدت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فہر اور بیرون کے ہزاروں طلبہ ان کے شاگرد ہیں۔ رامپور کے عوام اور حکومت رامپور میں اپنے زمانے میں غیر معمولی اثر تھا۔ ہوسٹان کی قومی حکومت بھی ان کا بہت لحاظ کرتی تھی۔ ۱۹۷۸ء میں بلارہا میں چند دنوں کے علاوہ کہ وہاں اہل کو بلایک کہا۔ شبی لکھنے کی داستان، حالات و اہمات مرزا اور محبوب القرآن تفسیر میں ان کی یاد گار ہیں۔

۲۵۵- عبدالوہاب بن احسان علی سرحدوی، بہاری۔ اپنے عہد کے مشہور فضلا میں تھے بہار کا قصبہ سرحدہ مولہ و مظا تھا۔ ایک زمانے تک وطنی اساتذہ سے پڑھا آخر میں لکھنؤ میں مولانا عبدالغنی لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔ کانپور اور حیدرآباد دکن میں ایک زمانے تک درس دیا۔ پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں اساتذہ مقرر ہو گئے۔ ان کی تصنیفات میں میرزا بدرسالہ پر حنفیہ حکومتیہ کے نام سے حاشیہ ہے، ہدایہ شرح بہکہ دونوں میں عبدالغنی خیر آبادی پر تعلقات ہیں۔ ۱۳۳۵ھ میں انتقال فرمایا۔

۲۵۶- حمید اللہ بن امین الدین چشتی میدنی پوری۔ پشاور، میدنی پور، بنگال میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تحصیل علم کے بعد ہوگی کانٹ میں اساتذہ ہو گئے۔ وہاں سے ڈھاکہ یونیورسٹی میں منتقل ہو گئے۔ عربی، فارسی، انگریزی، سنسکرت، کئی زبانیں جانتے تھے، بنگلہ ماوری زبان تھی۔ مصنفات میں طراز اللہ ہدائی، سیر الملائقہ، الکباد، تہذیب اللہان فی حقیقہ حرکت الارض و وجود الالاک وغیرہ کتابیں ہیں۔ ۱۳۰۳ھ میں ڈھاکہ میں انتقال فرمایا۔

۲۵۷- علی اکبر مصطفیٰ خردانی، شہابی، حیدرآبادی۔ متعدد تصنیفات ہیں ایک التکوک المورود فی المسائل المطالبہ مع الاجر و الخافہ ہے جو ۱۳۱۰ھ میں لکھی تھی۔

۲۵۸- علی عباس بن امام چرن کوئی۔ ضلع اعظم گڑھ کے چرن کوٹ میں پیدا ہوئے، کچھ دنوں احمد علی چرن کوئی متوفی ۱۳۷۲ھ سے اور پھر لدا حسن مطلق سے تحصیل کی، ذہانت، حافظ اور قوی الغلبہ میں

محاصرین میں مبتلا تھے، خطے حیدرآباد دکن گئے اور ناکام آنے پر بھوپال گئے وہاں پڑھائی ہوئی۔ وہاں سے شجاع الدولہ ممتاز الملک حراب علی خاں متوفی ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۳ء کی دعوت پر پھر حیدرآباد پہنچے اور حکومت آصفیہ کی ملازمت میں شامل ہو گئے اور باطن لے کر آئے۔ ان کی تصنیفات میں منطق میں نبراس اللغات ہے۔ ۱۳۰۲ھ میں جرن کوٹ میں انتقال ہوا۔

۲۹۹۔ علی محمد بن محبوب بن سید ولد ار علی لکھنوی۔ اکابر علمائے شیعہ میں تھے۔ اپنے ہمد کے لکھنوی اساتذہ سے تحصیل کی عراق سے سدا جہاد حاصل کی۔ وطن آکر مدت تک مدرسہ میں تدریس فرماتے تھے۔ دوسری بار حج و زیارت مشاہد سے فراغت کے بعد جو پور آ گئے اور بہت قبول حاصل کیا۔ مصنفات میں منطق میں تصدیق الصدوق ہے۔ ۱۳۱۲ھ میں لکھنوی میں ولادت پائی اور دادا کے امام بارے میں دفن ہوئے۔

۳۰۰۔ عماد الدین خاں بن نظام الدین خاں رامپوری۔ اساتذہ رامپور سید میر علی متوفی ۱۲۹۰ھ، علقی سعد اللہ میاں حسن شاہ محدث رامپوری متوفی ۱۳۱۲ھ مولوی نور الاسلام رامپوری، عبدالحی خاں ریاضی داں وغیرہ علماء سے تحصیل علم کی رڑکی اجمیر تک کا لیجے انگریزی کی سہولت ریاست اندور میں اعلیٰ ہمدوں پر ممتاز رہے ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء میں رامپور میں انتقال ہوا۔ منجملہ دیگر تصانیف فارسی میں ایک رسالہ الہیات پر بھی ہے۔

۳۰۱۔ عین القضاۃ بن محمد وزیر حیدرآبادی، لکھنوی حیدرآباد دکن مولد و غیا تھا، کچھ زمانے تک وہیں پڑھا پھر لکھنوی آ گئے اور کاڈہ مولانا عبدالحی سے پڑھ کر مولانا عبدالحی کی شاگردی اختیار کی اور ان سے ہی درسیات کی تکمیل کی، اور علوم حکمیہ میں کمال حاصل کیا۔ کچھ زمانے تک لکھنوی میں درس دیا پھر سورت چلے گئے۔ وہاں سے آکر فرنگی محل کے پل پر اپنے اساتذہ مولانا عبدالحی کے مکان میں قیام کیا اور درس دینا شروع کر دیا اور اتنے معروف ہوئے کہ انہیں کوئی گھر میں پانا یا مسجد میں، ایک زمانے تک درس دینے کے بعد حج و زیارت کے لیے گئے اور دو سال حرمین رہنے کے بعد لکھنوی لوٹے۔ والد نے لکھنوی میں مکان تعمیر کرا دیا۔ شادی عمر بھر نہیں کی، والد ان کے تکلیف رہے۔ دوسری مرتبہ حج و زیارت سے واپسی کے بعد ان کے والد نے قرآن کریم کے مدرسے، فرقہ شیعہ کی بنیاد ڈال دی اور اس کے صرف کے لیے اپنی جائداد وقف کر دی ۱۳۳۱ھ میں والد کے انتقال کے بعد عین القضاۃ نے مدرسے کا بار سنبھالا اور عمارات، اساتذہ کی تنخواہوں، طلبہ کے وظائف اور ہمان داریوں میں بلا کسی

کے لیے کثیر دولت صرف ہونے لگی اور عداوی جانتا ہے کہ وہ کہاں سے آتی تھی۔ فرقانیہ کے اہتمام کے اختتام میں ۱۳۴۳ھ میں ولایت پائی۔ واقعہ یہ ہوا کہ کوئی ایرانی ان سے ملنے آیا اور حضرت علی کی طرف منسوب کچے اشعار پڑھے کہ ان پر جذبہ طاری ہوا اور بعد سے میں گہڑے اور اسی حالت میں روح قفسِ عمری سے نکل گئی۔ یہ بڑی کاہلیت بسوط حاشیہ انکی علی یادگار ہے۔

۳۰۲۔ غلام محمد بن چودھری عبداللہ گھوٹوی ملتان۔ درسیات اپنے وطن کے اساتذہ سے ختم کیں۔ منطق و حکمت اور کلام کی انتہائی کتابوں کی تحصیل کے لیے صوبہات متحدہ میں کاہپور آئے اور مولوی احمد حسن کاہپوری کے درس میں بیٹھے اور کچے دنوں ان سے پڑھا لیکن طبیعت مطمئن نہیں ہوئی، راہپور آئے اور مولانا فضل حق راہپوری کے درسوں میں بیٹھے اور بحث و تحقیق سے درسوں میں شرکت کی اور پھر انہیں کو پکڑ لیا اور برسوں ان کے ساتھ رہے اور تکمیل کی۔ اس وقت کے مراہپور کے اکثر ذہین طلبہ جو بعد کو اساتذہ کے مرتبہ پر پہنچے، مولانا غلام محمد ملتان کے شاگرد رہے، چنانچہ مولانا فضل حق کے لڑکے مولانا افضل الحق متوفی ۱۳۷۵ھ۔ ۱۹۵۵ء مولانا اشفاق احمد متوفی ۱۹۷۹ء اور مولانا عبدالوہاب حاس سب نے ان سے فیض اٹھایا۔ کچے زمانے تک راہپور کے مدرسہ انوار العلوم میں درس دیا۔ پھر وطن چلے گئے اور وہاں بہت دنوں تک مدرسہ کی خدمات انجام دیں۔ ضلع راولپنڈی کے گولڑے کے مشہور پیر مہر علی شاہ صاحب متوفی ۱۳۵۶ھ۔ ۱۹۳۷ء سے بیعت ہوئے اور بھاولپور کے جامعہ عباسیہ کے پرنسپل رہے، منطق و فلسفہ اور کلام کے متعدد رسالے تصنیف کیے۔ ان کی کسی بسوط کتاب کا علم نہیں۔ مولانا فضل حق راہپوری کے بعد ان کے مخصوص مآخذہ میں علوم عقلیہ میں انہیں انتہائی درجہ حاصل تھا۔ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء میں ولایت پائی۔

۳۰۳۔ فضل حق بن عبداللہ راہپوری۔ علوم حکمیہ میں اپنے عہد کے بے بدل فضلا میں تھے اور ساتھ ساتھ عاتق بھی۔ راہپور مولد و مشا تھا۔ حفظ قرآن اور مکتبی تعلیم کے بعد عربی صرف و نحو عبدالرحمان قدحاری سے پڑھیں اور بھیگن پور جا کر بعض درسیات عبدالکریم راہپوری متوفی غالباً ۱۲۹۹ھ سے پڑھیں اور پھر بریلی میں شمس العلماء مولانا ہدایت علی شاگرد فضل حق خیر آبادی سے منطق و حکمت کی تکمیل کی اور بریلی کے مدرسہ طالبیہ میں صدر مدرس ہوئے۔ مگر پھر بھی درس دیتے تھے اور دن رات میں بائیس تیس سبق پڑھاتے تھے۔ مختلف دیار و اصدا کے طلبہ کا جہوم رہتا تھا۔ مدرسہ عالیہ راہپور میں نواب کلب علی حاس کے عہد میں جبکہ شمس العلماء ہدایت علی بریلی کی

نواب صاحب نے صدر مدرس کیا تو مولانا کو بھی بلا کر درس سوم کیا۔ رامپور میں بھی رات کے جمعہ پر بجے تک پڑھانے میں مصروف رہتے تھے۔ مولوی عبداللطیف صاحب دہلی ریاست نے بھوپال طلب کیا۔ آپ ایک سال کی رخصت پر بھوپال چلے گئے۔ وہاں اعزاز و احترام کے ساتھ مدرسہ سلیمانیاہ میں مقرر ہو گیا۔ حسین بن محسن یعنی متوفی ۱۳۲۷ھ سے حدیث کی اجازت لی شیخ نے اپنی اجازت میں اسکور ولایت اکابر من اصاغر کی اچھی مثال قرار دیتے ہوئے مولانا کو دعوتی بھرتیگر میاں زہرا کے کراس اجازت کو حکم کی تفصیل کہا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد وطن کی کشش رامپور پہنچ لائی اور پھر مدرسہ عالیہ رامپور میں کام کرنے لگے۔ فرماتے تھے کہ مولانا عبدالحق پر نسل ہوئے تو چونکہ وہ اپنے محققین کے علاوہ کسی کو برداشت نہیں کرتے تھے چنانچہ دو مہینے دن شرح مواقف اور فائدے کے درس میں شرکت کی لیکن مولانا نے خود ہی فرمایا کہ تمہیں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر صدر مدرس ہو گئے اور مولانا عبدالعزیز کے بعد مدرسہ کے پرنسپل بھی رہے۔ ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء کو گاکہ حکومت بنگال نے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں اساتذ مقرر کر دیا لیکن کم و بیش سال بھر ہی رہنے پائے کہ نواب حامد علی صاحب نے انہیں چھٹیوں میں آنے کے بعد قریب قریب جبراً روک لیا اور تاحیات پر نسل رہے۔ مولانا ضعیف ہو گئے تھے۔ حکام ریاست نے ملے کیا کہ مولانا کو پنشن پر رخصت کر دیا جائے اور شمس العلماء مولانا عبدالرحمان دہلی یونیورسٹی کے عربی و فارسی کے صدر متوفی ۱۹۵۳ء / ۱۳۷۳ھ کو بلایا جائے، شمس العلماء سے بشیر الدین زیدی چیف مسٹر متوفی ۱۹۹۲ء / ۱۴۱۳ھ نے مدرسے کی پرنسپل کے لیے استعراج کیا۔ شمس العلماء نے کہا جب تک مولانا تاحیات ہیں ان کی جگہ کسی دوسرے کا سوال ہی نہیں اٹھتا اور مرنے کے بعد بھی ان کا لاسل (تجڑ جسم) ان کے محنت پر بٹھایا جائے تو اسی کو بٹھائیے وہ مدرسہ عالیہ کی عزت ہیں۔ مدرسہ کی پرنسپل ان کے لیے باعث عزت نہیں۔ غالباً ۳۲-۱۹۳۳ء کی بات ہے مولانا معین الدین امیری نے مدرسہ معینیہ کے سالانہ جلسے میں مولانا کو باصرار شرکت کی دعوت دی چنانچہ مولانا عرشی صاحب متوفی ۱۹۸۱ء اور اپنے صاحبزادے مولانا افضال الحق صاحب کو لے کر جلسے میں شریک ہوئے۔ مولانا امیری نے مولانا کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ آج میں ایسے فاضل کو پیش کر رہا ہوں جو اس لیے بڑا نہیں ہے کہ بڑوں کی موت نے اس بڑا بھائی ہے بلکہ یہ وہ بڑا ہے جس کو بڑوں نے جب وہ زندہ تھے بڑا مانا تھا۔ میں مولانا مرحوم کا دو سال تو بلا واسطہ شاگرد رہا۔ علاوہ ان میں یہ ایک واسطہ، بد واسطہ اور اس واسطہ بھی شاگرد تھا۔ پھر یہ میری خوش بختی کہ مجھ

سین فوت نہیں ہوا، اس میں میری کوشش کو اعلیٰ ملے تھا جہاں مولانا کی شہادت کہ مولانا میری غیر موجودگی میں سین ہی شروع نہیں کراتے تھے اور کتاب کی عہدیت بھی بلا استثناء میں ہی پڑھا کرتا تھا۔ مولانا کا طریق درس یہ تھا کہ طالب علم عہدیت پڑھتا اور مولانا حسب ضرورت عہدیت کی تصحیح فرماتے جاتے عہدیت کے بعد درس کی تقریر فرماتے۔ آخر عمر میں تقریر ہی نہایت مختصر ہونے لگی تھی اور تقریر میں قیل و قال سے بچنے کے لیے ایسے الفاظ بول دیتے یا گھما دیتے کہ اس درس کے متعلق ہر قسم کی قیل و قال کا درد وازہ بند ہو جاتا اگر کسی نے حواشی اور ماہ و ماہیہ کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کیا ہے تو وہ حیرت زدہ ہو جاتا کہ مولانا نے تمام ماہ و ماہیہ کو گھیر لیا ہے اور مقام کو صریح کر دیا ہے۔ اور اگر مطالعہ میں وسعت نہ ہوتی تو اصل کتاب کا مطلب واضح ہو جاتا اور مولانا کے استحضارات اور تاویلات کی طرف نظر نہیں جاتی، تقریر کے بعد ترجمہ ہوتا اور حسب ضرورت تقریر کو عہدیت کتاب سے چسپاں کرتے جاتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا لطف اللہ متوفی ۱۳۳۲ھ اور ان کے اساتذہ کے چسپاں ترجمہ ہوتا اور ترجمے کے اثناء میں مطلب کی بھی توضیح ہوتی جاتی تھی۔ مسئلہ تقریر نہیں ہوتی تھی اور خیر آبادی فضلاً صرف تقریر کرتے تھے اور ترجمہ کرانا اور تقریر کو منطبق کرانا۔ اپنے آپ سے فردتر اور معلمین کا پیشہ سمجھتے تھے۔ ہم نے دونوں طریقوں کو یکجا کر دیا ہے۔ جو طلباء کے لیے ارفع ہے۔ مولانا مدرسہ عالیہ کے پرنسپل ہی تھے کہ لالچ کا دورہ ہوا۔ دماغ کی رگ پھٹ گئی اور عین دن بے ہوش رہے اور ۱۳۵۸ھ میں ولادت پائی اور مردانِ حیا کی مسجد کے قبرستان میں مدفون ہو گئے، یوں تو بہت سے مصنفات ہیں اور بعض علمی و کلامی مباحث پر رسائل اور اعتراضات و جوابات ہیں۔ خاص طور سے انکانی لعل ایسا خوبی ان کی ابھرائی تصنیف ہے۔ بحث صفات میں رسالہ ہے۔ حمد اللہ کے وجودِ راہلی پر رسالہ ہے۔ میرزا ہد امور عامہ پر حاشیہ ہے۔ میرا ایسا خوبی پر حاشیہ ہے، حلوت پر حاشیہ ہے، دروس البلاغہ کی شرح اور دوسری کتابیں ہیں۔

۳۰۴۔ فضل اللہ بن مفتی نعمت اللہ فرنگی علی۔ لکھنؤ میں والد کے ساتھ میں پرورش پائی اور والد نے بہت توجہ سے تعلیم دی چنانچہ علومِ عقلیہ میں مہارت حاصل کر لی اور کینٹنگ کان میں اقرار ہو گیا۔ نبی طور پر منطق و حکمت و کلام خصوصاً زوایدِ غلط کا درس دیتے تھے۔ فنونِ ریاضیہ میں بھی ماہر تھے اور ان کا درس بھی جاری رہا۔ ۱۳۱۲ھ میں ولادت پائی۔

۳۰۵۔ فیض الحسن بن علی بٹیش ہمدنپوری۔ ہندت ذکی اور قوی الحافظ تھے۔ ادبیات عرب تو ان کے خاص مضمون تھے لیکن علوم حکمیہ میں بھی کافی ہمدت تھی۔ تحفہرات، والد سے پڑھے اور رامپور جاکر مولانا فضل حق خیر آبادی اور دوسرے علمائے شہر سے بھی فیض اٹھایا۔ دہلی میں احمد سعید مجددی متوفی ۱۲۷۷ھ سے حدیث کی سہلی اور درس میں مشغول ہو گئے۔ آخر میں لاہور کے اورینٹل کالج میں اساتذہ ہو گئے تھے۔ فنون ادبیہ کے علاوہ تفسیر، بیناوی پر حاشیہ ہے۔ ۱۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

۳۰۶۔ کرامت حسین بن سراج حسین کنٹوری۔ تھانسی میں پیدا ہوئے۔ کچھ دنوں والد متوفی ۱۲۸۲ھ سے اور مطلق انور علی تھانوی سے پڑھا اور اپنے چچوں سید امجد حسین متوفی ۱۲۸۶ھ اور حامد حسین متوفی ۱۳۰۶ھ کے ساتھ حج و زیارات کرتے۔ اگر لکھنؤ میں کل درسیات مجددی متوفی ۱۲۸۹ھ وغیرہ علمائے ہند میں پھر کھاری میں انگریزی پڑھی اور نیا گاؤں میں راجہ کلاں میں ملازمت کرنی اور تین سال تک کام کیا اور انگریزی بھی پڑھتے رہے۔ پھر بانی میں الیکٹر ہو گئے۔ پھر نرسنگھ گڑھ کے راجہ کے ساتھ لندن گئے۔ اور بیرسٹری کی سہلی اور الہ آباد میں وکالت شروع کر دی۔ مہنوں کے بعد علی گڑھ میں مدرسہ العلوم میں اساتذہ ہو گئے اور وہاں سے ہائی کھٹ کے جج ہو کر الہ آباد گئے اور اسی جہدے سے پنشن لی۔ لکھنؤ آکر گزٹو کالج قائم کیا اور اپنی سب جائیداد اور مال و دولت اس کے لیے وقف کر دیا۔ منملہ مصطفات، عربی میں امور عامہ پر لکھا۔ لاری اور اردو میں علم الاملاقی اور دین و کائنات لکھیں ۱۳۳۵ھ میں لکھنؤ میں انتقال کیا، ہندت ذہین، قوی الحافظ، زود فہم اور خیر متعصب شیعہ تھے۔

۳۰۷۔ ماجد علی مانوی جونپوری۔ جونپور کے قصبہ مانی کلاں میں پیدا ہوئے۔ تحفہرات فن وطن میں پڑھ کر رامپور میں مولانا عبدالحق خیر آبادی سے پڑھا اور کئی سال ان کے جہاں گزارے، پھر مطلق لطف اللہ علی گڑھی سے کئی سال پڑھا اور گڈوہی کے مدرسہ میں پڑھانے لگے، وہاں سے ملاو کے عربی مدرسے میں آ گئے اور کئی سال ہمدت کی پھر ہمد کے مدرسہ حیدریہ میں پڑھایا لیکن دل نہیں لگا اور پھر ملاو چلے آئے۔ اور وہاں سے مدرسہ عالیہ گلوتہ میں صدر مدرس ہو گئے۔ مطلق و حکمت اور کلام کی مشکل کتابیں بڑی محققانہ و تحقیقی سے پڑھاتے تھے، ہمد کی کتابوں پر گہری نظر تھی ۱۳۵۲ھ میں

۳۰۸۔ محمد احسن بن سید شجاعت علی، بہاری گیلیاوی۔ گیلان، بہار میں پیدا ہوئے۔ طلب علم کی طرف بڑی عمر میں توجہ کی شادی اور اولاد ہو چکنے کے بعد متوسطات پڑھنے کے لیے مظفر پور نعمت اللہ نبی نگر کی خدمت میں پہنچے۔ محققات ملحق واجد علی بخاری سے پڑھیں، مولانا فضل حق خیر آبادی سے بھی استفادہ کیا۔ فقہ و حدیث مولانا اکبر علی خاں رامپوری متوفی ۱۳۰۲ھ اور مولانا عالم علی محدث سے پڑھیں اور گیا کے سرکاری مدرسے میں پڑھایا اور پٹنن لے کر گھر چلے گئے۔ اور درس و اولاد میں معروف ہو گئے منطق و حکمت ان کے حاصل تدریسی مضمون تھے۔ وجود راہلی پر رسالہ اور بحر العلوم کے حاشیہ پر حاشیہ لکھا۔ ۱۳۰۱ھ میں ولادت پائی۔

۳۰۹۔ محمد حسن بن ظہور حسن اسراہیلی سنہ پیدائش اپنے عہد کے اکابر میں تھے سنبھل موہہ مشافہ تھا۔ تحفہات اپنے عصر اور شہر کے علماء سے پڑھے۔ رامپور جاکر سدید الدین دلہوی اور دوسرے علماء رامپور سے مطولات پڑھیں اور کسی عربی مدرسے میں درس ہو گئے۔ ہندت ذہین قوی الحافظ، زود فہم تھے۔ تصانیف میں ایسا غریبی کی تحفہ شرح ہے جو ایک ہی دن میں شروع سے آخر تک لکھی۔ میزان منطق کی مہوط شرح ہے جس کا منطق جدید نام رکھا ہے۔ القول الوسیط فی الجمل المؤلف والوسیط، ملاحسن کی شرح سلم پر سوانح الزمن حاشیہ ہے، شرح علامہ کی شرح، غم الفرائد ہے۔ ۱۳۰۵ھ میں ولادت ہوئی۔

۳۱۰۔ محمد سعید بن واعظ علی عظیم آبادی۔ عظیم آباد مولد و مشافہ تھا۔ تحفہات اپنے والد مولوی مظہر علی متوفی ۱۲۴۶ھ اور ابو الحسن منطق سے پڑھیں۔ کانپور جاکر سلامت اللہ بدایونی متوفی ۱۲۸۱ھ سے استفادہ کیا۔ علوم ادبیہ اور حکمیہ کا درس صبح سے دوپہر تک دیتے تھے اور ظہر سے شام تک علوم دینیہ کا، عظیم آباد میں مدرسہ سعیدیہ قائم کیا تھا، جس میں خود بھی درس دیتے تھے بمثلہ دیگر کتابوں کے میزان منطق کی شرح اور غلام بخٹی بر میرزا ہد رسالہ کا حاشیہ ہے۔ ۱۳۰۴ھ میں ولادت ہوئی۔

۳۱۱۔ محمد طیب بن محمد صلح کی، رامپوری۔ ادبیات عربی تو ان کا گھر کا مضمون تھا، ہندستان آکر فنون حکمیہ میں مہارت حاصل کر لی۔ وطن میں والد اور دیگر علماء سے پڑھا، تقریباً پچیس

سال کی عمر میں ہندوستان آئے۔ اور بمبئی میں تجارت شروع کر دی، وہاں کسی دینی مسئلے میں کسی عالم سے گفتگو ہوئی۔ اس کو ساکت کر دیا اسی نے کہا کہ میں منطق و فلسفہ کا عالم ہوں مجھ سے مدد اور شمس ہارنہ میں گفتگو کر لو، یہ منطق و فلسفہ سے ناواقف تھے۔ منطق و فلسفہ پڑھنے کا شوق ہوا، رامپور کی علوم غلطیہ میں شہرت تھی، یہ تجارت چھوڑ چلا کر رامپور آ گئے اور دو ایک بکچرکھانک مولانا عبدالغفار خاں متوفی ۱۳۴۸ھ کے دروس میں بیٹھے، لیکن بجایا نہیں۔ پھر مولوی ارشاد حسین مجددی کے ہاں بھی درس میں شریک ہوئے، لیکن مطمئن نہیں ہوئے، پھر مولانا عبدالحق خیر آبادی کے یہاں معقولات کی تکمیل کی کہتے تھے تیج و تحقیق مولانا ہی کا حصہ تھا۔ فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ میں ملازم ہو گئے اور صدر مدرس تک پہنچے۔ ہندیت ذہین اور زود فہم تھے۔ استاذی پر و فیئر لہر اعلیٰ خاں صاحب متوفی ۱۹۳۸ء کہتے تھے کہ میں چھٹیوں میں علی گڑھ سے آیا ہوا تھامرب صاحب سے جو میرے استاد تھے ملنے گیا۔ میرے ہاتھ میں انگریزی میں کانکس پر کتاب تھی، اس کو اٹھا کر اس کے ورق الٹ پلٹ کئے اس کے نقش و اشکال دیکھیں، مجھ سے پوچھا کہ یہ کیلے اور یہ شکلیں کیسی ہیں میں نے بتایا کہ یہ ریاضیات کی کتاب ہے۔ اس فن کو انگریزی میں کانکس اور عربی میں علم الخروطات کہتے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہوتی ہے۔ میں نے اس کی اجہائی باتیں بنا کر اس کی تشریح کی، میں دوسری مرتبہ رامپور آیا اور ملا، تو مخروطات پر گفتگو شروع کر دی۔ میں حیران رہ گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ اس فن کو میرے پروفیسر سے بھی کچھ زیادہ ہی جانتے ہیں میں نے تعجب سے کہا کہ آپ کو یہ سب کہاں سے آگیا فرمانے لگے کہ میں نے کتب خانہ سرکاری میں جا کر وہاں اس فن پر جتنی کتابیں تھیں دیکھ ڈالیں۔ مجھے جن بزرگوں کی ملاقات اور صحبت کا شرف حاصل ہوا ہے ان میں میں نے تین بزرگوں کو حافظے کا جن پایا۔ پروفیسر لہر اعلیٰ خاں مرحوم متوفی ۱۹۳۸ء۔ عبدالعزیز مبین مرحوم متوفی ۱۳۹۵ھ اور محمد سورتی متوفی ۱۳۶۱ھ اور اتفاق سے یہ تینوں صاحبان عرب صاحب کے شاگرد تھے۔ ان تینوں نے بیان کیا کہ انہوں نے عرب صاحب جیسا قوی الحافظ نہیں دیکھا، اس ذہانت اور قوت حفظ کے ساتھ غیر معمولی جری تھے (۱) بات کے یکے تھے اگر کوئی بات کہدی تو اس کی پاس داری میں عزت و آبرو کو ہلای پر لگا دینے میں بھی ہلک نہیں کرتے تھے۔ غلطی کے اعتراف میں گہمی کوئی پس و پیش نہ تھا۔ اگر کسی شاگرد نے بھی اٹھائے درس میں کسی غلطی کی طرف متوجہ کیا تو فوراً مان جاتے اور طالب علم کی خوش دلی سے تصحیب کرتے یوں تو ہر علم و فن کی کتاب پڑھاتے، لیکن ان کا مقصد کا درس خاص طور پر

میں تھا اور میں مدرسے میں ان کا اجماعی درس تھا جو مدت کے باضابطہ وقت سے بچے شروع ہو جاتا اور کم و بیش سوطبہ شریک ہوتے۔ اردو لکھے جہاں تک مطروحات کا تعلق ہے اہل زبان مقابلہ نہیں کر سکتے تھے لیکن ترکیب ہمیشہ غلط ہوتی تھی۔ خالص ہندی حروف کا حلقہ صحیح نہیں کر سکتے تھے۔ مطالعہ اور کتب یعنی عادت ثانیہ بن گئی تھیں۔ ان کے شاگرد دیکھتے تھے کہ چوکی پر جاتے تو بھی کتاب ہاتھ میں ہوتی۔ کتاب پر ایک بار نظر پڑ جاتی تو گویا حافظے میں محفوظ ہو جاتی۔ اشعار و انساب کا تو کتنا ہی کیا، فنون کی کتابیں بھی اذہر تھیں۔ ہندوت مستقل مزاج، متمنی اور مضبوط اعصاب کے تھے۔ غالباً علوی ہونے کی وجہ تھی کہ کبھی کبھی تفضیل علی کے کائل ہو جاتے، فرزدق کا مشہور قصیدہ "ہذا الذی تعرف البطلان و عظمہ" بچوں کو یاد کراتے اور انہیں انعام دیتے۔ مدرسہ عالیہ کے طلبہ کے وظائف کے شعبن کے الزام میں نواب حامد علی خان نے برخواست کر دیا بلکہ دو چار دن جیل میں بھی رہے لیکن حکیم اجمل خاں صاحب موتی ۱۹۲۷ء کی سفارش پر جو ان کے شاگرد تھے رہا کر دیئے گئے۔ پھر مدوۃ العلماء کے دارالعلوم میں چلے گئے اور کچھ دنوں رہ کر راہپور چلے آئے اور دہشت کی مستحرمی شروع کر دی۔ حکیم اجمل خاں کی سفارش پر نواب صاحب نے سورہہ بایہ اور کابل کا بلا عرض خدمت و ولیف مقرر کر دیا تھا۔ دو تین روز کی علالت میں ۱۳۳۳ھ میں راہپور میں انتقال ہوا اور محلے کی مسجد چرخ والی میں دفن ہوئے۔ تصانیف میں معارفانہ رسائل کے علاوہ جو اپنے اساتذہ مولانا عبدالحق خیرآبادی کے دلائع میں لکھے تھے۔ اور میرزا بہ امور عامہ کے حاشیے سے متعلق تھے یا مولانا احمد رضا خاں کی وجوب تکلیف شخصی کے رد میں تھے حاشیہ شمس، حاشیہ سعدیہ شرح شمس، شرح سلم العلوم، مقدمہ العقل علی العقل، ان کے علاوہ لغت، نحو اور ادبیات عرب سے متعلق کتابیں ہیں ان کے علاوہ مقالے ہیں جن کی تدوین کی نوبت نہیں آئی۔ ان میں الفتحہ اللاملیہ فی الصلوات اللعلیہ مفصل کا حاشیہ وغیرہ مشہور تصنیفات ہیں۔

۳۱۲۔ صاحبزادہ محمد علی خاں عرجن صاحب بن صاحبزادہ کاظم علی خاں موتی ۱۲۹۹ھ - نواب محمد سعید خاں (۵۹-۱۲۷۱) کے پوتے اور نواب کلب علی خاں اور بعد کو نواب یوسف علی خاں (۷۱-۱۲۸۱) کے داماد تھے اساتذہ شہر سے درسیات پڑھیں اور مولانا عبدالحق خیرآبادی سے منطق و فلسفہ کی تکمیل کی اور سب کتابیں ہندوت تحت سے پڑھیں۔ اساتذہ مولانا فضل حق صاحب فرماتے تھے کہ ان کی فکر کا انداز بالکل مولانا جیسا تھا حتیٰ کہ جن موقعوں پر مولانا ہاتھ سے اشارے کرتے

یہ بھی ان ہی موقعوں پر ان ہی جیسا اشارہ کرتے۔ ہندوئی استعداد تھے اور کلام و منطق و فلسفہ کی بڑی کتابوں کا کبھی شوقیہ درس دیتے تو پوری تحقیق و تدقیق اور پورے مالہ و ماحول کے ساتھ دیتے اور طلبہ کو مطمئن کر دیتے۔ بغداد ہا کر لقیب الاشراف سید عبدالرحمان آفندی متوفی ۱۳۳۵ھ سے بیت ہوئے۔ خطبہ کے بہت بڑے خطاط تھے۔ ۱۳۳۵ھ میں انتقال ہوا بغدادی صاحب کے مزار میں ایک پتھر احاطہ میں دفن ہوئے۔

۳۱۳۔ محمد نواب بن سعد اللہ الافغانی الہندی۔ ہندوستان کے مشہور الاضل میں تھے۔ افغانستان مولد و مضاف تھا اجمرائی فنون و فن میں حاصل کیے۔ جوانی میں ہندوستان میں آئے اور مولانا فضل حق خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ رامپوری سے رامپور میں درسی فنون کی تکمیل کی۔ لکھنؤ میں عالمپور میں مقیم کیا۔ اور لکھنؤ میں ہی ہندوئی تحقیق و تدقیق سے ہر قسم کے جدیدیات ایک مدت تک پڑھائے پھر دو سال کے قریب بھوپال میں رہے، وہاں سے حرمین شریفین گئے حج و زیارت کے مقاصد کے بعد مدینہ منورہ کی حکومت اختیار کر لی۔ مولانا ارشاد حسین مجددی انہیں کے شاگردوں میں تھے۔ ۱۳۰۹ھ میں مکہ معظمہ میں ان کا انتقال ہوا۔

۳۱۴۔ محمود عالم بن ابی بختیشہ ہسوانی۔ علوم حکمیہ میں نمایاں درجہ تھا۔ ہسوان مولد و مضاف تھا۔ تحصیل علم کے لیے رامپور آئے اور مولانا عبدالحق خیر آبادی اور دیگر علمائے شہر سے درسیات حاصل کیے۔ حدیث کی سند میاں محدثہ محدث رامپوری متوفی ۱۳۳۸ھ سے لی۔ وطن آکر پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔ ۱۳۳۱ھ میں وطن میں وفات پائی۔

۳۱۵۔ معین الدین بن خیرات علی کڑوی۔ قریب چالیس سال اپنے وطن میں پھر لکھنؤ اور مرزا پور میں درس دیا، لکھنؤ میں مولانا عبدالحق لکھنوی مفتی علما و غیرہ علمائے لکھنؤ سے درسیات پڑھیں اور لکھنؤ میں ہی پڑھانا شروع کیا۔ حج سے لوٹنے کے بعد مرزا پور کے مرلی مدرسے میں درس ہو گئے اور قریب قریب پندرہ سال وہاں پڑھایا۔ درسی کتابوں پر حواشی لکھے۔ شافعی بالکلیہ پر رسالہ ہے، مرقاۃ الافان فی علم الایمان، علم واجب میں مرقاۃ الافان ہیں۔ ۱۳۰۴ھ میں وفات ہوئی۔

۳۱۶۔ معین الدین بن عبدالرحمان اجمیری نو مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ حکیم برکات احمد ٹوکی سے اول سے آخر تک درسیات پڑھے، ان کے خصوصی اور مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے خطے لاہور کے مدرسہ نعمانیہ میں درس دیا قریب قریب دو سال کے بعد اجمیر آ گئے اور اسی کو وطن بحالیا، وہیں معین الحق کے نام سے مدرسہ قائم کیا اور اسی میں پڑھانا شروع کر دیا میر عثمان علی خاں اجمیر آئے اور

میں سے تو متاثر ہوئے۔ اور مدرسہ نے لیے خاصا بابائے مقرر کر دیا اور مدرسہ کا نام معینیہ عثمانیہ رکھ دیا گیا۔ تقریباً ۱۵ سال اس کی خدمت کی، ارکان انتظامیہ سے اختلاف کے باعث خدمت سے استعفا دیا۔ مولانا کو سیاست سے بھی دلچسپی تھی، تحریک خلافت میں دو سال قید رہے اور وہیہ کے جمیعت علما کے اجلاس کی صدارت بھی کی اور ایک زمانے تک اس کے نائب صدر رہے۔ تصنیف و تالیف سے تعلق کم رہا پھر بھی بعض کلامی اور فلسفیانہ رسائل لکھے۔ ۱۳۵۹ھ میں انہیں وفات پائی۔ اور تمیزی میں شیخ معین الدین تمیزی کے جوار میں دفن ہوئے۔

۳۱۶۔ شمس العلماء مولانا الدین فقیر۔ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ اجماعی کتابیں بھوتی حسن ابدال میں محمد شلیح قریشی کے درس میں شریک ہو کر پڑھیں۔ وہاں سے اعلیٰ درسیات کے لیے سرگودھا ضلع کے موضع انکا میں سلطان محمود متونی کچے اوپر ۱۳۲۰ھ کے درس میں شریک ہو کر معقولات کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں لیکن فراغت سے خط ہی راہ چلے آئے اور مولانا عبدالحق کے درس میں معقولات کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد کچے زمانے در۔۔۔ عالیہ راہپور میں درس دیا۔ ان کے شاگرد استاذی مولانا معز اللہ علما مرحوم کہتے تھے کہ اعمال شرعیہ میں بڑی دہانت سے کام لیتے تھے، گناہ سننے کا شوق تھا اکثر رنڈیوں کے کوفوں پر چڑھ جاتے اور انہیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ کہاں آگئے اور کس کا گناہ سنا۔ استاذی مرحوم کہتے تھے کہ ایک سج کو میں گیا تو پلنگ کے پائے کے نیچے ہڈیاں جلدیں رکھی تھیں میں نے انہیں متوجہ کیا تو اٹھ گئے، میں نے پائے کے نیچے سے کتابیں اٹھائیں، پیر مہر علی شاہ صاحب نے ان کی انکا طالب علمی کا واقعہ بیان کیا کہ انکا سے جاتے وقت انہوں نے داڑھی منڈوا دی تھی۔ مدرسہ عالیہ کی ملازمت چھوڑ کر حیدرآباد دکن میں مدرسہ نظامیہ میں استاذ ہو گئے آخر تک وہیں رہے اور وہیں ۱۳۱۲ھ کے بعد وفات پائی۔ الہیات کے بعض مشکل مسائل کے بارے میں نظام تحقیق کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ ایک رسالہ وجود راہی پر لکھا اور بعض دوسرے فلسفیانہ مباحث پر بھی تحقیقی اور مناظرانہ دونوں طرح کے رسالے لکھے تھے۔

۳۱۸۔ ڈپٹی منڈیر احمد بن سعادت علی بجنوری دہلوی۔ اردو کے مشہور ادیب اور اردو میں ناول نگاری کی طرز کے بانی ہیں، اجماعی قصرات نصیر اللہ خوشی خور جوی متونی ۱۲۹۹ھ سے پڑھیں پھر دہلی آکر عربی کے دہلی کالج میں درسیات کی تکمیل کی اور پنجاب کے کنہا کے مدرسے میں استاذ ہو گئے۔ دو سال کے بعد ہی کاپور میں انسپکٹر مدارس ہوئے اور انگریزی بھی سیکھ لی۔ انگریزی کونسل کو ڈاکٹریٹ باند کے نام

۳۱۹- ویدالواس بن سیح الاراس ملتان حیدرآبادی مخاطب بہ نواب وقار جنگ بہادر- کاپور میں بہادر ہوئے در سیات مفتی حضرت امجد کاکوری متوفی ۱۲۷۹ھ، سلامت اللہ بدلولی، مفتی لطف اللہ علیگڑھی وغیرہ سے پڑھے اور لکھنؤ جاکر مولانا عبدالحی کو پڑھایا اور ان سے تکمیل کی۔ متعود ج کیے اور احادیث کی اجازتیں حاصل کیں۔ حیدرآباد سکونت اختیار کرنی اور وہاں بڑے بڑے محدث سے حاصل کیے جہاں تک کہ وزیر کے سکریٹری ہوئے۔ حکومت کی لائسنس کمپنی کے ممبر اور ہائی کورٹ کے جج ہوئے اور ہفتن لے کر ٹھہرائے اور مطالعہ کتب اور تصنیف و تالیف میں معروف۔ — بارہ سال گھر میں رہ کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی دمشق و بیت المقدس دیکھا۔ مدینہ شریف میں بیوی حیدر ہو گئیں اور ا کے اصرار پر حیدر آباد گئے۔ حیدرآباد کے قیام کے زمانے میں ۱۹۱۳ء کی جنگ عظیم چھو گئی اور یہ حیدرآباد کے قیام پر مجبور ہوئے اور ۱۳۳۸ھ میں وقارآباد میں انتقال ہو گیا اپنی تمام مسرور و لہوؤں کے باوجود اپنے عہد کے فخریہ تصانیف معصوموں سے تھے، خطہ تقلید کو واجب جانتے تھے۔ لیکن بعد کو

حادثہ پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا، بڑے سن میں قرآن مجید پڑھ لیا اور برابر اس کی تلاوت کرتے رہتے تھے، پرمیوگ خوش اخلاق پاک باطن تھے۔ منطق و حکمت میں بھی اعلیٰ پایہ تھا۔ منجملہ دیگر تصانیف کے میرزا ہدایہ امور عاصہ پر حاشیہ ہے۔

۳۲۰۔ وکیل احمد بن کھدر حسین سکھ پوری۔ اپنے عہد کے مشہور علما میں تھے۔ خلق سادہ کے دلیت پر میں پیدا ہوئے۔ مختصرات عبدالحلیم سکھ پوری اور دوسرے وطنی علماء سے پڑھیں اور پھر عبدالحلیم کھنوی الصاری کو پکڑ لیا اور اکثر درسیات ان سے پڑھیں۔ محمد یوسف الصاری وغیرہ علماء بھی استفادہ کیا۔ جہالت ذہن قوی الحافظہ اور زود فہم تھے کثیر التصانیف تھے منطق میں اپنے اساتذ کے رسالے مولان کی حد العلوان کے نام سے شرح کی، یا قوت احمر کے نام سے فقہ اکبری شرح کی۔ ۱۳۱۲ھ میں انتقال ہوا۔

۳۲۱۔ خمس العلماء ہدایت علی بریلوی۔ منطق و حکمت میں اپنے عہد کے یگانہ فطلا۔ میں تھے مولانا فضل حق خیر آبادی کے نانی شاگردوں میں شمار ہوتے تھے، شاہجہانپور اور رامپور کے قیام کے زمانے میں ان سے معقولات کی تکمیل کی تھی۔ ان کے معقولات کے درس میں شرکت کے لیے دور دور سے طلبہ ان کی خدمت میں پہنچتے چنانچہ مولانا فضل حق رامپوری بھی بریلی ان کے درس میں شامل ہونے کے لیے گئے تھے۔ آخر میں نواب حامد علی خان انہیں مدرسہ عالیہ کی صدر مدرس کے لیے بلا لیا تھا۔ ۱۳۲۲ھ میں انتقال ہوا۔

۳۲۲۔ ہدایت اللہ بن رفیع اللہ خاں رامپوری، جونپوری۔ رامپور محلہ گھیر الف خاں میں پیدا ہوئے۔ اچھائی کتابیں اپنے والد اخوند زادے رفیع اللہ خاں متوفی ۱۲۸۲ھ سے پڑھیں علوم عقلیہ سید جلال الدین نابھیا سے حاصل کیں۔ مولانا فضل حق خیر آبادی رامپور آئے تو یہ ان کے شاگرد ہوئے۔ اور مولانا کے کالے پانی جانے تک ان کے ساتھ رہے۔ مولانا کے چلے جانے کے بعد رامپور آگئے اور درس شروع کر دیا اور مدرسہ عالیہ میں مدرس ہو گئے۔ مدرسہ عالیہ سے جونپور مدرسہ امامیہ حنفیہ میں صدر مدرس اور مہتمم بن کر چلے گئے اور ساری عمر وہیں بسر کر دی۔ منطق و فلسفہ میں علمی رہاست کے وہی مسد نفیس تھے۔ میرے بھائی صاحب استاذی مولانا عبدالوہاب خاں صاحب مرحوم لڑکپن میں جبکہ اچھائی کتابیں پڑھ رہے تھے گھر سے خطا ہو کر جونپور ان کی خدمت میں پہنچے تھے کہتے تھے کہ مجھے دیکھ کر اور یہ جان کر کہ میں گھر سے بلا کے سنے بھاگ آیا ہوں کہنے لگے اللہ اس ریل کو عثارت کرے کیسے

چھوٹے معصوم بچوں کو ماں باپ سے جدا کر دیتی ہے۔ اس زمانے میں ضعف کی وجہ سے وہ چھوٹی کنائیں پڑھانے لگتی تھیں انہوں نے اپنے خصوصی شاگرد مولانا سلیمان اعظمی متوفی ۱۳۵۸ء کے سپرد کر دیا چنانچہ میں نے ان سے آٹھ دس سبق پڑھے تھے۔ بھائی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ جو بیورو میں وہ بڑے مولوی صاحب کے لقب سے پورے شہر میں مشہور تھے۔ جو بیورو کے ہر شخص بخیر و کبریاً دیکھتے والا، پھیری والا اور دوکاندار تک بڑے مولوی صاحب کا پتہ بتا دیتے تھے۔ حیرت ہوئی ہے کہ میں ۱۹۶۷ء میں جو بیورو گیا تو سدا شہر تو کیا خود اس درجے میں انہیں کوئی نہیں جانتا تھا، تصانیف میں بعض رسالے تھے جو مولانا عبدالحق خیر آبادی کے دلائل میں تحریر کیے تھے ۱۳۲۶ء میں جو بیورو میں انتقال ہوا، رشید آباد صاحب رشیدیہ کے معبرے میں دفن ہوئے ہندوستان سادہ مزاج سادہ لباس اور خوش طبع تھے۔

خاتمہ

ماخذ علمائے عظیمین کا یہ تذکرہ بڑی حد تک مولانا عبدالحق مرحوم کے عربی تذکرے نوہد الخواطر سے متبصر اور متجرب ہے۔ حافظ احمد علی عاں شرقی کے تذکرہ کا ملان رامپور سے بھی کچھ بزرگوں کے حالات لیے گئے ہیں کچھ کا میں نے اپنی یادداشت سے اضافہ کیا ہے۔

خاص طور سے مئی تاریخی مختلف تہذیبوں اور یادداشتوں سے ماخوذ ہیں۔ حاجی علیہ کی کشف الظنون، طاہر شہری زادہ کی مفتاح السعادات اور خیر الدین زرکلی کی الاعلام بھی سلسلے رہی ہیں۔

یہ تذکرہ یہ قصہ تذکرہ ہندوستانی علمائے معقولات کا احاطہ اور استقصا نہیں ہے بہت سے نام اس میں مزید شامل کیے جاسکتے ہیں اور بشرط فرصت شاید کچھ میں بھی شامل کر سکوں۔ ضمنی تاریکوں میں بہت سے کھانپے رہ گئے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں سے اکثر کو میں ہی پرکردوں لیکن کی وقت کے باعث فی الحال ممکن نہ ہوا یا زندہ و صحبت باقی۔

ہندوستانی علمائے معقولات کی احصالت فکر ہندی علمائے احصالت فکر کا تعلق زیادہ تر ماہر الطبیعیات مسائل سے ہے۔ طبیعات میں تو قدیم خیالات کی یا تشریح ہے یا محض تعقیب اس لیے وہ چنداں قابل اعتنا نہیں، ہمارے عربی مدارس سے عقلیات نکل ہی چکے ہیں جو باقی ہیں ان کی حیثیت مصطلحات کے علم سے آگے نہیں کچھ دنوں میں بزرگوں کا یہ ورثہ کچھ محکمہ ہو جائیگا۔ ضرورت ہے کہ

کچھ نوجوان اٹھیں اور ہندوستان کے عظیم کی لکری اصالتوں کو سنبھالیں اور بزرگوں کی ذہنی کاوشوں کو نئی نسل سے روشناس کرنے کی کوشش کریں۔

اصلی فکر علماء ایسے علماء بہت زیادہ نہیں جن کی فکر پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے ہر صدی کی احمد میں اہم لوگوں کو نشانہ ہی کر دی ہے۔ مثلاً عبدالحکیم سیالکوٹی، میرزا بہار علی شاہ جوہپوری، بحر العلوم مولانا عبدالحی، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا عبدالحق خیر آبادی مولانا فضل حق رامپوری وغیرہ، ان حضرات نے مستقل کتابیں بہت کم لکھی ہیں۔ ان کی فکر ان کے حواشی اور شروح ہیں۔ پھر ان کے حواشی اور شروح کا احاطہ حصہ ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے اور وہ بھی نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے ان حواشی اور شروح کے پچھلے گانے کی اور ان کی فہرست مرتب کرنے کی ضرورت سب سے پہلا کام ہے۔ دوسرا کام ان کی اصل فکر کا مطالعہ ہے۔

گزارش جو نوجوان اس کام کا بیڑا اٹھائیں وہ نہ صرف مستند اور معاصر فکر کو سنبھالیں اور ان کا تقابلی مطالعہ کریں بلکہ ان کے تاریخی پس منظر کو بھی پیش نظر رکھیں۔ اگرچہ اہل علم اس ضروری کام کی طرف متوجہ ہو گئے تو یہ میرے اس انتخاب کا سب سے بڑا صلہ ہوگا۔ ولیس ذالک علی اللہ

بمسیر!

محمد عبدالسلام

یکم جون ۱۹۹۱ء

حواشی نمبر ۱۰۰ (مضامین)

۱۔ عرب صاحب کی جرأت کا ایک واقعہ میں نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے۔ مدرسہ عالیہ بھی رفت منزل (اصاحب) نے حیدر علی خاں متوفی ۱۲۱۵ھ کی کوٹھی پر اب مشن کچے کھلائی ہے، میں مشتعل نہیں ہوا تھا۔ کلب علی خاں کی تیر کر وہ جامع مسجد از سر نو تعمیر ہونے کے لیے ٹوٹ رہی تھی، جس کا دروازہ من گھڑتے کے قلاب کلب علی خاں کے عہد کا باقی ہے، روزوں اور آسمانوں، اینٹوں کا ایک طرہ دیر تھا۔ طلبہ مدرسہ کی اکثریت سرحدی پٹھانوں کی تھی اور سیکڑوں کی تعداد میں تھی، صبح کا وقت تھا مدرسہ کھلنے کی ابتدا تھی، طلبہ کچے آچکے تھے اور کچے آ رہے تھے، اساتذہ کی بھی آمد شروع ہو گئی تھی کہ سرحدی طلبہ میں لڑائی شروع ہو گئی اور دوطرفہ صفت ہندی ہو کر آئے، اردو بے چلنے لگے۔ یہ کسی میں جنت نہ تھی کہ آگے بڑھ کے اپنی روکے۔ اساتذہ دوسرے منع کر کے اس خطرناک لڑائی کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن فتنے میں مجبور سرحدی کہیں دوسرے منع کرنے پر رکنے والے تھے کہ عرب صاحب بھی آگے اور سیدھے اُن صفوں کے بیچ میں گھست پڑے، ایک طرف سے ایک کی گردن پکڑ کر لائے اور دوسری صف سے دوسرے کی گردن پکڑ لی اور دونوں کو قریب لاکر آئے سامنے کر کے کہا "فرم تمہارا سر کڑا کر دوںے"۔ عرب صاحب کے بیچ میں آہما سے یہ منکر ختم ہوا اور انہیں روڑے چلنا بند ہو گئے اور شاید چوہا استاد بھی بیچ میں آکر روکنے کی کوشش کرتا رہا روڑے چلنا بند ہو جاتے، پس اصل سوال بہت کا تھا۔

۲۔ استاذ مولوی حضرت شاہ متوفی ۱۲۶۱ھ عرب صاحب کی بات کی پاسداری کا رویہ۔ وہ اتنے سناٹے تھے جس کی تائید مدرسے کے اُس زمانے کے چراسی بے بھائی نے بھی کی تھی اور انھی الحظ مولانا عبد الوہاب خاں صاحب مرحوم نے بھی اسکی صحت کے کچھ قرائن بیان کیے تھے۔ مولانا نے بیان کیا کہ مدرسے کے متوفی (جو نام کے متوفی تھے اور عمر مزید رکھتے تھے، جو مرے دوست تھے، ایک روز مغرب کے بعد اپنے لاپتہ لاپتہ صیغہ مکرانہ اور فیضیہ فتنہ ہو جائی، قلاب صاحب کو مخالفت کی رقم میں غبن کا پرچہ لگا ہے، صبح کو افسران تحقیقات کے لیے آئیں گے، غبن واقع ہے، مکمل گیا تو میں تو جیل میں سر جازاں گا۔ میں نے کہا کیا عرب صاحب کو مسلم ہے؟ کہا نہیں۔ اب کیا کروں؟ میں نے کہا عرب صاحب کے گھر علیا دران سے اصل واقعہ کہہ دو، شاید وہی کچھ کر سکیں۔ چنانچہ ہم دونوں عرب صاحب کے یہاں غنا کے بعد پہنچے، گندمی کھٹ کھٹائی، وہ باہر نکلے تو متولی نے پاؤں پکڑ لیے اور روتے ہوئے کہا مجھے صاف کر دیجیو، عرب صاحب نے کہا کہ ہے کی معافی؟ متولی نے کہا پیسے صاف کر دیجیو، چھر غزن کر دوں گا، متولی نے اس وقت تک پاؤں نہیں چھوڑے جب تک عرب صاحب نے مجھ پر جو کرہ نہ کہہ دیا کہ اچھا بائی صاف کر دیا، متولی نے قدم چھوڑے

جب تک عرب صاحب نے مجبور ہو کر نہ کہدیا کہ اچھا بائی معاف کر دیا، متولی نے قدم چھوڑ کر واقعہ بیان کیا۔ عرب صاحب نے کہا، 'متولی تمہیں بہت برا کیا، اچھا جاؤ۔ صبح کو جھین صاحب، شیر زمان خاں متولی ۱۹۳۲ء، دھیرو آگئے اور سید سے عرب صاحب کے کمرے میں چلے گئے اور کہا متولی کو بلائے، عرب صاحب نے کہا، 'خیر کیا بات ہے؟' متولی نے واقعہ بیان کیا اور کہا سرور نے جھین کے لیے ہم کو بھیجا ہے۔ عرب صاحب نے کہا وہ تو ہم نے کیا ہے۔ دیر درمی کا جھین ہمارا حکم کے بغیر کیا کرتا۔ افسرانے کافی فلاحی لاشی، اس کے تانگی سے ڈرایا مگر عرب صاحب شمس سے نہ ہوئے اور یہی کہا، 'غبن ہم نے کیا ہے، غرض وہ چلے گئے۔ اب تمناوب صاحب مجرم ٹھہرے، عجیب تر بات یہ ہوئی کہ متولی نے اُن کے خلاف شہادت دی پھر بھی عرب صاحب اپنے قرا سے نہیں ہٹے اور اس دلیل التزام میں جیل چلے گئے اور عزت، ملانہ نقار اور شہرت سب کو خاک میں ملا دیا، پورے ملک میں اپنی بیگ نامی کو بڑا گھالیا لیکن اسے نہیں ملے۔'

صفحہ ۸۴ (حاشیہ)

۱۔ راجپور میں طاعون پھیلنا تھا، گھر کے گھر بے چراغ ہو رہے تھے۔ عرب صاحب کا گھراس دبا میں بستل ہوا لیکن عرب صاحب کا استقلال و تحمل دیکھنے کا تھا۔ حکیم ایاس صاحب متولی ۱۲۰۲ھ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ان کی طاعون پر مبتلا ہوئی کو دیکھنے گیا، حالت یہ تھی کہ ایک بیٹے کا جنازہ رکھا تھا، دوسرا نزع میں تھا، بستل ہوئی کو دیکھنے میں آیا تھا، عرب باہر بیٹھے تھے، گھر سے نکل کر ان کے پاس آیا تو بچنے لگے میں نے قصیدہ بکھا ہے، سنو! اور شور ستانے لگے، مگر اس بے شبہ صبری اور اس پہاڑ جیسے قدم والا ان کی حالت سے اندازہ نہیں جوتا تھا، غالباً کچھ دیر بعد ہی بوی کا انتقال ہو گیا اور گھر سے بیک وقت تین جنازے نکلے لیکن عرب صاحب کے استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حافظ احمد علی خاں متولی ۱۹۳۲ء نے مذکورہ کالان راجپور میں بکھا ہے کہ وہ ان کی اہلی کی فاتحہ خوانی کو گئے، جوان زیادہ تر لڑ چکا ہے، دوسرا حالت نزع میں ہے اور مرد سے کی دینی خود عرب صاحب نے کرائی، کوئی ہراس تو محض نہ تھا، ہنایت مبرا و استقلال سے لائق غور کو برداشت کر رہے تھے

محمد علی جناح

جناح کے سرکاری مرناسٹڈ علی بیگ کے علم ہے

منیب و قریب
حکیم و ضابطہ دار

عرفی چند

یہ بیگ صاحب (مرزا راشد علی بیگ) کی خود نوشت سوانح غریب
 'ان ڈفرنٹ سیڈنز' سے ترجمہ ہے، تین ابواب کا ترجمہ: ایک کشمیر
 پر اور ایک سیکورزم پر، ایک جنتا پر۔ بیگ صاحب کی کتاب ۱۹۶۷ء میں چھپی جب
 انکی عمر ۶۲ سال تھی اور یہ ترجمہ ۱۹۷۱ء میں ہوا۔

بیگ صاحب کچھ لکھنؤ کے باشندے ہیں یا زیادہ بہتر الفاظ استعمال کیے مبالغہ
 'اینگلوسلم' سات سال تک جنتا کے پرائیوٹ سیکریٹری رہے ہیں، پاکستان
 ریزولوشن پاس ہونے کے دن تک، اناؤوی کے بعد گوا، پانڈیچری، ایمان اداؤڈیا
 میں ہندوستانی غیر رہے ہیں۔ ابواب 'آر۔ ۸' حوض غاص، نئی دہلی 'میں ریٹائرڈ گورنمنٹ
 سرگرم عمل زندگی گزار رہے ہیں۔

۱۹۶۷ء/۱۹۶۸ء میں نئی دہلی میں ایک سلم پروگریسو گروپ کی بنیاد ڈالی۔



مندرجہ بالا سطر میں ہم نچو بیس سال قبل لکھی تھیں۔ اس درمیان میں بیگ صاحب کا انتقال ہو گیا،
 نئی بی بی تارا علی بیگ بھی چل بسیں اور اس طرح دو زبردست سماجی فکساروں 'خدمت گزاروں' سے دلی
 مالی ہو گئی۔ اللہ ان کی آنجانی غلیظوں کو معاف کرے اور اپنی مخلوق کی خدمت سے خوش ہو کر ان پر اپنی
 رحمتیں دلا دے۔

عرب

پیشگفتار

لڑتے لڑتے دونوں تباہ ہو رہے ہیں اور فائدہ کسی کا بھی نہیں ہے۔

وہ الگ بیٹھا ہوا ہنستا ہے جس کا کام ہے!

برصغیر کے دو ملکوں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان خیرگالی ہندو کے لیے اور بڑھانے کے لیے ایسے اشیاع کی ضرورت ہے، جو سیکولزم کو بڑھانے اور فرقہ پرستی کا زور گھٹائے، آپسی نفرت کو کم کرے اور جانوروں کے انسان بنانے کی ترغیب دے۔

ان دونوں ملکوں کے درمیان محبت کے روابط پیدا کرنے کے لئے خدا بخش لائبریری نے یہ اہتمام کیا ہے کہ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی ملک کی مصنفین پاکستانیوں کے قلم سے: دو قومی نظریہ کے سب سے بڑے مخالف ابوالکلام آزاد پر، اور ہندوستانی اہل قلم کی طرف سے: پاکستان کے بانی جناب پڑاؤ گول کی تحسیریں شائع کی جائیں۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل پاکستانی مصنفوں کی کتابیں مولانا ابوالکلام، پروفیسر پری کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں:

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد کا ہفتہ وار پیغام، (مکمل فائل کا مکمل ایڈیشن) مرتبہ ابوالکلام شاہ جہاں پوری

(۲) ملاحظہ متقیم اور مولانا آزاد (مجات کی راہ صرف مسلمانوں کے لیے کھلی ہے یا ہر حق پرست کے لیے)، مولفہ پروفیسر قرآن علی خاں (کراچی)۔

(۳) مولانا آزاد اور مدد اس اسلامیہ (ندوة العلماء کی تاریخ کا ایک باب) مرتبہ پروفیسر قرآنستان خاں
 (۴) مولانا آزاد کی: حجۃ الہدی (قرآن مجید میں مذکور حضرت ابراہیم اور نذود کے مکالمے پر مولانا کے قلم سے
 شلندار تفسیر) مرتبہ پروفیسر قرآنستان خاں۔

(۵) مولانا کی تفسیر 'والعصر' (سورہ 'والعصر' کی تفسیر) مرتبہ پروفیسر قرآنستان خاں۔
 (۶) آثار الہیہ الکلام آزاد (پیشہ کے یوسف و یوسف بنی مولانا کے انگریزی کے استاد کے نام مولانا کے سو فیصد مواصل
 خطوط کا کس) مرتبہ پروفیسر قدسیت اللہ فاطمی، اسلام آباد۔

مندرجہ ذیل جہت الی مصنفین کی 'جناح' کے بارے میں تحریریں منتخب کی گئی ہیں: جن میں سے
 کچھ شائع ہو چکی ہیں، کچھ شائع ہو رہی ہیں:-

(۱) ایں کے جملہ (۱۱) کاغذی دوا کا داس (۳) شیلیش بندھوا پادھیالے (۴) سہیدانند سنہا (۵) ڈاکٹر علی حسین

(۶) ایم۔ آر۔ اے بیگ (۷) سر درجنی نائیڈو۔

— عروب



۲۴ کے شروع میں جناح بمبئی واپس آگئے لیکن ابھی تک ہندو کا اکیلہ پن ان کے ساتھ تھا چند برس پہلے کانگریس چھوڑ چکے تھے اور مرہٹوں میں مجلس قانون ساز کے آئاد ممبر کی حیثیت سے وہ ایک حد تک سیاسی زندگی گزار رہے تھے۔ اسی حیثیت میں انھوں نے لندن کی گول میز کانفرنس میں بھی شرکت کی تھی جہاں وہ آفاخان کی مسلم کانفرنس و مسلم مسلمان معتدل رہنماؤں سے ایک الگ سہے مسلم لیگ بڑی حد تک اس وقت صرف کاغذ پر تھی۔ گول میز کانفرنس کے بعد یہ اعزازہ کر کے کہ موجودہ سیاسی پارٹیوں میں سے کسی میں ان کی گزر یا سمانی نہیں وہ لندن ہی میں رہ پڑے تھے اور پریوی کونسل میں پریسیکشن کرتے تھے۔ ایک سبب مزید یہ بھی تھا کہ گورنر بمبئی و لنکین جن سے جناح کا تعلق اب ہندوستان کے وائسرائے بن چکے تھے ۱۹۳۱ء لیکن لندن کب تک چلنا وہاں کی تنہائی سے بااثر انگلش اور جونی ہی ورڈ و لنکین کی سبگ لارڈ و لنکین آئے جناح بھی واپس آگئے۔ یہاں مسلم لیگ میں جان ٹیلر کے ادارے کے ساتھ انھوں نے اپنے مددگار سالار و مونسٹا شروع کیے اور دوسروں کے ساتھ جے بھی بنایا۔ میں ان سے پہلے کئی بار مل چکا تھا زیادہ تر ممبرانڈ کے یہاں اور اس طور پر روشناسی کے بعد میں انھیں اس قدر رنجیدہ نہیں سمجھ سکتا تھا جتنا وہ خود سمجھتے تھے۔ نتیجتاً ان کے بہت سے مریدوں اور ساتھیوں کے برخلاف جے بھی ڈر نہیں لگا۔ میرے بعد کچھ اسی قسم کے روابط جبراً ہر لالہ پڑ سے بھی ہوئے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ تو انھیں بڑا داکو جو خود بزرگوں کے ساتھ دعا کرتے ہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ بجائے اس کے کہ انھیں اونچے استحقاق پر بیٹھے ہوئے عظیم لیڈروں کا درجہ دیا جاتا!

ان سے ملنے میں ان کی کوشش میں ان کے کہنے میں گیا۔ "میںے جناب" انھوں نے کہا "میں آپ کے خیالات سے ابھی حرا واقف ہوں، آپ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی فک کام کر سکتے ہیں، یہی میرا بھی چاہنا ہے کہ کاش ایسا ہی ہوتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ ہندو قوم اور مضبوط ہیں اور مسلمان مقرر اور کمزور

ہندو اور مسلمان ہندوستانی جسکے دو بازو ہیں لیکن وہ جسکے کام نہیں کا ایک بازو مفلوج ہو جائے۔ بازو کو مضبوط کر کے آپ پورے جسم کو مضبوطی بخشیں گے۔ دیو اور بونے کی شادی سنی ہے کہنے؟ ایکست قد کے لوگوں میں شادی ہوا کرتی تھے ہندو مسلم اتحاد کبھی ممکن نہیں جب تک مسلمان اپنی موجودہ سماجی تعلیمی اور سیاسی پس ماندہ حالت میں ہیں۔ اگر ہندو مسلم یکٹا کے لیے کام کرنا چاہتے ہو تو پہلے مسلمانوں کے لیے کام کرنا چاہیے۔

اس وقت تک یہ ۳۴ رکری ملت ہے، میں ہندو مسلم اتحاد کے خیال سے خاصا دل برداشتہ اور دل گرفتہ سا ہو چکا تھا اور جناح صاحب کی پہل سننے کیلئے ذہن گریا پہلے سے بالکل آمادہ سا تھا۔ دو ایک شک البتہ تھے۔ "ہندو مسلم اتحاد کے لیے میں آپکے ساتھ کام کروں گا۔ لیکن ایکٹا فرقہ پرستی کی مخالفت میں جلتا ہے۔ مسلم لیگ خاص فرقہ پرست جماعت ہے یہ کیسے ہوگا کہ فرقہ پرستی کے ذریعہ ایکٹا کا کام ہو سکے؟"

"میرے نوجوان دوست" انھوں نے جواب دیا "ابھی تین مسلمانوں کے بارے میں اور سیاست کے بارے میں بہت کم علم ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ مسلمان تمہارے ساتھ آئیں تو آدمی دور تمہیں ان کی طرف چلائے۔"

میرا خیال تھا، اور اب بھی اس خیال پر قائم ہوں کہ اس وقت جناح صاحب نے جو کچھ کہا اور جوابات ان کے پیش نظر تھے اس میں پورا غلطی تھا۔ ان کا پورا ماحی اس کا گواہ تھا۔ خوفناک حد تک آزاد انداز کے ملک ان کے لیے کسی کی بھی رفیت بتانا ممکن تھا اور چونکہ شروع زمانے میں ہندو کنٹرول کا کوئی سوال ہی نہ تھا، سوائسوں نے برطانوی عہد کے خلاف خوفناک بغاوت چھیڑ دی۔ ویسے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ کانگریس کے کہیں یا لڑکپن میں وہ ان روشن ستاروں میں سے جو ہندو مسلم اتحاد کی تابناک ترین علامت تھے! آغا خان نے جن کے جناح صاحب ساری عمر مخالف ہے، اپنی خود نوشت میں منظر مارے اہلانات

کے نتیجہ میں جدا گانہ انتخاب آجائے کے بعد کی سیاسی صورت حال اس طرح بیان کی ہے۔

۱۹۰۶ء میں ہمارا سب سے بڑا مخالف جانتے ہیں آپ؟ بمبئی کا ایک ممتاز پیرسٹر جس کی وکالت عربیہ پر تھی، محمد علی جناح... وہ سنسکرت میں مزدور رہی لیکن خاص اس موقع پر توفہ ہم سب کے اور ہمارے اہل کام کے سخت دشمنوں میں سے تھے۔ ممتاز مسلمانوں میں وہ تہلے مجھوں نے اس وقت یہ موقف اختیار کیا، ان کا کہنا تھا کہ جلاخانہ انتخاب کا اصول قوم کو بانٹنے سے ہے۔ راجہ اور پھر ایک راجہ مدی ملک وہ ہمارے بدترین منٹ الفوں اور ناقہوں میں رہے۔

مسترنائیڈو، جن کے لیے میرے دل میں انتہائی گہرا احترام تھا، اخیر تک جناح صاحب کی قلع میں تھے۔

۱۹۱۵ء کے کانگریس سیشن کے آخر میں ان کے اصرار میں مسز نائیک نے اپنی قلم جگ سنا لی تھی۔

یہاں تک کہ ۱۹۲۸ء تک جیسائٹ کیشن ہندستان کا صدر کر رہا تھا، اس وقت کے وزیر ہند ورڈ برکن ہیز جیسا کہ ان کے بیٹے نے اپنی کتاب "ایف۔ ای۔ سی۔ میں اقتباس دیا ہے، داسرے کو یہ لکھ رہے تھے، "میں سائٹن کو تمام مرحلوں پر ان تمام لوگوں سے ملنے کا مشورہ دوں گا جو کیشن کا بایکٹ نہیں کر رہے ہیں خصوصاً مسلمان اور اچوت۔ میں نامندہ مسلمانوں کے ساتھ سائٹن کی گفتگوؤں کی پوری شہرت ہی چاہوں گا۔ ساری پالیسی اب واضح ہے، اور وہ یہ ہے کہ اکثریت ملے ہندوؤں کو خوفزدہ کرنا ہے اس تشویش کے ساتھ کیشن مسلمانوں کے قبضے میں جا رہا ہے اور ایسی رپورٹ دے جو ہندوؤں کے لیے قطعی تباہ کن ہو، سن اس لیے کہ اسے پوری مسلم سپورٹ مل جائے اور جناح پٹناتارہ جائے۔"

کانگریس سے بھی چند برس پہلے ان کا ضرور عدم تعاون کے سلسلہ پر ہوا تھا کہ کسی فرقہ دارانہ مسئلہ پر اور اب پارلیمانی کام کو اپنا کر، جو ان کی صلاحیتوں کے مین مطابق تھا، پر شوق داس ٹھاکر داس کو اپنا نائب بنائے، وہ دہلی میں قانون ساز اجلی میں آزاد پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے!

دہلی میں میں نے اندازہ کیا تھا کہ ان میں کسی مناظرہ صلاحیت ہے اور یہ بھی کہ ان کی حریت فکر اور ایمانداری پر کانگریس اور حکومت دونوں کو یکساں اعتماد تھا۔ اخبارات پڑھنے والے بھی اس سے واقف تھے کہ مول میز کانفرنس میں خزانہ، مسلم لیڈروں کے ملحقے جس کی قیادت سرکار پرست افغاناں کر رہے تھے، وہ کس طرح الگ تھلک رہے تھے اور اس گروپ سے مسلمانوں کی نمائندگی بری طرح برادر تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ کانگریس کو پسند کرتی تھی جو سال کے سال زندہ ہوتی تھی یا پھر بھولے نافرمانی کے موقع پر یہ مسلمانوں سے اس کی ایک ہی مانگ ہوتی تھی کہ جیل جائیں۔ یہ کوئی بہت بڑی کیش کی بات نہیں تھی۔ نئی قیامت کے لیے زمین ہوا تھی جس کے لیے جناح صاحب سب سے زیادہ موزوں اترے تھے۔ ان کے کاغذات ماہر ہی ہر طرح مکمل تھے اور انکی نظریات تھی میں نے اپنے آپ کو انکے لیے وقف کر دیا۔

شندار بیرٹز جیسا کہ وہ تھے، قانونی زبان میں اپنے شیطانوں کے ذریعہ کام کرنے کے مادی تھے (یعنی مقصد اپنے چھوٹے بیسٹروں کے ذریعہ لڑانا، میری نوعیت کو یا سیاسی شیطان جیسی ہوتی تھی۔ چھوٹے میں وہ اگرچہ انتہائی نائن تھے لیکن یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے کہ نیکے میں انہیں انڈیا پر اتنا قابو نہیں تھا اور نیکے کا زیادہ تر کام وہ میری طرف بڑھا دیتے تھے۔ یہ میں جانتا ہوں یا وہ کہ کن کن خطوں کے جواب

کون کون سے اخباری بیانات، اور کون کون مضامین میں نے لکھے۔ اس طرح میں نے ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۰ء تک کا عرصہ تقریباً ۶ سال ان کے ساتھ گزارے۔ میں بمبئی پریس کونسل کا ممبر ہو گیا اور عملی چلنے والا اور عباس طیب جی اور مجر پرستل وہ کمیٹی بنی جسے جناح صاحب نے بمبئی قانون ساز اسمبلی کے لیے ایڈیلڈ منتخب کرنے کا اختیار دیا تھا۔ اسی قسم کی اور بھی ذمہ داریاں میرے سپرد کی جاتی رہیں۔

لیکن جناح صاحب کے کوئی اس قدر قریب نہیں ہو سکتا تھا کہ بے تکلفی کے مراحل پر آسکے اور یہ میری سمجھ میں بھی نہ آسکا، خصوصاً اس لیے کہ بھائی اور بہن دونوں پیارے کیسے بھوکے تھے، ایک شام آئی ایک جاتی اور وہ دونوں تفت زار ابدان خشک، بھنگل کے جوگی جیسے خشک اور خشک روئی میں ڈوبے ہوئے بڑھاپے کی طرت رواں دواں، خاموش اور سنجیدہ وہ دونوں اپنی شاہیں بیٹھے بیٹھے گزار دیتے۔ دن گزرتے جلتے اور ان کے شستریے پن میں اور اضافہ ہوتا جاتا۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں ہندوستان کی تاریخ کیا ہوتی اگر اس انفرادہ گھر میں پیار، زندگی اور تہقیر کو جگہ مل گئی ہوتی۔ میرے نزدیک یہ صحن امر اتفاق نہیں ہے کہ جناح صاحب کی ذات کا یہ نیا انظار اور ان کا فرقہ پرستانہ انداز ان کی غیر مسلم بوری رقی کی موت کے بعد سے شروع ہوا۔ سرڈیشا پیٹنٹ کی بیٹی سے یہ شادی اُس زمانے کے جناح کے کردار سے میں ہم آہنگ تھی۔ رقی ان سے کئی سال چھوٹی تھی جس میں زندگی اور اس کی سرستیاں ایسی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھیں جن سے اُس جناح کو بھی بالکل عام، فطری، انسان دوست اور مکمل طور سے سیکولر بننے لگا تھا۔ اس کے ساتھ وہ کبھی کبھی تہقیر بھی چلیاتے تھے۔ لیکن ۱۸ء میں رقی کی موت کے بعد غیر شادی شدہ بڑی بہن فاطمہ جناح ساتھ میں رہنے کے لیے آگئیں اور دونوں کی شغور ہوئی طبیعتیں ایک دوسرے کو بڑھا دیتی رہیں۔ رقی کی طرح دوست سازی کا لہک یہاں تھا ہی نہیں، قیصر میں دونوں شادمانہ تنہائی میں میوس ہوتے چلے گئے۔ بمبئی میں ان کے متعدد رشتہ دار بھی تھے لیکن کسی سے ملنا جانا خدا مس جناح مجھے اپنے وجود کا ساپا معلوم ہوتی تھی۔ صرف ایک بار ان کے چہرے کی خشونت بڑی میں پگھلت دیکھی تھی غیب وہ اپنے کئے کے بچوں کو مار کر رہی تھیں۔

میں دھڑبھڑا رہا تھا جیسے جناح صاحب کو نہ دوستی بڑھانے کا خیال ہے نہ اپنا اثر و نفوذ پہنچانے میں دہشی۔ آخر وہ چہرے ایک بار کسی معاملہ میں تھیل چاہی، میں ان کے پاس لے گیا، بعد میں جیسا کہ انیسویں کی ہوا۔ بجلے اس کے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا اندیشہ تھا جیسے بااثر اخبار کو اپنا دوست بنانے، انھوں نے اس کی ادارتی پالیسی پر تنقید شروع کر دی اور اس کے سالوں کے جوباب اس طرح دیے۔

جیسے وہ کوئی نا بچہ اسکول کا بڑا ہو۔ جیہو ذہین تھا اور عام احساس، جیسے مسلمان کا زکاہ بند درہا تھا۔ اس موقع پر خواہ مخواہ ہم نے ایک مخالفت بنالیا!

ایک احساس مجھے ملے کہ کہیں دور گہرائی میں جناح کا منیر انجمن ان کے فرقہ دارانہ دھول پر طاقت کرتا رہتا تھا اسی لیے وہ اکثر دفائی انداز میں رہتے۔ اپنے شہرت کے عروج کے زمانے میں ان سے ایک بار میں نے پروگرام پر گروپ میں بولنے کے لیے کہا۔ اس دن سے زیادہ سائمن گروپ کی محفلوں میں میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ یہ نہ معلوم کس سبب سے جناح نے خواہ مخواہ ایسا معمول کیا کہ سننے والوں میں مخالفت زیادہ رہی۔ مگر کسی سے لہجہ پتا نہیں جس قدر یہ تقریر کے لیے اٹھا تو اس طرح جیسے ایک دشمن جج کے سامنے کیس پیش کر رہا ہو۔ پھر جو کچھ وہ بولے وہ تقریر سے زیادہ ایک لکچر تھا اور سوالوں کے جواب دیے وہ اب سوال کرنے والوں کو مطمئن کرنے کے بجائے ان پر دل زیادہ معلوم ہوتے تھے۔ جب وہ چلے گئے تو اب لگا جیسے سننے اور بولنے والوں دونوں نے سکون کا سانس لیا ہو۔

اور دو ایک واقعہ یاد آ رہے ہیں۔ شہر میں ایک کشادی کی تقریب تھی جس میں یہ اور مولانا شوکت علی ایک موقع پر ساتھ ساتھ بیٹھے۔ دونوں بڑے دوستانہاحول میں ایک دوسرے کو ہانپند کرتے تھے۔ اسی لیے یہ موقع دونوں کے کرداروں کے عین مطابق اور عام محکمہ خیز تھا۔ دارمی سے بحر پور چہرہ، فرخیم، نور علی بلعد باقوی، مولانا محفل سے عام طاقت اندوز ہو رہے تھے اور جس حد تک ان کی آواز پہنچ رہی تھی سبھی مشغول کیے ہوئے تھے۔ دوسری طرف کلین شیو، منشی، سنا سنایا اگر اہل جسم بے جناح بیٹھے تھے۔ خاموش اور کچھ کچھ چہرے پر کزشت سختی کے آثار ہویدا! اور پہلی فرست میں مجلس کو چھوٹنے پر آمادہ!!

لیکن جب وہ چلے گئے دلاویز اور مغربی ہو چلے۔ کوئی گفت و شنید کا سلسلہ تھا جو گاندھی جی ان سے ملے بھی آئے اور تارا (منسٹر ایک) نے تذکرہ کیا کہ میں کبھی گاندھی جی سے نہیں ملی۔ جناح صاحب نے فوراً تارا کو اپنے گھر پر مدعو کر دیا اور جب گاندھی جی پہنچے تو دروازے پر جناح صاحب نے پذیرائی کی اور دھاننگ روم میں سب جناح اور تارا نے تملانے اس واقعہ کو قلب بند کر دیا اور بعد میں میری سب سے زیادہ یادگار ملاقات کے عنوان سے اسٹوڈیو ٹیڈ ویسکی میں تفصیل سے چھپائی۔

طلباء کے ساتھ بھی ان کا انداز دلکش ہوتا تھا۔ نئے باصلاحیت نوجوانوں کو آگے بڑھانے کے لیے ہمیشہ آمادہ رہتے تھے۔ اور پرانی نسل پڑیوں کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے۔ ان کی عظمت کے ذیل میں ایک یہ

بات بھی تھی کہ انھوں نے کبھی سازشی اعمال کو پس نہ کیا اور نہ کبھی پشت پر مد کیا۔ ہر ایک اچھی طرح جانتا تھا کہ جہان کی نظر میں وہ کس جگہ رہے۔

عمر پر اور تار پر دونوں بھائی بہن بے حد شفقت کرتے تھے۔ جہان صاحب نے کبھی میرے کسی کلمے کو نہیں شکر کیا، اور جہاں نہیں میں نے بے جا ڈکوکھا فوراً تیار ہو جلتے۔ جب کبھی ہم مکان پر بلائے کسی کو ان سے ملواتیں وہ بلا پس و پیش آجالتے "اندرون ایشیا کے مصنف جان کنٹر کے ساتھ ان کی بات چیت، حاشیہ ہی خلیفہ پر ورلی پائنت میں ہوئی۔ ایسی ہی ایک ملاقات کا تذکرہ ولفریڈ برسل نے "مرچنٹ این لے مرز" میں کیا ہے۔

اپنے اوپر بے پناہ اعتماد سے ہر پور جہان صاحب لیڈر سے زیادہ دلچسپی سے مسلم لیگ ورلک کیٹی ممکن ہے کہیں ہو لیکن اس کا کام صرف اظہارِ رضا مندی تھا جس کے منگ کی وہ اس طرح مصداق کرتے تھے۔ جیسے کوئی جنرل اپنی فوج کی کمانڈ کر رہا ہے۔ ایک بار سرسکند حیات خاں اور لاہور والوں کا ایک گروپ بمبئی کسی منگ کے سلسلہ میں آئے ہوئے تھے۔ ایک مشترک دوست نے ہمیں کھانے پر بلایا۔ جب تک کھانا چلتا رہا۔ سرسکند امدان کے احباب ایک مسئلہ پر جس کے وہ سب سختی سے مخالف تھے بحث کرتے رہے۔ اس کا مطلب پنجاب کی صورت حال کو قطعاً نظر انداز کرنا ہے، یہ کبھی اسے قبول نہیں کروں گا۔ سرسکند نے انتہائی غصہ میں کہا۔ شام کو وہ منگ چونا تھی۔ پھر دوسرے دن میں نے سرسکند سے پوچھا کیا رہا۔ "بھئی، میں نے وہ مسئلہ چھوڑا ہی نہیں۔ حالانکہ واقعہ یوں ہوا جو ایک دوست نے جو موقع پر موجود تھے بعد میں بتایا کہ سرسکند نے مسئلہ چھوڑا تھا۔" جہان صاحب میں اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہتا تھا کہ... سرسکند نے شروع کیا تھا کہ جہان صاحب نے اس سچی سے اپنی کرسی سرسکند کی طرف موڑی اور اپنی طرف گھوما۔ سرسکند بیلے کی طرح بیٹھ گئے۔

مجھے بڑی حیرت ہوئی جب اپنے متقدروں کے سے ایسا رویہ دیکھتا مجھے یاد ہے ایک بار میں ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ لوگ نے آکر کہا کہ مسلمان لٹنے کے لیے کہتے ہیں۔ بڑی افروختگی کے ساتھ کہنے لگے "بھوسہ" مانے کہ لوگ ڈرے ہے ہر انداز کے۔ "ویل صلت ڈو یو فائنٹ" انھوں نے انگریزی میں کہلا کچے آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟" صاحب! ان میں سے ایک اردو میں بولا "آپ کے دیدار کرنے کہتے ہیں"۔ "ویل" یوں پوچھ رہی "ی" اعلیٰ نے انگریزی میں کہا (دیدار کر لیا آسنے) اور اپنی کرسی موڑ کر ہم سے بات چیت کرنے لگے ایک اور موقع پر ریلوے اسٹیشن پر اپنی پذیرائی کے لیے بڑی ہیرج مچ ہو گئی تھی۔ ایسے موقع کمر بڈنٹلی اور گڑبڑ ہوئی

چنانچہ یہاں بھی کچھ شد و شر اور ہنگامہ سا تھا۔ سنت طیش کے عالم میں جناح صاحب نے کھڑکیاں بند کر لیں اور باہر نکلے۔ انکار کر دیا جب تک جمعیت میگزین منتشر نہ ہو جائے۔

وہ ایسے غرای لیڈر تھے جن کے پاس غلام کے لیے ذرا سا وقت بھی نہیں تھا۔ غلام کے لیے ان کا رویہ وہی تھا جو ٹینیسن کے مشہور مصرعوں میں ہے کہ :

ہاں ان کا یہ کام نہیں کہ یہ کیوں ، یہ کیلئے ؟

ہاں ان کو بس کرنا ہے یا مرنا ہے !

اس پر امانہ نہ کیجیے کہ ، ان کو بس دھڑ دینے جانا ہے اور مرنا ہے۔ میرا خیال ہے بعد میں انہوں نے اس کی بھی شعوری کوشش کی کہ کچھ بدلیں لیکن ہر دلی کوشش مصنوعی تھی ؛ تکلیف دہ حد تک !

یا تو یہ بات ہے کہ مجھے ہونے والی بات کا پہلے کچھ اندازہ ہو جاتا ہے ، یا پھر میں بلدی اُوب جانا ہوں اور باری گردن کا فریب زیادہ دیر تک کھا نہیں سکتا۔ کچھ بھی ہوا ، ہوا یہ کہ میں اپنے کام میں اب کچھ دیکھ کر محسوس کرتے تھا کہ جب جناح صاحب نے مجھے اپنے ساتھ کام میں لگایا ، اس وقت سے وہ دوا مرد جو انہوں نے مجھے آمادہ کرنے کے لیے میرے سامنے رکھے تھے ، میں نے اپنے پیش نظر رکھے تھے اور میں مستر کے ساتھ یہ سوتا رہتا کہ وہ کب معاشی ، سماجی اور تعلیمی لحاظ سے مسلمانوں کی تعمیر کا کام اپنے ہاتھ میں لیں گے تاکہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے ان کی تجویز عملی جامہ پہن سکے۔ دوسری طرف میں انہیں مسلمانوں میں آدمی دور تک ہی جاتے نہیں دیکھتا تھا بلکہ انہیں میں کوہیا ہوا پانا تھا ایک سرے سے دوسرے سرے تک۔ اور جو یہ رہا تھا کہ وہ انہیں کسی دوسری ہی سمت میں لے جا رہے تھے جو اتحاد کی مخالف سمت تھی۔ مجھے یہ بھی پتا لگا کہ معاشیات کے بارے میں وہ مجھ سے بھی کچھ کم ہی جانتے تھے ، فرق یہ تھا کہ میں کچھ جانتے کے لیے آمادہ رہتا تھا۔ سماجی اور تعلیمی کاموں سے بھی انہیں کم ہی دلچسپی تھی۔ اسی زمانہ میں ایک واقعہ ہے مجھے بھروسہ اس کا اندازہ کرنا پڑا۔ فریڈلینڈ نے تعلیم باہان کی ہم چمڑی رکھی تھی اور سالہ بجائی میں ٹائٹ اسکول قائم کر دیے تھے۔ مسلمان علاقوں کے اکل مندر کلمہ سنان کی نگرانی میں جب دیئے گئے تھے جو بڑی ملامت سیاسی اور سماجی کارکن نہیں لیکن ایسے کاموں میں وہ جن سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا تھا اور کوئی اختلافی مسئلہ بھی نہ تھا ، وہ مسلم لیگ کے بھی تھے۔ چاہتی تھیں۔ اس لیے ایک رات کو ہم نے ان اسکولوں میں جناح صاحب کی بھی کرپش کرائی ، اور وہ قرآن کے طعنے لگتی تھیں۔ داتا ایک علیحدہ میز پر اور کمرے میں چارے ساتھ گھومتے رہے جنہ کے وجود کے

نادانگشت تھے لیکن ہم اپنے مشن میں ناکام رہے۔ آخر میں انھوں نے بڑے اخلاق سے شکریہ ادا کیا اور کلثوم سے کہا وہ بہت اچھا کام کر رہی ہیں لیکن مسلم لیگ کو تعلیم بانٹنا میں حصہ لینے کے لیے ہدایات جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ اسباب مزید تھے، مینڈیٹی پر کانگریس کا قبضہ تھا، اور مسلم لیگ باجناں اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ کانگریس کی مدد کریں جو مسلم عوام میں ہر دلعزیزی یا کرپٹڈ کا ایک موقع اور ڈھونڈنے، مسلم عوام ستیفین ہو رہے تھے یا نہیں اس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

اب بے صاف نظر آنے لگا کہ ہم دونوں کی باتوں میں بنیادی اختلاف کیا تھا۔ ان کی دلچسپی مسلم لیگ کے ساتھ تھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں، بے مسلمانوں سے دلچسپی تھی۔ ہندوستانی جمہ کے ایک کچھ بھارتیوں کی حیثیت سے! نہ کہ مسلم لیگ۔

اس زمانہ میں یا تو فرن پر یادو بدو فرینک مورس (انڈین ایکسپریس) سے قریب قریب روزی ملاقات ہوتی اور اس صورت حال پر بحث ہوتی۔ وہ متوازن معروضی ہونے کے ساتھ ساتھ تیز سیاسی ذہن کا مالک تھا اور میرے لیے تو گویا میرے میٹر کا رکھوالا سا بن چکا تھا۔ فرینک کا خیال تھا کہ مجھے جس حد تک بھی ممکن ہو جناح سے قریب رہنا چاہیے اور یہ سلسلہ جاری رہنا اچھا ہے۔ اسانہ ہوا تو جہاں انٹر میڈیٹریہ پڑ سکتا ہے وہ بھی ممکن نہ رہے گا۔ فرینک کو معلوم تھا کہ جناح کے نام سے میں جو بیانات نکالتا رہتا تھا وہ جس قدر مستند تھے، اگر وہ خود کہیں تو کبھی ایسے مستند نہ ہوتے لیکن گینڈ ڈنڈے پر آرہی تھی۔ ایک برطانوی میگزین ڈائٹم اینڈ ٹائٹلڈ نے مسلم لیگ پر جناح صاحب کے ایک مقالہ مانگا۔ سسٹم کے اذہر تھا۔ مقالہ نکھو ڈالا جس میں میں نے لکھا کہ 'ہندوستان رنگارنگ مختلف لوگوں کا مجموعہ ہے اور اس لیے اس کے لیے وہ جمہوری اصول جو یکساں انداز رکھنے والے ملک کے لیے بہتر ہیں ضرور نہیں ہوں گے، برطانیہ میں ایک نمائندہ حکومت کو تو دہانے لوگوں کی مدد کی اکثریت کی حمایت حاصل ہوا کرتی ہے، مگر ہندوستان میں وہی حکومت نمایڈ کہلائی جاسکتی ہے جسے ہندو مسلمان دونوں کی حمایت حاصل ہو، یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہندو مت اور اسلام غائب نہیں ہیں جیسا کہ عیسائی (انگریز) ان دونوں کو سمجھتے ہیں بلکہ زندگی گزارنے کے دو مختلف طریقے ہیں دو مختلف سماجی اصول و قوانین کے ساتھ یا دو مختلف تہذیبیں کہلا سکتی ہیں۔ یہ سودہ میں سے فرینک (مورس) کو بھی سنایا اور ایک آدھ لفظ یا تہذیب اور ادھر ادھر بلا بھی، پھر جناح صاحب کے پاس لے گیا۔ جنھوں نے اسے پسند کیا لیکن ایک نقطہ تبدیل کر دیا میں نے لکھا تھا:

ایسا آئین تشکیل دیا جائے جو تسلیم کرتا ہو کہ ہندوستان میں دو فرغے ہیں۔ دونوں کو مشترک اور وطن کی حکومت میں حصہ دار ہونا چاہیے۔ ایسا آئین تشکیل دینے کے لیے مسلمان حکومت بھارتیہ کانگریس یا کسی کے بھی ساتھ تعاون کے لیے تیار رہا۔ تاکہ موجودہ دشمنیاں ختم ہو سکیں اور ہندوستان دنیا کی بڑی قوموں میں اپنا مقام حاصل کر سکے انہوں نے لفظ فسطحی گھر کے لیے اسکی جگہ قومیں لکھ دیا!

یہ جنگ چمڑنے اور کانگریس حکومت کے مستقبل ہونے کے درمیانی زمانہ کی بات ہے، اس لیے یہ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے آس پاس کا زمانہ ہونا چاہیے۔ یہ پہلی بار میرے سامنے ایسا تھا صاحب جناب جناب مسلمانوں کو قوم کہا تھا۔ لیکن چونکہ مشترک اور وطن کے الفاظ جوں کے توں برقرار رہنے دیئے تھے۔ اس لیے ایک لمحہ کے لیے بھی مجھے یہ شک نہیں ہوا کہ بالکل ہی غیر آدھ ہندوستان کے لیے وہ جلد ہی دو قومی نظریہ، ہندو اور مسلم اپریشن کو طے لے لیں۔ ہر ایک نے اس نظریہ کے بارے میں سنا سنا کر دھا جو ایک صاحب چودھری رحمت علی نے سوچا تھا اور سرانجام نے جس کی پر جوش نکالتی تھی۔ لیکن اس لیے دھاکے سوا جس کا ابھی ذکر ہوا جناح صاحب نے اس سے پہلے دو قومیوں پر دو ریاستوں کا بھی نام نہیں لیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب جناب صاحب کو اتنی دافرائی ادا دل گئی تھی کہ وہ ایک پارٹی کا اخبار نکالنا سکتے تھے جو بعد میں ڈان کے نام سے نکلے۔ بھی نکلا۔ مجھے انہوں نے اس کی ایڈیٹنگ کی پیش کش کی۔ جس نے سوچنے کے لیے وقت مانگا لیکن یہ مصافحی کے ساتھ بتا دیا کہ اگر میں نے اسے قبول بھی کیا تو مجھے اس کا پورا اختیار ملنا چاہیے۔ انہوں نے کہا اس بارے میں زیادہ پریشان مت ہو۔ میرا خیال تھا یہ اخبار مسلم لیگ کی روز بروز بڑھتی ہوئی انتہا پسندی پر ایک بیک ٹھٹھے کے نام آسکے گا، لیکن اب پہلے مسلمانوں کی تعمیر کے، انٹی کانگریس اور انٹی ہندو تعلیم، جتنی جاری تھی میں سوچ رہا تھا کہ ایک آزادانہ انداز فکر لے پھر شاید اس کی جگہ پر قابض ہونے لگے۔ اس بات کو میں نے ایک آزاد ذہن رکھنے والے مسلمان پیرسٹر سلطان سیٹھ کے سامنے بھی چھڑا دیا اور یہ بھی پوچھا کہ اس کو کشش میں کیا وہ میرے سامنے متا پسند کریں گے۔ انہوں نے یہ پیشکش قبول کر لی۔ لیکن چونکہ کافی پریشاں تھا اور اس کا شورہ تھا کہ میں ملک بھروسہ اس کا خیال تھا کہ ایک بار اخبار جاری ہو سچ جائے گا کہ بعد میرے لیے مشکل ہو گا کہ آخری فرقہ وارانہ نقطہ سے چلے کسی جگہ تک سکون یا قابض اسکی۔ لہذا میں شہر تھا کہ مجھے اختیار ملے گا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ اخبار پارٹی کا ہوگا اور پارٹی کی اسپیشل کو وہ کچھ بھی نہیں دے پھر وہی ملنا ہوگا۔ مزید خود غرض کے بعد میں نے آخری اخبار کر دیا۔

اساتذہ نے بھارتیہ کی نکالتی تھی کہ اگر کسی ملک کی۔

نمبر ۳۳۹ میں جنگ چھڑ گئی اور کانگریس اور واسٹلے میں کچھ کام گنگوؤں کے بعد کانگریس نے اپنی
صوبائی حکومتوں کو مستقل چھوڑنے کی ہدایات جاری کر دیں۔ نومبر کے آخر تک استعفیٰ ہو گیا۔ کسی نے کہا ہے
کہ موقع میں انشا ہی اچھ ہے جتنا مقصد، جنگ مہاجنے موقع سے فائدہ اٹھانے کی اپنی اہلیت کا مظاہرہ کیا کانگریس
کے فیصلہ کو ایک کے فائدے کے لیے استعمال کرنے کے واسطے انہوں نے ایک کو ہدایات جاری کر دی کہ تمام ہندوستان
میں ملے۔ یوم نجات و شکرانہ کے طور سے منایا جائے اور شبہ اقدیم مجھ سے اس کے لیے مبنی فیستور کر کے
کے واسطے کہا، لیکن اب میرے رویہ کا اعجاز ہو چکا تھا اس لیے مجھے یہ بات کی ضرورت بھی لگی کہ اس میں کیا کیا
ہونا چاہیے! یہ ایسا کام تھا جس نے مجھے غلبان میں مبتلا کر دیا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ تو بات بالکل مدوں سے
نگلی جا رہی ہے۔ یہ بچہ معلوم تھا کہ ایک کی ایک کہیں لے کانگریس کی صوبائی حکومتوں کے نام نہاد مظالم کے بارے
میں ایک پر پور پر پور تیار کرائی ہے جس میں شروع سے آخر تک ہندو مسلم فداوت بھرے ہوئے تھے صوبائی
کانگریس جن کے افسران ضلع تک اس میں ملوث تھے، یہ صحیح ہے، لیکن یہ بات کہ کانگریس حکومتیں بھی ان فداوت
میں شریک تھیں محض افرا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان حکومتوں نے اپنے دو ٹروں کے خلاف سخت
ایکشن ابد نہیں لیا اور جس حد تک ان کے بس میں تھا ان دامان کی بحالی کے لیے، انہوں نے وہ بھی نہیں کیا۔
لیکن اس زمانے تک میں کانگریس کو کافی قریب سے دیکھ چکا تھا۔ یہ ایک مشترک سیاسی عقیدہ ملے
انڈیا پر مشتمل ایک سیاسی پارٹی کے بجائے آزادی خواہ تحریک تھی جس میں وہ سب جبر برطانوی حکومت سے نفرت
و جدوجہد کی بنا پر آزادی چاہتے تھے، ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے تھے اور چونکہ ہندوستان ابھی تک ہند
و مسلم کا ایک تھا اس لیے تھوڑا سا کانگریس کے زیادہ تر لوگوں میں ازمنہ و سلی کی ذہنیت کار فرما تھی۔ ذات پات
اور صوبائیت کا اچھا خاصا دور دورہ تھا، اور مسلمان ان کے جمود فکر یا مضروب اشیا میں بس یوں نہیں سے
نظر آتے تھے، بڑی اکثریت، خصوصاً انچل سلاطین، بلاشبہ ہندو نشاۃ ثانیہ کے خوب و بختی سنی لیکن واقعہ یوں
ہے کہ یہ لوگ ہندو زیادہ تھے بہ نسبت انہی مسلمان کے مسلمان تو خواہ خواہ ہی میں پکڑ میں آجاتے تھے۔
سادہ یوں نہیں ہے کہ کانگریس نے مسلمانوں کے خلاف کچھ کیا ہو، واقعہ یوں تھا کہ اسے مسلمانوں کے سلسلہ میں کچھ
نہ کچھ کرنا چاہیے تھا اور وہ اس نے نہیں کیا تھا۔ کانگریس کا اوپر کا حلقہ جن میں میں پیش رفتی طور پر جاتا تھا،
گاندھی جی، جواہر لال جی، مسٹر نائیڈو اور دوسرے کی انچل سلم اقامت کے الی ہی نہ تھے۔
کانگریس نے جب استعفا دیا تو کہ دوڑ میں لوگ جو کانگریس کے خلاف تھے وہ اس کی محبت پختہ نہ تھے

تھے۔ حیران و مضطرب رہ گئے اور جب علم لیکھ لے اس اقدام پر خوشیاں منائیں اور اس نے چڑھاؤں کی تو اس
بلق ایک پرتل چڑھنے کا کام کیا۔

یہ سب خیالات تھے جن کے تحت، جناح صاحب کے کہنے کے مطابق مینی فیسٹو تیار کرنے سے صریح انکار
کا ارادہ، میرا سب سے پہلا رد عمل تھا۔ لیکن میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ مجروح اکثریت کہیں ایسے نقطہ پر نہ پہنچ جاتی
جائے جہاں ضبط و تحمل کی طابیں ٹوٹ جائیں، اس لیے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آخر والی خطرناک صورت حال
میرے ہاتھوں کم خطرناک ہی بنا دی جاسکے۔ یہ میں جانتا تھا کہ جناح صاحب جو مظاہرے کرنا چاہتے ہیں ان کی
لے کو دبا کر لے والا ان کے حواریوں میں کوئی نہیں؛ اور اسے دبا کر لے کر کس قدر ضروری تھا؛ اور نہ جیسا کہ
پہلے کی بار ہو چکا تھا اکثریت اس کا انتقام ضرور لیتی۔ یہ بھی کوئی نہیں کہ سکتا تھا کہ خود اعلیٰ فرقہ ظاہر اقلیت
کے نشہ میں سرشار نہ معلوم کیا کچھ کر گزرے۔ ہندو مسلمان فسادات میں مسلمان ہمیشہ دغا پیلو پر سہم ہوں یا
جے بی لاچار شکاری بنے رہے ہوں، بات ایسی بھی نہیں تھی۔

اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ مینی فیسٹو میں ہی انھوں کا "اور میرے ذہن میں جو مقصد تھا وہ اس سے
پیدا ہوا، مواد کا ہی کیا تو اسے جناح صاحب کے پاس لے جاؤں گا ورنہ ان سے معذرت چاہوں گا کہ یہ کام کسی
اور سے کرالیں۔ پھر فرینک (مورس) کے ساتھ لفظ لفظ پر بحث ہوتی رہی کہ یہ لکھا جائے یا یہ فرینک بوم تھا
میں جو خوفناک مضمرات تھے ان کا اندازہ تھا اور وہ بھی انہیں کم سے کم نقصان رسا بنانا چاہتا تھا۔ اس لیے میں
لے اس کا خاص لحاظ رکھا کہ بیچ میں ایسے جملے بڑھاتا جاؤں جیسے:

"ہڑتال، جلوس یا اس قسم کے مظاہروں کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ موت خاکسارانہ انداز پر اپنا رد عمل
ظاہر کر دینا کافی ہے۔" اور "خصوصی طور سے میری اپیل یہ ہے کہ دعا کی جائے کہ ایسی کئی نماندہ وڈا سرگما بنیں
جو تمام فرقوں اور تمام مذاہبات کے ساتھ انصاف کر سکیں۔"

ابنیں شک تھا کہ جناح صاحب اپنے بارعائد انداز میں ایسے کہ اس وقت وہ تھے، ہمارے پیش کردہ
مسودہ کو مان لیں گے لیکن اگر انھوں نے مان لیا تو ہماری ترکیب کامیاب ہو جائے گی، کوشش کرنے میں کیا بھلا
تھا، فرینک نے ضد کی کہ جاؤ اور دکھاؤ۔ میں مسودہ لے گیا تو جناح صاحب شغول تھے، ریلے رکھ جاؤ۔ میں چھوڑ
کے چلا آیا۔ دو سیکڑ دن میں لے لے اخباروں میں دیکھا۔

چھپتے نہ بات بھی مٹنا کر دلوں کو یوم بھلت: بغیر کسی جھگڑے کے گزر گیا۔ کسی نے کسی کے ایک ہاتھ تک رسید نہیں کیا، ایک کٹکری تک نہیں پھینکی۔ یہ تو بہت بڑا بول ہے کہ یہ سب کچھ نینا فیسٹو کے الفاظ کا نتیجہ تھا لیکن میں پسند کروں گا کہ کہے کم اتنا ہی کہوں ہی کہ صودت مال کو اس طور پر پیدا کر سنے میں اس نے مدد فرماد کی۔ اگلے بار جب جناح صاحب نے "یوم" منوایا تو وہ ایسے خوش نصیب نہیں رہے تھے، ۱۹۲۶ء میں مسلم لیگ نے "ماست اقامہ کا یوم" منایا، اور قیصر میں لکھ کر مٹاؤ فناک فساد، برپا ہوا۔ غیر۔



اسپیکر کے وسط میں جناح صاحب لاہور جا رہے تھے۔ جانے سے ایک دن پہلے میری ملاقات ہوئی۔ اور کسی ایک نقطہ ——— یا کسی قریب سے انھوں نے ذرا سا اشارہ بھی نہیں دیا کہ مارچ کے اس ایک سیشن میں لاہور میں پاکستان ریزولوشن پیش کیا جانے والا ہے۔ مگر چند ہی دن بعد، بہت رات کے، فرینک مورس نے مجھے فون کیا۔ ”تم نے مجھے پاکستان ریزولوشن کے بارے میں کچھ کیوں نہیں بتایا؟ اس نے پوچھا۔ ”ریزولوشن؟“ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ اس نے پورا پڑھ کے سنایا۔ میں دنگ رہ گیا۔ لیکن اپنا راستہ مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں ایک میں اس لیے آیا تھا کہ جہاں تک ہوسکے اتحاد کے لیے کام کر سکوں۔ لیکن اگر لیگ کے ذریعہ اتحاد ممکن نہ رہا تو میری اس کے اندر کوئی جگہ نہ تھی، فرینک بے میرے نصب العین اور ہدف الگ ہی طرح معلوم تھے، پوچھنے لگا۔

”اب کیا ارادہ ہے؟“ ظاہر ہے، ”استغنیٰ“ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ میں نے فوراً جواب دیا۔ لیکن فرینک میں چھپا ہوا سمجھائی فوراً بولا:

”تمہارا استغنیٰ دینا تو ٹھیک ہے، لیکن اس کے لیے ایک بیان جاری کرو جس میں اپنے استغنیٰ ہونے کے وجہ تاثر، ہماری اس طرح مشہور کرنا چاہتے ہیں۔“

مجھ میں فلا جلدی اٹھ گیا اور کھنکھنے کے لیے بیٹھ گیا۔ جب اپنے نیکھے سے پوری طرح مطمئن ہو چکا تو اسے فرینک کے پاس لے گیا، اس نے کئی بار پڑھا اور پوچھے کہا اس میں تمہارے نظریات اور خیالات پوری طرح آگے ہیں۔ اگلے دن یہ بیان ”انٹرفٹ انڈیا“ میں آگیا اور اس کے دوسرے دن باقی تمام اخباروں میں بھی۔ اچھی سی مشہوری ہوئی اس بیان کی۔ کئی ایک اخباروں نے ادارے بھی لکھے۔ اور اخبارات نے بھی کوئی تنقید نہیں کی کہ یہ غریب بھی پاکستان ریزولوشن پر محض جو بچے رکھ گئے تھے اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا رویہ اختیار کریں۔ میرا بیان اچھا خاصا غلط تھا لیکن اس کے زیادہ ضروری تھے تو نقل کر ہی دیا:

”مسلم سیاست کا سارا نصب العین فرقہ وارانہ اصول پر مبنی ہے جس میں ہر قوم کی طرف سے اسلامیت

کی سیاست ہے۔ تھیکہ سمی یہ ہیں کہ پہلے ہی تسلیم کر لیا گیا کہ فرقہ دارانہ اتحاد ناممکن چیز ہے اور اسی لیے یہ بدترین سیاست کی صورت ہے۔۔۔ مسلم لیگ کی ضرورت میں دو وجوہ سے سمجھا تھا کہ ایک تو وہ یکجائی کا باعث ہوگی؛ اور دوسرے اس یکجائی سے فرقہ دارانہ امن لے سکے گا اور متغزل کے گا۔ ان دونوں وجوہ پر اب بھی میرا ایمان ہے اور اگر اس وقت میں سلمان غولہ سے آتا تو ڈبا ہوں تو اس کا سبب بھی یہی ہے کہ ایک وجہ دوسری وجہ کی مخالفت کے لیے استعمال کی جا رہی ہے۔ میں ملت کی یکجائی میں جو مستقل مبدائی یا علیحدگی کے مقصد کی خاطر ہو، عقیدہ نہیں رکھتا۔ مسئلہ کی نوعیت اب ہم مسلمانوں کے سامنے بالکل واضح ہے، کیا ہم ہندو مسلم اتحاد میں عقیدہ رکھتے ہیں یا نہیں؛ اگر ہم لے ناممکن سمجھتے ہیں تو ہماری جنگ لیگ میں نہ ہے اور اگر ہم اسے ممکن سمجھتے ہیں تو لیگ کے باہر!

کیا میں نے استعفیٰ دینے میں کچھ ملد بازی کی؟ یہ سوال میں نے اپنے آپ سے کئی بار پوچھا ہے۔ ایک انگریز "ہینڈل ہون" نے جو پنجاب کے مسلمان لیڈروں سے کافی قریب اور ان کا اعتماد تھا اپنی کتاب "ڈوائڈ اینڈ ٹریوٹ" میں لکھا ہے:

"جنی طور سے جناح نے لاہور میں ایک دو لوگوں سے کہا کہ یہ ریڈیو روشن محض ایک شالوار چال ہے اور یہ امر کہ وہ چوبیس برس بعد تھیکہ کم پر بھی لاطعی نظر آتا تھا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں وہ حقیقتہً اس مسئلہ پر آخری فیصلہ کن موڑ پر نہیں پہنچے تھے۔ اس لیے ایک حد تک یہ ایک شالوار چال بھی ہو سکتی تھی جس کا مقصد کانگریس سے ایسی رعایتیں حاصل کرنا ہو جو پارٹیز شپ کو گوارہ بنا دیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ریڈیو روشن کے نالغہ پر مجبورہ آزاد ریاستوں کی ہیئت ترکیبی پڑ انسان کے باہمی روابط کے بارے میں اس مرحلہ پر پوری طرح غور و خوض مطلق نہیں کیا گیا تھا۔ ان میں بعض امور بعد میں صاف ہوئے لیکن جناح صاحب پاکستان کے واقعی مدد خال کی وضاحت دینے کے سلسلے میں بہت زیادہ مشتاق نہیں رہتے تھے مگر کہ ہم تک بھی اس بارے میں کچھ شکوک رہے کہ بالآخر جناح صاحب اپنے تصورات کو عملی جامہ میں کس انداز پر دیکھنا پسند کریں گے؟

میں کا اس نتیجہ پر پہنچا کہ قوی امکان ہے کہ ریڈیو روشن محض سودا بازی کے نقطہ نظر سے منظور کیا گیا ہو اس میں ان بیانات سے خاصی حاجت ہے جو لاہور سے واپسی پر بیجی دوستوں نے میرے سامنے رکھے۔ تم بھی جب غلط انداز ہو جو ریڈیو روشن پر سنجیدگی سے غور کرنے کی جگہ ہے۔ ان لوگوں نے مجھے کہا: تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ہندو قومیہ ہیں اور دنیا صرف بھی زبان سمجھ سکتا ہے؟ اور خود جناح صاحب! ان کے مقصد کی غیر یکجہادی اور ملا

کی پہنچ دیوے کے اسے میں بہت کچھ دکھا جاتا رہا ہے لیکن ۴۶ کی جھلک کے پہلے ہفتہ تک کی صورت حال یہ تھی کہ وہ ایک غیر متحرک مرکز (پرنسپل سینیٹر) تھیں کہنے کے لیے پوری طرح آداہ تھے۔ آخری فیصلہ تو جولائی ۴۷ء کی کچھ روز قبل ہفتہ میں انھوں نے کیا کہ پاکستان سے کم اب کچھ بھی نہیں اور اس کے سبب تھے جن پر کچھ گفتگو ہوئی۔

حقیقت جو کچھ بھی رہی ہو میں مستحق ہونے کے اپنے فیصلے پر کبھی نادم نہیں ہوا ہوں۔ استغفریہ دینے کے بعد عرصے بعد میں اور تارا جناح صاحبہ اور مس فاطمہ جناح سے ملے گئے۔ تارک کے ساتھ اللہ کے اخلاق اور رویہ میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی لیکن میری طرف انتہائی سرد مہر ہے۔ مجھے اس کا انھوں نے کہ میرا ان کا ربط و تعلق اس طور پر ختم ہوا۔ ان کی شخصیت میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ کوئی کسی بھی لحاظ سے ان کا شینہ یا گردیدہ ہو سکتا لیکن جب مجھے اور آج تک مجھے میں ان کی دیانت و خلوص کو ہمیشہ گہری عزت احترام کی نظر سے دیکھتا رہا ہوں اگر یاد ہوتا تو اتنا طویل عرصہ میں نے محض مفاہمت میں ان کے ساتھ نہیں گزارا ہوتا۔

مستحق ہونے کے بعد میں اس بارے میں بہت کچھ سوچا سلم کہ جناح صاحبہ میرا آئندہ مذہبی اور سیاسی حریت نکر کے ایک طویل ریکارڈ کا ملک شیعہ مذہب و ریاست میں فرقہ پرستوں کا امام بن گیا۔ اس غلابی نفاذ کو سنبھالنے کے لیے میں ان اور کوروش نظر رکھنا ہوا جنھوں نے ان کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر کا کام انجام دیا تھا۔ ان کی شخصیت جو ان کے بنیادی کلار، ان کے رجحانات، ان کی تسلیم و تربیت، ان کے تجربات اور تجربات کے رد عمل اور اسی قسم کے محال کا مجموعہ تھی۔

معمولی سے گھر میں پیدا ہوئے لیکن اپنی صفت، قابلیت اور صلاحیت سے بہت ہی قافیہ پریشاں مسلم ممتاز ترین نام پیدا کیا۔ پیشہ کی ناموری سے وافر آمدنی اور وافر آمدنی سے ایک اعلیٰ معیار رہن گاہ اور معیار زندگی ان کے بیان ایسی ہی سہولت سے آتی ملی گئی جیسا کہ لوگ پیدا کشی ہی سہے ہوں بلندی پر پہنچ کر اپنے کم نصیب ساتھیوں سے انھوں نے بات بھی کرنا بند کر دی۔ بہترین سے کم اب انھیں گواہی نہ ملتا تھا۔ بہترین دوست بہترین کچھ، بہترین ہوئی، بہترین کلب (بیس اسٹارڈ میں ان سے قریب سا مقابلیہ وہ بالابار ملی پر اپنا نیا شاندار محل بنوا رہے تھے اور اسی لیے مستند گواہ ہوں کہ کس طرح وہ ذاتی تجارتی کر کے اپنے آکر ایک اور کٹر پیکر ہوں کو ڈرا ڈراما کی بات پر توجہ دے کر، اور ہر وہ چیز جو بہترین نہ ہو اسے رد کر کے، کیا نہج اور ماحول کو دیکھتے تھے۔ وہ بالآخر سیاسی اور سماجی دونوں لحاظ سے سٹون (Snob) ہوتے گئے۔ سماجی اعتبار سے وہ عظیم کی پسند ہونے، معروف ان لوگوں سے، اور وہ بھی کلب اور ڈراما ٹنگ مدم میں ملنا پسند کرتے تھے جو ان کے اپنے ہم درجہ

اسلام خلقی ہوں، اور سیاسی لحاظ سے وہ کثیروں والے آدمی کہیں ہیں، جس کے جو صرف اپنی ذہنی سطح کے لوگوں کے اور پچھلے اختلاف رائے رکھنے والوں سے کانفرنس میں ملنا پسند کرتے تھے۔ علوی لیڈر کی وہ جین خدمت ہے شاید کم فک کہ گاندھی جی اور جواہر لال نہرو کی اتنی بڑی ضد ہوں ان دونوں نے اپنی ساری خصوصیات کے باوجود تقریروں کے بل پر اتنے معتقد اور یہ قیامت حاصل کی تھی، جب کہ جناح صاحب کا اندلایہ تھا کہ اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں جہاں مسلمانوں کے علوی لیڈر ابھی کھبتے پھر رہے ہیں کہ کسی طرح کچن کے باہر لائیں۔ اور دوسرے ناواقفیت کے سبب وہ پبلک میں لوٹنے سے کترلتے بھی تھے۔ سبکی لحاظ سے عام آدمی کے لیے ان کے پاس وقت بھی نہیں تھا اور سیاسی لحاظ سے عام سیاسی ورکر یا جموں سیاستدانوں کے لیے ان کے پاس ملحق وقت نہیں تھا اور پھر بھی یہ سب ان کے مرید تھے۔



مذہب کا جہاں تک تعلق ہے پاکستان میں کوئی کچھ بھی کہا کرے، لیکن وہ بنیادی طور سے سیکولر اور ناخیزہ دلائل تک پہنچتے۔ ان کے انتہائی معتقد سوانح نگار کو بھی اس کی تلاش میں خاصی مشکل پڑے گی کہ ان کی تقریر و تقریر سے مذہب کی تبلیغ یا تشویش کے سلسلہ میں ایک آدمہ جلد بھی بنیا کر سکے۔ مجھے ان کی کسی تقریر و تقریر میں ایسی کوئی چیز یاد نہیں آتی جس میں انھوں نے اسلام کی خوبیاں بیان کی ہوں اور وہ بھی مسجد میں گئے ہوں کہ سے کم میری یاد میں ایسا کبھی نہیں ہوا، جو تو سیاسی مزدورت کے وقت ہوا ہوگا۔ اگر مولاناؤں سے انھوں نے کبھی کچھ تعلق رکھا ہو کہ سے کم مجھے ایسا یاد نہیں آتا، تو یہ ضمنی دونوں کے سلسلہ سے جہاں ہوگا۔ اگر وہ مجھے پسند کرتے تھے، تو اس کا بھی مطلب تھا کہ میں ان کی مانند مافوقی مذہب اور ناخیزہ تھا!

لیک سے زیادہ بار وہ مشترک انتخاب کو قبول کرنے کے حق میں رہے۔ لیکن قدامت پسند مسلمانوں میں سے قابل قبول بنانے کے لیے وہ فشتوں کا ریزر وٹن مانگتے تھے۔ کبھی اس کا کھلا اعلان تو نہیں کیا، لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ رعایت مکمل کئے انتخابات کی جانب منزل کی طرقت کوچ کا پڑاؤ تھی۔ مگر ہوا یہ کہ ایک آدمہ فشت ادھر ایک آدمہ ادھر اس جبر طلبہ پر بھی ان کی سرزنش کی جاتی رہی۔ اس کا دل ٹوٹ گیا۔ انھوں نے مسکایا کہ انھیں ذلیل کیا جا رہا ہے، اور رفتہ رفتہ اس کا یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کو کانگریس سے انصاف نہیں مل سکے گا۔

قوم پر دردوں کی زبانوں سے جہاں ان کی اسی جگہ تھی، یہ سرزنش — بعد وہ جن کے

ساتھ کوئی قدر مشترک نہ تھی : مسلمان اعتدال پسندوں اور رحمت پرستی کی طرف سے خود ان کی طرف
 جھکا رہا تھا، ان کا رویہ : اور، غورناک، سبک آزاد : انگریزوں کے ساتھ چلے گا، ان کی کوئی سہارا ہی نہیں
 نتیجہ میں وہ خود اپنے اوپر آپڑے۔ اس طرح وہ مشہور آنا، نیکیں پذیر ہوئی جس سے بھگتے ان کے اکثر
 اقدامات وابستہ کیے جاتے ہیں۔

جدا گناہ انتخابات کی بدترین خرابی یہ تھی کہ انھوں نے سیاسی ہندو اور سیاسی مسلمان پیدا کر دیے جو
 نرہی ہندو اور مذہبی مسلمان کے ہم معنی قطعی نہیں تھے۔ ان کی بدولت سیاست دو خانوں میں بٹ گئی۔ پارلیمانی
 سیاست، جس میں منڈل لال بہروہی، کر داس، پنڈت مہن موہن مالویہ اور جناح صاحب وغیرہ شامل تھے
 اور پارٹی پارٹیکس جس میں مٹلا جہاں لال بی، سردار دلچھ بھائی، ٹیل، مولانا آزاد وغیرہ کانگریس پارٹی کے محکم
 نہ ملتے۔ کانگریس ہمیشہ پارٹی کے تمام فرقوں کے لیے کھلی رہی، لیکن کسی قانون ساز مجلس کے لیے انھیں جگہ
 مسلمان یا بطور ہندو ہی کے ممکن تھا۔ بے حد فریقہ پرست مسلمان کو بھی کوئی ہندو ووٹ نہیں کر سکتا، اور
 موتی لال جی میس انتہائی سیکولر ہندو بھی بلا کسی یک مسلم ووٹ کے منتخب ہو سکتے تھے۔ حتیٰ کہ گنگوہی مسلمان
 تک خارج مسلم طبقہ کے انتخاب کے کوٹ ہوتے تھے اور اس کے بموجب انتخابی مہم چلاتے تھے۔ یہی کانگریس ہندو
 کی صورت حال تھی۔

جناح صاحب غاصب پارلیمانی سیاست میں دلچسپی رکھتے تھے اور مسلم لیگ بھی ان کے ذہن میں مس پارلیمانی
 انداز کے حصول کے لیے ایک ذریعہ کے طور پر تھی اور بس وہ مسلم لیگ کے خالق اور پاکستان کے بانی کہے جاسکتے ہیں۔
 لیکن ان کی لاادریت اپنی جگہ پر تھی۔ ان کی اہم چیز اور نمکری سا پوچھا خاصہ Symbol اور سیاسی تھی۔
 اور وہ ان لوگوں پر سختی سے ملاحظہ کرتے جو مذہب میں سیاست کو آمیز کر سکتے تھے۔ قیام وہ مسلمانوں کو سیاست
 میں لائے لیکن اسلام کو نہیں۔ دوسری طرف گاندھی جی ہندومت کو سیاست میں لائے رہے : ہر جگہ سک
 پر ان کا مرن برت، اسی سلسلہ کی ایک اہم ٹوٹی ہے۔

جناح صاحب اول و آخر ایک سیاسی مسلمان تھے وہ اپنے آپ کو مسلمان فرقہ کا سیاسی لیڈر کہتے تھے۔
 غیر مسلم ہندستان ان کے ذہن میں تھا اور ہر مسلمان قوم کا سیاسی لیڈر جب وہ پاکستان کے بانی ہو چکے تھے
 اسلام ان کے فکری دائرہ میں کسی جگہ کہی آتا تھا اور اگر کوئی پوچھا کہ حسن مشوک قیدیہ نقل اعتبار سے حق
 لوگوں کو ایک قوم کیے جاسکتا ہے تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ امریکہ نے ثابت کر دیا ہے کہ امریت اور مسلمان

ہوئے۔ اگر مسلمان ایسا سوچتے ہیں کہ وہ ایک قوم ہیں تو وہ ایک قوم ہیں اور یہی اس کے لیے کافی ہے۔

وہ اتنا ہندوستان یا ہندوؤں کے خلاف نہ سمجھتا کہ انگریزوں کے، جسے وہ مسلم لیگ کی سیاسی سرپرست سمجھتے تھے۔ ہندو مسلم فریاد دے، اچھا، مگر قائد اعظم نے ثابت کر دیا کہ انگریزوں کی مخالفت کی اہل نہیں، اور مسلمانوں کو خود وہ کر کے لیگ کی طرف روکنے کے لیے ہندو راج کا ہوتا بھی کھڑا کرتے رہے لیکن ان سے بڑے تعداد میں بات چیت میں بے مشکل ہی سے کوئی بات یاد آتی ہے جب انہوں نے ہندوؤں یا ہندو مذہب پر کوئی حملہ کیا ہو۔ ان کی مخالفت جو بعد میں نفرت میں بدل گئی، کانگریس قیادت کی جانب مرکوز تھی، اور اگر وہ گاندھی جی اور جواہر لال جی سے ملکر لینا چاہتے تھے تو اس میں دونوں کے ہندو پن سے زیادہ کانگریست کو دخل تھا۔ ان کے کہنے ہی ہندو دوست تھے۔

اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ اس زمانے میں کانگریس میں بعض انوسنک خصوصیات در آئی تھیں۔ اس سے اکثر غیر کانگریسی ہندو اور مسلمان غالباً متفق ہوں گے کہ کانگریس کے ممبروں میں کچھ شہرہ خوں آگئی تھی جو انوسنک تھی۔ مانتھیہ ہے کہ ہم تم سے زیادہ سنی نیک لوگ ہیں، دلا گاندھیائی گروپ اتنا زیادہ کچھ دینے والا نہ تھا۔ جتنا ہم تم سے زیادہ بڑے سب وطن ہیں، دلا گروپ جو جواہر لال جی، ولبھ بھائی پٹیل اور بھاشا چند برہوس دیو کے گرد جمع ہو چلا تھا۔

اور یہ کم از کم بات نہیں ہے کہ ایک بار اپنی نفرت انگریز کانگریس کو کو خلاصی پانے کے بعد جلع صاحب نے اپنے بنیادی سیکولرزم کو پھر سے دیا۔ تقسیم کی انتہائی ہولناک فرقہ پرستی بھی بظاہر ان کے بنیادی سیکولرزم کو نہ دبا سکی۔ یہ سچ ہے، جس کا تفصیل کے لیے ان کے محرکات کے لیے جلتے تھے، لیکن اس سے زیادہ کوئی چیز مومن کے سیکولرزم کے طور سے پیش کی جا سکتی ہے جو انہوں نے پاکستان آئین ساز اسمبلی کو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے خطاب میں کہا جب انہوں نے اعلان کیا کہ:

”تم میں سے ہر ایک کو وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو، کسی بھی رنگ، ذات یا عقیدہ کا ہوا، اولاد، اثنا یا اور آخر، اس ریاست کا شہری ہے۔ برابر کے حقوق، برابر کے امتیازات اور برابر کی ذمہ داریوں کے ساتھ!.....“

تم کسی بھی مذہب، ذات یا عقیدے سے متعلق ہو، ریاست کے معاملہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم اس بنیادی اصول سے ابتدا کر سکتے ہیں۔ اسے ہم اپنے نصب العین کی حیثیت سے اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ پھر جو جنوں زمانہ گزرتا جاوے گا ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔ مذہبی معنی میں نہیں کہ مذہب تو ہر فرقہ ذاتی مسئلہ

بلکہ سیاسی مہنی میں قوم کے شہری کی کیفیت ہے۔

ان کا سخت ترین تقادبھی یہ تو ہونے کا کہ کسی اسلامی سیاست کی انتہائی تفریق برقیہ ہونے سے رہی! ذہن عیب فضاؤں میں پرواز کرنے بھگت ہے کہ دونوں ملکوں کے تعلقات کیا ہونے اگر کشمیر بیچ میں ایک دیوار بن کر نہ ابھرا ہوتا۔ کچھ بھی ہو بعد میں صورت حال میں طرح غراب ہوئی اور حتیٰ کہ باقاعدہ جنگ تک نوبت پہنچی اس کی ذمہ داری ان کے سر نہیں ڈالی جاسکتی۔ خلیج کچھ بھی رہا ہو۔ مذہبی ہمنوں ہرگز نہیں تھا!

لیکن آخر ہجران میں اتنا مزدور ہو گیا تھا کہ وہ بے حد سخت دل اور ہونے تھے۔ مسلم اکثریت کے صوبوں میں، پاکستان میں، ہندوؤں کے ٹھہرے رہنے کے وہ ممکن ہے دل سے نہ خواہشمند رہے ہوں لیکن ان کے اندر کے سیاستدان نے یہ خیال کا نظریہ مہنی ان کے سبب نہیں چلایا! ان کے اپنے، اور کچھ گئے چنے انتہا پسند بیگیوں کے سوا مجموعی طور سے مسلمانوں نے پاکستان کو سو بے بازی کے لک فقط آغاز سے بڑھ کر کچھ نہیں سوجھا تھا۔ ان کی عیب انھوں نے دیکھا کہ وہ تو پیچھے لے لے گا تو ہندو اکثریت کے علاقوں میں رہنے والے مسلمان حیران و پریشان رہ گئے۔ ان مسلمانوں کی ڈھارس کے لیے اور انہیں سیاسی حمایت دینا کرنے کے لیے ہی جناح صاحب نے انہیں یہ یقین دہانی کی تھی کہ پاکستان میں ایک مطمئن ہندو اقلیت کا وجود ہندوستان میں باقی ماندہ مسلمانوں کے ساتھ اچھے سلوک کی خود بخود ضمانت بن جائے گا۔

ان کے اس استدلال میں ایک Cynicism سماج پر یو نہیں تنقید کے برعکس ہے۔ جناح جن کا نام تھا وہ ایسا کوئی گند ذہن شخص نہیں تھا کہ اسے اپنے ان عقیدت گزاروں کے ذہنی سطح کا اندازہ نہ ہو جس میں اس نے خود ہندوؤں سے کٹ کے ایک الگ سیاست بنانے کے راستے پر ڈالا تھا۔ یہ ذہنی سطح کہ وہ اپنے درمیان ہندوؤں کو کس حد تک گوارا کر سکیں گے اور اگر کامیاب اور ہندوان کے پروپیگنڈہ کیے جسے پیما کا دھواں یسواں صحت بھی انہی مسلم تھے تو اپنے ملک کو منقسم دیکھنے کے بعد اس میں کسی قسم کی کمی کے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہندو اقلیت پاکستان سے نکال جا رہی ہے یا انہیں مسلمان بنایا جا رہا ہے۔ اور ہندوستان میں کتنے ہی فرقہ وارانہ فسادات ہوتے چلے آ رہے ہیں اور جنے پتا چلتے ہیں اس سے کہیں زیادہ تعداد میں مسلمان مارے جا چکے ہیں۔ یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ کتنے ہندو اور مسلمان اب تک اس پُرخون نظریہ کی جھینٹ بھر چکے ہیں۔

لیکن یہی Cynicism میرے اس خیال کو کمزور کرنے کے بجائے مزید قوی کر دیتا ہے کہ جناح کا

لاہینے تھے اور زندگی کے آخر تک لاہیے رہے۔ جہاں انتخابات سیاسی اسباب کی بنا پر دو شتاس کیے گئے، جتنے صاحب انہیں کے نائیدہ اور ایک سیاسی مسلمان تھے، مسلمان فرقہ، ان کے لیے طعنے انتخاب کی جگہ مابین کرتا تھا، اور مسلمان قوم ان کے سیاسی اراکین جنگ جو انہوں نے لڑی سیاسی حق مسلم ایک اور کانگریس کے درمیان! اور پاکستان انکی سیاسی ایک تھی، ایک الگ ملک کے لیے جس پر وہ اور مسلم ایک حکومت کر سکیں۔ اس سب میں مذہب معنی امر اتفاقی تھا!

۲۹ سے پہلے پاکستان جس ان کے فکری سلسلہ کی کڑی نہیں بنا۔ فیضانِ خیال ہے ۳۴ کے اس پس قطعی طور پر کے ساتھ اضطرار نے یہ بات کہی تھی کہ ہندو اور مسلمان ایک ہندوستانی مسلم کے دو بادو ہیں۔ جب کانگریس نے ۳۶ میں صوبائی وزارتیں بنائیں اس وقت انہیں ترقی حق کانگریس ایک مخلوط وزارتیں نہیں گئی، اور یہی انکا ہندو مسلم اتحاد کا تصور تھا مگر کانگریس نے رویہ ہی دو سرا بنایا اس وقت کانگریس ان سیاسی نظریات پر غالب ہو رہی تھی جن پر کل طور پر اطلاق ہو سکتا تھا۔ مثلاً اکثریتی پارٹی کی حکومت کا نظریہ اور اس سلسلہ میں یہ خیال نہیں رہا کہ ہندوستانی حالات کے پس منظر میں عددی اکثریت کا مطلب فرقہ وارانہ اکثریت ہوگا۔ کانگریس نے صوبوں میں حکومت بنائی تو فاصلے کانگریس پارٹی کی۔ اس رویہ نے بالآخر انہیں پاکستان کی طرف دھکیل دیا۔ مخلوط وزارتیں ہی سب کچھ تو نہیں، اور معنی آغا کارٹھن نے کہ انجام یا مقصد۔ لیکن یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ اکثریتی حکومت کی قسم نظریات کو چھوڑ کے مسلمانوں کی حمایت کے حصول کا یہ ذریعہ بڑی حقیر سی قیمت تھی جو ادا کر دینی چاہیے تھی۔ یہ سچ ہے کہ ہم کی عارضی حکومت جو مخلوط حکومت تھی، قطعی انجام ہوگی۔ لیکن یہ وہ وقت تھا جب پاکستان ملک ایک کا مذہب بن چکا تھا۔ کوئی معقول وجہ نہیں کہ اس وقت اس میں کامیابی نہیں ہوتی جب مسلم ایک غیر متقسم ہندوستان ہی میں یقین رکھتی تھی۔



ایک ایسے مسلمان ہندوستانی کی حیثیت سے من کے تین بھائی پاکستان میں ہوں، جو خود جلع صاب کے ساتھ ریل کے کام کر چکا ہو اور جو حکومت ہند کی اعلیٰ ملازمت پا چکا ہو، مجھے توقع کی جا سکتی ہے کہ پاکستان کے قیام کے بارے میں کچھ کہہ سکوں گا۔ بہت سے یہ کہانی سنا چکے ہیں، بہت سے سنا ئیں گے، میرے ذاتی تاثرات بھی سنیں:

کچھ دن ہوئے میں نے یوزارڈ موسیٰ کی اہم کتاب برٹش راج کے آخری ایام، پڑھی تو اس سے مجھ پر تاثر ہوا کہ پاکستان کا قیام ایک بنیادی غلطی تھی، کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بڑی مہارت کے ساتھ بل ٹیڈ کیا کہ یہ تنہا ایک فرد، جلع کا کارنامہ تھا جو اس کے قیام کے سال بھر کے اندر ہی مر گیا، اور یہ کہ اگر تقسیم جناح کے انتقال تک نہ سکے، تو پاکستان کا پورا مقصد اس کے ساتھ ساتھ مر گیا ہوتا۔

ایک زمانہ میں میں شاید ان خیالات کی تائید کرتا، کیونکہ، جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے، میں اگرچہ جلع صاب کے ساتھ ریل کے کام کر رہا تھا لیکن میں تصور پاکستان کا اس درجہ مخالفت تھا کہ جس دن پاکستان بنیاد پڑا پس ہوا میں نے مسلم لیگ کے استعفیٰ دے دیا۔ اس وقت مجھے اس بات سے بگبے حد مایوسی ہو ا کرتی تھی کہ ہندوستانی قوم پرستی علاحدہ وجہ الوطنی کے ہم معنی تھی۔ لیکن میرے اندر کا بنیادی لادریہ (افراطی) مذہبی ریاست کے تصور سے بھاگتا تھا۔ یہ بھی تھا کہ میں اسے مل سے زیادہ فرار سمجھتا تھا اور آخری بات یوں تھی کہ میں کبھی نہیں سمجھتا تھا کہ یہ چلنے والی اسکیم ہے۔

لیکن بعد کے تجربہ اور محنت سے سوچنے کے انداز کو بدل دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر تقسیم نہ ہوتی ہوتی تو کیا ہندو اور مسلمان ساتھ رہ سکے اور قریب رہ کے ہندوستان کی ترقی کیلئے کام کر سکتے؟ میں نہیں سمجھتا کہ ہندو لادریہ انتخابات کے نتیجہ میں خود جدا گانہ، غیر منظم مانہ پارٹیوں کے وجود کے چھتے ایسا نہیں ہو سکتا، اندیشہ

محنت حال جہاں تک بھر میں آئندہ غیر معینہ مدت کے لیے چلتی رہتی۔

یہ پورا سلسلہ ناگزیر نہیں تھا، یہ میں پہلے کچھ نہ کچھ کہہ چکا ہوں اور اب پھر دہرائی جاؤں۔ مشترکہ انتخابات سے یہ بین ممکن تھا کہ ایک واقعی قوی اور سیکور پارٹی وجود میں آجائی۔ لیکن وقت کے ہند و زر عمارتوں کے مطالبات کو قبول کرنے کا کوئی راستہ نہیں نکال سکے۔ پھر بھی ایک مرحلہ پر خطوط حکومتیں ہشترک گوشش سے مقصد کی یک جہتی پیدا کرنے میں غامض کامیاب ہو جاتیں۔ جس کے نتیجہ میں بڑی حد تک ہم آہنگی پیدا ہو جاتی۔ لیکن کانگریس نے یہ تجویز بھی تعلیم کے ساتھ رد کر دی تھی اور ایسی کوئی بنیاد نہیں جس کی بنا پر ہم کہہ سکیں کہ کانگریس اپنا رویہ بدل لیتی۔ یہ مان لینے کی بھی کوئی معقول وجہ موجود نہیں کہ کانگریس کہیں بھی مسلمانوں کی ایک معقول تعداد کی حمایت حاصل کر کے اپنے اس دعوے کو سچ کر دکھانے کے قابل ہو پائی کہ وہ ایسی پارٹی ہے جو تمام قزاق کی مانند ہے۔ کانگریس نے جو مسلم عوام رابطہ تحریک چلائی تھی وہ بری طرح ناکام ہو چکی تھی۔ جس کا وضاحت کے ساتھ اندازہ ۴۵ء اور ۴۶ء کے انتخابات کے نتائج سے ہوتا تھا۔

۴۵ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات میں گوبندو ایک مسلم نشست مسلم لیگ نے جیت لی۔ قوم پرست مسلمانوں میں بہتوں کی توقعات تک ضبط ہو گئی۔ موبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں مسلم لیگ کا ریکارڈ اس طور پر تھا:

آسام	تقریباً ساری کی ساری نشستیں مسلم لیگ کو۔
سندھ	۲۸ نشستیں مسلم لیگ کو اور صرف ۴ قوم پرست مسلمانوں کو اور
صوبہ سرحد	۲۵ مسلم لیگ کو۔ ۱۹ کانگریس کو۔
پنجاب	۸۸ مسلمان نشستوں میں سے ۵۷ مسلم لیگ کو کم آزاد امیدوار بھی
بہار	کامیاب ہو کر ایک میں لگے۔
یوپی	۴۱ مسلمان نشستوں میں سے ۲۲ مسلم لیگ کو۔
بمبئی	۶۶ مسلمان نشستوں میں سے ۵۷ مسلم لیگ کو۔
مدھیا	۱۲ ساری کی ساری ۲۹ مسلمان نشستیں لیگ کو۔

میں
۴۱ مسلمان نشستوں میں ۳ ایک کو۔
ساری کی ساری ۴ مسلمان نشستیں ایک کو۔
۱۱۹ مسلمان نشستوں میں سے ۱۱۳ ایک کو۔
بنگال

تو بیچ بالاسے یہ صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ کانگریس کا یہ دعویٰ کہ وہ دونوں فرقوں کی نمائندہ ہے حقیقت سے کہیں زیادہ ایک آئندہ زندانہ خیال کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے اس کا قوی امکان ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے جو صورت حال تھی وہ غیر متعین مدت تک چلتی رہتی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صورت حال کے بدتر ہی ہونے کے امکانات تھے۔ کیونکہ جدا جدا انتخابات سے دونوں کے درمیان نیچے وسیع تر چوٹی چاہی۔ ایک اپنی سماعت ہی میں فرقہ پرست تھی، اور کانگریس کو اپنے نصب العین اور تمام تر دعوؤں کے باوجود اپنا ہونا پڑا۔ مسلم لیگ کی فرقہ پرستی ہندوؤں میں ہندو فرقہ پرستی کے سوا اور کس چیز کی پرورش کر سکتی تھی اور کانگریس کے کئی عوامی نشستوں پر متاثرہ کے لیے ہندو مہاسبا کا سامنا روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر چونکہ وہ دینے والوں کی اکثریت پسند اور ذات پات کے ہند میں جکڑی ہوئی تھی اس لیے کانگریس سیاسی حیلوں سے دور جب امتی جامعیت ہونی اگر وہ ایسے امیدوار کھڑے نہ کرتی جو جمیت کے امکان رکھتے تھے نتیجہ یہ دیکھنا ہوا والی ہندو جماعت میں بدلتی جاتی اور منتخب شدہ ہندو فرقہ پرست محض اس لیے کہ وہ کانگریس ٹکٹ پر آیا ہے خود بخود سیکور تو نہ ہو جاتا، اور پھر نیچے غالباً برحق ہی چلی جاتی۔ کانگریس ہندو اکثریت کے صوبوں میں حاکم اور مسلم لیگ مستقل تلخ مخالفوں میں جس کا اثر مسلسل مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہوتا۔ ایسی صورت حال سے یہ لامرکزیت انداز کی اور حتیٰ کہ غائب جنگی ملک کی فوج آ جاتی، اور وہ سب کچھ ہو گزرتا جو پھر مل کر ورکے برطانوی سامراج پسند پیش گوئیاں کہتے رہتے تھے۔

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آخر حالات اس ناگزیر منزل تک کیسے آئے، ہندو مسلمان اور انگریز بھی تھوڑے تھوڑے ہیں۔ پاکستان، ایک فرد کا کارنامہ ہو گزرا نہیں ہے اور جناح صاحب کو تو تنہا پاکستان کا خالق وہی کہہ سکتے ہیں جو مثلاً جنگ عالمگیر کی فتح کا سہرا تنہا چرمل کے سر باندھ دئے۔ نہ پاکستان بنانا جنگ جیتنا ممکن اگر ان دونوں کو پہلے ہمدردوں کے غیر متزلزل اعتماد حاصل نہ ہوتا۔ مزید برآں کسی ایک نظریہ کے جیسے یہ ایک باقاعدہ کمپوزیم تھا جس نے ایسے حالات پیدا کیے جن کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا۔ اس کے لیے سب سے زیادہ ذمہ دار ہندو ہیں، اللہ یہ اپنی تنگ نظری کے سبب یا تنگ نغول کے سبب جو ان کے ذات پات کے

سہیلی ہوئی ہے۔ یہ ملک ذہنی برمسلاؤں کو دائرہ سے خارج قرار دیتی ہے اور آخر کار، ہر اقلیت اور مذاہب پر پانچویں ہے جو اکثریت جو رہتی ہے!! اگر اکثریت سکور ہوگی تو اقلیت بھی سکور ہوگی، اگر اکثریت فرقہ پرست ہے تو اقلیت کو گلے پہنے بہاؤ کے لیے ایسا ہونا پڑتا ہے۔

مسلمان نہ تو یہ بھول سکتے تھے کہ وہ اس ملک کے حکمران رہ چکے ہیں اور نہ ہی بات کو فراموش کر سکتے تھے کہ ہندوؤں نے زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں کو بہت دیکھے چھوڑ رکھا تھا۔ اگرچہ ان میں سے ۹۵ فیصدی ہندو سے مسلمان ہوئے تھے، لیکن یہ سب اپنے آپ کو مثل حکمت کا براہ راست وارث سمجھتے تھے اور شاہی نظریہ پر انہیں بہانے اور انہوں کو رہتے تھے۔ اسی رویہ کا براہ راست نتیجہ تھا کہ یہ مثل زوال کے بعد اپنے معمولات پر ہندو پڑے رہے تا آنکہ سرسید ۱۸۵۷ء میں علی گڑھ قائم کر کے انہیں جگایا۔ اس میدان میں ہندوؤں نے جو حکم کسی 'پدرم سلطان' بود کے حکمران دتے، وہ اتنا آگے بڑھ چکے کہ مسلمان ان کے برابر پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔ اور اس صورت حال سے جو خود ان کی اپنی پیدا کر رہے تھے، یہ مسلمان کی طرح ساز کرنے پر آمادہ بھی نہ تھے۔ ان کی نظر میں کوئی بھی ہندو کبھی بھی ان سے زیادہ ذہین یا اہل دہی نہیں سمجھتا تھا، زیادہ چالاک یا بااثر۔ پچھلے دور، کوئی ہندو برٹش میں بھی مسلمانوں سے بہتر نہیں دیکھتا تھا۔ بنیادی ذہنیت کی الگ بات ہے۔ نتیجہ ان کی شکست خود کی اور ایکویسی، تلخی میں اور تلخی قدرت میں داخل ہوتی چلی گئی۔

انگریزوں نے ورڈ مشن کے زمانے سے ان مزاجی اختلافات، بلکہ تقسیموں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا، اور پاکستان اگر غیر متوقع چیز بھی تھا تو بھی جدا گانہ انتخابات کی آخری ہیئت اس کے ملوہ اور کیا بنی تھی۔ ہندوؤں نے زمین و آسمان کے تیار کی، منٹے بیج ڈالا، جناح نے فصل کاٹی۔

جیسے تیوں پارٹیوں (انگریز، ہندو، مسلمان) کے رویے کچھ کم نقصان دہ ہوئے جو ہندو اور مسلمان تعلیمات ایک دوسرے کے اور ملک دیتے رہے؛ جتنا زیادہ مسلمان ہندو سے بدگیا اور ڈرتا اتنا ہی وہ انگریز کی طرف جھکا جاتا اور جتنا زیادہ وہ انگریز کی طرف جھکا، اتنا ہی ہندو اس کی طرف سے تلخی محسوس کرتا۔ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے اندر ڈیلا بندریج انانک کی طرف بڑھا گیا مگر اس منزل کو پہنچ گیا جب ملک کے سنے تقسیم کے کم درجہ کی برائی رہ گئی تھی۔



تقسیم جم جم کے بندھن کو کاٹ دیا اور بعد میں ہونے والے سارے واقعات کے باوجود دونوں ملکوں کے لیے اپنی اپنی صلاحیتوں اور ذرائع کے مطابق آگے بڑھنے کے راستے کھول دیے۔ مسلم لیگ کی ہجرت کے بعد یہاں ایک قومی حکومت بن سکتا ممکن ہو گیا۔ کل ہند سطح پر منصوبہ بندی جو قومی منصوبہ بندی کی تہہ بنیاد ہے، ممکن اہل ہی نہ ہو پائی اگر کچھ صوبوں میں عدم تعاون پر محال جرات پر شک شبہ کرنے والی مسلم لیگ وزارتیں ہوا کرتیں۔ ہندی کبھی قومی زبان نہیں قرار دی جاسکتی تھی جب تک مسلم لیگ اردو کی پشت پناہی کے لیے موجود رہی، بلکہ ہندو مہاسبھا، جن سنگھ اور راشٹریہ سینک سنگھ کو بھی جناح صاحب کا شکوہ گزار دینا چاہیے کہ پاکستان کی تشکیل کے بعد ہی ان کا ہندو اچھا خوب ممکن ہو سکا ہے۔ اس لیے جو کچھ ہوا میرا قیاسی حاشیہ ہے کہ دونوں ملکوں کے لیے بہتر سے بہتری مواد میں مسلمان ہندستان ہی کسی حد تک دو مسئلوں کے درمیان گر پڑے ہیں۔

دیے یہ جتنے جھگڑے پامٹ و جعل حتی پڑے ملکوں اور شہری لیڈروں کے درمیان تھے۔ عام لوگوں کا موقف کیا تھا، کیا وہ پاکستان چاہتے تھے؟ ہندستان بنیادی طور سے دیہاتوں پر مشتمل ہے، جہاں ہندو اور مسلمان دیہاتی صدیوں سے ایک دوسرے کے پہلو پہ پہلو رہتے چلے آئے ہیں کیا اس طویل عرصے میں ان میں ایسے مضبوط رشتے استوار ہو چکے تھے جو عمر میں سیاستدانوں کے اکاؤنڈز ترغیب کا شکار نہ بن پاتے؟ انہوں نے کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بات دلی نہیں تھی، دونوں فرقوں کے درمیان بندھن اس قدر کھوئے تھے کہ ان کا ہکا اور دجو برابر رہتا۔ اسے سمجھنے کے لیے ہمیں ہندو اور مسلمان طریقہ ہائے زندگی اور انداز ہائے فکر کو جاننا ہوگا۔ یہ فرق کر دلی کر میں یہ بات عمومی انداز پر کہ رہا ہوں، بلاشبہ بہت سے استثنائیں مل جائیں گے۔ لیکن استثنائیں ہوا استثنیٰ ہی ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ میں ان دلی کی بات کر رہا ہوں، برصغیر پہلے کی بات بسبب جواگانہ احتمالات

کے نتیجہ میں پیدا شدہ فرقہ واریت کے زخم گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

ہندوؤں کی اکثریت ذات پات کے جند جن کی سیر کرتی، اور اسی لیے سماجی طور سے مسلمانوں سے مکمل جدا شدہ، ان کے ہاتھوں سے کمزوروں ہندوؤں کی کاٹھالی تک نہیں پی سکتے تھے، ساتھ میں کھانے کی بات تو دور کی رہی۔ جب بڑھ کر ہندو مسلمانوں کے درمیان گائے مال ہی جو ہندوؤں کے لیے پوجا کی چرچہ، مسلمانوں کے لیے ایک لاپرواہی مسلمان قصابی روزانہ ہزاروں گائیں ذبح کر لیتے تھے جن کی تعداد عید کے دنوں میں لاکھوں تک پہنچ جاتی تھی۔ آزادی سے قبل کے کانگریس کے اجلاسوں کی کالہوائی میں ذبح گاو کا مسئلہ اس بری طرح جاتا رہا کہ اہمیت کے اعتبار سے آزادی کے مسئلہ کے بعد اسی کا نمبر آتا تھا۔ اب اپنی تائمر سیکورٹم کی شرا شمولی کے باوجود، اوسید اس وقت جب تحصیل کی تائمر اٹلان کے باوجود کوئی ذمہ ایشو نہیں ہے۔ نئی دہلی میں شرمناک تم کے ذبح گاو مخالفت مظاہرے ہو سکتے ہیں جیسا مظاہرہ کہ ۱۶ نومبر ۱۹۶۶ کو واقعہ ہوا، تو ان گئے گزے دنوں میں اس مسئلہ پر جذبات و احساسات کی شدت کا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

جان پہچان کتوں ہی کی رہی ہر دوستانہ اتفاق ہی سے ہوتی تھیں۔ قریب قریب زمین زمین اور ہر وقت کے ساتھ میں صدیوں کے اس طے سفر میں ہندو مسلم شادیوں نے کبھی رواج نہیں پایا۔ کوئی ہندو ہندو مسلمان لڑکی سے نہیں لی پاتا تھا۔ مسلمان ہندو لڑکی سے اور کبھی کسی نے حیرت مندی دکھائی بھی تو نتیجہ میں خون کے دیباہ جلتے تھے۔

مسلمان، ایک وسیع و پرامن ملک کے سال لوگ تھے ہندو لوگ جن کی بائبل ضد تھے۔ یہ لوگ آفاقی نظر اور عالی انداز فکر کے مال تھے اس لیے دوسری طرف جب انہیں قدم قدم پر غلطی اور تنگ نظری اور ہمت کی باتیں سننے اور دیکھنے کو ملتی تھیں تو قدرتا انہیں یہ سب کچھ بہت برا لگتا تھا۔ اور ہر بات معنی رد عمل کی ہی کہ مدح نہیں تھی، ان کی اپنی مصیبتیں بھی تھیں۔ فخر مند مسلمان فوجوں کا پہلا کام بت شکنی ہوا کرتا تھا، اور بت پرستی سے شدید نفرت ان کے تحت اشعار میں بچ گئی تھی۔ ذرا سی گمراہی میں چھوٹے ہی کا خسر کا لفظ ان کی زبان پر رکھا ہوتا تھا پھر یہ لوگ بیشتر ہندو ساہوکاروں کے پھندے میں گرفتار رہتے تھے۔ اولیٰ اذیت تک تجربہ کے تحت وہ تمام ہندوؤں کو بڑی آسانی سے اور بڑی دیر دلی کے ساتھ دنیا کے خطاب گزار دیتے تھے۔

انفرادی سطح میں ان میں سے ہر ایک اپنے تعصب کو گمان رہتا اور اجتماعی طور سے وہ الگ الگ

گروہ کی صحت میں جمع ہو سکتے تھے۔ ہندو گروں کے ہندوؤں میں مسلمان مسجدوں میں حالانکہ مسجد مندر پاس ہی ہوگا کہ تھے پیر کی دونوں پٹریوں کی بھی تو بھی صمدت ہوتی ہے۔

سیدے سادے لباس تک کے مسئلہ کو بھی ان ہاپک متعاصد کے لیے استعمال کر لیا گیا۔ اس سلسلہ میں یہاں زیادہ اچھا بھی ہوگا کہ میں اپنی اس زمانہ کی ایک تقریر کا اقتباس درج کر دوں جو بعد میں "انڈین جرنل آف سوشل ورک" میں بھی شائع ہوئی تھی۔ اسے لوگوں نے کافی قوب سے سنا (اندہ پڑھا) اور میرے شعوری طور سے کہلنے والے الفاظ نے متوقع ہنگامہ آرائی کی صمدت اختیار کرنی اور لوگوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا جو میرا اہل عقیدہ تھا "ایک اند سبکی کام میں کے بارے میں میرے مانع خیالات ہیں بااں کا مسئلہ ہے۔ مجھے کوئی معقول وجہ نظر

نہیں آتی کہ ہم جو لوگ اپنے اپنے مذہب کے وابستہ بااں کو اپنے لیے غرضی نہیں سمجھتے وہ اسے پہننے پر مجبور ہیں۔ میں آپ سے عرض کروں کہ دعویٰ کے بجائے پتلیں پہننے سے ہندو سے بات کرنے میں مجھے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح ترکی ٹوپی والے مسلمان کی بہ نسبت نیچے سر والے سے بات کرتے ہوئے اطمینان سا رہتا ہے۔ حتمی طور پر کہنے کے لیے سچے سچ ہم کسی بڑی گزراہ یا سڑک پر جاتے ہوں تو ہمارا ذہن کس طرح کام کرتا ہوتا ہے۔ ہمارا خیال تین ایک مکان کے دیر پر پر کھڑی نظر آتی ہیں، ایک بوم ہوا پنی دکان کے دروازہ پر کھڑے ہیں۔ یا تین ... کے ساتھ ہیں اور بس! اسی طرح میں وقت تک یہ ذہنی مردم شماری جاری ہے کہ ہم فرقہ پرستانہ انداز پر سمجھنے کے لیے مجبور ہیں اور فرقہ پرستانہ اندازہ فکری فرقہ وارانہ آدینش کا سبب ہوتا ہے۔ آپ نے بھی کانگریس غرضی کا فوٹو دیکھا ہے۔ جس میں بااں الگ الگ ہونے کے سبب جو دو آدمی سب سے جھانک رہے ہیں وہ ٹکا لڈر اور لیسن فوری صاحب ہیں۔ یہ بڑی غیر صحت مندانہ ہیں اس سے بہت پہلے کہ جانے کے اند ایک مشترک نظریہ فکری بشریک شناخت سمجھنے کے لیے کم ظاہری صمدت میں تو کچھ مشترک بھی پیدا کرنا ہی چاہیے اور اگر آپ مجھے کہیں کہ قوی اتحاد کے لیے ناگزیر عوامل کی ایک فہرست پیش کروں تو اس میں پتلیوں کو لچا حاکما اہم درجہ ہوتا۔"

اس پس منظر پر جدا گانہ اختلافات کے تناؤ کا کیا اثر ہو سکتا ہے یہ جانی پہچانی بات ہے اور اس کی تکرار ضرور ہے۔ انشاورد عرض کروں کہ کسی چیز نے مسلم لیگ کی کامیابی میں اتنی مدد نہیں کی جتنی اس حقیقت نے کہ باجموں اسیابی ذہن رکھنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک قوم پرستی (نیشنلزم) کے کے دو پہلو ہیں جن سے ہندوؤں کے نزدیک سب کا صاحب تھا انگریزی ماحول سے آزاد کی خواہش، جمہوریت

قطعی مشائی تھی کہ اس کے ساتھ سماجی نظام میں بھی کچھ تبدیلیاں لانا ضروری سمجھا جاتا ہو۔ مسلمانوں میں قوم پرستی کا وہ فہم لیا جاتا تھا جسے اب خامی تکلیف دہ تاخیر کے ساتھ، ہم سب کو لازم کہتے ہیں۔ ہندو غیر معمولی اکثریت میں تھے؛ ادا اکثریت جو کچھ سوچتی اندر چلائی اسے وہ لوگ جیہڑی فکر اندہ جمہوری خواہشات سمجھتے۔ لیکن مسلمانوں کا خیال تھا کہ برطانوی مذہب اور مختلف نسلوں کے ہندوستانی مسلح کے پس منظر میں جمہوریت کو ہندوؤں اور غیر ہندوؤں دونوں کی اکثریت کے خیالات کا آئینہ دار ہونا چاہیے نہ کہ کسی ایک فرقہ کا چاہے وہ فرقہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ ان کی رائے میں ہندوستانی جمہوریت ہمارے نامزدہ افکار، کراں سیکشن، کی نمائندہ ہونا چاہیے جس کی اکثریتی فرقہ کی نمائندہ نہیں۔

اس انداز فکر کے تجربہ میں انتہائی بچے ہندو کو بشرطیکہ وہ انگریز کا مخالف نہ ہو، یا قوم پرست سمجھا جاتا تھا؛ لیکن اس کے برخلاف انتہائی آزادی خواہ مسلمان کو بھی بکا فرقہ پرست قرار دیا جاتا تھا اگر وہ یہ سمجھتا تھا کہ جلدت کر لینا تھا کہ کسی برطانوی رنجار نئی دلتے ملک کی اس رنجار نئی اور تھوڑے سیاسی سلسلہ میں خیال رکھنا ہوگا۔ قاضیوں تھا کہ جو کوئی چیز، فکر، خیال، نظریہ، خواہش، عمل، ہندو ہولے ہندوستانی (اندھین) سمجھا جاتا، لیکن جو کچھ مسلمان ہولے مسلمان ہی سمجھا جاتا تھا؛ مگر کے اسی اختلاف کا نتیجہ تھا کہ ہزاروں ایسے مسلمان جو بڑے بچے اور بچے نب و ملن تھے وہ دلت شکستہ مسلم لیگ کی طرف، اور آخر آخر پاکستان کی طرف ہجرت کر دیے گئے۔

اس کا ذکر آچکے کہ جاکانہ انتخابات نے سیاسی مسلمان اور سیاسی ہندو پیدا کر ڈالے تھے۔ اب نظری طورے کوئی وجہ نہیں تھی کہ ایک سیکٹر پارٹی عام اور علم دونوں شستوں کے لیے اپنے امیدوار نہ کرے؛ عملی سیاست نے تو اسے ناگزیر بنا دیا تھا، اور منطقی بھی کہ مسلم شستوں کے لیے کوئی مسلم سیاسی پارٹی متبادل کرے مزید برآں، اس وقت کانگریس قوم پرست اور مت وطن بیلہ ہی ہوا پرسیکور تو دور دور نہیں تھی؛ اس لیے مسلمان ووٹروں نے مسلم لیگ میں جان ڈال دی اور خیال آئے ہے کہ یہی سلسلہ انجام کار پاکستان کی جدت میں دھمکتا گیا؛ لیکن بہت ابھی نہیں تھی۔ اس وقت کے مسلمان لیڈر جو زیادہ تر احمدی پسند تھے، اتنے دور پر اور ایسی انتہا پسندی کے ساتھ نہیں سوچتے تھے اور ان میں جو زیادہ دور اندیش تھے جن میں جلد صاحب ممتاز ترین تھے، وہ خوب سمجھتے تھے کہ اس نظام میں تو مسلمان مستطاف ایک اقلیت بن جائے تھے جس کے تجربہ میں بلاشبہ مضبوط قہر کی رہتی۔ اس لیے ہم نے کم کم دو قہروں پر وہ مشترک انتخاب کے اصول کو مان لینے کے لیے آمادہ ہو گئے

تھے۔ لیکن ہندو کیسے ہو سکتا ہے اس پر انہیں پورا اعتماد نہیں تھا، اس لیے مسلمان کی ریزرو نشستیں ضرور دینے دینا چاہتے تھے۔ ایسی حوصلہ افزا اور خوش آئند گفت و شنید کم و بیش دو تین نشستوں کی چٹان پر ٹھک کے پاش پاش ہو گئی، کون جانے اگر ایک بار مسلمانوں کے امداد اعتماد آنا جاتا تو کیا وہ اپنے اس مطالبے کو ختم نہ کر دیتے

تمام بات یہی نہیں تھی کہ سب کچھ ٹھک گیا ہو۔ جب مسلم لیگ نے مسلم نشستوں کی بہت بڑی تعداد دیتے لی تو مسلمان لیڈر اب اس انداز پر سوچنے لگے کہ قومی حکومت قوری ہو سکتی ہے جس میں ہندو مسلمان دونوں کی پوری نمائندگی ہو، اور یہ خوشگوار انداز بھی ممکن الوقف ہے جب کانگریس لیگ مخلوط حکومتیں بنیں، لیکن کانگریس کا حال ہی دوسرا تھا۔ ایک طرف سے جس طاقت کی انہیں طلب تھی جو پاس آئے کے نکل نکل جاتی تھی، وہ ۳۳ تازہ انہیں ہاتھ لگی تھی، اور اب اس میں انہیں کسی کو بھی شریک کرنا کسی طرح منظور نہ تھا۔ خود انگریزوں کا سیاسی نظام جو اکثریتی پارٹی پر چلتا تھا، اس سے انہیں یہ توقعت اختیار کرنے میں مٹ جاتی تھی۔ اس لیے کانگریس نے بڑی سختی اور مستقل مزاجی کے ساتھ لیگ کے بھاد کو رو کر دیا۔ آج کون جنہاں کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ مشترکہ ضروری بالآخر مشترک شخص پیدا کرنے میں بھی کامیاب نہ ہو سکتی۔

دوسرے کے بعد فعل آجنا کچھ مشکل نہیں، لیکن بات ہے کچھ تو یہی کہ انہیں برطانوی پارلیمانی انداز کو اختیار نہ کرنا، اور یہ دو تین مسلم نشستیں کی ایک قومی ماد میں مسلمانوں کو ساتھ لاکے چلنا، یہ مسلمانوں کے اعتماد دینے کے لیے انتہائی حقیر قیمت تھی جو ادا کر دینی تھی۔

انگریز یقیناً اولیٰ کی قوم سے ہوتے اگر وہ اس صورت حال کو اپنی بہتری کے لیے استعمال نہ کرسکتے ایک انگریز کے ساتھ اس مسئلہ پر میں الجھ گیا تو وہ سخت طیش کے ساتھ کہنے لگا کہ جہاں انتخابات پر کچھ نہیں کہے کم کسی مسلمان کو تو ریب نہیں دیتی کہ محض اسی کے سبب مسلمان ہندو اکثریت کے لیے میں بہرہ جانے سے بچے گا۔ اس کی اس بات میں اچھا خاصا وزن ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بحال کی تقسیم کی مخالفت کی تحریک جس زور و شور سے چلائی گئی، وہ بھی ان کے لیے غیر معمولی دھکاتا تھا۔ اس کے نتیجہ میں بھی وہ سختی کی مزورت محسوس کرنے لگے تھے۔ جس کے لیے جہاں انتخابات کا اصل اختیار کیا گیا۔ لیکن جس کسی نے بھی فرقہ وارانہ مسئلہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ وہ وہ جو جی ٹیو میں تشکیل پایا تھا، ان لوگوں نے دیکھ لے لارڈ ٹنٹن کے فانی اسٹائن کے ایک آدمی کے ذریعہ اور فریڈرک ایملے ادا کا کے ذریعہ دیکھ لے کے جو پیش کیے جانے والے ایڈریس کی (زبان و بیان) پہلے سے منظوری حاصل کر لی تھی لیکن اس بات کو اوپر سے طرہ (کمانڈ) آفیسر کا کتنا افسانہ پر جی نہ ہو گا۔

انگریزوں کے مقاصد یہ تھے کہ آئندہ ظاہر ہوا، مختلف اقلیت تھیں لیکن ایڈریس (نواب مراد علی شاہ) سید حسین بلوچائی نے تیار کیا تھا جو انڈیا کو رسل میں میرے والد کے پیشرو تھے اور اس سے بہت بلند تر شخصیت تھے کہ پہلے ہاتھ کے اوپر کام کرتے عاقد ہیں ہے کہ جداگانہ انتخاب انگریزوں کے مسلمانوں دونوں کے مفاد میں تھے۔

انگریزوں کے ساتھ ایک ٹریڈی یہ تھی کہ پہلے مسلمانوں کے لیے کوئی مددگاری ایسی سستی اور مزدوری کیوں نہ رہی ہو، انگریزوں کی اس سلسلہ فاصل میں مدد کرتے تو ان کو اور حکومت کو روکا کا اہم ان کے لیے تیار تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے ساتھ ٹریڈی یہ تھی کہ ان کو واقعی کسی مدد کی ضرورت ہوتی تو ان کی طرف سے اس کی مانگ پر انہیں فرقہ پرستی، انگریزوں سے وفاداری اور رحمت پرستی کا لازم گردان لیا جاتا تھا۔ ہمیں بڑی خوشگوار شکر گزار ہونا چاہیے۔ جنرل نے اپنی کتاب "انڈیا، غنواں اور ملے ۱۸۱۰-۱۸۵۰" میں انگریزوں کے پہلو دار مقاصد (اپنا مفاد بھی دیکھ کر کاہلی) کی طرف اشارہ کیا ہے؛ بڑی خوشگوار ایک اقتباس اس طرح دیا ہے:

"پیرا کیلنسی کی خدمت میں ایک سڑکی یہ اطلاع دینا ضروری ہے کہ ایک بے حد اہم بات جو گزری ہے ایک ایسا اعلیٰ سیاسی دانشمندی کا کام جو آئندہ عرصہ دراز تک ہندوستان اور ہندوستانی تہذیب پر اثر انداز رہے گا۔ یہ ۱۱ مین لوگوں کو شوقین مخالفین میں شامل ہونے سے روک لینے کا کام سرانجام ہوا ہے۔"

اس میں کوئی شبہ ہی نہیں کہ ہندو ذات پات کے سسٹم میں جو اجموت اور صلہ کی پسندی نے جو اس کے غیر میں داخل تھے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک گہری تلخ پیدا کر رکھی تھی۔ اس لیے اگر انگریز ہندوستان کی بہتری کی بات سوچے تو اس تلخ کو کم کرنے کی کوشش کرتے نہ کہ قانون سازی کے عمل سے لے اور تقویت دیتے۔ لیکن پاکستان کے لیے انگریزوں کو ذمہ دار ٹھہرانا بھی حسن فریڈیت ہے جو خصوصاً کے نتیجہ میں پاکستان بنا دیا سب ہندوستانیوں کی اپنی ہیں۔

مجھے ہمیشہ اس نظریہ پر ہے کہ توہین کا اس میں ہولناکی انگریزوں نے تقسیم کرو اور حکومت کرنا پڑی ہے کہ فقط عروج کے عرصے ہندوستان کو منقسم کر دیا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ پہلے سے لیڈر بن میں مہاتما گاندھی، جمہور لیڈر، دیوبند بھائی، شیخ، راجو پال، اجلی، جناح اور دیانت علی خاں جیسے لوگ تھے، دھارم شلورنگ کے بل جان ہروں کی مانند تھے جنہیں چانوک انگریزوں کی سیاست پر ہر دورے اور گھمٹا رہے تھے۔

ایک مچ کو وہ جگے چرتا پھلا کہ کھیل ختم بھی ہو چکا اور پاکستان بن گیا! ہندوستان کے لیڈر اپنے انگریز معرضوں سے غالباً کچھ زیادہ ہی سوچو بوجھ رکھنے والے لوگ تھے، اپنے معرضوں کی ہر چال کو نہ صرف ہار سے دیکھتے ہوئے تھے بلکہ جہاں ضروری ہوتا، شلّا جھاگنا، انتہا بات، وہاں یہ لوگ ٹکڑے بھی لیتے تھے، اپنے ہی کسے تھے پاکستان ہمارے سامنے اس لیے موجود ہے کہ ہم اپنی مالی ظرفی نہ مٹی کہ ہم غلو اٹھا بس کے لیے مافی موجود ہے۔ یہ بات کہ انگریزوں نے ہمیں تقسیم کر کے حکومت کی اتنی مچ نہیں جتنی یہ کہ ہم تقسیم تھے اور وہ ہم حکومت کرتے تھے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ ان کے ذہن میں پاکستان بھی نہیں تھا، نہ ہی مسالوں کے لیے ان کے کچھ اقدامات کسی سوچی سمجھی عصبیت کا نتیجہ ہوتے تھے۔ کچھ ضرور ہے چلوں کے اور انہیں کی برکت سے اس کا رازم نظریہ کو تقویت مل جاتی ہے جس سے اپنی ذمہ داری بھی ٹل جاتی ہے اور جرم کی سیکنی بھی کم ہو جاتی ہے۔ تو، اس طرح، پاکستان، عوام کی مانند، ہندوستان کے جرم میں سے پیدا کیا گیا۔ یہی طرح بھی انگریز نہیں تھا، لیکن ہماری اپنی حماقتوں اور کوتاہیوں کے سبب ہو گیا ہو ہی گیا اور واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے کہا، جیسی صورت حال کہ جتنی جلی مٹی اس میں ہے دونوں ملکوں کے لیے بہترین بات ہوتی۔

لیکن پاکستان کی ٹریجڈی، کہنے کے برابر ہے نقطہ نظر سے اس کا قیام نہیں، بلکہ اس کا ڈھانچہ ہے۔ نصف حصہ اور نصف حصہ، اور دونوں میں کوئی مشترک بات اتفاق ہی سے مل جائے۔ بیچ میں بیچ ہندوستان کی زمین بھلی ہوئی، ایسے میں ایک مشترک شخص پیدا کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ کسی دشمن کا وہ کسی حملہ کا تصور تخلیق کر کے دفاعی انصاف کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ اس لیے پاکستان کے لیے ہندوستان مخالف انداز (بہندوستان دشمنی) ایک سیاسی ضرورت ہو گئی ہے۔

اگر یہ بات سمجھ لی جائے تو پھر مجھے نہیں بھی مشکل نہیں رہے گی کہ مسئلہ کشمیر دراصل مرض نہیں مرض کی علامت ہے۔ اگرچہ پاکستان کی ممبر مرضی بھی سلجھا دیا جاتا تو اسے کوئی دوسرا مسئلہ تخلیق کرنا پڑتا۔ یہاں کچھ سمجھ میں آتا ہے، لیکن یہ نہیں آتا کہ جنگ آسانی کی انتہا تک جانے کی کیا ضرورت آپڑی تھی۔ پاکستان کو اس سے ہندوستان کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی نقصان پہنچا ہے جسے بڑھ سکے۔ ہو گیا کہ مرضی اسباب کی بنا پر اگرچہ دونوں میں قریبی تعلقات کا دور دورہ تک امکان نہ تھا لیکن جنگ کی پیدا کردہ مٹی نے جو تھوڑے بہت رشتے اور بندھن تھے انہیں بھی کاٹ دیا یہ بات بہر حال اپنی جگہ پر ہے کہ اگر پاکستان ایک اکائی رہتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ دونوں ملک بچے پڑوسی کی کیفیت سے نہ رہ سکیں۔

انہیں پوچھا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد ہندوستان میں جو مسلمان باقی رہ گئے ان کا کیا مسئلہ رہا؟ کیا انہیں پہلے عزیمت دے دی گئی تھی کہ وہ ہندو اکثریت کے دم و کرم پہلے اس وجہ سے ہندو نہیں چھوڑ دیا گیا؟ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کے حاققین نے پانچ کروڑ مسلمانوں کو ادھر چھوڑ دیا؛ پہلے انہیں جوش جبین کی انتہا تک لے گئے اور پھر ان سبھوں کو اپنے آپ بٹینے کے لیے نہا چھوڑ دیا۔ سرحد پار کھڑے کھنڈوں کے لیڈر اپنی رعنا داری اور عقیدے کی سلاست کے لیے ہزار ہدیہ ہائے تبرک کے مستحق ہیں جو ہندوستانی جمہوریت کی سلاست کے لیے باقی ماندہ مسلمانوں کے لیے ساری حقوق اور موافق کے حصول کے لیے ہر ممکن اقدام کے لیے سینہ سپر ہو گئے، ان مسلمانوں کے لیے جن کے غریب رشتے، شادی بیاہ کے رشتے اور اپنی قریب کے سیاسی رشتے اور قدریں انہوں نے کے ساتھ بغیر جھوٹے ٹک کے تقسیم پر ہمارا کیا تھا، اور جو سرحد پار کر لینے کے بعد، جیسا کہ ہندو پاک آویزش میں ظاہر ہوا، وہ ہندوستان کے بدترین نکتہ چینی ہی نہیں دشمن بن گئے۔

مگر وہ سب میں کہ مسلمانوں کے تو دونوں میٹھے 'سپے' کھائے، خدا بھی ملا وصال منہم بھی اپکا تھا میں انھوں نے کسی غیر مسلم کو کوئی دھم داری کی یا اہم رتبہ کی جگہ نہیں دی، لیکن ہندوستان میں وہ سیکورزم اور جمہوریت کے نام پر اپنا حق رسد بھی حاصل کرتے رہے، اس کے لیے بڑی ہمت اور ذہنی ہندی و درکار تھی کہ ہندو ہی دوسرے ہندوؤں کو اس بات کے لیے ماضی و ملحق کرتے رہیں کہ ہندوستان کے لیے ایک ہندو ریاست برپا کرنا غلط چیز ہے جبکہ ایک مسلم ریاست جسے خود کانگریس نے قبول کیا تھا بالکل ٹھیک ہے۔

جو اہر لال نہرو حکومت ہند اور کانگریس کا یہ بہت بڑا کام تھا کہ وہ پاکستان کی دینی ریاست کے مقابلہ پر ایک اثر انداز اور متقابل ہندو ریاست کی تخلیق کے لیے ہندو آبادی کے خاصے طاقتور عناصر کا بن میں پاکستان سے آئے ہوئے لاکھوں دراندہ شہزاد تھی، بھی مثال تھے، دباؤ پھیل جائیں اور اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوں۔

مسلمان ہندوستانیوں پر پاکستانیوں کے قیام کا اثر برا اور اچھا دونوں طرح پڑا۔ برا اثر یہ تو حواہی کہ تقسیم کے تجربے میں خود ہندوستان کے اندر دلوں کی نری سمتی میں تبدیلی ہوئی، لیکن سب سے بڑھ کے یہ ہوا کہ یہاں جو مسلمان باقی رہ گئے، ان کی صورت حال کچھ اس طرح کی تھی جیسے وہ ایک طویل جنگ لڑا ہوا ایک ملک ہیں جس کے سامنے شاندار اور جب شاندار جوان مہر کے میں کام آچکے ہیں؛ سیاسی لیڈروں، فوجی افسروں، انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں، ڈاکٹروں، انجینئروں اور دوسرے پیشوں میں، انہوں نے اکثریت پاکستان میں خلا کو پُر کرنے کے

یہ ادھر پہنچ گئی۔ پاکستانی لیڈروں کا یہ بھی طریقہ رہا ہے کہ ہندوستان کی مسلم دشمن پالیسی کے ثبوت میں وہ اس امر کو بھی لائے ہیں کہ دیکھیے ہندوستان میں ممتاز مسلمانوں کی کتنی کمی ہے۔ اس حقیقت کو وہ بھول جاتے ہیں کہ ہندوستان کے سنی مسلمان بڑی تعداد میں پاکستان چلے گئے ہیں اور حکومت ہند اپنی ساری نیک خواہشات کے باوجود میٹر مسلمان سڑی پر تو قادر نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب یہی نہیں کہ جو کچھ اب تک ہوتا رہا ہے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔ پاکستان کے قیام کا اچھا اثر یہ ہوا کہ اس کے ساتھ مسلم یکجہلی گئی، یہ کہ مسلمان نہ باہم کیونٹی نہ رہے نہ انتشار پھیلانے والے انداز پر برائے جدا گانہ انتخابات کا سلسلہ بھی نہیں رہا جو دونوں فرقوں میں فرقہ واریت کو جلا دیتا تھا اور آخری بات یہ کہ سیکولرزم زندہ رہا جو بڑی پکڑ تھا رہا ہے۔

لیکن مسلمانوں میں مافیہ کا دھند لگا ہوا ختم نہیں ہوا ہے، جس کے نتیجے میں وہ شکست خوردہ اور افسردہ رہتے ہیں۔ یہ بات بے بنیاد بھی نہیں۔ یہاں تک کہ مسلم لیگ کا پیلا چہرہ بھی بھوت پرست کی مانند کبھی کبھی سامنے آتا رہتا ہے۔ جن سنگ کی بڑھتی ہوئی طاقت ان کے دوسروں اور اندیشوں میں اور اضافہ کرتی ہے۔ ایک ٹی وی پر ان کے ساتھ یہ ہے کہ جب کبھی سیکولرزم میں کہیں اندوہناک رخنہ پڑتا ہے تو مسلمان اس پر اعتراض کرتے ہیں تو انہیں فرقہ پرست قرار دے دیا جاتا ہے۔ فحاشیات کی بات البتہ غیر قانونی قرار دی جا چکی ہے اور شرک بھی سمجھی جاتی ہے۔ ہندوؤں میں جو چھوچھوت اور بچا بچا پن تھا وہ کمزور ہوتا جاتا ہے۔ بچے کی جگہ کوٹا پارٹی سوسائٹیاں بنتی جا رہی ہیں اور تعلیم کا پھیلاؤ اور بڑھتی ہوئی مفاہمت کے نتیجے میں مسلمان، بتوں کے پردے میں چپے ہوئے آدرشوں کو بھی سمجھنے لگے ہیں۔

پاکستان جن حالات میں کٹ کے ایک ملک بنا، وہ اپنی جگہ پر۔ لیکن خیال یہ تھا کہ ہندوستان کے پانچ کروڑ مسلمان دونوں ملکوں کے درمیان ایک مضبوط رشتہ کا کام دیں گے، لیکن اس کے برخلاف پاکستان اپنے آپ کو ان کا سب سے بڑا دشمن ہونے کا ثبوت دیتا رہا ہے اس وقت بھی جب وہ یہاں کے مسلمانوں کی فستہ حالی پر بڑا پریشان ہوتا ہے۔ اس پریشانی کا اظہار وہ کرتا ہے کہ ہندوؤں کو ذلیل کرنے کے لیے اس کے پاس گویا ایک ہتھیار ہے، اس لیے نہیں کہ اسے مسلمان کی بہتری کا کوئی بڑا خیال ہے۔

اگر وہ اسی خیال ہوتا تو اسے اس کا بھی خیال آنا چاہیے تھا کہ مسلمان ہندوستانی سیکولرزم سے سب سے زیادہ متعین ہونے والے لوگوں میں ہیں، لہذا اس لیے جس حد تک پاکستان کی سکت ہے اسے اپنے متعدد بھریاں کے سیکولرزم کو مضبوط کر کے دینے میں نہ کمزوری چاہیے تھی۔

پاکستان نے اب تک جو پالیسیاں اپنائی ہیں، وہ تو مسلمان کشمیر کے لیے بھی اس کی پریشانی اور
 ہمدردی کو بھی صحت منافی قرار دیتی ہیں۔ اس کے بلند باگ اور بلند بار کے دعوے ہیں کہ وہ مسلمان
 کشمیر کو ہندو کنٹرول سے آزادی دلا دے گا۔ لیکن تیس لاکھ کشمیر کے مسلمانوں کے لیے وہ پانچ
 کروڑ ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقبل داتوں پر لگانے کے لیے تیار ہے۔ یہ ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ پاکستان
 کو اس کا تو بخوبی اندازہ ہونا ہی چاہیے کہ کشمیر میں ملے شکاری کے نتیجہ میں ۴۴ لکھ جذبات پھر ابر
 سکتے ہیں۔

میز تازہ ہند پاک آویزش کے نتیجہ میں پیدا شدہ احساسات سے قطع نظر خود تا مریخ قیام
 پاکستان اور قیام کے بعد کی ساری مولانائیاں ابھی اس قدر تازہ ہیں کہ عام ہندو کے لیے یہ بڑا مشکل
 ہے کہ پاکستان دشمنی کے ساتھ سخت دشمنی میں ہی وہ کسی نہ کسی حد تک مسلم دشمن بھی نہ ہو، چاہے وہ مسلمان
 ہندوستانوں کا پاکستان سے رشتہ بھلے ہی نہ جوڑتا ہو، لیکن ہندو پاکستانیوں کو ہندوستان کے ساتھ مزبور
 جوڑتا ہے۔ نتیجہ فرقہ وارانہ فادات کی شکل میں عیاں ہے کہ ہندو پاکستانیوں پر جو کچھ گزرتا ہے اس کا
 بدلہ مسلمان ہندوستانیوں سے چکایا جاتا ہے۔ یہ پٹری ہوئی شکل میں 'برخاں' کے نظریے کے سوا اور کیا ہے؟
 اگر اور کسی وجہ سے نہ ہو تو ہندوستان کے مسلمانوں کی بھلائی کے لیے ہی پاکستان کو اپنی اقلیت کی طرح
 پوری توجہ دینی چاہیے مگر یہ رہا ہے کہ وہ اس کی عین ضد پر عمل پیر ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دہلی ہوئی
 ہندو فرقہ پرستی کی چنگاریوں کو ہوا دینے کی ہر ممکن کوشش جاری ہے۔

یہ اپنے آپ کو اسلامی مملکت کہنے والے کا ایسا مسلم دشمن رویہ آخر کیوں ہے؟ شاید وجہ یہی
 ہو کہ ہندوستان دشمنی ہی وہ قوت ہو سکتی ہے جو پاکستان کے دونوں بازوؤں کو متحد رکھ سکتی ہے۔
 اور ہندوستان کے سیکولر مسلم کی صورت میں اس جذبہ کو پوری حرارت و شدت نصیب نہیں ہو سکتی نہ
 "اسلام خطرہ میں"۔ پایا جاسکتا ہے۔



جو ہوا سو ہوا، لیکن غیر متحم ہندوستان میں جملہ صاحب کی موجودگی مسائل کو حل کم کرتی، پیدا
 زیادہ کرتی۔ وہ خوب فرقتے میں پیدا ہوئے مگر جو حوں کے کام آگاہان کو ماننے سے انکار کر دیا وہ
 معمولی حالات سے ابھرنے والے کہ کوئی اثر دار آدمی انہیں مدد دینے والا نہ تھا اور بڑے سخت مقابلے

کے میدان میں وہ اپنی ذاتی جرم و جہد سے ہمیں کے دکھلا رہی ہیں بلند ترین حیثیت پر پہنچنے کے۔ باغیانہ سرشت کے ایک نوجوان مسلمان کی حیثیت سے انھوں نے قن تھا پہلے قدامت پرست اور وفادار مسلمان لیڈروں کی مخالفت کو اپنا شیرو بنایا۔ لاکھوں کی پالیسیوں کے بعض پہلوؤں نے مہتمن اور غیر مہتمن ہمسے تو انھوں نے اس سے استغفی دے دیا۔ مجلس قانون ساز میں مقرب ہونے کے بعد وہ ہمیشہ محبوب مخالفت کے متنازعہ رہے۔ کسی دوسٹری کی ہانسی کی کے میں انہیں فلسفے کے وہ اہل ہی نہ تھے۔ وہ اسی سے مطمئن ہو سکتے تھے کہ اپنی پارٹی کے خود مختار لیڈر ہوں اور اپنے ملک کے بلا شرکت غیرے مالک۔ پاکستان ہی انھیں وہ سب کچھ دے سکتا تھا، جو ان کی سرشت کے مطالبے تھے، اگر جناح صاحب پاکستان کی تشکیل کے لیے ضروری تھے، تو پاکستان جناح صاحب کی تکمیل کے لیے ناگزیر تھا۔

♦♦♦♦

ہندو — مسلمانوں کے دو حکومتیں

مسلمانی سلاطین ہند کے دور حکومت میں ہندوئی کی کئی دینی و تہذیبی آزادی اور ملک کے انتظامی محکموں میں ان کی اکثریت کی داستانِ گرم بہت طویل ہے گراہی کے ساتھ ساتھ ہندو سلطنت اور وہ چھپ چکی ہے آج نہ صرف ہندو بلکہ یورپین عوام میں بھی ایسی بات کی جاتی ہے کہ ہندو مذہب کا زمانہ سوئیں پر جاوے گا یہ وہ ڈانے کی ٹکر میں نہایت جیسا کی اور ناچار ہوائے زمانے سے کام لے رہے ہیں تاہم ان کی اصلی مسئلہ سیاسی اور اصول اور مذہب کے پہلے طبعوں میں غرض کہ ہرگز ہمارے مذہبی احساسِ حسنہ اور مشائخِ اسلام کے علمی و سیاسی فیوض و بہار کا اور اسلام کے قدنی اوقات پر حسد کر کے تاریخی کے ان واقعات اور حقائق سے غماز کیا جا رہا ہے جو روزِ روشن کی طرح ہر تاس و سام پہلک میں بھی بہرہ و فہم لگایا جاسا طبع کر ہم نے مذہبی تعصب میں اکثریتِ ملکی اور اندامِ مہابد کو اپنا فاسطی نظریہ لایا، اہل ہندو کی مذہبی آزاد دی کو سلب کر لیا اور انتظامِ ملک میں ہندوئی کو کوئی حصہ نہ دیا، غرض کہ کوئی ایسا مصمت اگر برہمنوں میں مسلمانوں کی طرف تعصب نہ کیا جاتا تو ہم اس مسئلہ پر فصل بحث نہ کر کے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان کے اعتراضات کہاں تک میرا سمت پر پورے آتے ہیں اور ان کے یہ طرزِ معاشرت ان کے اخلاق و طبیعت پر اسلامی تعلیم کا کتنا بڑا اثر ہو سکا اور ان پر کیا اثر اس مشیتِ مقبہ ستارہ کی قدر تہذیبِ مسلمانوں کی کہ ان تک نہایت پرہیز ہے میرے خیالی میں بھی اور بے وقافتہ و اسرار کے شریک تک پہنچنے میں زیادہ ترنگ دلی اور تعصب نہیں کے علاوہ جسے مانع ہوتا ہے وہ مروجہ زمانہ کی ان باتوں کی کہ یہ ان کا جو ہے جو پریش گردشت کے اہل میں شائع ہو رہی ہیں اور جن تک عوامِ اناس کے ایک بہت بڑے طبقہ کی بھانجیں نمود و ہمارہ جاتی ہیں لیکن حقائقِ آشنائے ارباب اور نکتہ دس بھانجیں کو اس کا خوب استغراق کہ ان فرضی افتخار میں اہلیت اور حقیقت کی جھلک کہاں تک نمایاں ہے اور وہ داستانیں حکیم آئے دن ایک خود راوشادِ بحیرت اور مستغراق کے ساتھ پڑھ لیا کرتے ہیں وہ اپنے اعتبار سے کس حد تک ساقط ہیں اس متوجہ ہو کر ہم ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے نکلے ہیں اور ہماری بھانجیں بار بار گردن پیش کے واقعات و غیرات و ہرگز نہ غلط بات زیادہ پڑھیں ہیں ملی جمیعت سے ہاؤنڈریض ہو کہ تعصب جوئی کو تک کہتے ہوئے دافیت اور حقیقت کے چہرے سے پردہ جہالت کو چاک کرنے کی کوشش کریں اور توہوری دیکھ لیں ابھی نکست اور منہیں و غماز کو نظر انداز کر کے جو قریح آئیں سلفیت پروری اور اخصان کے مراسر غلات انسانی ہے، ہمارے کلام کے زمانہ میں ایلین و فراسان کے فتح جو جانے کے بعد اگرچہ اہل عرب کا کارواں جگہ جگہ ہندوستان کے سفر کی سائل پر بار بار تہا تھا اگر سیاست و مکر کی کے بعد ضروری کہ ہندوستان کے کچھ نقش و ربط دہرا، لیکن زمانہ کی مساحت اور تاریخی مسائل کی پیچ سادہ ہا رہو جسے اہل اسلام کی حالگیر تھی تو ان کی شہرت میں چار یا پانچ لگے آئے اسلامی قہر کی بہت آشنائی تھی یہ بھی اہل عرب میں ہر ملک و مملکت میں پھیل رہی تھی اور یہی ہے اسلام کی شہرت کو ہون اور ہندوئی و مالادین کے ایک عالمِ مذہب و مذہب گر دیا، تاہم یہ کہ غلط و بجا مشورہ خالی اور فیضِ اہلس و عوام، ہمارا، اور ہندوئی ہیں پھر اسلامی حکومت کے تحت ہیں احمد قاسم کو مشہور اموی ظیفہ و عبد بن عبد الملک کے

اطلاق میں بھی ہرگز یہ صوبہ جو انیسویں صدی میں گمان سے نہیں کچھ بڑھ کر کسی دوسرے کو سپرد نہ کئے جائیں گے اس واسطے یہ
 عربیوں کے ساتھ عمل کر گیا اسکی تفصیل کے آتی ہے برہنہ باوجود سندھ کا ایک نیبی اور بزرگ شہر تاج محلہ وقت وہ مسلمانوں کے
 ہاتھ آیا تو حکمرانوں نے ہان کا سارا انتظام برہنہ شہر کے اقتدار میں دیا اور قابل اور باجاء و عہدہ خاں کو مجلس شہری کا ممبر کر دیا،
 ملک کے وصل اور گواہی کے محکمہ میں چونکہ حساب دہان کی ازبیں ضرورت تھی اور اہل عرب اس سے ناواقف تھے اسلئے ہمسارا
 کو کر فریب قریب برہنہ میں کے باقیوں تھا قبل اسلام کیلئے تھوڑا سا زمین کو بھی جو راگراہ سے کام نہیں لیا پتہ نہ دیا، پنج و اقلان چھ
 شہر ضلع جات وغیرہ زمین سند کی قیمت کے مطابق برہنہ کے مطابق زمین مایہ تجارت امیر گاہوں سے دیکھا جاتا تھا وہ
 اسلام کی مسادات برہنہ کو دیکھ کر کثرت سے اسلام لائے اور عربی لشکر دین بھی ہدیہ کر دیا و مسالہ کے اکثر حصوں میں سکونت
 پذیر ہو گئے، بہت سے نو مسلم جو شام عراق میں جا کر آباد ہوئے انہیں سے بعض ایسے بھی گزرتے ہیں جو اپنے وطن کے کن و حال و وضع
 کے نام سے بعضوں نے عربی شاعری کو بھی پڑھ لیا پناہ لیا و مسالہ سندھ کا ایک مشہور شاعر گنڈا ہے جسکے چند اشعار ہخلم
 نے حاشیہ چلچلا دیے گئے ہیں، چنانچہ وہ ہیں،

الان چنام گنڈا، مہاسا ملک بگاری دھما گنڈا
 حیدر نام اللغات و تحقیث جہاں پائی اچھ و وہ دور
 فائیک امجد علی سندھ ملی گل من حق الزاب ہمد

یاد سندھ کے اہل ہندو نے غلیفہ عربین عبد فرزنگی دعوت پر اسلام قبول کیا زمین چیشا اللہ ہے تیسہ نام شہر ت
 رکھتے ہیں، عبد المل ذہب کی غرض سے اپر کو دہاؤ زمین دلا گیا بلکہ یہ انکی اس فطرت سلطنت و شل دلائل کا انتظام جو زمین پناہ
 سے انکے حصہ میں آ

عربوں نے سندھ کی کئی قانون کی مخالفت میں کچھ کو باہمی زمین کی، راہ چھ کے بارے سے یہ قانون چلا لگتا کہ بدلہ
 کے قانون کو اسب سادی اور شیشی لیا، زمین پناہ کو کئی منت ممانعت کر دی گئی تھی، تھوڑا سا زمین بھی ایسی اصل کو با و ہمد اسکے
 کہ اسلام مسادات کا حکم دیتا ہے محض سندھ شہر نا اور قرا، کی خاطر برادر کا، سندھ میں ہندو کی اقتصاد و مالی حالت
 قریب قریب ابتری کو پہنچ چکی تھی، ساحلی مقامات پر قانون اہل کدوں کی خودش دیکھا زمینہ نے بکری تجارت اور اسکی فروغ
 کو سخت صدمہ پہنچایا تھا، حکومت اس وقت کے اندر اسے جہاں کہ تاریخ شہادت دیتی ہے یا کللی ماہر تھی، فوج کا کچھ کٹاؤ
 اختتام نہ تھا، ذائقے عامہ قریبی مقامات تھے جسکی بہت جہانی برادر تھی، ذیلے تھے، ذوقی چھاؤ زبان نہیں، دعوہ جماعتی
 شہر و تھنات آباد تھے جس کے مرکز ملک سلیمان سعدن اور حمرن و شاکل کاچہ لگایا جاسکتا، حشر و برہنہ کے کارہر کہ
 منور تھے کوئی ایسا نظام موجود تھا جس سے قومی تنظیم میں امانت ملی، لیکن مسالہ نے سندھ کی جماعت کو بہت فروغ دیا
 چنانچہ قومی مدت میں بڑی جماعت کا روزانہ عمل گیا، خواہاں برائیاں و سیتاں، اور کمال سے شکار کا دوا ل

شہر و تھنات آباد تھے

تجارت بندہ میں آئے تھے، مگر اس کے بعد ان کی اقتصادی حالت میں بدست پہلے کے ایک انقلاب غلام ہو گیا اور خزانہ ہند اور
جیاتی مذہب نظر سے اپنی کتاب میں مندرجہ کا ذکر کیا ہے وہ کہتا ہے کہ سندھ میں دوسری فرقہ اور روپ کے کاروان تجارت برابر
آتے تھے جیسی دیگر کی تجارت کا زلزلہ ہند میں رہا تھا خلقت میں بکھلا پڑے تھے وہ دھوکہ دہا تاب کجیارت بازاروں میں دھیمبا پہلے
گینے لے

ابن حنبل کا طبری کا سب سے پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری کی عربی حکومت نے سندھ کی حالت بالکل بدلی
تھی، قندھار، بلخ، خوارزم، مرو، خراسان، ہمدان، تجارت کے خاص مقامات تھے جہاں نویں چھاؤنیان، خاشی و خاشکی
دولت اور شغلاتا نہ تھے ہوتے تھے، ہندوؤں کے باہمی شائعات نے کرکے لے لگ کے گزروں میں غلامین مقرر تھے، ان تمام دولت
سے کوئی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ محمد قاسم کے زمانہ میں مذہبی آزادی، رعیت پروری اور عدالت کسری کا کدوا لایا اور برتر نظام
لیا گیا، عازم محمد قاسم کے عمر مانے کے بعد اگرچہ عالم اسلامی میں بہت کچھ انقلاب رونما ہوئے اور اسلام کو سانی کی ابداد و امانت سے
نیو جاس بنی اس پر غالب ہو گئے، لیکن یہی غلطی مقتدر اللہ کے زمانہ تک عروج و ساحت میں سے بہت کچھ باقی رہا، سندھ و ادار
عمل سندھ میں بھی گئے، دواؤں نے بھی حکومت تک محمد قاسم کے قائم کردہ اصول کو مسترد کر لیا، پانچاں فرزند بھی خیال کیا،
اس کے بعد ششما، اگرچہ زمانہ تک ملک سندھ میں مختلف خاندان شفا، جام، چوہان، سندھ، ادھو، اور خزانے کے لہر، خود خزانہ حکومت
رہے رہے گرگلی حالت کو قیام و استقلال حاصل دہا، اس وجہ سے یہ چہ لگنا سخت دشوار ہے کہ انہوں نے اپنوں اور بیگانوں کے
ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا اور اصل جہاں بانی کو کس حد تک تباہا، اس کے تقریباً پچیسویں صدی بعد ہندوستان میں محمود غزنوی کی
ششمر پر پناہ پکے گئی تھی یہ بتوڑے جا چکیں، عاقبت اس ہوتی ہے اور سندھ میں مقامات اور سندھوں کے دو اہر بوٹ لے جاتے ہیں،
دی انظر میں محمد دی یہ تمام کرکین ایک ناصح، شان کے بالکل غلط نظر آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ غالبین کی طرف سے محمد پر تھب
یہی کا الزام لگھا جاتا ہے، لیکن عدل و انصاف کا یہ نقصانین کہ دنیا کی کسی شے پر خدا ایک گناہ خطا ناز ڈال کر اس کے من فیج کے
ظن قطعی پیدا کر دیا جائے، اور انہوں نے لامر یہ ہے کہ دنیا میں اس قسم کے جتنے ناجائز کر رہے ہیں اور جنہوں نے اقوام مفتوحہ پر اس قسم کے
ظالم ڈھائے ہیں انکا اصل مقصد دولت و ثروت کو حاصل کرنا تھا، تھب یہی ہے انہیں کہ سرور و کدورتا کرکین وقت اس کے سلسلے
ہو وہ اس قسم کا کام کوئے جس سے کڑا، اقوام کے مذہبی جذبات کو سخت ٹھیس لگتی تھی، بدھت جو آج تہذیب و تمدن کا مدی ہے
وہی حالیکہ ریش میں کرنا نظر آتا ہے اس کا تازہ خال دیکھنے کیلئے جنگ طلبی کے حربہ نگار واقعات کو پھر دیکھنا چاہئے، جس نے
اسی حالیکہ ریش میں خود اپنے ہم مذہب تہذیب کے پیٹا کرکین اور ہمدان گناہوں کو صورتی سے پدید کر دیا، اور انھوں نے اس کا
لہو دی روح ہندوؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن کیا میں آپ کو چھوکتا ہوں کہ جرنی کی یہ فرائض سندھ کو کتنی تھب نہ بھی
نہا، پچیسویں صدی کے لہو سے اسکا ثبوت نہیں کیا جاسکتا ہے؟ جب دنیا کی مذہب سوسائٹی طے پڑتی اور

کشت و خول سے اپنے آپ کو محفوظ دیکھ کر کسی کو بھڑکے نہ کہ کچھ سے آٹھ صدی پیشتر جب محل قبل ہو رہا تھا گنتائی کے ظلم و ستم سے بڑے بڑے تھے اور جن و شبانگی سے تھکا ہوا، شغل سے تھکا ہوا، ظالمین اور افسل قیصر کے دہشتور سے آزاد ہوئے، واقعہ ہے کہ کنولن کی خانگی اصلی حرکت بند کی تجارت و دولت کا فروغ تھا اور کھڑے مال و متاع پر پاروں کے ہاتھ مندروں میں گر گئے اور ان کا بچہ پہلی آفت ان میں پڑا اگر گئی تھی، یہ ثابت و حد سے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ چند رستان کے مند وادیت خاں نے اگر ساجد ملیخ زور و سیم سے خالی دیکر و محمود شامی اور علاء الدین دکن پر بھی طرہ انداز ہوتا، علاء دین برہمن ہندام ساجد ملیخ کی بجلی اکیم کالیک جزو تھا چنانچہ وسط ایشیا کی اسلامی حکومتوں کے ساتھ الصلح ہی بڑا دیکھا جہندون کے ساتھ کچھ دونوں جدوشیں آنے والا تھا، غرض کہ محمود کا یہ حل اقتصادی ملیخ کی بنیاد پر صاحب ذہن کو اسے مزاج میں کچھ دخل نہ تھا، اور اگر کسی دنیاوی ملیخ و حرم پرستی کا محمود کو لازم ٹھہرایا جاسکتا ہے تو پھر دنیا کا محمود دیکھا ناسخ اس الزام سے بری نہیں ہو سکتا پھر کئی محمود نے جو کچھ کیا کالکات جنگ کیا اس کی ناشی کے زمانہ میں ورنہ کئی ورنہ بریت کا کوئی واقعہ اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا، حکومت کی حیثیت سے محمود کا تعلق چند رستان کے ساتھ بہت ہی غلیل رہا، کلمس حالت میں وہ عدل و انصاف کا سپر تاجیکہ یا سورنہ البیرونی شہد بہت دان عالم جو محمود کے ساتھ چند رستان کی سیر کر نکلا تھا اس نے اپنے سفر میں لکھا ہے کہ محمود کے عہد میں امن و دانی کا کافی دور دورہ تھا غیر تو کم کے ساتھ ہی ان کا انصاف کام لیا جاتا تھا، رملہ تاریخ الجبل اور خورشید علی، محمود کے بعد اس کے بیٹے سلطان مسعود نے اپنی قائم گاہ کی اتنے چند دریا کے ساتھ بہت کچھ تیرسلوک کیا جس سے اس کی ویت پر دوی شرافت نفس کا کافی ثبوت ملتا ہے، اس کے زمانہ میں احمد نیاں ملگین ہند وستان کا سپہ سالار تھام ورنہ ملیخ نے اسے بنارس سے ہندوؤں کے مشترک شہر غازی پور کو گئے پناہ دے کر دیا سلطان اس موقع پر اس کی گورنری کیلئے جس میں کوثر رکھا اور اس کے بجائے جگمہ سپہ سالار بنایا اس کی مثال آج تک ہندوستانی میں پائی گئی، وہ ملک نالی ایک ہندو تاجا خاصا ابلیس شیر آری جیسے اساتذہ فن کی فیض صحبت کا مزید یافتہ تھا، اس نے حرکت شکست دی اور اس کا سرکار کھلے دربار میں ہی رو لایا سلطان ملک کی اس خدمت کا دل سے ممنون ہوا، اس کا قریب صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو چند دریا کے نیچے مذبح کی کتھ پر ہارسار می مشورہ تھی غوری خاندان کے عہد تخت و تاج پر غلام علی تعلق مسید کو دھجی اور مسود خانہ دین کے تعلق اور علاء الدین نے کئی صدیوں تک شایعہ کفر کے ساتھ حکومت کی لیکن کئی حکومت ہمیشہ کئی حالت پر دھجی کئی ایک حالت پر قیام رہا، طوائف الملوک اور غلام جگیدوں سے کبھی فرصت نہ ملی تھی

مکرر و داخل صاحب کہتے ہیں۔۱۔

یہ ناخوش اسلام شمالی ہند میں شاہی خاندانوں کے اتنی دہشتے یا جہنوں نے کہ جن میں اسلامی سلطنتیں قائم تھیں، انکو مذہب کی کچھ پروا تھی، ان میں اکثر ایسے تھے جو کچھ مذہب کی ملت نہ ملی کیونکہ یا تو ملک کے فتح کرنے میں اتحادت مروج ہو گیا یا تو جنگ کے لئے ان کو فرصت نہ ملی یہ مسلمان فاتح و فوجی تھے یا تو انہی جیسے تھے نیز عرب کے دین پر غور و فکر استحکام دیتا اور وہ جو شہر اور ولایت جو سامان فوج کی اطلاع کا کاغذ پر اور دیکھا تو فرد عین بڑا دین اسلام لے نکلا یا چھوٹی دیکھا تھا، یہ سلطنت انھوں نے قائم کی کہ ان کا مذہبیت میں پیش قدمی رہی نہ گرا، یہ وہ ان باتوں کے اکثرین کے عہد میں کہ سرسبز و شاداب رہا سپہ و رعایا دھجی و دھجی کے انکار نے نہیں، اصل آزاد و خود مختار تھی، ان کے مذہبیت کا طریقہ لایا گیا تھا، اس نتیجہ پر کہ کئی خیر و شرانہ کھانے تھے خورشید جی سلطان ہمارے کھانے کو گنتائی

تو ستمی ہندوؤں کے ساتھ ہمدردی و مہربانی نہ کی۔ اسکا دربار بیتہ ہندوستان سے بھر لیا تھا۔ باغی اور خلیفہ خاندان کے مراد و ملازمین کو
 میں خلیفہ و فرزندوں میں خیریتا مسلمان ہی کام کوئے تھے، اسکی وجہ یہی کہ خدیو کی زبان فارسی تھی اور ہندو جو کچھ اس بات سے اس نے
 قتل و دہ سے مراد رہا جانتے تھے، لیکن سلطان سکھوں نے ہندوؤں کی جانب سے جو کہ اولاد میں فارسی کی تعلیم دینی فرمودہ کی، اس
 ہمدردی ہندوؤں کے ہمدردی کے خلاف ہی تھی۔ لیکن سلطان سکھوں نے اس کی کافی قضا و نظر کرنے کی بغیر خادگی کے شام میں گئے اور دربار شاہی سے و طائفان ہائیکہ
 طبعی خواہ کے زائد ہندو خواہ ہندوؤں یا مسلمان سب میں وہ خاندانی کی زندگی بسر کرتے تھے اور اگرچہ اس کے اکثر اہل ہندوؤں کی جنگ و جدال میں
 ہمدردی کے لیکن اس نے قلب کا میں جن دعوئی کے ساتھ اختتام کیا تھا اس کے خلاف کرکھ کی خدا و اختتامی قابلیت کی تائید کرتی تھی ہے۔
 اصلاح و اصلاح میں ہمدردی ہندوؤں کا قول ہے کہ عدل تمام خدائیں میں ایسا خود ہے کہ ہندو کو پسند ہے کوئی طاعت عدل کے بل پرین
 چسکی کفر اسلام و دوزخ عدل کے سنی ہیں اگر اسکا سارہ خدائی کے سب سے اٹھائے تو اسکی صحت کا سرشت خوف ہائی، اسنے تمام عالم
 سکھوں کو کام کے بل پریندہ کرکھ میں خدائی سرانے و استیصال نہیں کر دئے۔ لیکن اسکی بے قصور اور عدل پروری کا جو شور و واقہ ہے
 وہ ہے کہ خدائے زادہ عادل تان جو خیر شاہ کا تانا و بگڑا کے لک کو ہے سے اپنی پرسلو پر کرکھ ایک ہندو قبائل کی وحدت پر ہندوؤں کو اپنے
 بھائیوں میں سے کسی کو ہمدردی نہیں کرتا ہی نہیں خدائے زادہ کی نظر اس پر ہی تو وہ ہندوؤں کا اور بان کا بڑے بچکر اور وحدت کی طرح خدائے زادہ
 و خیر کو پیٹے ہی پسند کیا تھا۔ ہندوؤں کو خدائی پرکاشہ ہجلی، شوہر کو بھیسکا طبع اس کے جوت تمام اندر کو اس مسلک و دبا تک لیکھا خدائے زادہ
 کچھال اپنی پرسلو ہندوؤں کا خدائے زادہ عدل کی حکیم سائے آئے اوردہ لے جان کے بڑے بچکر کیا ہے۔

خاندانہ کے خلاف اس قسم کا فیصلہ کرنا کہ اسان لا مدعا عدل و اضاقت ہستی کا پانچ ہندو جو ہر ایک انسان کے دل میں موجود
 تھا ہائیکہ و فحش اور اور قابل گنہگار کے اور نے یہ دیکھ کر خدائے زادہ کی بڑے بچکر کیلئے اپنی انتہائی کوشش کرکھ لکھ کر کچھ فائدہ نہ ہوا
 خود قبائل نے خدائے زادہ کے تصور کو نہایت کر دیا اور ان تمام بگڑاؤں سے اسکا اپنی اپنی نظر پر ختم بصیرت سے و اضاقت تمام لکھ کر خدائے زادہ
 ہمہ وقت ہر گز پر مایہ زلاد فیصلہ کر کے اپنی خرافات خدائے زادہ عدالت کا جو معرض کیا ہے اس کے دل میں ہندو عدلیا کے خدائی خدائے
 اور احسانات کی پاسداری کا میں لہجہ میں خدائے زادہ پر ہر گز اپنے انصاف و عدالت پرنا زمان ہے کیا اس میں اختلاف فیصلہ کی کوئی مثال
 اپنی عدالت عالم کے فائدہ و قدیم نظام میں نہیں کر سکتا ہے و اگر کہیں تو پھر وہ میں میں اور دکانے بگڑاؤں کا سلا میں اسلام و الہم
 و کتنا تنصیب و عدالت سے کسی طرح خدائی میں ہر کتنا غور و فکر و انتہائی کی مدد سے دوزخ حکومت میں شاید ہی کسی حکمران کے اختیار
 ہندوؤں کو بھلیکھ پھرتی ہو، انش، رضیہ حکیم، فیاض الدین، یحییٰ، ابراہیم، سکندر و دہلی، نے غیر اوقاف کے ساتھ اصول وحدت پروری
 کو آخری وقت تک نبھایا، اس میں ہر کھٹک نہیں کرکھ سلا میں کی طرف سے ہندوؤں کو خاص شکایت ہے خصوصاً اہل الدین میں سے کہ
 اس نے کسی ہندو دربار سکھوں کو پال دیا و کوئی کوئی وحدت اٹھانے لگی تین اور ہندوؤں کو توڑ ڈالا اور ہندو راجاؤں کے غیر قضا
 عہدہ جو عدل و صلہ کی انکی تاریخ و زمانہ سے دیکھ کر جو اسکا میری جہاں جو ہم ہمدردی کے علم پر کھاسیا ہوئی کوئے قضا
 اس میں ہندوؤں کی عدالت مل ہندوؤں کے احکام میں خدائی کی خدائی خدائی اندر ہر ایک حکمران سے جو کچھ لڑائی لڑائی میں ہندوؤں کو

دو ہی مسلمانوں کے بغیر وقت تک وصول، اگر اسی کے طعنوں پر گزریں یہی حکومت کرتے رہے، اسی طرح احمد علی کا طعن بھی حکومت نے گزرتا کے ساتھ مزید سزا دینے کو بھی گزرا شروع کیا، اس پر بھی احمد علی کے طعنوں کے گزرا اور کوئی تادمہ دے دے گئے چنانچہ عادل شاہی حکومت کی عظمت شاہی نے آخر وقت میں بدراستی کا استدراقتہ اور دیا اس کے مسلمانوں کی اس ناقصیت، ایذا، نیامنی، دکر، گسری کا جو آئی وہ چاہے ماننے کے لئے ضرورت سے جو بچا، کاشیروشی مسلمانوں کا قیام، کیفیت ایک حکمران قوم کے مدقن مہا ہے اور انہوں نے بلایا کی ہجو و طعن کیا اور مدقن حق کے اسباب، وقایع کی کاش، تجویزین کوئی گسرا دیکھی، تاریخ اس بات کی معنی شراوت کیلئے سوچا ہے کہ بجز وہ ایک مانع یا اجبات کے جو اگلیں طعنہ پیش آئے تھے کوئی ایسا اور قریب و دینیں جو مسلمان سلاطین کی اہمیت اور ان کی شرفوں کو روک دیتا جاو، سب سے زیادہ سبب انگریزات ہیں کہ ان کے مخالفین میں چند اناجلیں، انتقام، باتوں کو دیکر مسلمانوں کی طرف سے بڑے غم، غصہ، طعنوں کیلئے غصہ، طعن پیدا کر رہے ہیں اور انی حالات اور ضروری واقعات کو قصداً غرضوں سے روکتے ہیں جو اہل اسلام کی بہترین خصائل، صفات، حمیدہ، اہلہ، تعجب کی اعلیٰ ترین شانیں، اس میں فکر نہیں کہ سلطان سکندر نے شکس کے مدین، سرکشت، اہل دزیر کی بدترین اذیت مزاحی نے کاشیروشی کے منہ پر چڑھا لکے پانچ گزریں منہ وہ بھی سلاطین اور بادشاہوں کے لئے ہیں اور کچھ تو اس منہ، جلادوں کے اپنے ہائی اہل سے نکال دئے گئے مگر سلطان زمین العادین کی گسریں نے کچھ کو کچھ کہتا ہے، آج سے وہ جتنی سے جتنی جہنم کی ہادی، چوڑی، تھیں، انکا ایک ایک کے اندر دیکھا، پر ابوشہہ، عدون اور اڑسہ جیسے دوار کی سلاطین کی بہنیں اور بدینہ، قسلا، جو عربی اہل حکمرانہ، ستان کے مہان، فراخ، احاطہ پائے تھے، انکو دودھ و درے طے کیا، بیزیر سان کیا، گما، گنی کی قسلا، افسانہ کردی اور تمام چند دن کو دیکر بھی آؤ اسی کا احاطہ کیا دیا چنانچہ قاری کے ایک سندھ، مذکر، مذکور کی شہادت ہے۔

”ہندو اہل دہا، ہر دھرم، سلطان سکندر، از قادی سرکشت، جلادوں، شدہ، بدینہ، اعلان خود، از آمد، عدوہ

مقاتل، حصار، عدوہ، از آمد، سلطان از بر مہان، عدوہ، گزرت، گراچہ، در کتاب، ایضاً، اسعد، دست، خلاف، ان

فصل، کنگرہ، بعد، ان، ان، رسم، ایضاً، کنگرہ، کشید، دست، تہا، دست، ہوا، شہر، ان، و غیر، ان، کسلا،

سکندر، پر، لدا، ختم، دہرا، از، سر، اہوا، منو، دہرا، از، دیکش، دسا، رجب، از، رعایا، سات، واقف، ذمہ، ایضاً،

عدوہ، ساج، از، اڑا، کردہ، ہے

کیا ان حالات کے پڑنے کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ بدینہ، ستان کی اسلامی تاریخ کا منہ، منہ، ظالم، ہتم، آئی، ان کی داستان سے لہر رہے، ان کے احساس کی گریز، ان کی قوت ہے کہ وہ واقعات کے بار بار دہلا کر کہنے سے آپ دیکھ لیں گے کہ مسلمانوں نے غیر اقوم کی اخلاقی، ماضی، اعلیٰ، اہل، میں کس مذہب، اپنی، بادشاہ، کا، لدا، کیا ہے۔

فنا جہان کی بابت غریبا تمام مشرور کا خیال ہے کہ اس میں بادشاہت خیر و برکت کا دارخاں ہے۔ لیکن کیا بادشاہت خیر و برکت کا دارخاں ہے؟ کیا بادشاہت خیر و برکت کا دارخاں ہے؟ کیا بادشاہت خیر و برکت کا دارخاں ہے؟

تعداد	منصب	تعداد	منصب	تعداد	منصب
۸	چاپخانه‌ری	۱۱	تعمیر بنیادی	۲	پشت‌بنیادی
۳	طوبائی بنیادی	۱۹	سازمان‌ری	۲	سازمان‌ری
۶۶	یکسازمان‌ری	۲۱	امور بنیادی	۱۶	دوربین‌ری

[illegible]

گو جانتے ہیں اس کو سب کا شیرانہ گویا کہے۔ ہندوؤں میں خود غرضی اور ان کے لڑائی کی بنا پر نہایت کاچا خیال تھا انہیں نہ پہن
چھری خود فروغ کی ماس خاص باج میں غور کر کے پتھر سے ایک فرقہ کے نزدیک منتقل کام تین منٹ کا تھا پہن دو بار عبادت
طائیں دو چوبیس گنا ایک کی تعلیم مال کر کے اندر سے ان میں پتھر تھون کی پتھر کر کے تھے۔ چھری میں دن جنگ میں فرو
ان کی کا پڑھو کھڑے اور وہ پڑھون کی خدمت پڑھ سے زیادہ ادا کی پڑھ کر کے تھے۔ ان میں سے کوئی کوئی خود
غرضی نہات باغی تھی کہ ان میں باغی خوش دلی کا پڑھ کر کرنا چاہتا اور کوئی مصلحتی اچلت تھی ان میں سے کوئی کوئی نہات باغی
مصلحتی نہات باغی تھی ان میں سے کوئی کوئی مصلحتی نہات باغی تھی ان میں سے کوئی کوئی مصلحتی نہات باغی تھی ان میں سے کوئی کوئی مصلحتی نہات باغی تھی
حکومت میں پھر زیادہ تر کی کر کے لیکن اسلام کا سرین ہند پر قدم کرنا تھا اس نے اس میں کی ذاتی ترقی اور ظاہری اعتبار کے
جانب کو اٹھ گیا تھا پھر زیادہ تر کی کر کے لیکن اسلام کا سرین ہند پر قدم کرنا تھا اس نے اس میں کی ذاتی ترقی اور ظاہری اعتبار کے
تھے وہ نہایت انانہ کی کر کے لیکن اسلام کا سرین ہند پر قدم کرنا تھا اس نے اس میں کی ذاتی ترقی اور ظاہری اعتبار کے
وہ ان میں سے کوئی کوئی مصلحتی نہات باغی تھی ان میں سے کوئی کوئی مصلحتی نہات باغی تھی ان میں سے کوئی کوئی مصلحتی نہات باغی تھی
کے اور ان میں سے کوئی کوئی مصلحتی نہات باغی تھی ان میں سے کوئی کوئی مصلحتی نہات باغی تھی ان میں سے کوئی کوئی مصلحتی نہات باغی تھی

کیا اسلام کی یہ رسالت غیر قوام کئے باعد رحمت تھی؟
مسلمانوں کی طرف حکومت میں جو چیزیں ہندوؤں کے رواج کھائی سے ساز نظر آتی ہیں وہ یہ ہیں:-

۱۔ ہندوؤں کے عہد میں ماہ چتر پونہ کی مدد سے حکومت کرنا تھا۔ حال اور عہد ہندوؤں کا باقاعدہ دفتر تھا۔ اس
سے کہ میں بڑی ماہ چتر پونہ کی مدد سے حکومت کرنا تھا۔ حال اور عہد ہندوؤں کا باقاعدہ دفتر تھا۔ اس
برکھ کی گواہی اور مخالفت کے لئے باقاعدہ افراشی تھی۔ وزیر۔ امیر۔ ملا۔ کاخی اور دفتر کو سب سے کاچا والی جہاں پتھر کی
ہاں ان میں ہندوؤں کی پتھر کی کر کے لیکن اسلام کا سرین ہند پر قدم کرنا تھا اس نے اس میں کی ذاتی ترقی اور ظاہری اعتبار کے
غرض خوش کام شہر ہوا۔

اسلامی تمدن خیر صالحی کا انتظام | کسی کس پر حکومت کر کے لیکن اسلام کا سرین ہند پر قدم کرنا تھا اس نے اس میں کی ذاتی ترقی اور ظاہری اعتبار کے
سے حکومت پتھر کی کر کے لیکن اسلام کا سرین ہند پر قدم کرنا تھا اس نے اس میں کی ذاتی ترقی اور ظاہری اعتبار کے
گورنمنٹ میں مسلمان مسلمان ادا عہد سے کا باقاعدہ انتظام کرنا تھا۔ ہندوؤں کے عہد میں مسلمان گورنمنٹ میں مسلمان ادا عہد سے کا باقاعدہ انتظام کرنا تھا۔
کے ساتھ تھا یہی پتھر کے کسے ایک گورنمنٹ سے دوسرے گورنمنٹ میں بھی بیٹھتا ہوا تھا گورنمنٹ میں مسلمان گورنمنٹ میں مسلمان ادا عہد سے کا باقاعدہ انتظام کرنا تھا۔
تھیں ان کی رہے خود رسالت کے گورنمنٹ میں نہایت صاحب دکانیت کا سامنا کرنا تھا عہد میں جب ان کے ان میں سے کوئی کوئی مصلحتی نہات باغی تھی
پتھر میں پتھر میں مسلمان کے گورنمنٹ میں نہایت صاحب دکانیت کا سامنا کرنا تھا عہد میں جب ان کے ان میں سے کوئی کوئی مصلحتی نہات باغی تھی
دشمن میں پتھر میں مسلمان کے گورنمنٹ میں نہایت صاحب دکانیت کا سامنا کرنا تھا عہد میں جب ان کے ان میں سے کوئی کوئی مصلحتی نہات باغی تھی

اسلامی صحابہ میں سکون کا رواج
اسی طرح میں مختلف قسم کے سکون کا رواج دیکھ کر ان کی تعلیمی اور اقتصادی حالت کی بہترین دلیل ہے۔ یہ سکون
کے صحابہ میں جن چیزوں کا رواج تھا سکون کے بعد خواہی کسی بھی چیز کا، یہاں تو خصوصی سکون کا ذکر تھا لیکن سکون میں ہر اہل تشاہد کے لئے مضبوطی ہے کہ
خیال نہ بنیں نہ سکام نہ ادا کے نام کا یہاں سکون کی ایک سطر سے سکون کی مختلف سطر حکومت کے دور میں سکون کی بات نہیں کہنے لگتے
تھے بلکہ ہر سطر فقہاء کا مسننہ ہے جہاں جہاں سکون کی بات نہیں اسلامی سکون کو ذکر کر لیا کرتے ہیں یہاں تک کہ جہاں سکون کی بات نہیں لکھا کرتے
قطب الدین ابی بکر کے عہد میں سکون کے سکون کا ذکر ۹۶، ۹۷، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱،

سلطان قسطنطنیہ - ہانزی کے ۱۶۷۵ء و ۱۶۸۰ء میں -

خبرستان۔ سولہ لاکھ و ۱۶۵۰ گرین چاندی ۱۶۶ گرین تابا ۳۲۹ گرین۔

[illegible]

ۛ ترک چایگیری، صفر ۱۳۲۱ - ۛ

[illegible]

فرستے ہیں :-

نرم زمین ذات جت مادہ ہرگز تھے نہ
و کچھ بار کو ترسے یہ بیرون نے کس
سبکی خاطر نے یا سب انہی پر ہے
اور کون دیکھ لے مصلحتی کا نہ ہیں سے تھے مصلحتی نے اپنے
دشمن بنا ہیں ہم کچھ ہوا و فکر کو دوست
ان کے نال تیار رہے مجھے آہ ہے شکر
شکستہ رنگ خاطر کہ یہ کس پر دے ہیں
فشی بند ہیں راقم حروف تبرے اصل لینے تھے۔ بعد ازیں سو کو کلام کو کلام ملے گئے۔ انشا پرانی یاد ہجرت اٹائی میں یہ لفظ
تھے نجات انشاء میں تیرا جتن ان کے انشاء نقل کے ہیں۔ مثلاً :-
و کچھ نہ ہو جسے میں کوئی سرزمین نہیں
پر گم رہی ہر کھسہ چہاں کو کہیں نہیں

ابہ باقیان نہیں ترے گفت سے کچھ فزع
انہی چا اٹا ہوں کہ میں یاد غنہ لے سب
یاد ہجرت ملے پر آتے ان کے باب ما پر میں یاد و لب حمار الود کہ سنتے تھے کبھی کبھی انہی انشاء اصلی کی طرف سے واسعہ کرتے تھے
میں یاد دیکھتا کرتے تھے۔ چنانچہ مصلحتی لکھتے ہیں :-
"یاد ہجرت ملے ہمارے مجلس عرف کلاچی پہرا پر فشی ہمارے کہن کر تھی غلاب کا کتا مہلہ تر ہم ہوا۔ چون طیق دوی شور است
ہیں ازین شرفا سی کیفیت و انکسار سب کچھ ہمارے ہر روز میگز و اینچہا نہ اشعہ بیا بہ غش پیش چہ چہا چہاں آباد ہوا ملت مرزا علی :- چہ
ہندہ در مان یام حلف غمان نگر شرفا سی ہجرت رشتہ کہ وہ شب و روز در تین شعر ہندی معروف و شہرت
دقتن جہدہ و ذل طرہ زار پیچہ سلم میداد ملے

فرستے ہیں :-

کچھ گوجہ جہدہ گمان کو فشی آ یا
کچھ جہدہ کو اسے دیکھ کے ہم تو
کچھ جہدہ ہم کو فشی آ یا
کچھ جہدہ ہم کو فشی آ یا

ماہ از گشت ہند صوف ۱۰۶ - - - - - مہاراجہ اچھوتی ہوائی قلمی کتب خانہ مدوہ اصلا۔



1

2

3

4

5

6

7

نوادس

تمغه مہر الہی صاحب

تفسیر سورۃ فاتحہ و سورۃ اخلاص
—• خلا بخش خان



مَسْبُوتِ قَلَمٍ
أَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْبَاسِطَ

لکچر

مقتضی

تفسیر سون فاتحہ

سون اخلاص

مصنف

عالمجناب خان بہادر مولوی خدابخش خاننشاہ

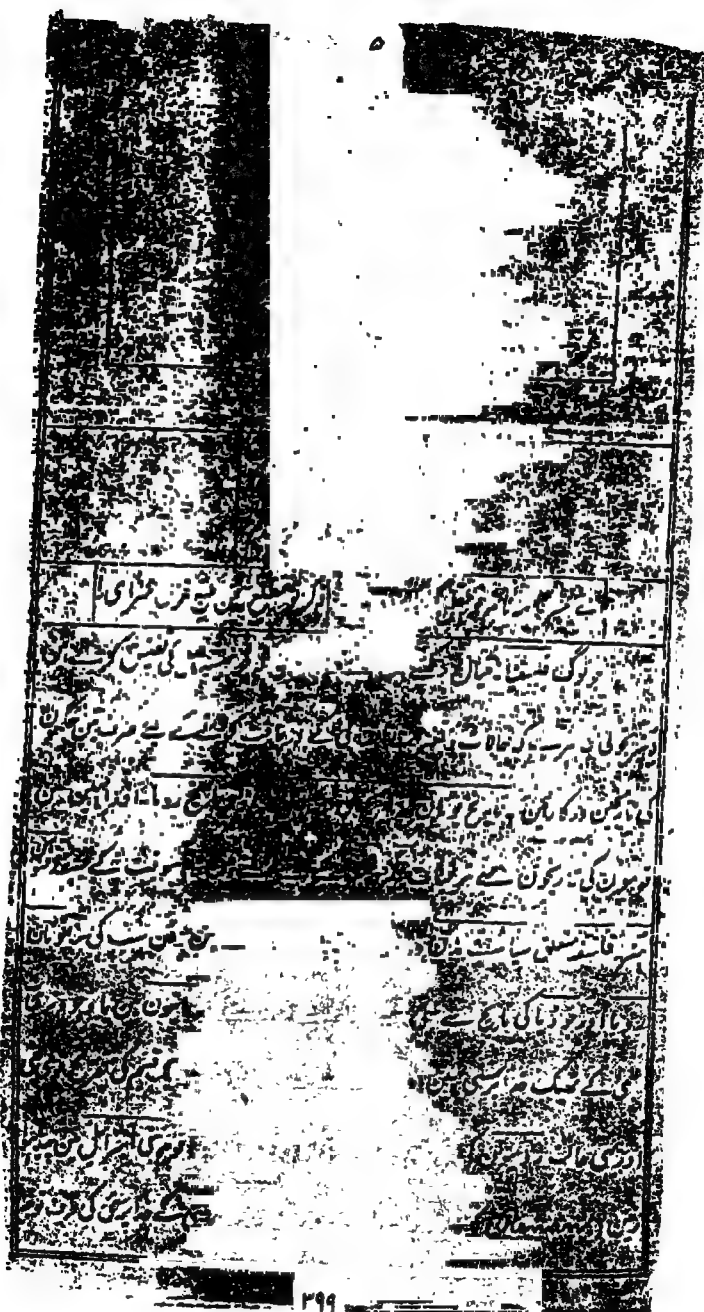
چیف جسٹس ہائیکورٹ حیدرآباد دکن

مطبع مقبض دکن واقع حیدرآباد دکن

100

100

100



اور شور سے بنی اسرائیل کو بھی۔ اور پھر ان بنی اسرائیل اشاعت و اعلان خدایتی
 میں بہتری کو پیش کرتے تھے۔ اس وقت جو نورات و زبور ہلوگوں کے ہاتھوں میں بن
 آنے طریقہ پر پیش اور تعالے صاف طور سے پایا نہیں جاتا۔ مگر دیکھنے سے اُنکے اعتقاد
 بخوبی ظاہر ہے کہ پرستش جناب باری تعالیٰ بھی اور توحید بھی تھی۔ مگر یہ بات بھی
 ظاہر ہوتی ہے کہ وہ بعض ابتدائی حالت تھی اور خیالات عالی اور بلند کو وہ جکھل نہیں ہوا
 جو فرقان مجید کے ذریعہ سے پرستش جناب باری تعالیٰ کا ہوا اور توحید بالمعنی دیت کی
 تکمیل ہو گئی۔ تسبیح و تہلیل بھی اور تسبیح و تہلیل ساتھ نذر اور ساز کے پائی جاتی ہے۔
 انگریزی میں جو ترجمے نورات اور زبور کے ہیں انہیں دو لفظ اکثر استعمال کیے جاتے ہیں
 یعنی ہم (Hymns) اور سام (Psalm) ہم کے معنی تسبیحات یا گیت
 ہیں اور سام کے معنی مزامیر کے۔ چنانچہ زبور کا ایک حصہ مزامیر داؤد ہے اس
 (Hymns) غنایاں مقدس میں جیکے ساتھ موسیقی کا برتاؤ ہوتا ہے اور یہ قدیم زمانہ
 سے پہلے آتے ہیں۔ اور قبل و بعد ولادت حضرت عیسیٰ کے اس قسم کے تھے۔ مزامیر ہی
 عبادت تھے۔ اور موصوفین کی تحقیقات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اولاً پھر سرائی
 عبادت کے ساتھ کی گئی ہے وہ حضرت مریمؑ نے حضرت مارون کی بعد مصر سے
 غنایاں پانے کے کی ہے۔ اور اُنکے ساتھ دف بجاتی ہوئی اور لڑکیاں بھی بنی اسرائیل
 کی شامل ہوئیں تھیں بعد اسکے یہ نغمہ سرائی حضرت داؤدؑ نے کی اور اُنکے ساتھ بنی اسرائیل
 کی لڑکیاں اس کارروائی میں شامل تھیں۔ اسی طرح مزامیر داؤدؑ ہمیشہ ساتھ نغمہ کے

گائے جانے تھے۔ جب معبد بیت المقدس کا بجے ساتھ آئیکس اپنی انیس (Eniphane) نے بے ادبیان کی تعین ساتھ معبود اصلی کے خاص کیا گیا اودقت بھی یہی مزامیر ساتھ فنون کے گائے گئے تھے یہ رواج برابر جاری تھا۔ یہاں تک کہ شیب کو حضرت عیسیٰ گرفتار ہوئے ہیں خود انھوں نے بعد کھانا کھانے کے مزامیر نبی اللہ و نبی اللہ کو صوب قول علماء نصرانی اپنی آخری عبادت میں پڑا ہے۔

مزامیر تیسرین (Samson) اور اقبال حضرت زکریا مقدس مزامیر تھے جاتے ہیں نصرانی علماء اور اہل مذہب نے بہت سے مزامیر اس قسم کے ترتیب دیئے ہیں اور اس وقت وہی مزامیر گرجوں میں پیاؤ (Piano) کے ساتھ گائے جاتے ہیں دوسرے صدی میں حضرت عیسیٰ کے بھی بہت سے اس قسم کے نئے گائے گئے۔ مگر ایک شخص جس کا نام پال (Paul) تھا آئے ان نئے مزامیروں کو رد کیا۔ مگر (Goussin) Antioch) یعنی ان کا کہنے جو مشہور عہد میں ہوا تھا اس کی مزاحمت کو ناجائز سمجھا۔ مگر بعد کی کونسل نے جو لیوڈیا (Laodicea) میں ہو، یہ جو بزرگی کہ عواماً اشخاص جو مزامیر ترتیب دین وہ قابل استعمال نہیں ہیں۔ (Greek Church) بنے بنال نصرانیوں میں جو پوس اس وقت گائے جاتے ہیں وہ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی کے گائے ہوئے ہیں اور (Western Church) بنے مغربی عیسائیوں میں جو پوس استعمال کیے جاتے ہیں وہ دہشتہ عہد میں بنے ہیں اور اسکے بعد اور ان نے اسپر افروڈ کے اس قسم کے پوس کے مصنفین جو اب استعمال میں ہیں بہت سے ہیں۔ ان کی تفصیل کی حالت

نہیں۔ میں بیان بطور غور و انقباس کر کے پہلے اس مضمون کا ترجمہ کرتا ہوں جو حضرت مریمؑ حضرت داؤدؑ کی بہن نے گایا تھا۔ بعدہ بعضے مزامیر داؤد کے ترجمے کر دینا ہوں۔
پہلے مضمود پہلی سے بحث کر دیتا۔

کتاب مغرباب (۱۵) فقرات (۲۱ و ۲۲) یوں ہیں ”حضرت مریمؑ نے جو ہیں حضرت داؤدؑ کی تعین و وف اپنے ہاتھ میں لیا اور زمانہ بنی اسرائیل نے بھی وف ہاتھ میں لیکر مانچنا شروع کیا اور حضرت مریمؑ نے یہ کہہ کے گانا شروع کیا کہ اوس خداوند کی حمد گانا چاہیے جو نہایت عظیم ہے جسے گھوڑوں اور انکے سواروں کو سمندر میں ڈبو دیا۔“

حضرت داؤد کے مزامیر (۱۴۹) ہیں اور بعضے روایت سے (۱۵۰)۔ انہیں سے جو نئے مزامیر کا مضمون یہ ہے ”جب ہم نے رجوع کیا۔ خداے منصف نے ہمارے نوحہ کیا۔ خدا یا تو ہمیشہ ہماری مصیبت میں کام آیا۔ ہم پر رحم کر اور ہماری دعا کو سن۔ اے بنی آدم کب تک تمہارے قلب شست رہینگے اور کب تک تم کو سخت کر دے گا جو اس بات کو کہ خداوند پاک عجیب ہے۔ جب ہم اس سے فریاد کریں گے وہ سنے گا۔۔۔ الخ“

چھ مزامیر یہ ہے ”اے خداوند ظال سے ہماری جہنم نائی ذکر اور نہ غصہ سے ہماری تنبیہ فرما۔ خدا یا ہم پر رحم کر۔ ہم کمزور ہیں ہکوند درست کر۔ ہماری روح کو سخت تکلیف ہے خدا یا ہماری طرف نوحہ کر اور ہماری روح کو بچا۔ بہ نصبتی اپنے رحم کے بلکہ بچا۔۔۔ الخ“

مَرا مَبرِ نَبِیؐ۔ مَکَدا یا ہمارے سَن اور ہمارے دَعا پر توجہ کر۔ یہ لہجے زیبِ لود سے نہیں ہیں۔ ہمارا مَکَدا اپنی توجہ سے فرما دے... الخ

مَرا مَبرِ نَبِیؐ۔ مَبرِ نَبِیؐ۔ مَبرِ نَبِیؐ۔ وہ ہیں جو حضرت عیسیٰؑ نے بعد کھانا کھا چکے تھوڑا قبل اسکے کہ وہ ہاتھ میں دُشمنوں کے آدین پڑا تھا۔

مَرا مَبرِ نَبِیؐ۔ حمدِ کر و خدا کی اسے بنی آدم۔ اور ثنا کر دُکے نام کی ہمیشہ نام خدا کا پاک ہے اور رہیگا۔ طلوعِ آفتاب سے غروب تک نام پاک کی خدا کے ثنا کرو... الخ

مَرا مَبرِ نَبِیؐ۔ پہننے اسکو پیار کیا کیونکہ خدا ہماری دَعا سے بگا۔ آسنے ہماری مَرا توجہ فرمائی ہے اور ہم روزانہ اسکو پکار رہے ہیں۔ موت کے غم نے بھگو گھیرا ہے اور خوف و دُشخ ہے۔ ہمپر درد و غم لاقی ہیں اور ہم خدا کے نام کو پکار رہے ہیں خدا یا میری روح کو اس سے بچا۔ خداے پاک رحیم اور منعم ہے ہمارے خدا ہم پر رحم کر... الخ

مَرا مَبرِ نَبِیؐ۔ اس ترتیب سے ہے کہ زبانِ عبرانی کے حروف تہجی کا ابتدا انتہا تک ایک ایک حرف بہ ترتیب ہر جگہ کے ابتدا میں آتا ہے۔

خوشحال اُنکے جو اُس خدا کی راہ میں چلتے ہیں اور اُسکے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ خوشحال اُنکے جو اُسکے احکام کو ڈھونڈتے ہیں اور دل سے اُسکی تلاش کرتے ہیں... الخ

ایسے ہی قریب قریب معنائیں تمام ان مزامیر میں ہیں۔ اگر کوئی شخص ان مزامیر
پر سے طور پر صحیفہ سجادہ سے مقابلہ کرے جو منسوب حضرت زین العابدین سے
ہے تو بے شک ان دعاؤں کو بہت کچھ ترقی کرنا ہوا پائے گا۔

اب وہ دعاے خاص جو مسبق قول سینٹ مٹھو (Saint Mathew)
حضرت یسے نے فرمایا تھا اسکو باب چہ کے دفعات ۹ سے ۱۳ تک میں پائے گا
اسکا معنوں یہ ہے۔ خدا سے بون دعا مانگی چاہیے۔ ہلوگوں کا باب جو آسمان میں ہے
اسکا نام پاک رہے۔ تیری سلطنت دنیا میں آئی۔ اور تیری مرضی زمین پر ہوگی
جیسا کہ آسمان پر ہے۔ ہلوگوں کو آج کے دن روٹی دے۔ غذا یا جامہ دے دیون معاف
کر دے اور ہمارے دیونوں کو معاف کر دے جو اؤ ہوس سے بچا۔ بانیوں سے
محفوظ رکھ۔ سینٹ لیک (St. Luke) نے روٹی کا مفہوم رسم سکرامنٹ
(Sacrament) کو سمجھا ہے۔

مکو۔ بات یہ تحقیق ایک ایسے شخص سے معلوم ہوتی ہے کہ جس نے برسوں
نفرانیوں کے ساتھ عبادت کی ہے کہ یہ جملے اسی طرح سے ہر عبادت میں نظر اندازی
شامل ہیں جیسا کہ سورہ فاتحہ ہلوگوں کی نماز میں۔

ان مزامیر خواہ ادعیاں میں جس نغہ سے چاہیے تعبیر کیجئے۔ بڑا امر خیال کرنا
یہ ہے کہ وسعت قدرت باری تعالیٰ کی ہر ہر خاص کام کے احاطہ میں ہے اور
ان جنس میں خود محمد و دین اور خلق اور دنیاوی سے ہیں۔ حالانکہ مقصود دعا کا اظہار ہے

بیشہ طلبِ کامل ہے۔ کوئی غیبِ خاص۔ نعمتِ کامل اُس واحدِ کامل کی فٹنہ سالی ہوگی اور مخالفتِ تہجدِ نافرمانی سے اُسکے ہے۔ ایسے جنابِ باری سے کہ جسکی وحدتِ کمال ہے اُس سے نعمتِ کامل کی طلب یہ ہے کہ وہ اپنے کو پہنچا دے اپنی راہ پر چلا دے اور خطرِ گمراہی سے محفوظ رکھے تاکہ اُسکے غضبِ مین نہ پڑیں۔

اسلام نے عبادتِ غنا اُٹھا دیا۔ اور سماعتِ غنا عموماً متنع ہے۔ اس باب میں امامِ غزالیؒ نے ایک مطول بحث کو اپنے دو بابوں پر منقسم کیا ہے۔ پہلے باب میں اباحتِ سماع اور اُسکی علت و حرمت کی حالتیں بیان کی ہیں۔ دوسرے باب میں آثارِ سماع اور اُسکے آثارِ مین۔ اس تحریر کے احاطہ سے اس بحث کو طویل بنا باہر ہے۔ مگر مختصر سی وجہ عبادت سے غنا کے منقطع کر دیے جانے کی بیان کیجاتی ہے۔ اس میں کہیں کہیں کہ غنا تغذیہ روح ہے اور عمدہ خیالات والوں کے خیال کو اعلیٰ درجہ پر پہنچاتا ہے۔ لیکن بسا کہ اچھے خیال والوں کی روحانی قوت کو بڑھاتا ہے ویسے ہی شہوانی خیالات والوں کے خیالات کو زہنی دیتا ہے مسببِ قول مولوی سہ آنجنان را آنجنان نزدیک۔

اور عبادت و صلوة میں تنقیح و تنقید طہایح کی شکل میں ایسے اس سے بالکل علم و گمنامی کی گئی۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ گناہ بھی ایک عمدہ فن ہے۔ سینہ عبادت و صلوة میں اسکا داخل ہونا عموماً مانعِ خضوع و خشوع ہوتا۔ اگرچہ خاص طہایح کے عبادت میں مفید پڑتا۔

عبادت کے متعلق دو لفظ قرآن مجید میں پاسے جاتے ہیں تسبیح اور صلوة۔ لفظ تسبیح کی نسبت امام راغب نے اپنے مفردات میں لکھا ہے کہ اصل معنی اس لفظ کے گزرنایا چلنا سرعت کے ساتھ ہے۔ پر ہمارے سرعت فی اہل ہے اور عبادت کے لئے یہ لفظ قولاً و فعلاً موعود کر دیا گیا۔ شایع فاموس نے اپنے شیخ کے کلام سے باستدلال بعض ادا پر بھی لکھا ہے کہ سبحان اللہ جملہ صبر ہے اور مقصود اس سے اظہارِ شہادت و اعتقادِ تقدس و تقدیس باری تعالیٰ ہے۔ اس کا مفہوم ایسا وسیع ہے کہ نسبت قدس کی جمیع فصل میں اس کے کہا جاسکتی ہے اور بھی اس لفظ سے سلب نقایص اس کے مقصود میں صلوة کا مفہوم اس عبادت سے ہے جس میں رکوع اور سجود شامل ہیں۔ اور سر مرتضیٰ شایع فاموس فرماتے ہیں کہ تَذَكُّرُ اللَّهِ تَعَالَى وَفَالِ الصَّلَاةِ فِي الْفَتْحِ شَرْكَ بَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى وَبَيْنِ الْوَالِدَيْنِ وَالْزُكْرَةِ قرآن مجید نے جب کہ توحید بالذات بنایا ہے اسی محکمہ کے ساتھ توحید بالعبود بھی سکھایا ہے۔ پیرایہ قصص میں حضرت لقمان کی نصیحت اپنے بیٹے کو نسبت توحید بالعبودیت کے فرمایا یَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ اور ایک دوسری آیت بشر میں بطور امر فرمایا وَكَانَ يَرْجُو الْقَائِلَ رَبِّهِ فَالْتَصِقْ بِاللَّصَابِ وَلَا تُشْرِكْ بِرَبِّهِ أَحَدًا بعد ان آیات کے سورہ فاتحہ کے مضمون کی وسعت خیال فرمائی اور اس سورہ کی نسبت جو کچھ ہمارے مفسرین کی راہ ہے میں انکو بطور اختصار گزارش کرتا ہوں۔

سورہ فاتحہ وہ سورہ ہے کہ جو ہر صلوة پنجگانہ کا ایک جزو ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس سے مقصود طلبِ نعمتِ کامل ہے۔ پہلا جملہ اس سورہ کا الحمد للہ رَبِّهِ الْعَلِیْمِ

اور باب نصوت کا ایک نکتہ طبع ہے کہ جناب باری نے ائمہ فرمایا نہ ائمہ بعینہ امر کیونکہ
 اگر امر فرمادیتا تو واجب الاذعان ہو جاتا اور نہ کنا اسکا معیان۔ لہذا ائمہ فرمایا یہ
 دیباہی ہے جہاں مرہبان باپ بیٹے کو کسی کام کی فراموش نہ کر کے کنیت یا مصلحت ہدایت
 کرتا ہے۔ ملاکی راے یہ ہے کہ ائمہ میں الف لام استغراق کا ہے۔ اگر الف لام استغراق کا
 قبول کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ کی حو۔ مگر صاحب کنات کی راے یہ ہے کہ یہ
 تعریف میں ہے اور چونکہ وہ معزلی ہے اسلئے اسے استغراق سے کنارہ کیا۔ اس میں
 بحث مطول ہے کہ جو احاطہ سے اس خبر کے باہر ہے۔ انا حو کی راے یہ ہے کہ
 بقولہ آہ کر یہ واسطہ غلط نہ آتھوں کی صل کا بندہ دن کے خالق حق ہے۔ پس جو صل قابل
 حمد ہے۔ اسکی نسبت طرہ انکے خالق کے ہونی چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرجع کی حو کا
 حق سبحانہ غلط ہے۔ اور اس قول آخر پر اتفاق ہے۔ ائمہ مد سے یہ بھی مستند وہ ہوتا ہے
 کہ حو اسکی غیر منافی ہے اور منافی کو غیر منافی سے ساندیکہ تو مرث غیر منافی بانی رہا ہے
 پس حو غیر منافی لفظ ائمہ سے معصوم ہے۔ چونکہ جناب باری واجب کامل اور متین کی ہے
 اسکی استغراق ذاتی کی محامد کا ہے اور وہی مبداء اور صواب کی صفیائے جلالی و جلالی کا
 خواہ وہ سری ہوں خواہ ظہری ہستی ہے اسلئے لفظ ائمہ استعمال کیا گیا۔ جو میں کی راسے
 کے موافق بتد کلام چار معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ اول تنیک اور اسکو کلام اضافت
 بھی کہتے ہیں۔ یعنی عمر تک جناب باری تعالیٰ کی ہے یعنی اسی داعی بعض کی جگہ۔ حو ہے
 دوسرا لام استغراق اس کے یہ معنی ہونگے کہ جو صانع ہے وہی ستمی حو ہے۔ تیسرا لام انفعال

اور وہ دبل انقطاع شرکت ہے۔ یعنی اسکی حمدیں کوئی شریک نہیں دہی و احد ممکن قابل حمد
 بلا شرکت ہے۔ چوتھا لام سہیلا و قدرت ہے کیونکہ مفہوم انکھ شد کا یہ ہے کہ او تعالیٰ ستر
 و مستعلیٰ کل ممکنات پر ہے۔ پس حمد شایان اسی ذات اقدس کے ہے کہ جسکی صفات میں
 سہیلا و قدرت موجود ہے اور وہ سوائے او تعالیٰ کے دوسرا نہیں ہے ایسے انکھ شد
 اچھیکے لئے موضوع ہے۔

رب کے سننے ربّی کے ہیں۔ تربیت عالم کہ عبارت ماسواحد سے ہے یہ قدرت
 میں جناب باری کے ہے کہ بعض بے غرض و عوض تربیت فرماتا ہے اور ماسواحد
 ممکنات میں ہے جسکے لئے وجود اور عدم دونوں شامل ہیں اور موجودات ممکنہ میں وجود
 ذاتی نہیں بلکہ اس میں صلاصیت معدومیت ہے۔ اگر وہ ربّی جتنی تربیت فرمائے تو ایک
 نشان ہی ان موجودات کا باقی نہ رہے لہذا کوئی ممکنات میں سے وجود کے مستغنی نہیں ہے
 محتاج تربیت کا اسی ربّی جتنی کی ہے۔ ایسے انہ ربّ العالمین میں لفظ رب کا استعمال کیا
 گیا۔ فالین جمع عالم کی ہے اور ہمیں کل مخلوقات کی جسکی تفصیل احاطہ تحریر سے باہر ہے مثلاً
 قرآن میں یہ لفظ اکثر جگہوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ اس آیت میں تبارک انت رب العالمین
 عالمین کے مفہوم میں آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب مل ہیں۔

بعد اسکے الرحمن الرحیم آیا۔ اسکا مقصود یہ ہے کہ انکھ شد دعویٰ محمل ہے اور ربّ العالمین
 اور الرحمن الرحیم صفات مختلفہ برائے ان کے ہیں رحمن کا مقصود یہ ہے کہ اسکے
 آثار رحمت بہت ہوں اور رحیم کا مفہوم یہ ہے کہ قوت رحمت اسکی ہمارے دہم و گنہ

زیادہ ہوا اور اسی رحمت و رحمانیت کا تذکرہ ہے کہ اسباب سے نہ کہ محض اسباب سے ہوا اور اس کی وجہ سے
 موجود ہیں اور رحمت و رحمانیت وسیلہ معاد بنندگان ہے۔ اس لئے رحیم کا مفہوم غفور بھی ہے
 یعنی عطا کی اسے ہے کہ لفظ رحمن رحمت عظیم پر اور رحیم رحمت عجم پر دلالت کرتا ہے اور
 جسے عطا کی اسے ہے کہ رحمن دلالت عطا سے نعمت پر کرتا ہے اور رحیم رحمت اور عطا
 پر رحمن سے بعضوں نے مصدر موصوفی ازلی اور رحیم سے شیخ الطاف ابدی خیال کیا ہے۔
 مگر رحمت و رحمانیت باعث وجود موجودات ہوئی اور رحمت رحیم سبب نوزد نجات ہوگی۔ رحمن
 رحیم اسکا شاہد ہے کہ استحقاق محمد شاہان اسی ذات کے ہے۔ یعنی مفسرین کی ماہ ہے
 کہ رحیم الرحمن کے مفارن رحمن لایا گیا۔ مطلب اس سے ہے کہ رحمن جو اسماء جالی ہے
 اور اس سے تربیت عالم مقصود ہے وہ مفارن لفظ فالرحمن ہے اور رحیم کی صفت
 مالک کے شامل کجائے کہ جس سے الطاف سرمدی بروز ابدی ظاہر ہو۔

بعد الرحمن الرحیم کے مالک یوم الدین آیا۔ یہ بھی اسی محمود خدائی اور عبود امالی کی صفت
 یعنی وہی قادر بالذات موصوف نفع و ضرر۔ غیر و شر۔ ثواب و عقاب کا ہے لفظ مالک سے مراد
 قائم نام اللہ ہے یعنی قدرت الٰہی عظیم ہے جسے موجودات و کمالات کو۔ یوم الدین یعنی روز قیامت اور وہی
 روز جزا ہے اور وہ روز ہے کہ جسدن امتداد کا امتیاز ہو جائیگا کیونکہ عالم اشال میں جس
 سطح مسلم و کافر مختلف و متماثل و موافق و منافی سب ایک صورت کے ہیں اور وہ وہی روز
 کہ صفت رحمت رحیم جو شخص ابد کے لئے ہے اپنا جلوہ دکھائیگی۔

جب یہ صفات باری تعالیٰ اوپر لے گئے تب خصوصیت عبادت و معادنت

کے ساتھ ذات واجب الوجود کے یہ آپ ایک نعتہ و ایک نعتین کی گئی۔ یعنی موافق کلمہ انکرو نبذہ
 جس میں الف لام سترانی محاکا اور شد میں لام اختصا میں شای کائات ہوا اور رب الفینین
 نے یہ ثابت کیا کہ سب کا مربی وہی ہے اور مضمون الرحمن الرحیم سے رحمت معنی مسکی دنیا
 اور آخرت میں اور بالکل تویم الدین نے فوت و قدرت اسکی روز جزا ثابت کی جو جو مضموع و
 مضموع یہ مزدور ہوا کہ اسی عبود الہی کو بجز ایک نعتہ و ایک نعتین خطاب کیا جاسے۔ لفظ ایک
 نعتیں مخصوص مراد ہے یعنی لا نعتہ و نعتیک۔ صاحب کشف الغائبین نے لکھا ہے کہ ایک کی نعتہ ہم
 اس جہت سے ہے کہ ایک عبارت ذات سے ہے اور نعتہ ہم ذات واجب ہے ماسو پر
 اور وجوب اسکا ثابت اور امکان ماسو الا نام اسنے واجب ممکن پر مشتمل ہے۔ ایک نعتہ سے
 مستفید ہوتا ہے کہ عبارت میں اسکی عبادت نے ماسو اللہ سے کیا رو کر لیا۔ اور جب عبادت
 اور عبودیت کے سمن وہی ہے تو وہی میں اہل بھی ہے اسنے بعد ایک نعتہ کے ایک
 نعتین وار د ہوا۔ اور نعتہ کی نعتہ ہم نعتین پر اسنے ہے کہ پہلے بندگی پیش کیجاسے کیونکہ
 نعتہ ہم وسیلہ لازمی ہے اسکے بعد حاجت۔ صاحب نمبر کا قول ہے کہ تزل از و مقارن لغیر
 است بہر کہ ذیل او باشد چوستہ عزیز ہر گشتہ۔

خود اپنے آنکھ خواہ و عا جزائی	منفرد محال است کہ ہر گز یابی
<p>بعد ان مراتب ضروریہ کے جنگا عرض حاجت کے لیے بطور مقدم پیش کیا جانا ضروری ایدہ بالقرآن المستقیم فرمایا۔ بزبان خلافت عقیقہ دوم ایدہ بقرآن المستقیم پر نصرا نیوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ جب خود حاجت مند راہ راست کے ہو تو ہماری دعوت اسلام کیوں کرتے ہیں</p>	

جنا ب اسیرنے یہ فرمایا کہ ایدنا کے معنی قایم و ثابت رکھنے کے ہیں۔ اسکے جواب میں حضرت فرمائی
 نے یہ کہا کہ جب راہِ راست انسان پا گیا تو اُس کے ثبات کی کیا حاجت ہے۔ اس پر حضرت فرمائی علی
 کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ چونکہ ہر شخص کے ساتھ مشیہ ہے اور ہر شخص کے ساتھ توہمات ہیں
 برایت ثانی اسکی ضرور ہے اور وہی برایت ثانی قایم کرنوالی ہے۔ برایت اولیٰ کی امامِ مہربان
 نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ایدنا کے معنی وثقا کے ہیں یعنی توہمیں دے مجھ کو رہنا۔ یہی
 راہِ راست ہے۔ دوسرے معنی ایدنا کے اقصانا اور آخرتنا کے بھی ہیں یعنی گاہِ دارالماوراء
 حضرت عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ ایدنا کے معنی ائمتنا کے ہیں۔ بعضوں کی رائے یہ ہے کہ
 ایدنا کے معنی یہ ہیں کہ گمشمار ابوسے خود و بعراہ خود پوند۔ لفظ ایدنا کا استعمال زبان
 عربی میں بہت معنی میں ہے مگر ایک معنی اُسکے اثباتِ براہتد ہے۔ اور دوسری معنی میں جو ہمگم
 ہم عوام کی سمجھ کے موافق زیادہ ترجیحاً ہے۔ مراط کے معنی راہ کے ہیں۔ اور اس مراط کے
 ساتھ ایدنا مستقیم آیا ہے مستقیم کے سننے میں کہ جو کبھی سے پاک ہوا اور مستقیم یا تو مراط کے
 ساتھ ضم ہے یا سالک کے ساتھ بٹنے چلنے والے کے اور مراط مستقیم سے غرض اس راہ
 ہے کہ جس راہ کا چلنے والا نہ بٹے یعنی رکش اسکی اداس حق اللہ اور حق عباد کی ستم سننے سے
 مراط مستقیم کا مفہوم یہ ہے کہ سالک اخلاقِ معنادہ میں نہ پڑے یعنی ذیلِ نجوم ذرہوا و نجوم ہش
 روحانی خواہش نفسانی و میوانی سے قبل نہ ہو۔

طلبِ نیت میں قید آیا جاوے ہے۔ یعنی مراط الذین انزلنا من قبلہم من غیر المغضوب علیہم
 و الذلّٰلین اور اس سے طلبِ نیت کامل ہے کہ جس نجوم بندہ کا جوہ حسن ہو۔ جنانیم

ہام راغب نے لکھا ہے کہ نعمت تو فین کمال ترین نعمت ہے اس اس سے اوصاف عیدہ ہوا
 ستودہ و اوصاف طاعات و انواع عبادات مقصود ہے۔ چونکہ یہاں روشنی دینی دیکھو
 کے درست کرنے کے لیے با مداد بادی تعالیٰ مقصود ہے اس لیے مَرَاتِلُ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ
عَلَيْهِمْ خَيْرٌ مِّنْ مَّقْصُودٍ عَلَيْهِمْ وَلَا لَافِيائِينَ فرمایا

سورۃ فاتحہ کی ایک غلامہ تفسیر یہ ہے کہ ہر چیزوں کے لیے ایک قوت کمال ہے
 کمال انسانی عمل صالح و معرفت و تعالیٰ ہے اور اس کمال قوت نظریہ علم حقایق اشیاء ہے
 اور یہ کمال قوت نظریہ کہ جس سے علم حقایق اختیار ہوتا ہے وہی مثبت علم باری تعالیٰ ہے۔
 انسانی ترقی کے تین مرتبہ ہیں اول معرفت مبداء۔ دوم وسط سوم معاد۔ علم وسط سے ترقی
 مرتبہ ثلث ہے۔ اسکے دو مرتبہ ہیں۔ پہلا مرتبہ باریت کا اور دوسرا نہایت کا۔ مرتبہ باریت
 اشتغال تومید بالمعبودیت ہے۔ مرتبہ نہایت قطع نظر عن الاسباب و تقویٰ الامر کلہا اے
 سبب الاسباب ہے۔ اور اسی مرتبہ نہایت کا نام توکل ہے۔ مرتبہ وسط میں پہلا امر
 اشتغال بالمعبودیت ہے۔ اسم اللہ شیع خلق و ایجاد و تکوین و ابدا و احوال و افعال و احوال و احوال
 تربیت مصاحح دنیا و آخرت بغرض مصاحح مبداء اور ختم بجا معاد اور مالک دال اوپر
 اس قوت کے بسکا نمود بعد انتقال طرف دائرہ جزا کے ہے اس لیے أَكْمَلْتُمْ رَبِّ الْعَالَمِينَ
أَكْمَلْتُمْ رَبِّ الْعَالَمِينَ فرمایا گیا اور تین کی توفیق إِنْدَنَا الْبَقَرَةُ آیت میں فرمائی میرا طہ کی
 تخصیص مَرَاتِلُ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ خَيْرٌ مِّنْ مَّقْصُودٍ عَلَيْهِمْ وَلَا لَافِيائِينَ سے کر دی۔

مکمل مقصود معجز قرآنی بالمعنی دکھانا ہے۔ اس لیے میں نے بعض مزاہر و احوال

اور نفرت اکٹیل جو جہاں سورہ فاتحہ میسائیون کی عبادت میں شہال کیے جاتے ہیں ہیں
 تحریر میں درج کیے ہیں۔ جیسا کہ میں اد پر لکھ چکا ہوں نہ کسی فقرہ میں موسیٰ قدرت اور
 ہے۔ نہ استدلال پر وجوب محمد ہے۔ نہ طلب کامل ہے کہ جو کافی واسطہ درستی سبدا و معانی
 کے ہو۔ نہ اس و مناح کے ساتھ توحید بالمعبودیت سے کہ جو ثابان ذات واجب الوجود ہے
 اہل اسلام کے ہر مختلف خیال والوں کا بھی فرقان جمید کی برکت سے توحید بالمعبودیت
 پر اعتقاد راسخ ہے۔ چنانچہ ہر سے زمانہ کے یگانہ عصر اسد اللہ خان غالب
 جو نہایت آزادانہ مشرب رکھتے تھے انھوں نے بھی نہایت ہی خوبصورت ماثقانی خیال
 میں اس مضمون کو ظاہر کیا ہے

رند ہزار شیوہ را طاعت کس گران نبو:
لیکھ مضمون سجدہ در نامہ شترک خواست

اے نام جاوید لطافت و برانہا

خورشید صفت طالع از مطلع عنوانہا

چند روز قبل اس جلسہ میں جناب سید العلماء مولوی محمد شبلی صاحب نے محکمہ لیاقت ٹرسٹ
 علمی شعور کا شمس فی لغت الہار ہے جسے مضامین مالیت قرآنی پر ایک قلمیہ طبع فرمایا تھا۔
 فی الحقیقت اس شان و ریافت سے اپنے مقصود کو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ زبان کی
 تعریف سے قاصر ہے۔ مگر مولانا کو وقت کافی اسکے بیان کا نہیں ملا جسے احباب نے
 اس پر سب سے اسد مابین کی کہ بطور تمنا اپنے خیال کے موافق اسی باب میں میں بھی کچھ لکھ کر
 کروں۔ مگر میں اپنی کم بختی سے معترف ہوجوں کہ کچھ بھی مضامین مالیت قرآنی کو عرض کر سکوں
 یہ حال انجوانہ الہ فوف الادب اکابر اساتذہ سے خوش بینی کے آپ حضرات کی سعادت ہی کہ ان
 میرے نقصانوں پر نظر کر کے مجھ کو فراموش نہ کرے گا اور میری غلطیوں کو اپنی توجہ خاص سے نصیح فرمائیگا۔

عنوان اس گزارش کا بارے شعور و حکیم ستائی کا ہے

عروسِ حضرتِ قرآنِ خبابِ انگرہ برباز
کہ دالِ ملکِ اہان را بحرِ دینی از غوغا

معجزاتِ اسجودِ قرآنی دو مہیت سے ہے پہلی مہیت اُنکی حسنِ عبارت کی ہے اور دوسری مہیت اُنکی لطافتِ معنی کی حسنِ عبارت پر بحث کے لئے آدمی کی حیثیتِ علمی سبحان ابنِ دال اور حسان ابنِ ثابت کی ہونی چاہئے قرآنِ مجید کی لطافتِ عبارت بنائے علمِ عالی و بیان ہے اس پر گفتگو دو وجہوں سے محض نفول ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ نامی علمائے اسلام از سلف تا خلف اس پر تفرقِ علمیہ ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بحث بخوبی کتبِ مند اولہ علمِ عالی و بیان میں بہ توضیحِ تمامِ مند راجع ہے۔ یہاں اس قدر گزارش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نصرانی علما قرآنِ مجید کے حسنِ عبارت پر بہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ اگر قرآنِ مجید کی حسنِ عبارت دلیل اُنکے خدا کے کلامِ جوئے کی ہے تو نسبت ہو مرس الیہ نہ ہو

ورن (Wings of End) (Wings of End) (Wings of End) (Wings of End)

(Paradise Lost) شاد نامہ فردوسی اور مہابھارت کے کیا کہا جائے گا

تین تین زبان یونانی و لاطینی۔ انگریزی۔ فارسی اور سنسکرت کی اسطے درجہ کی

کبھی جاتی ہیں۔ مگر یہ اعتراض نصرانی زبان دان علماء کا بے بنیاد معلوم ہوتا ہے کتب

مذکورہ میں صرف ایک قسم کا بحث ہے اور ایک ایک فرد کی سرگزشت۔ واردات

اور کارروائیوں کا ذکر ہے۔ ان ہر ایک کتاب میں رزم و بزم ہے اور اسی آحاد

میں بطور ان طائر فیال کوان شعرا کی ہے۔ بخلاف قرآن مجید کے کہ یہ نظم ہے مجموعہ

ضوابط و قواعد ہے کتاب عبادات ہے۔ تو مجید اسطے درجہ کی سکھاتی ہے

اور پیرایہ قصص میں حواغظ و نصائح ہیں۔ ہر مضمون کے لئے لازمی ہے کہ عنوان عبارت

برہنہ ہو جائے۔ مگر قرآن مجید کی عبارت میں تغیر و تبدل کسی طرح سے واقع نہیں ہوتی اور

پہچت کو ایسی عبارت میں بیان فرماتا ہے کہ جسے تنج سے اہل زبان قاصر ہیں۔ مادہ

معجزہ کا عجیب ہے جسے معنی یہ ہیں کہ دوسرے دیباچہ بنا سکیں یا کر نہ سکیں پس عبارت

کلام مجید کا جواب حسب ادعائے علماء نصاریٰ وہ بحث نہیں ہو سکتی جو میں نے گزارش کی

مضامین قرآنی کا اثر بلا جانے زبان عربی کے جو سمجھنے والے کے دل پر ہوتا ہے

وہ اس واقعہ سے ظاہر ہو گا جو میں عرض کرتا ہوں گیتی (Godlike) ایک جو میں

معنی جو انیسویں صدی کے اکابر علماء یورپ میں گنا جاتا ہے عربیہ زبان سے محض

نادر و نادر۔ اُسے ترجمہ قرآن کا زبان لاطینی پڑا پہلی مرتبہ وہ گھبرا یا مگر اپنی ہمت کا مرکز کے

آیات مذکورہ کی خوبیاں میں اسکے بعد بیان کر دیا۔ پہلے آپ لوگوں کو یہ جانتا ہوں
 کہ پریشرینز (Presbyterian Monks) لوگوں نے فرارِ ملک
 اعتراضات مذہب اسلام اہل اقدس پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برپا کیے تھے۔ اول شخص
 یورپ میں فریچ عالم پوکاک (Pococke) ہے جسے مسلمانوں کی تعابیف کے
 ترجمے زبانِ فریچ میں شروع کیے اور گین (Gibson) نے اپنی تاریخ کا مذکور
 ترجموں کو پوکاک کے کیا۔ گین بھی اُن لوگوں میں ہے جسکی ابتدائی تعلیم مذہبی مذہبِ مسیحی کی
 تھی۔ اور اسکو زبانِ عربی سے ناواقفیت تھی۔ قرآن کا ترجمہ زبانِ فریچ خواہ لاطن میں آئے
 بھی پڑا ہے۔ نسبت توحید باری تعالیٰ کے آئے اپنی تبلیغ میں صاف لفظوں میں یہ لکھا ہے
 کہ: *Roman is a glorious testimony on the*
unity of God. یعنی قرآن ایک شہادتِ عظیم الشان توحید پر
 باری تعالیٰ کی ہے۔ یہاں غور فرمانے کے قابل ہے کہ آیا آئین توحید کی جو قرآن مجید میں جنہیں
 ہے بطور نمونہ بند میں نے پیش کی ہیں۔ انکی خوبیاں کیا ہیں۔ توحید کا بیان ایسا جیسا کہ میں
 عرض کر چکا کہ کتب مقدسہ حقیق میں ہے نہ جدید میں۔ اور پھر خوبی یہ ہے کہ غیر تبسم ہائے
 اپنی زبان میں ترجمہ کر کے اسکو بلا حاد نہ کسی عالم کے بخوبی سمجھ سکنا ہے۔ اور عالمِ کمال
 مسائلِ حکمیہ اور منطقیہ کو ان آیات سے بی ثبوت اثبات واجب الوجود اور توحید باری تعالیٰ
 میں بحث کر سکتا ہے۔ حکماءِ مشائخ و اشراقیین کہیں بے معنی اپنے براہینِ حقیقیہ کا
 اُس سے منی پاس نہ کر سکتے ہیں اور حکماءِ ادریس بھی جو جدید میں اور جو اس وقت یورپ میں شروع

اُسکو ذوال بھی ہے جس شے کے لیے طوع ہے اُسکے لیے غروب بھی مکرر ہے۔ ہر قول کے لیے موت ساتھ لگی ہوئی ہے اور ہر انقلاب بڑبڑچڑکے ساتھ مادہ انحطاط و فنا تو ہمیشہ کے بعد وہ یہ کہتا ہے کہ مذہب اسلام وہ مذہب ہے کہ جسکو ایک موحّد مفسّنی بلوئے خاطر قبول کر سکتا ہے۔ درحقیقت اُسکے اصول ایسے مالی ہیں جسکو ہمارے موجودہ قواسم فطریہ رک نہیں کر سکتے۔ قابلِ لحاظ ہے کہ حادث با قدم ہونے کی بحث کی حاجت ایسے واقعات تین کے مقابلہ میں اُن انخاص کے سامنے نہیں ذرا بھی عقل سلیم ہے نہیں ہے۔ اور ملامت اپنے اصول کل متغیر حادث بڑے بے تکلف و فتر یا وہ فرما سکتے ہیں۔ سادگی اور متانت۔ جاہل کے لیے صاف اور عالم کے لیے غلط ایک عام خوبی قرآن مجید کی ہے۔

میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ سورہ اخلاص اور آیات رکوع آخر سورہ شمس سے بڑھ کر جامع و مانع بیان توحید کا نہیں ہو سکتا۔ پہلے سورہ اخلاص کے نکات بیان کرنا ہوں میں بعد دوسری آیات کا ذکر کر دینگا۔ مولیٰ ترجمہ سورہ اخلاص کا یہ ہے۔

”تو کہ اللہ ایک ہے۔ اور اب اس ہے کہ عقل اُسکی کیفیت کو نہیں پہنچتی ہے۔ کسی کو جانا اور نہ کسی سے جانا اور نہیں اُسکے جوڑ کا کوئی۔ یہ ایک صاف معنی ہیں جس سے ہر شخص سمجھ لے سکتا ہے کہ خدا ایک ہے عقل اُسکو درک نہیں کر سکتی۔ نہ کسی سے پیدا ہوا نہ اُنس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ کوئی اُسکے برابر ہے۔ اگر ملا کی روشنی سے اس سورہ شریفہ کو لکھا جائے تو ہر حصہ اس سورہ کا بلکہ ہر ہر لفظ نیک بحث اثبات واجب الوجود سے مختصر ہے۔ میں صرف اس سورہ پاک کے الفاظ۔ جسے جو باعث پیدا ہونے میں اُنکی طرف حوالہ کرتا ہوں۔ شیخ الانس۔“

اس کو یہ یاد کی ایک علیحدہ تفسیر گمسی ہے اور دیگر علماء مشرین دقت رس و مکتبہ شام
اسکی تفسیر مطول فرماتے ہیں شیخ الرئیس کی تقریر یہ ہے کہ کل اعیان موجودات سامعہ مراتب
ثلثہ بنے مابیت وجود و تشفیص کے متعلق و تقسق ہیں۔ اعیان ممکنہ میں وجود و تشفیص منقطع
غیر ہیں۔ اور بلا وجود مابیت وجود و تشفیص کا موجد ہونا محال ہے۔ ایسی حالت میں
دیکھنا چاہیے کہ وہ کس کا وجود ہے جو محتاج غیر نہیں۔ وہ وجود واجب الوجود ہے اور
وہ وجود لذاتی ہے نہ غیرہ۔ کیونکہ اعیان ممکنہ میں وجود غیر مابیت ہے اور ذات واجب الوجود
میں وجود میں مابیت ہے۔ لازم اور اضافات انتساب سے ہر چیز کی ہوت پہچانی جاتی ہے مادیہ کہ
ہوت افعال و تقدس کی لوازم اور انتساب غیر سے پہچانی نہیں جاسکتی اور مابیت اسکی جسوسل
سے مرکب نہیں ہے بلکہ وہ واحد محض اور بسیا محض ہے اسلئے او تعالیٰ و تقدس نے اپنی ہوت
محض اور مابیت میں وجود کو لفظ اللہ سے تعبیر فرمایا۔

اعیان ممکنہ میں جو کچھ مضمون کثرت اشال۔ اجناس و فصول۔ مادہ و صورت۔
خوت و قل۔ اشکال و ألوان۔ موجود ہیں اور او تعالیٰ و تقدس واحد محض ہے اور ان چیزوں
سے بری اور منفرد ہے اور ان حدود کو احاطت آپس نہیں ہے اسلئے آئے اللہ تعالیٰ
فرمایا۔

چونکہ جناب باری نہ جسم ہے نہ عرض ہے۔ نہ صاحب مکان نہ جهت و نہ صاحب
مابیت ہے بلکہ وجود اسکا میں مابیت ہے۔ اسلئے آئے اللہ تعالیٰ فرمایا۔

چونکہ خداوند نہ حملے و تقدس مبداء فیاض۔ وجود او جنتی ہے اور نہ مک انشیا ہے چنانچہ

مادہ نہیں پس وہ متولد نہیں ہو سکتا اور جب متولد نہیں ہو سکتا والد بھی نہیں اپنے کم قید و کم تولد فرمایا

خداوند تعالیٰ و تقدس ہویت محض اور وجود محض رکھتا ہے۔ اور ہویت انکی اعتبار غیرتے بیہائی نہیں جا سکتی کیونکہ وجود اسکا میں ماہیت ہے۔ خود نہ جوہر ہے۔ نہ جسم ہے نہ لمحہ و نہ زمان ہے نہ مکان نہ لامحالہ بات حاصل ہوئی کہ اسکا کوئی برابر و ہمسو نہیں اپنے کم کم لکھو اُحد فرمایا۔

یہاں ایک بحث اور پیدا ہوتی ہے کہ انواع شرک اور اشتراک آتش ہیں نفسِ قلب۔ کثرت و وحدت و معلول۔ اشکال و اعداد۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے قبولِ قل ہو اللہ اُحد یعنی کثرت و وحدت فرمایا اور نفسِ نفس کی رد اللہ اُحد سے کی۔ و معلول کی نفی کم بلند و کم پوند سے کی۔ و کم کم لکھو اُحد نے اشکال و اعداد کو محدود کر دیا۔ آفرینِ سنج نے اس جملہ پر ختم کیا ہے۔ فَمَا مَّا وَفَّقْتَ مِنَ الْأَشْرَارِ بِذَلِكَ الشَّوَرَةِ وَاللَّهِ يَحْيِي بَاطِلًا مُنْزَلًا كَلَامَهُ۔

خسرو نے اس خیال کو نہایت خوبی سے ظاہر کیا ہے اور وہ یہ ہے

خشِ بلبل در پشش انگشت و شم
علت و معلول در و ہر دو کم

دوسری آیتیں سورہٴ عسکر کی میں نے لکھی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ ہُوَ اللہُ الَّذِیْ لَا یَالُ

لَا یُؤْتِ مَا لَمْ یَنْتَظَرْ وَالتَّشْهُدَاتُ ۝ ہُوَ الَّذِیْ لَا یُؤْتِ مَا لَمْ یَنْتَظَرْ ۝ ہُوَ الَّذِیْ لَا یُؤْتِ مَا لَمْ یَنْتَظَرْ

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَتُوبُ اِلَيْكَ بِرَحْمَتِكَ اِنَّكَ اَعْلَمُ بِمَا اَعْمٰى عَنِىْ اَلْبَابُ اِلَى الْعَرْشِ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَلْحَمْدُ لَكَ اِيَّاهِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ
ترجمہ ان آیات کا یہ ہے ۔

وہ ہے اللہ جو نہیں کوئی معبود مگر وہ ۔ جاننے والا پوشیدہ کا اور حاضر کا ۔ وہ ہے
بخشش کرنی والا ۔ مہربان ۔ وہ ہے اللہ جو نہیں کوئی معبود مگر وہ ۔ بادشاہ ۔ پاک ۔ مملکت
سب جیسے ۔ اس دینے والا ۔ نگہبان ۔ غالب نہ بردست ۔ تکبر والا ۔ باکی ہے اللہ کو
اُس چیز سے جو شریک لانی ہیں ۔ وہ ہے اللہ پیدا کرنے والا ۔ درست کرنی والا ۔ سورتین
بنا نیوالا ۔ واسطے اُس کے کہ میں نام اچھے ۔ اُسکی باکی بیان کرتی ہے ہر چیز جو درمیان آسمان کے
اور زمین کے ہے اور وہ ہے غالب حکمت والا ۔

ان آیات کریمہ سے جیسے صفات اور تعظیم جناب باری تعالیٰ کی اور نہیں مساوی ہوا کیسے
اُس کے ساتھ ثابت ہوتا ہے ۔ بن اسوف پر اور عا کر تا ہوں کہ پہلا مسئلہ کہ جب کا تو عید باجائے
ہے اور فرقان مجید میں سوائے ان آیات کے اور بھی آیتیں بہ ثبوت وعدہ انیت اور تعالیٰ و تقدس
ہیں ۔ اور وعدہ انیت کا پورا بیان جیسا کہ قرآن میں ہے وہ کسی کتب مقدسہ میں پایا نہیں جلتا
عام ہے اس سے کہ وہ کتاب محمد امین ہو خواہ کتاب عبد المجید ۔ پس یہ دعویٰ بیشن اس کا
قرب بہ اسنی بن غلط ہے ۔ بلکہ جیسا کہ جناب احدیت نے فرمایا کہ انتم ۔ رنج ۔ وعدہ انیت کو
پہلے اس امت خاتمہ کے کال کر دے ۔ اور کتب مقدسہ قدیمہ و جدیدہ بہ قرب اس کے پہنچے
نہ گئے تھے انکا محکو اس فرقان منہج نے فرما دیا ۔

سجود الخاضعین قرآن کا یہی بہت بڑا ہے کہ غیر اہل دین کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے

اپنی غفلت و شان کا اقرار کر دیتا ہے۔ اگر پہلے ایام طغیانی سے مذہب اسلام کی تعلیم پا کر غفلت و شان کو قرآن کی قبول کیا۔ تو وہ تقاضائے تعلیم ہمارا ہے۔ مگر اس کے بعد عظیم الشان کی غفلت و جلالت پر جب قلعہ غیری مذہب کے قابل ہوں تو وہ سچوہ رذائل اس کتاب کا ہے۔

جب تک اہل یورپ کو مسلمانوں کے تصانیف پر وقوف نہ تھا اہم وقت تک ان کے خیالات نہایت محدود تھے اور باعث تشدد و آن لوگوں کے جو ان کے مذہب کے پیروان تھے انکو موافق تحقیق و تفتیش کے نہ تھے۔ اب زمانہ بدل گیا اور کسی طرح مرحمت غائبی ایمین باقی نہیں رہی۔ میں بخوبی خیال کرتا ہوں کہ سچوہ قرآنی کا اثر اہل یورپ پر اور اور صاحب عقل سبم پر اس سے زیادہ ہوگا جو کبھی برہم اور شیمن اس پر ہے۔

انشاء اللہ جلد آئندہ میں ایک تحریر دو سری تعلق بہ توصیف بالمحبوبہ دیتا پیش کروں گا۔

مختار

تجربات نهم جلده آره توی بیابان باقی الم کتبی
 حاکم عالمات می سوچ دل صاحب پوئی سپک کول پریدت نهم علم
 خواجہ سید فرالدین حسین بن بلوی سکرتری نهم علم کوئل درانیہ شاد

فہرست نمایین

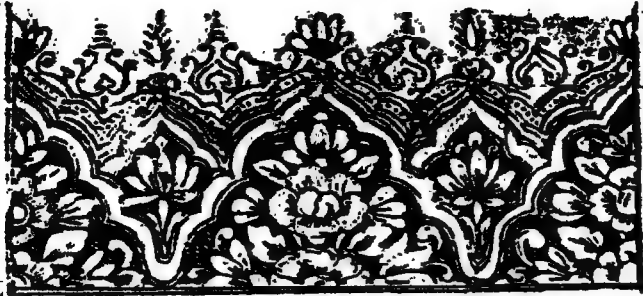
- نمبر اول ترجمہ تحریر لازمین صاحب! انتہا ترجمہ کوئل خدا بخش صاحب مبرور علیہ ... ۲
- نمبر دوم ترجمہ تحریر لازمین صاحب! بدست ترجمہ کوئل خدا بخش صاحب مبرور علیہ ... ۳
- نمبر سوم تحریر می سوچ دل صاحب پوئی سپک کول پریدت نهم علم کوئل درانیہ شاد ... ۹
- نمبر چہارم مختار غزلیات خواجہ سید فرالدین حسین بن بلوی سکرتری نهم علم ... ۱۳
- نمبر پنجم ترجمہ سید ذہن احمد صاحب صغیر لکڑی مبرور علیہ ... ۱۴
- نمبر ششم غاتہ ... ۱۶

قصیدہ

شہزاد با تمام نشی جگہ بند عالی محال گنا

بنتی جلد ...





بسم الله الرحمن الرحيم

[illegible]

[illegible]

شماره

شماره

شرح

شرح

کونستانتینوپل کا پوچھنا

[illegible]

[illegible]

۴
 یک پیرسا که از انعامان بزرگ است من از دست خداست که بجز او و او را تو که از پیران بیاورد و پیران هیچ کس
 بجز او پیرسا که اگر اگر در کوه که در جگر است شربت و گلبش همی است بجز او که می بخشد شربت و خمر و نمود
 آفتابش و اگر در دست تیر جان شربت و یاد شای او که در چنین بار افروان بسکونک غریب بود از او بود
 بکلام و این لیل افغان پیشه پیوسته بکار اگر که از کاش خود شربت و در شربت شربت که در دو دست چنین پیوسته بکار
 چو نایب از انعامان خداست که در کتب چنین پیرسا که اگر او در مشکل است و در دست با انعامان انعامان در دست
 از فواید که در شربت و کمال است بکار از انعامان که در کتب چنین پیرسا که اگر او در مشکل است و در دست با انعامان انعامان در دست

[illegible][illegible]

[illegible]

قطعة

اِذَا قَالَ حَبِيبُ اللَّهِ
فَقَدْ آخِثٌ فِي جَدِّهِ

جسکو اور سورت میں لے کر آئے۔ جس کو پڑا
 بہر طحال جو کہ وہ یہی تھی تبت پر
 قتل عاشق کو یہی شہادت لسان نہیں
 آن والی نہیں یہ کہ وہی بہر طحال

二

یار بس کی گستاخی افریبا جان آئینہ
قطرو افشان کج شکل رخ پر زبر
مین مہل طاشه تلخ چرخ اینج گما
یاد دلتا اوکل حیت یہ کوئی بہر قوم
دیر ناسا الفت کیسو نشد حسرت
آہ مجہ عاشق کی اندر تیغ مجاہد

ایک خاکینہ ہے جسے تصورِ سماں و آب و آتش

<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>
<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>
<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>
<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>
<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>

ترجمہ بند جناب سید فرزند احمد صاحب صغیر ملکہ امی موسوم بہ بی بی

<p>سند اول</p> <p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>
<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>
<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>
<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>
<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>

<p>سند دوم</p> <p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>
<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>
<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>
<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>
<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>	<p>میرزا علی محمد صاحب</p> <p>کشتن فیض است بر سر</p>

وہ کہتا ہے کہ جو لوگ اس کی بات کو سنا
وہ اس کی بات کو سن کر گھبرا گئے

راستی که نه استیغری و غلبی نه
ای بی زبان که بی خبر و غافل

خیزد و باز جلوه دهد قامت و غیاث ارباب
چون قد غروب کند کن بایه خورشید ارباب

خاتم

[illegible]

استمنا

واضح ہو کہ اس مجموعہ میں ایک چمک لہری لہری کتب خانہ عام تو بن جائی گی مگر یہ کتب خانہ نہایت
میں میرا ان کتب خانہ میں سے ایک ہے جس میں کتب خانہ کے بارے میں کچھ باتیں لکھی ہیں
حسب مزاجت ذیل ہیں

اول عوام پر مشتمل کتاب خانہ جس میں جاسکتی ہے کتب خانہ کے بارے میں کچھ باتیں لکھی ہیں
باغراب ہوں کہ کتاب کے دو جزویت اس کے اوپر لکھی

دوم ہر ایک کتاب کے جس شخص کی پاس جسے میرے نزدیک نہیں رہا کرتے
سوم ہر ایک کتاب کے جس شخص کی پاس جسے میرے نزدیک نہیں رہا کرتے
کہ جو لوگ شریک ہستہ میں دی بغیر ای نہیں کتاب کتب خانہ کے جس شخص کی پاس جسے میرے
استمنا یاد رکھو

یہ کتاب علم دہی کے لیے ہے جس میں علم دہی کے بارے میں کچھ باتیں لکھی ہیں
تعمیر کے علم دہی کے بارے میں کچھ باتیں لکھی ہیں

خاتمہ الطبع

اس کتاب کے لکھنے والے نے کتب خانہ کے بارے میں کچھ باتیں لکھی ہیں
انہی میں سے ایک ہے جس میں کتب خانہ کے بارے میں کچھ باتیں لکھی ہیں
تعمیر کے علم دہی کے بارے میں کچھ باتیں لکھی ہیں



الطبع
صیغہ



منه	سطح	قلم	مجموع	منه	سطح	قلم	مجموع
۴	۹	تقصیر	تقصیر	۳	۹	تقصیر	تقصیر
۵	۱۵	تقصیر	تقصیر	۴	۳	تقصیر	تقصیر
۶	۲	خوددار	خوددار	۵	۴	خوددار	خوددار
۷	۱۲	کلمه‌باز	کلمه‌باز	۶	۱۵	کلمه‌باز	کلمه‌باز
۸	۱۳	آهستان	آهستان	۷	۱۹	آهستان	آهستان
صفت‌های جدید و پیش‌بینی‌های کلیت اصل کتابچه احادیث ضعیف و بی‌اعتبار							
۲	۳	تقصیر	تقصیر	۴	۴	تقصیر	تقصیر
۵	۸	تقصیر	تقصیر	۷	۷	تقصیر	تقصیر
۶	۹	تقصیر	تقصیر	۸	۸	تقصیر	تقصیر
۷	۴	تقصیر	تقصیر	۹	۷	تقصیر	تقصیر
۸	۵	تقصیر	تقصیر	۱۰	۷	تقصیر	تقصیر
۹	۱۲	تقصیر	تقصیر	۱۱	۱۰	تقصیر	تقصیر
۱۰	۱۵	تقصیر	تقصیر	۱۲	۱۱	تقصیر	تقصیر
۱۱	۲۲	تقصیر	تقصیر	۱۳	۱۲	تقصیر	تقصیر
۱۲	۱۵	تقصیر	تقصیر	۱۴	۱۳	تقصیر	تقصیر
۱۳	۱۹	تقصیر	تقصیر	۱۵	۱۴	تقصیر	تقصیر
۱۴	۲۱	تقصیر	تقصیر	۱۶	۱۵	تقصیر	تقصیر
۱۵	۲۲	تقصیر	تقصیر	۱۷	۱۶	تقصیر	تقصیر
۱۶	۲۳	تقصیر	تقصیر	۱۸	۱۷	تقصیر	تقصیر
۱۷	۲۴	تقصیر	تقصیر	۱۹	۱۸	تقصیر	تقصیر
۱۸	۲۵	تقصیر	تقصیر	۲۰	۱۹	تقصیر	تقصیر
۱۹	۲۶	تقصیر	تقصیر	۲۱	۲۰	تقصیر	تقصیر
۲۰	۲۷	تقصیر	تقصیر	۲۲	۲۱	تقصیر	تقصیر
۲۱	۲۸	تقصیر	تقصیر	۲۳	۲۲	تقصیر	تقصیر
۲۲	۲۹	تقصیر	تقصیر	۲۴	۲۳	تقصیر	تقصیر
۲۳	۳۰	تقصیر	تقصیر	۲۵	۲۴	تقصیر	تقصیر
۲۴	۳۱	تقصیر	تقصیر	۲۶	۲۵	تقصیر	تقصیر
۲۵	۳۲	تقصیر	تقصیر	۲۷	۲۶	تقصیر	تقصیر
۲۶	۳۳	تقصیر	تقصیر	۲۸	۲۷	تقصیر	تقصیر
۲۷	۳۴	تقصیر	تقصیر	۲۹	۲۸	تقصیر	تقصیر
۲۸	۳۵	تقصیر	تقصیر	۳۰	۲۹	تقصیر	تقصیر
۲۹	۳۶	تقصیر	تقصیر	۳۱	۳۰	تقصیر	تقصیر
۳۰	۳۷	تقصیر	تقصیر	۳۲	۳۱	تقصیر	تقصیر
۳۱	۳۸	تقصیر	تقصیر	۳۳	۳۲	تقصیر	تقصیر
۳۲	۳۹	تقصیر	تقصیر	۳۴	۳۳	تقصیر	تقصیر
۳۳	۴۰	تقصیر	تقصیر	۳۵	۳۴	تقصیر	تقصیر
۳۴	۴۱	تقصیر	تقصیر	۳۶	۳۵	تقصیر	تقصیر
۳۵	۴۲	تقصیر	تقصیر	۳۷	۳۶	تقصیر	تقصیر
۳۶	۴۳	تقصیر	تقصیر	۳۸	۳۷	تقصیر	تقصیر
۳۷	۴۴	تقصیر	تقصیر	۳۹	۳۸	تقصیر	تقصیر
۳۸	۴۵	تقصیر	تقصیر	۴۰	۳۹	تقصیر	تقصیر
۳۹	۴۶	تقصیر	تقصیر	۴۱	۴۰	تقصیر	تقصیر
۴۰	۴۷	تقصیر	تقصیر	۴۲	۴۱	تقصیر	تقصیر
۴۱	۴۸	تقصیر	تقصیر	۴۳	۴۲	تقصیر	تقصیر
۴۲	۴۹	تقصیر	تقصیر	۴۴	۴۳	تقصیر	تقصیر
۴۳	۵۰	تقصیر	تقصیر	۴۵	۴۴	تقصیر	تقصیر
۴۴	۵۱	تقصیر	تقصیر	۴۶	۴۵	تقصیر	تقصیر
۴۵	۵۲	تقصیر	تقصیر	۴۷	۴۶	تقصیر	تقصیر
۴۶	۵۳	تقصیر	تقصیر	۴۸	۴۷	تقصیر	تقصیر
۴۷	۵۴	تقصیر	تقصیر	۴۹	۴۸	تقصیر	تقصیر
۴۸	۵۵	تقصیر	تقصیر	۵۰	۴۹	تقصیر	تقصیر
۴۹	۵۶	تقصیر	تقصیر	۵۱	۵۰	تقصیر	تقصیر
۵۰	۵۷	تقصیر	تقصیر	۵۲	۵۱	تقصیر	تقصیر
۵۱	۵۸	تقصیر	تقصیر	۵۳	۵۲	تقصیر	تقصیر
۵۲	۵۹	تقصیر	تقصیر	۵۴	۵۳	تقصیر	تقصیر
۵۳	۶۰	تقصیر	تقصیر	۵۵	۵۴	تقصیر	تقصیر
۵۴	۶۱	تقصیر	تقصیر	۵۶	۵۵	تقصیر	تقصیر
۵۵	۶۲	تقصیر	تقصیر	۵۷	۵۶	تقصیر	تقصیر
۵۶	۶۳	تقصیر	تقصیر	۵۸	۵۷	تقصیر	تقصیر
۵۷	۶۴	تقصیر	تقصیر	۵۹	۵۸	تقصیر	تقصیر
۵۸	۶۵	تقصیر	تقصیر	۶۰	۵۹	تقصیر	تقصیر
۵۹	۶۶	تقصیر	تقصیر	۶۱	۶۰	تقصیر	تقصیر
۶۰	۶۷	تقصیر	تقصیر	۶۲	۶۱	تقصیر	تقصیر
۶۱	۶۸	تقصیر	تقصیر	۶۳	۶۲	تقصیر	تقصیر
۶۲	۶۹	تقصیر	تقصیر	۶۴	۶۳	تقصیر	تقصیر
۶۳	۷۰	تقصیر	تقصیر	۶۵	۶۴	تقصیر	تقصیر
۶۴	۷۱	تقصیر	تقصیر	۶۶	۶۵	تقصیر	تقصیر
۶۵	۷۲	تقصیر	تقصیر	۶۷	۶۶	تقصیر	تقصیر
۶۶	۷۳	تقصیر	تقصیر	۶۸	۶۷	تقصیر	تقصیر
۶۷	۷۴	تقصیر	تقصیر	۶۹	۶۸	تقصیر	تقصیر
۶۸	۷۵	تقصیر	تقصیر	۷۰	۶۹	تقصیر	تقصیر
۶۹	۷۶	تقصیر	تقصیر	۷۱	۷۰	تقصیر	تقصیر
۷۰	۷۷	تقصیر	تقصیر	۷۲	۷۱	تقصیر	تقصیر
۷۱	۷۸	تقصیر	تقصیر	۷۳	۷۲	تقصیر	تقصیر
۷۲	۷۹	تقصیر	تقصیر	۷۴	۷۳	تقصیر	تقصیر
۷۳	۸۰	تقصیر	تقصیر	۷۵	۷۴	تقصیر	تقصیر
۷۴	۸۱	تقصیر	تقصیر	۷۶	۷۵	تقصیر	تقصیر
۷۵	۸۲	تقصیر	تقصیر	۷۷	۷۶	تقصیر	تقصیر
۷۶	۸۳	تقصیر	تقصیر	۷۸	۷۷	تقصیر	تقصیر
۷۷	۸۴	تقصیر	تقصیر	۷۹	۷۸	تقصیر	تقصیر
۷۸	۸۵	تقصیر	تقصیر	۸۰	۷۹	تقصیر	تقصیر
۷۹	۸۶	تقصیر	تقصیر	۸۱	۸۰	تقصیر	تقصیر
۸۰	۸۷	تقصیر	تقصیر	۸۲	۸۱	تقصیر	تقصیر
۸۱	۸۸	تقصیر	تقصیر	۸۳	۸۲	تقصیر	تقصیر
۸۲	۸۹	تقصیر	تقصیر	۸۴	۸۳	تقصیر	تقصیر
۸۳	۹۰	تقصیر	تقصیر	۸۵	۸۴	تقصیر	تقصیر
۸۴	۹۱	تقصیر	تقصیر	۸۶	۸۵	تقصیر	تقصیر
۸۵	۹۲	تقصیر	تقصیر	۸۷	۸۶	تقصیر	تقصیر
۸۶	۹۳	تقصیر	تقصیر	۸۸	۸۷	تقصیر	تقصیر
۸۷	۹۴	تقصیر	تقصیر	۸۹	۸۸	تقصیر	تقصیر
۸۸	۹۵	تقصیر	تقصیر	۹۰	۸۹	تقصیر	تقصیر
۸۹	۹۶	تقصیر	تقصیر	۹۱	۹۰	تقصیر	تقصیر
۹۰	۹۷	تقصیر	تقصیر	۹۲	۹۱	تقصیر	تقصیر
۹۱	۹۸	تقصیر	تقصیر	۹۳	۹۲	تقصیر	تقصیر
۹۲	۹۹	تقصیر	تقصیر	۹۴	۹۳	تقصیر	تقصیر
۹۳	۱۰۰	تقصیر	تقصیر	۹۵	۹۴	تقصیر	تقصیر

Selections from
the
Proceedings of the Annual Liter-
ary Society for the 3^d quarter of
the year 1866.

Printed under the management of
 Khanna Syed Fakhruddeen F.D.
 Secy Secretary to the Society and
 Editor of the Mahabud Judges Court
 at Allahabad Literary Society and at
 Patna Dy. Inspector of Schools

Presented at Worcester, Mass. Perseus Club.

221

7575

عشق کی سوغاتیں

نظم نثر میں

مٹنے کے نہیں نوچے ہو تاہوں اور دہار و شگفتگی سے بہتر ہوتا ہوں۔ میں ایک
مشر سادن میرے لیے ہے اور کچھ نہیں، اور وہ بھی غم و مصیبت کی حکایت سلجھ کے ہے۔

ایک اسلوم اٹھ ہے جو آنکھوں کے سامنے گامی امنیات کے پرے کھول دیتا ہے۔ بجلی
ہوئی محبت آواز ہو جاتی ہے۔ پھر بھولے ہوئے زخم کنڈ خون دینے لگتے ہیں۔ اسے وہ عالم
جو آنکھوں سے غائب ہوا۔ یعنی وہ عالم جو کبھی میرا تھا۔

کیا ہم کبھی درد و آلام سے آزاد ہوتے ہیں۔ کیا وہ فضا ہم کبھی افکار و ہوم سے نجات پاتے ہیں
اور کیا وہ اصل ہم کبھی سکھ اور آرام پاتے ہیں؟ نہیں۔ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں خدا پر چھوڑ دے اپنے کو۔
کون تقدیر سے کشتی لڑ سکتا ہے۔ اس میں اپنے کو خدا پر چھوڑ دے۔ یہی تمام نئی ذریعہ انسان کی
قسمت میں ہے کہ اُسے تقدیر پر صابر و شاکر ہونا پڑتا ہے۔

تقدیر کا ہنر کس طرح گھومتا ہے۔ کس طرح اُسکے نام و پود بنتے اور ایسٹھٹے ہیں۔ ہاں بتاؤ
کہاں ہے آزاد دی غم۔ یہ غم سرت فلسفیوں کا ایک تجربہ ہے۔ بتاؤ کہاں ہے انسان کی نرم
والی طاقت۔

عشق کے لیے کونسا فتنہ قیمتی ہے۔ کون سی قربانی اسکے لیے عزیز و گرامی ہے۔ آہ۔ یہ اپنی
دلچسپی اور پر کام ذہن ہوتا ہے۔ یہ آہنی دیواروں کو توڑ دیتا ہے۔ یہ دنیا بھر کے کہنے کو ہاتا ہے
یہ معن انسانی میں شعلہ آفرینی کرتا ہے۔ اسے عشق تیری قربان کیا کہیں کسی کی شکست پہنچے

تائیاں اور کسی کیسی، باواں کبریٰ پڑی ہیں۔ ساتھ ہی کیا استعمال، کیا شجاعت، کیا شہادت، اور کیا ہاں بازی کے کارنامے ہیں چشمِ سر ہیں۔

اگر خدا ہے تو میں اُس سے صفت ایک صفتِ سرور و طاعت کی پراسی غرضتہ کے اگمنا ہوں۔ میں صفت ایک لمحہ غرضی کا اُس سے چاہتا ہوں۔ اس ہی میری تنہا ہے۔

جوانی کی صبح خنداں صفت ایک بار آتی ہے۔ موت کو بھی ایک ہی بار آتا ہے۔ ملا جلا دن آنانی شاموں اور زرخ کا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ اسی منہ دارم الوقت شب میں ہے۔ اور شوق کا انتظار یہی ہے۔ اے جس کے انسانی حیات کی یہی کائنات ہے۔

میاں زندہ رہنے کا کچھ طور نہیں ہے۔ کسی چیز سے محبت نہیں کرنا ہے۔ کوئی کام ایسا نہیں ہے جس کے لیے دوسری، زحمت اور رقاب پسندی ہو۔ سب دھوکا اور سراب ہے۔ پسینی مشاغل اما خاک ہیں۔ حد سے ذرا المناک تاشاے بے اصل ہے۔

تمام بنی نوع انسان ایک ہی قسم کا فناؤ زندگی رکھتا ہے۔ ایک ہی طرح کی امید و بیم، تنہا و اس، اور موت کا بھی ایک ہی قسم کا قدر ہے۔

جب میں دہریوں تو مجھے یاد کرتا۔ آہ یہ طاقت آمیز خیال ہے یہ طفلانہ ہے۔ کچھ فٹنڈی آپس ہو گئی، کچھ آنسوؤں کے قطرے ہو گئے۔ شاید یہی وہ چیزیں ہیں جن کی ہم توقع کر سکتے ہیں۔ اسکے اسوا جو کچھ ہے وہ ایک سراب و تاریکی ہے۔

صلاح الدین خدائیش اہم لے بی سہا ایل پر ستر
کچھ دنگل و گنگل و پو

انشاء علیہ السلام

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک مکتوب گریٹ

از مولانا میر شاہ محمد غفر غلام صاحب، سجادہ نشین خاندانہ بجا گھوڑا

اوراق پارینہ کی جستجو و تلاش کا یوں تو پہلے ہی سے شوق تھا لیکن اب ان کرم خواہہ اوراق کی قدر و منزلت اور بڑی بڑھ گئی ہے۔ خاندانی اور پرانے گھروں میں اب تک سیکڑوں ایسی چیزیں موجود ہیں جو اگر منہ نہ ہو پڑا یا جائے تو یقیناً صاحب متقی و متقیق کے لئے اضافہ سعولیات، نیز نے ابواب پر بحث تمیص کے دروازے کھل جائیں، اور ایسی بہت سی یادگارین جو ہمارے بزرگوں کے لئے سراپائے فخر و فخر و فخر تھیں، اور تھیں نہ ہونے سے اسلام کی تاریخی حالات تاریخی میں پڑی ہوئے ہیں، انشا اللہ شانت و انوار و نور کے لئے باعث تعریف و تشکر ہے، لیکن اس خیال کے لوگ ہیں ہی تو مسدود و چند اور اگر کسی نظری آگئے تو وہ ان نادر مجموعوں کی اشاعت تو مسدود چیز ہے، کسی کو دکھانا گ پر نہ نہیں فرماتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نادر کتابیں اور خطوط الماریوں اور صندوقوں میں پڑے پڑے کرم خور ہو کر دیباچہ کی تہہ ہو جاتے ہیں،

یوں تو ہمارے ہاں کے نادرات بھی تلف ہو گئے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں ہوش سنبھالتے ہی ان قابل قدر یادگاروں کو سینے سے لگانے لگا، کلی کتابیں اور پرانے خطوط و جملان بھی پابان خط تمام ہر کچھ چھوڑنا، رفتہ رفتہ منتشر اوراق ایک جگہ جمع ہونے لگے، اور انکار ان قدیم کتابوں اور خطوط کا کافی ذخیرہ برپا ہو گیا، چنانچہ ان ذخائر میں ایک تاریخی خط بھی مل گیا جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا لکھا ہوا ہے،

یوں تو رسالہ شکاری ذات ہی اس قابل ہو کہ جو کچھ بھی آپ کی تحفیت و تہلیل کا چاہے ہم کو کون کچھ باعث صفا نش ہے چہ جائیکہ ایسے موضوع پر کہ جس کے عمل کی وجہ سے مویا کے کام کا گردہ ہت ہلاست ہوتا ہے آپ جیسے عقیدہ میں و متبحر فاضل حضرت کا کہی ہوا خطا جہین وہ اپنے عمل اور محلات کو ظاہر کرتے ہیں کیونکہ قابل قدر و لائق عمل ہو۔

اس لیے میں اب آپ اثر و نفوذ کی دیکھی کے لیے اس فیض انہ کو درج ذیل کرتا ہوں :-
 نقل خط حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدرہ ہام احمد یار خان صاحب ساکن کننگھٹا
 "آزیز علی عزیز صاحب سلام سنون کشون غیرہ کا غیر یاد کہ غایت نامہ سامی بارہ مجیدہ مقدسہ قریشی قرانی
 وغیرہ و مولودہ، انہ صہین باب محمول غیر است می نوید ازہین جاقیاس باید کرد تمام سال
 دومیں دہناذ غیر مستعد شود، کیے مجلس ذکر و فات ثریں، دوم مجلس ذکر شہادت حسین علیہ السلام
 و مردم روز عاشورا یا کہ روزہ روز پیش ازین قریب چار صد ہا نقد کس بلکہ گاہے قریب ہزار کس
 فرا می آید و در روز و میخواند بعد از ان کہ غیر می بر آید وی تشہید ذکر فضائل حسین علیہ السلام کہ در شہ
 شریف وارد شدہ و در میان می آید و انچہ در حدیث اخبار شہادت این بزرگان و بعد اآلی قاتلان
 ایشان و در وقتہ نزدیکہ می شود و باین تقریب بعضے شہداء کہ بر جناب ایشان گذشتہ اندر سے معلو
 مستر بیان کردہ می شود و ہم دین سخن سرشہدائیکہ از مردم غیر یعنی جن دہری حضرت ام سلمہ و دیگر
 صحابہ تشہید نہیز نگور می شود، بعد از ان ختم قرآن و پنج آیت خواندہ بر ما حضرت فاطمہ و ہدیہ می آید
 و دین وقت اگر شے خوش امان سلام میخواند یا مرثیہ مشروح شروع میکند، اتفاق تشہیدین
 می شود، و قہر است کہ دین اکثر خدا مجلس را و این غیر نام رفت و بجا لاتی می شود پس
 اگر این چیز را نزد فقیر زمین و شیعہ با نونی بود اقدم بران اسلامی کرد و انچہ امور دیگر را شروع
 است تا حاجت بیان نہ کرد و امام شافعی می فرماید لو کان لخصاصت ال محمد فلیشہد

الشفلان انی راغضی زیادہ بجز توفیق حیات چہ بر بخارو

۱۱۸۹
ہر
علاء العزیز الاولیٰ الرحیم

نواب احمد یار خان صاحب کون بزرگہ میں اس کا بچے پڑھا اور اس کی تحقیق کی چندان ضرورت نہ
مقصود تو ایک مقدس ہستی کے خط اور مل سے ہے، جو اس مکتوبِ گرامی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے ان
جلسِ عزاء اور مجلسِ وفات ارسالِ قائم ہوتی تھی، عینِ محدث علیہ الرحمۃ خود جنسِ نفیس بیان فرماتے تھے، نیز
سلام اور مرتبہ مشرور و عجیب سننے تھے،

مناظر احسن گیلانی کوچہ عشق رسولؐ میں

پیارے محمدؐ جگ کے سبب تم پر واروں تن من دھن
تیری صورتیا من موہن کھینچو کرا ہو تو درشن
نہیں کرا دیجیے

جیسا کہنے سے دلوا تر سے
کرا کے پورا کیا بر سے
دل کا ہے کہ

تیری دوا ریا کیسے بھوڑوں تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تیری گل کی دھول بڑوں ترے نگر میں دم بھی توڑوں

جی کا اب ارمان ہی ہے

انھوں پھر اب دھیان یہی ہے

مسئلہ علیک نبیا ترے دوا دے آیا دکھیا

بھنپا اکی بکڑو رہا اپنے حسین و حسن کا صدقا
بازو ہی کا بولنے دھوا گھیریں تاؤ کو اس کے
روحِ عظیم

اب نہیں ہم ہیں اپنے بس کے

سیس پہ اہکے پادری دھر ہو چیت کی اگیاس میں بھر ہو
 سر ^{۱۱} سر ^{۱۲}
 بھدر ہوا پہ تنی کر با کس ہو سپنو میں ایس کر گھر ہو
 حدت زیادہ ترس و ہمت دنا مرزاں بیجے خواب میں ہی ایسا کر گھر ہو
 راجا عمری دیوڑھی بڑی ہے
 رحمت قرے نام بڑی ہے

اندھرا کے تم رہیا بتا ہو ہر دے کا اہکے جوت جگا ہو
 نہ برا نہ ہے کو ^{۱۱} نہ ہی ^{۱۲}
 ڈکری پہ اپنے اہکو چلا ہو جو دھاکے تم تہی بنا ہو
 راستہ ^{۱۳} بلو قوت کو آب مان نہ بنا دیجے
 کھینچو اہکو پاپ ترکہ سے
 دھو دیو کا لیکھ منہ کا اہکے
 پابی

قرے پیا کی اونچی اڑیا ہمری نے ہی واں پہ گجریا
 بتلا بتلا رہی نجسریا پکھلی ہے اک تری دوار یا
 بک بک کر رہی ^{۱۱} دیکھ ہوئی ہے ^{۱۲}
 ان کھر چوا قرے سے چلی ہے
 ان کا پتہ تم سے چلے چکا
 کھو جا بھی ان کا قرے سے ملی ہے
 مراغ ان کا آپ ہی سسے لے چکا
 پی کی قیا تم ہی لے ہو ان کھر بتیا تم ہی سنی ہو
 محبوب کا خدا آپ ہی روا ہے ان تک پاتیں آپ ہی لے سناں
 ہمنی کے منہ یا سے تم جکے ہو مرل تھک ہی تم ہی بھلے ہو
 ہم دوگوں کر بندے آپ ہی نے یگا
 مرے ہوئے تھے تم ہمارے جسو !

ذہری بے قول تیری دیا ہے
 مومن کہنے سے ۱۰ تجلیاں سواۓ
 کتنی بھی ہوا سی ہی تیری دوا سے
 جہت بھی ہوگی آپ ہی کی دعا سے

تیری دوا یا کیسے چھوڑوں تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
 تیری مگی کی وصول جوڑوں تم سے مگر میں دم بھی توڑوں
 جی کا اب ارمان یہی ہے
 انھوں پہ راب دھیان یہی ہے

—X—

سفر نامہ حج سے ماخوذ

مرآت الکاملین

— (یا) —
آئینہ کاپی

تقدیم

الطاف حسین خاں شوانی
فہر



مقدمہ

بڑے سائز کے ایک سو پچتر صفحات پر مشتمل یہ مخطوطہ ساڑھے دس اپنچ لائنی اور چھ اپنچ چوڑی تحریر میں لکھا گیا ہے۔ سرورق پر ساوہ سی گلکاری ہے۔ ہر صفحہ میں سترہ سطریں ہیں۔ طرز کتابت قدیم ہے۔ کاغذ سفید دیرینہ پڑنا ہونے کی وجہ سے زرد پڑ گیا ہے۔ مصنف — خواجہ عنایت اللہ ساکن کالپی نے ۱۲۰۵ھ ۱۸۸۷ء میں تصنیف کیا۔ نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے دوسرے نسخہ کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔

مصنف رقمطراز ہے :

”یہ خاکپائے عباد اللہ خواجہ عنایت اللہ بن شمس علی کہ بزرگوار اس ننگ خانہ دان کے بخطاب خواجگان معروف ہیں۔ حسب طلب نواب زین العابدین کے عظیم آباد عرفیہ شہ سے دارفضیلت کوئٹہ جہان آباد میں آئے اور اس حقیر نے بمقتضائے آب و خورشید سکونت کالپی اختیار کی۔۔۔ آج کل ۱۳۰۵ھ میں مختصر حالات۔۔۔ معجز کربوں سے انتخاب کر کے تحریر کیا اور نام اس کا ”مرآت الکاملین“ رکھا۔۔۔

اس کتاب میں ایک پسند اور چار باب ہیں۔ باب اول بیان میں حالات کے کہ کہتہائے معجزین سے و نسب سادات نبی فاطمہ و سادات طلویہ کے درجہ ہونے۔ باب دوم بیان میں کاملین کالپی کے حالات و بعض تعارف سماوی کے تحریر ہونے۔ باب سوم بیان میں دیگر کاملین کے کہ حالات کہتہائے سابقہ سے منتخب کر کے لکھے گئے۔ باب چہارم بیان میں چار پیروچہ خاندانے مع حالات دیگر نقل بزرگان وغیرہ اہل پسند میں مولف کی طرف سے ایک نصیحت ہے۔“

۱۔ ”مرآت الکاملین“ (مخطوطہ) ص ۵-۶

باب دوم میں کالپی کے بزرگان دین کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے جزایات آج بھی پُر رونق حالت

میں موجود ہیں جن میں سے چند کے نام ملاحظہ ہوں :

- | | |
|------------------------------------|--------------------------------------|
| ۱۔ حضرت میر سید محمد ترمذی قدس سرہ | ۹۔ حضرت سید نجم الدین احمد قدس سرہ |
| ۲۔ حضرت میر سید احمد قدس سرہ | ۱۰۔ حضرت احمد سعید قدس سرہ |
| ۳۔ حضرت سید شاہ فضل اللہ قدس سرہ | ۱۱۔ حضرت سید حسن علی قدس سرہ |
| ۴۔ حضرت سید سلطان مقصود قدس سرہ | ۱۲۔ حضرت شاہ خیرات علی قدس سرہ |
| ۵۔ حضرت سید سلطان ابو سعید قدس سرہ | ۱۳۔ حضرت سید نور احمد قدس سرہ |
| ۶۔ حضرت سید محمد یوسف قدس سرہ | ۱۴۔ حضرت سید شاہ طلحہ محمد قدس سرہ |
| ۷۔ حضرت سید محمد اشرف قدس سرہ | ۱۵۔ حضرت شاہ احمد علی قدس سرہ |
| ۸۔ حضرت سید محمد آصف قدس سرہ | ۱۶۔ حضرت حاجی سید سلطان احمد قدس سرہ |

اس باب میں ذکر اساتے بزرگان سلسلہ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور دہلویہ (جن کا

تعلق کالپی سے رہا ہے) کیا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں :

- | | |
|---|--|
| ۱۔ حضرت شیخ سراج الدین سالار سوختہ مہری قلندر | ۱۲۔ حضرت ملک درآج قدس سرہ |
| ۲۔ حضرت شیخ احمد ناگوری قدس سرہ | ۱۳۔ حضرت شیخ عبدالغفور قدس سرہ |
| ۳۔ حضرت شیخ قاسم چشتی شاہ ولایت قدس سرہ | ۱۴۔ حضرت میر خیر قدس سرہ |
| ۴۔ حضرت بہاؤ الدین گنج رواں قدس سرہ | ۱۵۔ حضرت سید عیسیٰ قدس سرہ |
| ۵۔ حضرت سید طہاء الدین قریشی گوالیری قدس سرہ | ۱۶۔ حضرت بہادر خاں شہید قدس سرہ |
| ۶۔ حضرت شیخ ابوالفتح قریشی قدس سرہ | ۱۷۔ حضرت دیوان اولیاء قدس سرہ |
| ۷۔ حضرت مولانا احمد تھانیسری قدس سرہ | ۱۸۔ حضرت سید احمد علی شاہ شہید قدس سرہ |
| ۸۔ حضرت مولانا خواجہ گل قدس سرہ | ۱۹۔ حضرت پیر محمد گلا قدس سرہ |
| ۹۔ حضرت مولانا شاہ ابراہیم کلمی قدس سرہ | ۲۰۔ حضرت قاضی شیخ عظمت اللہ جوہوری قدس سرہ |
| ۱۰۔ حضرت سید شاہ عبدالرباب قدس سرہ | ۲۱۔ حضرت آغا اسماعیل قدس سرہ |
| ۱۱۔ حضرت سید نعیم شاہ حمید قدس سرہ | ۲۲۔ حضرت بہاؤ الدین شاہ قدس سرہ |

تین بھائی تھے جو اللہ والے بھی تھے اور تلوار کے دھن بھی۔ ایک راجہ ایک برہمن لڑکی نے محبت کرنے لگا اور اس سے بے جبر شادی کرنا چاہی۔ یہ کام ان تینوں بھائیوں کے سپرد کیا گیا کہ وہ لڑکی کو راجہ تک پہنچائیں۔ برہمن اٹلہوہ کے قریب کہیں رہتا تھا۔ تینوں بھائی اس کے گھر پہنچے اور برہمن کو بہت بھلا دوران گفتگو وہ لڑکی ان کے سامنے آئی اور انھیں بھائی کہہ کر مخاطب کیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ان تینوں نے اس لڑکی سے کہا کہ تم ہماری بہن ہو اب تم کو کوئی نہیں نہیں لے جاسکتا۔ جب راجہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے اس کام کو انجام دینے کے لیے فوج بھیجی اور جنگ ہوئی۔ ان بھائیوں میں سے دو نے اس جنگ میں اپنی جانیں قربان کر دیں اور تیسرے بھائی زخمی ہو گئے۔ زخمی بھائی اپنے گھر پہنچے اور اپنی بیوی سے اپنی زندگی سہری کمائی لے کر اس برہمن کو بھیجوا دی تاکہ وہ اس سے لڑکی کی شادی کا انتظام کر سکے اور خود رنجوں کی تاب نہ لا کر انتقال فرما گئے۔

آخری حصے میں کالپی کی مفصل تاریخ لکھی ہے۔ کالپی کے صوفیا کرام کا یہ تذکرہ اس لائق ہے کہ اس کی تصحیح کر کے شائع کیا جائے تاکہ بزرگان دین کے تذکروں میں اس تذکرے سے مفید اضافہ ہو سکے۔ جہاں تک کالپی کی تاریخ بیان کی گئی ہے مصنف نے عجیب عجیب واقعات درج کئے ہیں، لیکن بات یوں بھی بیان کی ہے کہ کالپی کا نام کالپ دیو کے نام سے منسوب کیا ہے۔ دوسری بات یہ بتائی ہے کہ تاریخ فرشتہ میں کیشو راج بن ہمارا ج کا تذکرہ ملتا ہے۔ وہ کالپی کا پہلا راجہ تھا۔ جس کا عہد ایران کے فریدوں و منوچہر بادشاہوں کا تھا۔ اسی قسم کی باتیں بیان کر کے قادر شاہ کا تذکرہ شروع کرتا ہے۔ یہ کالپی کا پہلا بادشاہ تھا۔ تیمور کے حملہ کے وقت دہلی کے طہار و صوفیہ براہ جتنا کالپی پہلے آئے تھے۔ قادر شاہ بڑا علم دوست بادشاہ تھا۔ اس نے یہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں اور یہاں ایک بڑا مدرسہ بھی قائم کیا جس میں تعلیم دی جاتی ہے۔ پھر کالپی کے کئی ادوار کا تذکرہ ہے۔ جس میں ہندو راجاؤں کا تذکرہ ملتا ہے۔ فیروز شاہ تغلق کے وقت میں حالات بگڑے تو دکن۔ بنگال حکومت دہلی سے خارج ہو گئے۔ لیکن کالپی حکومت دہلی کے ماتحت رہا۔ اس سلسلہ میں راجاؤں سے جنگ کے واقعات بھی ملتے ہیں اس کے بعد سلطان محمد عرف محمود شاہ لودی کا پورا تسلط ہوا۔ اس نے کالپی میں بہت سی عمارتیں بنوائیں، یہیں وفات پائی اور چوراسی گنبد میں دفن ہوا۔ اکبری عہد میں کالپی دہلی کے ماتحت رہا۔ جب محمد شاہ بادشاہ ہوا تو کالپی محمد خاں بخشش کو دے دی گئی۔ اس نے

- ۲۳۔ حضرت سید محمد علی شاہ قدس سرہ
۲۴۔ حضرت شیخ عبدالغفور زنجانی قدس سرہ

اس مخطوطہ میں جن کتب "معتبرین" سے مصنف نے مدد لی ہے۔ اس میں سے چند ذیل میں درج ہیں :

- | | |
|-------------------|-------------------------------------|
| ۱۔ سفینۃ الاولیاء | ۵۔ ارشاد الطالبین |
| ۲۔ تذکرۃ الاولیاء | ۶۔ تاریخ کاپی مصنفہ خدا بخش |
| ۳۔ نزہت الارواح | ۷۔ مخطوطات شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی |
| ۴۔ ہدایت الطالبین | ۸۔ تحفۃ المدارق مناقب قطب المدار |

مصنف نے تاریخ کاپی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور اس نے دوران گفتگو اشعار بھی درج کئے ہیں مثلاً سید ضیاء اللہ گلگامی کے دو شعر لکھے ہیں :

کاپی مکتبہ گلگامین احمد ومن ادیس قرن

کاپی راکم از مدینہ مدی کہ ظہور محمد است دران

مولانا خواجگی رحم (سال ولادت ۱۰۰۹ھ و سال وفات ۱۰۶۹ھ) خلیفہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی ایک مشہور باغی لکھی ہے :

بائے خدا لے عزیزان من نویسد برگور من این سخن

مگر چو خواجگی از جہاں پاک شد نکو شد ز حکم جہاں پاک شد

ایک موقع پر حضرت شاہ اشرف جہانگیر سستانیؒ کا ایک شعر بھی درج کیا ہے :

ترک دنیا گیر تا سلطان شوی ورنہ ہم چو چرخ سرگرداں شوی

دل پر اثر کرنے والے کچھ واقعات بھی مخطوطہ میں شامل کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مند و مسلمانوں کی محبت کا متاثر کن ثبوت ملتا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ

۱۔ کوہہ دھلی آباد کے حارات کی تحقیق کے سلسلہ میں جب گنگا ایک مزار علیٰ جس میں یہ رباعی لکھی تھی اور اس مزار کو مولانا خواجگی کی مزار بتایا گیا لیکن معلوم نہیں کیوں اس مخطوطہ کے مصنف نے مولانا خواجگی کی مزار متصل مزار بقا سم چترن قلعہ ولایت کاپی دہلی کی ہے۔ نہ کنوآت اشرفیہ (مخطوط) مولانا آزاد بریلوی علی گڑھ میں پوری منزل دہلی کے قلعہ کی طرف کی کوہہ دھلی شرف سے اپنی کتاب حیات سید اشرف جہانگیر سستانیؒ کو کھنڈہ ۱۶۹۵ء میں اسکا بحرچاں سلامت شکار ایک ایک منزل ان کی طرف منسوب کی ہے۔

۷
 احمد خاں کو اپنا نائب بنانے کے دوسرے علاقوں کی طرف مایوس ہوا۔ بعد میں امرتسوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پھر پنڈت خاندان کا لپی پر مسلط ہوا۔ ۱۸۱۸ء میں شجاع الدولہ نے کالپی کو امرتسوں کو واپس کر دیا۔ ۱۸۶۰ء میں کالپی پورے طور پر انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

جہاں تک میرا علم ہے، اور میں نے وہاں خود جا کر دیکھا، یہ عجیب جگہ ہے، حد نظر تک بزرگ و
 دین کے مزارات ہیں۔ یہ دریائے جمنا کے کنارے آباد ہے۔ جمنا کے دوسری طرف کانپور تھا ہے،
 جہاں جگموتی پور ہے۔ تیمور کے دہلی حملہ کے بعد ہزاروں علماء اور صوفیہ بزرگ کشتی جمنا کے راستے
 کانپور آئے تھے اور انھیں یہاں پر سکون ماحول ملا تھا۔ کانپور میں ایک قلعہ بھی ہے جو اچھی حالت
 میں ہے اور اس کے اندر بھی مزارات ہیں۔

●●

۱۰
 ۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰

[illegible]

۱
 ۲
 ۳
 ۴
 ۵
 ۶
 ۷
 ۸
 ۹
 ۱۰
 ۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

و انی ریارانی برضا ما برقبضا برگزیده بارگاه رب احد
 مولانا حاجی سید شاه ظہور محمد قدس سرہ
 آج کل با عل و محدثین بدل اور کمالی اور خلاق الہی پیشا رہیں کہ جیلے تحریر میں ہر جی اور نہ
 حدیث کے ساتھ ہر جی میں مولانا جمال الدین محمد حسن علی کے عامل شہ و ریدہ نوین مولانا
 محمد عابدی کے مسیح کے حامل کے کرداروں میں موجود ہیں اور سرچسپ ہیں جب ادب
 الہی افروختگی دست بیج ہوئی اور جامع الہی فطرت اختیار کی اور ہر ذریعہ سے
 نہایت مستعد ہوئے اور ہر ادب الہی مرتبہ اور ادب شریعت پر الہی تنظیم ہوئی ہے
 کو بالکل ترک کر دیا نقل ہی آپسب کاظم علی برادر زادہ کو علیہم اشغال جاری میں بدلتے
 کہ حامل ہوں غنا کاظم علی شاہ ایلین باغ سرسبزین حامل ہوئی اور ضبط مثل آواز الہی سادہ
 غزالی میں فی الغرہ ذکر فی غازی ہو گیا اور ایلین برنہ پیلانی صلح با ندانین با من رشتہ میں
 کی سید کاظم علی شاہ نقل سرمد میں بیعت ہوئی اور کمال میں ایک سید بیعت الہی ہوئے
 پیدا ہوئے اور اسی کاظم علی شاہ اور حضرت خلیفۃ المسیح صلی اللہ علیہ وسلم کو بیعت ہوئے
 اور سید کاظم علی شاہ کو بیعت ہوئی اور درجہ حضرت علی ہدیٰ کو اب امیر الدین بہادر خاں
 فرزند جنس ترکستان کو بیعت ہوئی اور غرہ قدری ہمارا امید فائز جی بیعت ہوئے اور بیعت ہوئے

[illegible]

پہلے (نام تمام)

5

مشرقا

一

PLC

1000

[illegible]



ابن عبد الغزیز رحمہ اللہ ابو العزیز شیخ المشائخ حضرت شیخ ابو بکر بن ابی العزیز
 شیخ المشائخ حضرت شیخ عبد الجبار بن ابی العزیز شیخ المشائخ حضرت
 شیخ سعدی بن عقیق کہ باؤ داشت ابی العزیز شیخ المشائخ حضرت شیخ مروت کرخی
 ابی العزیز شیخ المشائخ حضرت شیخ ابو سلمان باؤ داشت کہ باؤ داشت ابی العزیز بنام
 موسیٰ بن رضا ابی العزیز حضرت امام موسیٰ کاظم ابی العزیز بنام جعفر صادق ابی العزیز
 حضرت امام باقر ابی العزیز حضرت امام زین العابدین ابی العزیز حضرت امام حسین
 ابی العزیز حضرت علی ام المومنین حضرت علی ام المومنین ابی العزیز حضرت علی ام المومنین حضرت
 مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
 سید سلطان احمد وہ ابو سعید مروت خیر القلی وہ والدہ خود حسین بنی سبی اؤدہ الخود حضرت
 سید احمد سمیع ادرہ والدہ خود حضرت سلطان ابو سمیع ادرہ والدہ خود حضرت
 شہید فضل الہم سے ادرہ والدہ خود حضرت سید احمد سمی ادرہ والدہ خود حضرت
 مبرک سید محمد کا بوجی سی ادرہ شہید المشائخ حضرت شیخ جان بن اؤدہ سی
 ادرہ شہید فیہام الدین سے ادرہ شہید قطب الدین سے ادرہ شہید اؤدہ
 شہید باؤ الدین شہید ادرہ شہید علاؤ الدین سی ادرہ حضرت راجہ مہمان بخاری سے
 ادرہ برادر خود سید جلال الدین بخاری مروت مجاہد میان جان کروسی ادرہ
 شہید کن الدین سی ابو الفتح سے ادرہ والدہ خود شہید صدر الدین سے ادرہ والدہ
 خود شہید باؤ الدین کر کر کر کر سی ادرہ شہید شہاب الدین سہروردی ادرہ نعم
 خود شہید ابو العزیز سہروردی سے ادرہ شہید حبیب الدین ابو حفص عمر سی ادرہ حضرت شیخ

شیخ محمد میری سی اورد شیخ متولد الموری سی اورد شیخ ابو القاسم صید خوانی سی
 اورد شیخ سری بن سقلی سی اورد حضرت شیخ محمد کمری سی اورد حضرت داود کاشی
 اورد شیخ حسن لهری سی اورد امام المسلمین امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب اورد
 اورد حضرت رسول مقبول صلی الله علیه و آله وسلم سی شکوه خاندان علی ارم
 حضرت سید سلطان احمد و والد خود حضرت سید ابوسعید خدری سی و پدر خود حضرت
 سید حسین علی بی و پدر خود حضرت سید احمد سعیدی و پدر خود حضرت سید ابوسعید سی و پدر خود
 شایه فضل الهم سی اورد والد خود حضرت سید احمد سی اورد والد خود حضرت سید محمد باقر سی اورد
 حضرت شیخ جمال الدین کوروسی اورد شیخ قیام الدین سی اورد شیخ قطب الدین سی اورد حضرت
 سید جمال بن عبدالقادر سی اورد حضرت سید محمد باریک بن محمد سی اورد حضرت سید افضل
 بن احمد سی اورد حضرت شیخ المشائخ شاه بدیع الدین سی که لقب شایه دار سی اورد
 حضرت شیخ عبداللہ شامی سی اورد شیخ عبدالاول سی اورد حضرت شیخ ابن الدین سی
 اورد حضرت علی سی اورد حضرت خاتم النبیین سی - شکوه خاندان القشیری
 ابی سید زید بیل کزاد صاحب و نمک کو سار بنوب پادشاه دین مال و کسند تاجدار و نیک
 خلقت الافلاک باعث ایجاد عالم مبداء ارواح محو اولوم مرجع ارباب ایمان رسول السلام
 چنان شفیق المذنبین ختم المرسلین احمد حنی محمد صلی الله علیه و سلم ابی برادر ایمان
 مومن صدق و صفا موعود و فیما و رفت اسرار نبوی عالم مودات معطوف الغنی و المحب
 و کما الشوق و المروء الامام الاول حضرت صدیق اکبر رضی الله عنه ابی برادر ایمان
 و طاهر حق البسیل النعم المجتهد التواضع و صل الله افضل المرسلین و الافاضل حضرت سلیمان

باب دوم بیان کامیابین کاپی کا کہ حالات اور کمی موجو بعض لغزات سماعی کی تحریر صحیحہ کو کہ شیخ سراج الدین سیالکوٹی مہری

۴

ایک خط قرآن اور طریح صاحب خوارق تہی محبت خدمت جانان یکے فاضل کی تہی اور ہر سہولت
جی کی اور بہت سی تراشیں اور خلائق و فروع میں آئی ہر جید اخفا او سکھا بہت طاعتی تہی مگر کفر
ظاہر ہو جانے تہی ناجائز نقل ہی کہ ایک کبار اپنی مرضی کے ساتھ کو مکتبہ اعلیٰ خانقاہ میں لکھوا سکے
فضا آج بھی وہ مکتبہ کبار کے پتہ لگا ہی نہی منہج میں ترکا زندہ لایا تاہا جان مرید اب مردہ تہی خان
ہر ان اپنی ارسکی باس پر بجز تیز لگا ہر کسی دیکھا او سیوقت او سلی بدین جان اگلی اور
ماترا جو کہ روٹھ گیا اور کھل کر مرغا نا آج اپنی اوسکس فرمایا کہ حیدر زبیر خاں کے پر لار ہو
بد تیرا اگر کا مرید تھا مکتبہ میں لایا او سو وقت ایک مرید موجود تھا او سکو ہی آج بھی مکتبہ کیا
کہ بد حال سیکو معلوم نہ او کہ کسے کسے نہنا چند روزہ جیانی نہا کیسے وہ ایک شخص کے بد جو
مفصل حال او سکر ہو گیا ظاہر کردیا شیخ کو بد خبر ہو جی حیدر زبیر خاں نے ہر لار لایا تا کہ وقت
تمام او سلی بہرین مرید چدام کا پیدا ہو گیا کہ سیکو طاقت تہی کہ شیخ سے او سلی خطا عاف کر دی
اگر کو اس شخص نے اپنا حال خدی میں بلور کر کے جانے خوارق کو سنبھایا اور کہا کہ حضرت
شیخ ہر حاج خوش دیکھو کھلو کا و از ہون نہو لجا ہی کیا اپنی قصور عاف فرمایا اور پتی جہنم
لے کر لے او سکی جان بڑا نہ پیرا خود اچا جو بارہ حضرت نہا کہ فادشاہ برن پور میں باتاواہ
کے پتہ تہی شہید ہو کر لار کا نادرہ درباری میں اور خود رہیبات میں نہایت طاقت مند ہے بد
خبر طلوع نہ نہ خدمت خود کو دلائل جہان جان شہید تہی کہ موجب تحریر طبع و لاج کاپی ملایس
نے کہا ہی کہ کتب مرید و خلیو نصر الدین جو کاپی ہیں نقالی کو شامہ و راج ملین و احمد و اسل جاراہ

نہا

۱
ہی

نہا ہی میں ہے

[illegible]

[illegible]

۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱
 ۴۷۲
 ۴۷۳
 ۴۷۴
 ۴۷۵
 ۴۷۶
 ۴۷۷
 ۴۷۸
 ۴۷۹
 ۴۸۰
 ۴۸۱
 ۴۸۲
 ۴۸۳
 ۴۸۴
 ۴۸۵
 ۴۸۶
 ۴۸۷
 ۴۸۸
 ۴۸۹
 ۴۹۰
 ۴۹۱
 ۴۹۲
 ۴۹۳
 ۴۹۴
 ۴۹۵
 ۴۹۶
 ۴۹۷
 ۴۹۸
 ۴۹۹
 ۵۰۰
 ۵۰۱
 ۵۰۲
 ۵۰۳
 ۵۰۴
 ۵۰۵
 ۵۰۶
 ۵۰۷
 ۵۰۸
 ۵۰۹
 ۵۱۰
 ۵۱۱
 ۵۱۲
 ۵۱۳
 ۵۱۴
 ۵۱۵
 ۵۱۶
 ۵۱۷
 ۵۱۸
 ۵۱۹
 ۵۲۰
 ۵۲۱
 ۵۲۲
 ۵۲۳
 ۵۲۴
 ۵۲۵
 ۵۲۶
 ۵۲۷
 ۵۲۸
 ۵۲۹
 ۵۳۰
 ۵۳۱
 ۵۳۲
 ۵۳۳
 ۵۳۴
 ۵۳۵
 ۵۳۶
 ۵۳۷
 ۵۳۸
 ۵۳۹
 ۵۴۰
 ۵۴۱

کیمونوسپی

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين
والصلاة والسلام على
سيدنا محمد وآله الطيبين الطاهرين

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين
والصلاة والسلام على
سيدنا محمد وآله الطيبين الطاهرين

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين
والصلاة والسلام على
سيدنا محمد وآله الطيبين الطاهرين

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين
والصلاة والسلام على
سيدنا محمد وآله الطيبين الطاهرين

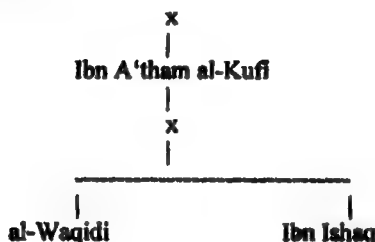
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

true author - the other main source being Ibn Ishaq, from whom the information transmitted (1) through (4), who took material from al-Waqidi and Ibn Ishaq and synthesised it to create the present account. My opinion is that the author is probably Ibn A'tham al-Kufi (2) as the composition of this text is not unlike that of this Kitab al-Futuh in form. Thus the reduced isnad or path of transmission of material, using only the names of critical source and compilers, is as follows:



The impression that this is a work of Ibn A'tham al-Kufi is strengthened by the heading found on folio 41b. which reads "Fragment of a notice about al-Muthanna b. Harita al-Shaybani, which is the first of the conquests after the battle Against the people of the Ridda. It is also in the transmission of Ibn A'tham al-Kufi". In order to be absolutely certain of the identification of this work with that of Ibn A'tham, however, it will be necessary to compare the present text [especially the Saqifa incident and the raids of al-Muthanna, which are I believe treated in the Kitab al-Futuh] with corresponding passages in the Arabic text of Ibn A'tham's Kitab al-Futuh, and by investigating Ibn A'tham's use of the isnad, his authorities, and chains of transmission to check for similarity with the isnad of the present MS.

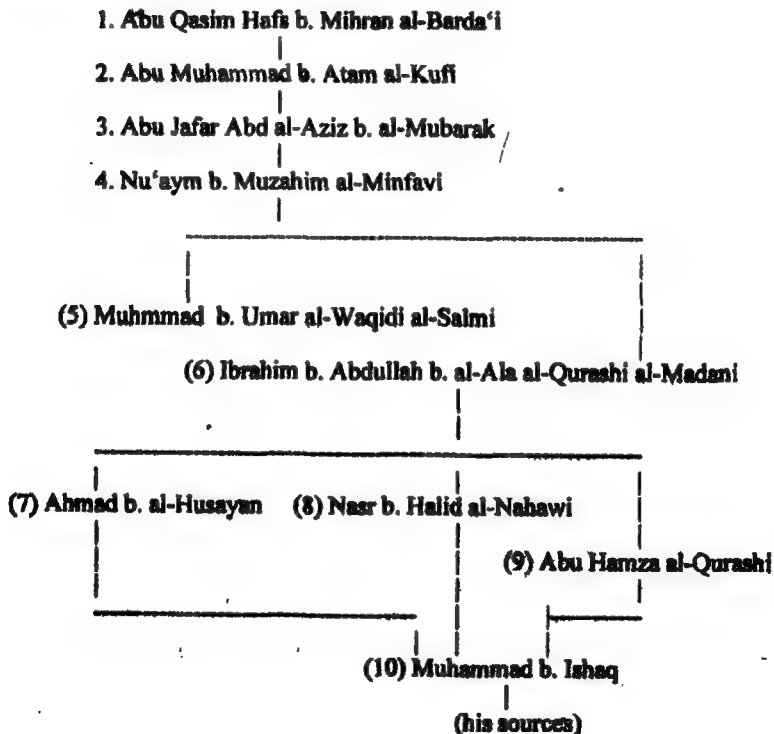
If my judgement is correct, the Kitab al-Ridda manuscript comprises a monograph by Ibn A'tham al-Kufi on the Ridda, which may originally have formed a part of his Kitab al-Futuh. As it seems to rely on very early authorities, viz. al-Waqidi and Ibn Ishaq, whose works on this subject are lost to us, we can expect the MS to be very valuable as a source for the history of the Ridda and for our understanding of early Arabic historiography.

June 17, 1976

Peter

and making little or no attempt to synthesise these short ahbar into a longer, continuous narrative account. In the MS presently under consideration, however, the authorities are cited only once, at the beginning of the works, and the entire text of 44 folios which follows is one continuous account, composed synthetically by the author from the various sources listed in the isnad. It is therefore my opinion that the Kitab al-Ridda is not an authentic work by al-Waqidi, as the compilers of the Bankipore Library Catalogue alleged.

The true identity of the Kitab al-Ridda can, however, be determined by careful investigation of the text. The opening isnad provides the following chain of transmission for the text:



It can thus be vividly seen that al-Waqidi is not the author of the present text, but is one of the two main sources of information used by the

An early source for Arab Histiography

A Note concerning the *Kitab al-Ridda*, Arabic MS No.2290 B
In the collection of
the Khuda Baksh Oriental Public Library, Patna (Bihar Prov.), India.

— By **FRED M. DONNER**
Assistant Professor of History
Yale University
New Haven, Connecticut, U.S.A.

This interesting manuscript describes the events of the Ridda Wars and includes a description of the nomination of Abu Bakr as the Prophet's first successor in the famous episode of the "Saqifa Bani Sa'ida" (fol.2a-6a). It also includes at the end a section describing the first raiding activities of al-Muthanna b. Harita al-Shaybani which properly form a prelude to the Muslim conquest of large [fol.41b-44b].

In volume XV of the Bankipore Oriental Library Catalogue this work is ascribed to Muhammad b. Umar al-Waqidi on the basis of the opening isnad, which is cited in that place. The *Kitab al-Ridda* MS, however, is not constructed in the same manner as other authentic works of al-Waqidi, such as the *Kitab al-Magazi*. In the latter, we find that al-Waqidi assembled a great number of short-accounts, or ahbar giving each one with its own isnad

word is originally plural, now used in the singular sense. Cf. Heb. elohim (Pl. in form) God.

One. Phl. *ac̄vak*, O.P. *aiva*, Sans. *eka*.

Same as (*jūgh*).

یک : (*yak*)
یوغ : (*yūgh*)

**

هفتاد : (haftād)	Seventy. Phl. haftād, O.P. haptāiti, Sans. saptati, Av. haptaiti.
هفت اورنگ : (haft-aurang)	Ursa-major. Av. haptōi-ring.
هفت کشور : (haft-kishwar)	Seven countries. Av. haptō karshvarin.
هفت هندو : (haft-hindū)	Seven seas, the Punjab. Av. hapta-hindu.
هلا حل : (halāhil)	Mortal, deadly, deadly poison, Sans. halāhala, poison.
هم : (ham)	Toghtether, same, equal, with. Phl. ham, O.P. hama, Av. hama. Sans. sama, Gk. homos, same, homoiōs, like.
همایون : (humāyūn)	Blessed, fortunate, august, imperial. Phl. humagūn, humā, phoenix + gūn, colour, indicating likeness or relation.
همه : (hama)	Whole, all. Phl. hamāk, O.P. hama, Av. hama; Sans. sama.
هندسه : (hindisa)	Geometry, engineering. Arabicised form of Pers. (andaze), measure, proportion.
هندو : (hindū)	A Hindu, black, slave. Phl. hindūk, O.P. hindu, Av. hindu, Sans. sindhu, sea, river. Av. hapta-hindu, corresponding to Sans. sap sindhu, the seven seas, i.e. the Punjab.
هندوستان : (hindūstān)	India, northern India. Phl. hindūkstān. See (hindū) and (sitān).
هنر : (hunar)	Skill, art, virtue. Phl. hūnar, Av. hunara.
هوار : (hūr)	Sun. Av. hvare, Sun, Sans. svar, suryya, sun.
هوشیار : (hushyār)	Intelligent, clever, skilful. Phl. hōshayabār. (hosh) from Av. ushi, intelligence and Phl. ayabār from Av. avo-bāra, helper, friend, companion.
هیزم : (hizum)	Fuel. Phl. ēzum, Av. aēśma.
ی : (ye)	For relation corresponds to Sans. ī.
یادگار : (yādgār)	Memorial. Phl. cyādkār.
یار : (yār)	Friend, helper. Phl. ayabār, Av. avobāra.
یادوار : (yāwar)	See (yār).
یزد : (yazd)	Angel. Phl. yazad, angel, god, Av. yazata, angel, god, worthy of adoration, Sans. yajata, a being which deserves worship, adorable one.
یزدان : (yazdān)	God. Phl. yazatān, Pl. of yazad, angel, God, Av. yazatanām, angels, gods. The

نُه : (nuh)

نهم : (nuhum)

نیا : (niyā)

نیاکان : (niyākān)

نیک : (nik)

نیل : (nīl)

نیلوفر، نیلوفر : (nīlūpar/nīlūpal/

نیلوفر، نیلوفر : (nīlūfar/nīlūfal)

نیم : (Nīm)

وند : (wand)

هخامنشی : (hakhāmanishī)

هر : (har)

هرمز : (hurmuz)

هرگز : (hargiz)

هزار : (hazār)

هست : (hast)

هسته : (hasta)

هشت : (hasht)

هشتاد : (hashtād)

هشیار : (hushyār)

هفت : (haft)

Phl. rūbān (Mod. Pers rawān) soul,
Av. urvan. The Arabicised form anūshirwān
is closer to the original.

Nine. Phl. nāho, Av. nava, Sans. nava,
Lat. novem.

Ninth. Phl. nahūm, Av. naoma, Sans. navam.

Ancestor, grnad-father, forefather. Phl. niyāk,
Av. nyāka.

Ancestors, forefathers, Pl. of (niyā). Here
the Phl. plural form (niyāk + an) is retained
like 'bandagan'. Phl. bandak + an, 'K' has
been softened into 'g'.

Good. Phl. nēvak, O.P. naiba, good, Sans. nika.

Indigo, blue. Sans. nīla.

Lily. From Sans. nīlōtpal.

In Phl. there is one letter for both 'L' and
'r' sounds.

Half. Phl. nēmak, Av. naēma.

Like, possessing. Phl. vand, āvand, Av. vānt,
Sans. vanta.

Achaemenian. O.P. hakhāmanishiya, adj.
from hakhāmanish, hellenised into
achaemenes, eponymous, ancestor of the
first historical dynasty of the rulers of Persia.

Each, every. Phl. har, (O.P. haruva,
Av. haurva, Sans. sarva, all.

See (urmuzd)

Ever. Phl. hakarch, hakarj, Av. hakara-chit
even, once.

Thousand. Phl. hazār, (O.P. hazanra,
Av. hazanra.

Is. Av. asti, Lat. esti. Sans. asti.

See (asta).

Eight. Phl. hasht, O.P. & Av. ashta,
Sans. ashta, Lat. octo.

Eighty. Phl. hashtād, (O.P. ashtaiti, Av. ashtaiti,
Sans. ar'iti.

See (hushyār).

Seven. Phl. haft, O.P. hapta, Av. hapta,
Sans. sapta, Lat. septem.

میش :	(mish)	Sheep, ram. Av. maesha, Sans. mesha.
میغ :	(megh)	cloud, Av. maegha, Sans. megha.
مینو :	(mīnū)	Heaven, the invisible world. Phl. mīnōē, the invisible world, Av. mainyu.
میهمان :	(mīhmān)	See (mīhmān).
ناتخدا :	(nākhudā)	Captain of a ship, boatman, combination of (Nāv), boat, ship and (khudā) master. See (Nāv) and (khudā).
ناخن :	(nākhun)	Nail, talon, claw. Sans. nakha.
ناف :	(nāf)	navel, middle. Sans. nābhi.
نامه :	(nama)	Book, letter. Phl. nāmak.
ناو :	(nāv)	Boat, ship. Av. nāvo, Sans. naus, Gk. naus, Lat. navis, Guj. nāv, Beng. nāo Cf. Phl. nāv, dāk navigable, Av. nāwaya, Sans. nāvya.
ناهید :	(nāhīd)	Venus. Av. anāhita.
نابیره :	(nabira)	Grandson. Phl. navīrak, grandson, Av. napat, naptar, Sans. napāt, Lat. nepos, neptis.
نخست :	(nakhust)	First. Phl. nukhust, Av. mazdishta, Sans. nedishta. The O.P. and Av. superlative ending 'ista' (corresponding to Sans. ishṭa) is preserved here.
نخستین :	(nakhstīn)	See (nakhūst).
نر :	(nar)	Male. Phl. nar, Av. nere, nara, Sans. nara.
نزدیک :	(nazdik)	Near, Phl. nazdik, Av. Nazda, Sans. neda.
نگاه :	(nigah)	Look, watch, care. Phl. nikās.
نماز :	(namāz)	Prayer. Phl. namaz, Av. namak, Sans. namas. (bowing).
نو :	(nau)	New. Phl. nōk, Av. nava, Sans. nava.
نواد :	(nawada)	Grand child. Phl. navadak, Av. napat, naptar, Sans. napāt, Lat. nepos, neptis, grandson, nephew.
نوبهار :	(nau-bahār)	(i) A buddhist monastery of Balkh, wrongly supposed to have been a fire temple or idol temple. Sans. nava-vihāra, a new monastery, (ii) New spring. See (nau) and (Bahār).
نود :	(nawad)	Ninety. Phl. navat, O.P. & Av. navaiti, Sans. navati.
نوشیروان :	(nūshirawān)	Nūshīrwān (not nawshīrwān). Phl. anōshak-rubān, of immortal soul. Phl. anōshak, from Av. anaoshō, immortal, Phl. osh from Av. aōsha, death, 'an' privative prefix.

مکش :	(magas)	(agar), if, that not.
منوچهر :	(mīnučih̄r)	Fly. Av. makhshī, Sans. makshi.
موبد :	(mūbad)	Name of a person. Phl. manūsh- <u>chehr</u> , Av. manuśh- <u>chithra</u> .
موبد موبدان :	(mūbad-i-mūbadān)	A Zoroastrian priest. Phl. magōpāt, a wise man, a divine, a priest. O.P. magupati, Av. moghu-paiti.
مور :	(mūr)	See (mūbad) Mobad of the Mobads a high priest. Phl. magō-patān, magōpat.
موز :	(mauz)	Ant. Phl. mūr, Av. mairi.
موزا :	(mūza)	Banana, plantain fruit. Sans. mōchā.
موش :	(mūsh)	Boots, stockings. Phl. mōchak ¹ .
مه :	(meh)	Mouse. Sans. mushika, Lat. & Gk. mus, Ger. maus.
مهر :	(mehr)	Great, large. Phl. mēs, Av. masyah, Sans. mahat.
مهر :	(muhr)	Sun, friendship, Love, affection. Phl. mithro, Av. mithra, Sans. mitra.
مهرجان :	(mihrgān)	Seal. From Sans. Mudrā.
مهرگان :	(mihrgān)	Arabicised form of (mihrgān).
محبای :	(mihmān)	Autumnal festival of ancient Iran, festival of Mithra, the sun-god. Phl. mithrangān, mihr-kān, Kan being a suffix for nisbat (relation).
می :	(mai)	Guest. Phl. mēh-mān, Av. maithman. Cf. vedic maitra, friend.
میان :	(miyān)	Wine. Phl. mādyān, Av. madu, maidya, Sans. madhu, madya.
میردا :	(mirdā)	Middle. Phl. mēyān, Av. maidhyana, Sans. madhya.
میرده :	(mirdah)	Officer of justice, judge. (mīr) for (amīr) (Ar.), chief and (dād), justice.
میرزا :	(mīrzā)	A commander of ten soldiers. (mīr) for (amīr) (Ar.), chief and (dah), ten.
میزبان :	(mizbān)	Prince. contraction of (amīrzāda) lit. Prince-born.
		host, mēz, mīz, table, (bān), keeper.

¹ From this is derived the word *moche* (shoe-maker, cobbler) of Indian vernaculars.

مر : (mar)	mugh, Phl. magō, O.P. magu, Av. moghu. Latinised magus (s) magi (pl). Number. Phl. marak, mar, Av. mere, to remember, to count. Cf. Sans. Smr, to remember.
مرد : (mard)	Man. Phl. mart, O.P. martiya, Av. māretan, mashya, Sans. martya.
مردم : (mardum)	Mankind. Phl. martum, Av. maretan.
مردن : (murdan)	To die. Phl. murdann, Av. mere, to die, Sans. mr. Lat. mori.
مردۀ : (murda)	Deed. Phl. mūrdak, Av. mereta, Sans. mrta.
مرز : (marz)	Borderland, border, edge, march. Phl. marz, Av. marez, borderland. Cf. Eng. march, in the sense of boundary, frontier.
مرزبان : (marzbān)	Frontier-governor, warden of the marches. Phl. marzpan, Av. marza-pāna, guardian of the frontiers, warden of the marches, Av. mareza, borderland and pāna (suffix), protector from the root pā to guard. Cf. Eng. marquis which literally means the ruler of the march.
مَرغ : (murgh)	Bird. Phl. murv, murūk, Av. meregha. Cf. Sans. mrga, originally 'animal', later on restricted to the 'deer'.
مرغزار : (margh-zār)	pasture ground, meadow. (margh), a kind of grass and (zār), place. The Phl. forms of (zār) are ghār and jār.
مرگ : (marg)	Death. Phl. marg, Av. mahrka.
مست : (mast)	Intoxicated. Phl. mast, Av. mastu, Sans. matta.
مُسلمان : (musalmān)	Musalmān, Muslim. A corrupted form of Muslimān, the Persian plural of Ar. Muslim used as singular.
مِشت : (musht)	Fist, handful. Av. mushti, Sans. mushṭi.
مُشک : (mushk)	Musk. From Sans. mushka.
مغ : (mugh)	A Magian. Phl. magō, O.P. magu, Av. moghu.
مغز : (maghz)	Marrow, brain. Phl. mazg, Av. mazga, Sans. majjā.
مگر : (magar)	But, except. Form Aram. mā, not and Pers.

گنج : (ganj)	Store, hoard, treasure. Phl. ganj. Cf. Sans. Kunja.
گنجور : (ganjūr/ ganjwar)	Treasurer. Phl. ganjobar, treasurer.
گندم : (gandum)	Wheat. Sans. gōdhuma.
گناهگار : (gunahgār)	See (gunāhgār).
گواہ : (gawāh)	Witness, evidence. Phl. gukās.
گوزهر : (gauzahar)	The dragon's head and tail, the sphere of the moon. From Phl. gao-chilr, Av. geush-chithra.
گوسپند : (gūspand)	Sheep, goat. Phl. gōspand, a domestic animal, cow, goat, sheep, etc., Av. gāušspenti.
گوسفند : (gūsfand)	See (gūspand).
گون : (gūn)	Colour. Phl. gunak. Av. gaona.
گیاه : (giyāh)	Grass, green herbage. Phl. gayūh. Cf. Sans. ghāsa.
گیتی : (gīti)	World. Phl. gētik, gēthī, Av. gaēthya.
گیسو : (gesū)	Braided hair. Phl. gēs. Av. gaēsu, Sans. kes'a, hair.
گیومرث : (gayūmarth)	Adam of the Zoroastrians. Phl. gayōk-mard, Av. gayo-marctan.
گیومرد : (gayūmard)	See (gayūmarth).
گیهان : (gayhān)	World. Phl. gēhān, Av. gaēthanam Pl. in form, used in the singular sense.
مادر : (mādar)	Mother. Phl. mād, mādar, O.P. mādar, Av. mātar, Sans. mātara, Gk. mētēr, Lat. mater, Ger. mutter, kelt. Mathir, Ital. madre, Fr. mere.
مادہ : (māda)	Female. Phl. mādak, Av. mātar, Sans. mātara.
مار : (mār)	Serpent. Phl. mār, Av. māra.
ماسقہ : (māst)	Sour, coagulated milk. Sans. mastu, sour cream, whey.
مان : (mān)	House. Phl. mān, house, household, Av. n(c) māna, house, family.
ملا : (māh)	Moon, month. Phl. māh, Av. mah, maonha, Sans. māsa, Lat. mensis, Fr. mois, Ger. monat, Goth. mēna, Eng. month and moon.
ماہی : (māhi)	Fish. Phl. māhik, Av. māya, Sans. mātsya.
مجموس : (majūs)	(Ar.) Magi, Zoroastrians. Pers. mōgh,

گژدم : (gazhdum)

Scorpion. Phl. gajdūm (gazh) = (kaz) = (kaj), crooked, (dūm), tail. (gazhdum) literally means having a crooked tail. Mr. E.S.D. Bharucha derives the word from (guzidan), to bite and makes it mean 'having a biting tail'. Phl. dumb, tail, Av. duma tail.

گستاخ : (gustākh)
گستردن : (gustardan)

Proud, impudent, haughty. Phl. vistākhv. To spread. Phl. vistartann, Av. vi + stere, Sans. vistr, to spread.

گشتاسپ : (gushtāsp)

Name of a king of Bactria, Hystaspes of the Greeks. Phl. vishtasp, Av. vištāspa, hellenised into Hystaspes. The sanskrit form will be ishtas'va.

گفتار : (guftār)

Speech. Phl. gōftār, speaker, gōftārīh, speech.

گل : (gul)

Flower, rose. Phl. gūl, Aram. ward. Ar. Ward. The philologists suggest that the 'w' and 'r' of word have changed into 'g' and 'l' respectively. This apparently seems to be far fetched. The change of 'w' into 'g' has many instances in many languages, e.g., Eng. war is, Fr. guerre, Eng. William is Fr. Guillaume, Av. vištāspo is Neo-Pers. gushtāsp, Ar. al-wādīl kabīr is Span. Gua dal quivir, etc. Similarly instances of the change of 'r' into 'l' can be multiplied at one's will. Below are given a few of them. Sans. karataka is Phl. kullag and Ar. kulila, Sans. s'ringavera is Ar. zanjālīl, Lat. peregrinum is Eng. pilgrim and Fr. pilerin and so on. And in Phl. there is one letter for both 'r' and 'l', diwār and diwāl are different readings of the same word.

گلنار : (gulnār)

Pomegranate flower. Orig. gul-i-anār, flower of the pomogranate.

گلو : (gulū)
گمان : (gumān)
گناه : (gunah)
گناهگار : (gunāhgar)

Gullet, throat. Av. grīva, Sans. grīvā, gula. Doubt, suspicion. Phl. gūmān. Av. vīmanahya. Sin, crime, offence, transgression, Phl. vinas. Sinner, transgressor, criminal. Phl. vīnāhgar.

کی : (kay)	When. Av. kadha, Sans. kadā.
کیخسرو : (kaykhusrau)	Name of a king. Phl. kaē-khūsrob, Av. kavi-husrava.
کیش : (kēsh)	Religion. Phl. kēsh, religious law or doctrine or belief or custom.
کیقباد : (kaiqubad)	Name of a king. Phl. kaē-kawād, Av. kavī-kawāta.
کین : (kīn)	Enmity, ill-feeling. Av. kaena.
گاو : (gāv)	Cow. Phl. go, Av. gēush, gao, Sans. gō, Ger. kuh.
گاهوار : (gāhwāra)	Cradle. Phl. gāsvarak, (gāh) place, from Phl. gās, O.P. gathu, Av. gatu, place.
گبر : (gabr)	Guebre, a Zoroastrian, a parsee. Phl. (Aram) gabra, man. A zoroastrian is so called by the Muslims of Persia.
گذردن : (gudhardan)	To pass away. Phl. witartann, Av. vitere.
گرد : (gird) ¹	Around, round. Phl. vart, Av. weret, Sans. vṛt, Lat. vertere, to turn, Ger. werdeu.
گرد : (gūrda)	Kidney. Phl. gurtak, Av. veretka.
گردیدن : (gardīdan)	To turn, to revolve. Phl. vartitann, to turn, Av. weret, Sans. vṛt, Lat. vertere, Ger. werdeu.
گرز : (gūrz)	Mace, club. Phl. varz, Av. vazra, club, battle axe, Sans. vajra, thunderbolt.
گرفتن : (griftan)	to take, to hold, to seize. Phl. griftann, Av. garew, Sans. grabh, grah.
گرگ : (gurg)	Wolf. Phl. gurg, Av. vēhrka, Sans. vṛka, Lat. vulpes.
گرم : (garm)	Warm, hot. Phl. garm, O.P. garma, Av. garema. Cf. Sans. gharma, grishma.
گره : (giriḥ)	Knot, joint. Sans. granthi.
گریبان : (giriḥbān)	Collar. Phl. gariv-pān, throat-protector, collar, Av. grīva-pana, Av. griva = Sans. grīvā, throat and Av. pāna, from the root pā = Sans. pā, to protect.
گزیته : (gazit)	See (jizya).

¹ Instances of the change of V or W into g are given under (gul)

کرباس : (karbās)	White cotton garment, fine linen, muslin. Sans. karpāsa, cotton.
کردار : (kirdār)	Action, Phl. Kardār, doer, maker.
کردن : (kardan)	To do, to make. Phl. kardann, Av. kere. Sans. Kr.
کرم : (kirm)	Worm. Av. kerema, Sans. kṛmi.
کروه : (kurūh)	Road, measure of about two miles. Sans. krōs'a.
کژدم : (kazhudum)	Scorpion (lit. Crook-tail) (kazh) for (kaj), crooked . (dum), tail. Phl. dūmb, Av. duma.
کش : (kash)	Armpit, groin. Cf. Sans. kukshi.
کشته : (kisht)	Sown field, tillage. Cf. Sans. kshetra, field, H. and Beng. khet, field.
کشف : (kashaf)	Tortoise. Av. kasyapa, Sans. kachchhapa.
کشور : (kishwar)	Region, country. Phl. kēshwar, Av. karshware.
کشیدن : (kashīdan)	To draw, to drag. Phl. kashīdann, Av. keresh, Sans. karsh.
کف : (kaf)	Forth, foam, scum. Av. kafa, Sans. kapha.
کلاغ : (kalāgh/kulagh)	Crow, rook, raven. Phl. wilāk, Sans. kāka.
کلیله : (kalīla)	Name of a jackal in the 'kalīla wa Ḍamna', Corrupted Arabisation of Sans. karājaka, through pahlavi in which there is only one letter for r and l. In the old syriac translation of the original pahlavi version the form is still kalilag.
کندن : (kandan)	To dig. Phl. kandann, Av. kan = Sans. khan, to dig.
کنیز : (kanīz)	See (kanīzak).
کنیزکی : (kanīzak)	Damsel, girl. Phl. kanīch, kanīchak, damsel, Av. kainika, kaini, girl, maid-servant, female slave, Sans. kanyakā, kanyā.
کودک : (kūdak)	Boy, lad, child. Phl. kutak, Av. kutaka, little. Cf. Sans. kshudraka.
کوز : (kūz)	Hump. Cf. kubja.
کوزپشته : (kūz-pusht)	Hump backed. See (kūz) and (pusht).
کوه : (kūh)	Hill, hillock, mountain. Phl. kōf, O.P. kaufa, Av. kaofa.
کی : (kay)	King, kayanian. Phl. kaē, Av. kavi, king.

فریدون : (farīdūn)	Farīdūn, the victor of Dahhaq. Av.thraētaon the name of a legendary king of ancient persia.
فسان : (fasān)	Whet-stone. Sans. pāṣhāna, stone.
قانون : (qānūn)	(Ar.) Canon, Law. From Gk. kanōn.
قباد : (qubād)	Qubād, name of a king. Arabicised form of Phl. kawād, Av. kawāta.
قبط : (qibṭ)	(Ar.) The copts. copt. gyptios, kyptaios; Gk. Aiguptious, Egyptian. The term is only another form of Egypt.
قرنفل : (qaranful)	(Ar.) Clove. From Sans. karnapul Lit. ear-flower.
قلمزم : (qulzum)	(Ar.) Clysmā, sea. Arabicised form of Gk. klysmā.
قلم : (qalam)	(Ar.) pen, reed. Gk. kalamos. Lat. calamus, O.H.G. Welsh kalaf.
قیصر : (qaiṣar)	(Ar.) Emperor. Arabicised form of Lat. caesar.
کار : (kār)	Work, act, deed, Phl. kūr, Av.kāra, kairya, Sans. kārya.
کارڈ : (kārd)	Knife. Phl. kārt, Av. kareta, Sans. krit, to cut, kartarī, scissors, knife.
کاشتَن : (kāshṭan)	To sow, to till. Phl. kāshṭann. Av.keresh, Sans. kṛṣh.
کافور : (kāfūr)	Camphor. From Sans. karpūra.
کالبد : (kālbud)	Body. Phl. karp; Av. kehrrp, kereṣh, Lat. corpus.
کام : (kāṃ)	Desire. Phl. kāṃ, kāmak, O.P. kūmu, Av. kāma, Sans. kāma, desire.
کان : (kān)	Minc. Sans. khani. Av. kan = Sans. Khan, to
کبوتر : (kabutar)	Pigeon. Sans. Kapota.
کتخدَا : (katkhudā)	Sec (kadkhudā).
کدیانُو : (kadbānū)	Lady of the house. See (kada) and (bānū).
کدخدَا : (kadkhudā)	Master of the house. Phl. kadak khōday. See (kada) and (khudā).
کدَا : (kada)	House. Phl. kat, katak, kadak, Av. kata, house.

1. Russian 'Poedore' for 'Theodore' is another instance of the change of 'th' into 'f'.

فارسی : (fārs)	See (pārs).
فارسی : (fārsī)	See (pārsī).
فَرّ : (farr)	Splendour: Phl. <u>khurrak</u> , Av. hvarena, luminous, glory.
فر : (far)	prefix, meaning forth, before etc. phl. fra, far, par, Av. fra, para, parā, pairi, O.P. fra, Sans. prā, Lat & Gk. pro.
فرات : (furāt)	Euphrates (river). Baby. Purattu, hellenised into Euphrates ¹ .
فرّاز : (farāz)	Forth, further, upto. Phl. frāj, Av. frā <u>cha</u> , O.P. frā <u>ch</u> , Sans. prā <u>ch</u> , prāk.
فردم : (fardum)	First. Phl. fratūm, O.P. fratama, Av. fratema, Sans. prathama.
فرزانة : (farzāna)	Wise, knowing, learned. Phl. farjānak, Av. fra + zan, to know, Sans. pra + jna, to know. Cf. Sans. prajñā, wisdom, prājña, wise.
فرزند : (farzand)	Progeny, offspring, child. Phl. frazand, Av. frazainti.
فرسنگ : (farsang)	Parasang, Leaguc, a distance of twelve thousand cubits. Phl. frasang.
فرشته : (firishta)	Angel. Phl. fristak, Av. fra <u>cshta</u> , O.P. frā <u>shayam</u> . Av./ root fra + <u>ish</u> = Sans. pra + <u>ish</u> , to send. Cf. Sans. pra <u>shita</u> , sent.
فرکیان : (farr-i-kayānī)	The splendour of the kayānī rulers. Phl. khurrak-i-kayān, Av. kavaēm hvarenō.
فرمان : (farmān)	Mandate, order. Cf. Sans. pramāna.
فرنگ : (farang)	Europe, Europeans. From 'Frank' which term was introduced into the East during the crusades and was applied to all Europe and Europeans.
فرنگی : (farangi)	European. See (farang).

- شتر : (shutur)
 شش : (shish)
 شست : (shaest)
 شغال : (shaghāl)
 شکر : (shakar/shakkar)
 شگون : (shugūn)
 شمار : (shumār)
 شمرن : (shumurdan)
 شمشیر : (shamshūr)
 شنا : (shīna)
 شنبه : (shanbah)
 شهر : (shahr)
 شهریار : (shahryār)
 شهنشاه : (shahanshāh)
 شید : (shayd/shid)
 شیر : (shir/sher)
 شیر : (shūr)
 صد : (sad)
 دناک : (dahak)
- pers. bān is from Phl. pān which is from Av. pāna (suffix) protector from the root pā to guard.
 Camel. Phl. ushtur, Av. ushtra, Sans. ushtra.
 Six. Phl. shash, O.P. & Av. khshvash, Sans. ghat, Lat. Sex, Gk. hex.
 Sixty. Phl. shasht, O.P. khshvashti, Av. khshvasti, Sans. shashli.
 Jackal. Sans. S'rgāla.
 Sugar. From Sans. S'arka'ra, Av. sukkar, Gk. sakkharon Fr. sucre.
 Omen, augury. Cf. Sans. S'akuna, the vulture.
 Number, counting. Phl. hamār, hūshmār, Ōshmār, Av. mere, to count. Cf. Sans. smr, to remember.
 To count, to reckon. Phl. hōshmōrdann, Av. mere, to count, Sans. smr, to remember.
 Sword. Phl. shamsher.
 Swimming. Phl. ashnāk Cf. Sans. snān, to bathe.
 Saturday. The old form was: shanbadh, from Heb. (Aram) shabbāth.
 Town, city. Phl. shathrō, country, town city. Av. Khshathra, Sans. Ins. shatari. Cf. Sans. kshetra, land.
 Ruler, king, governor. Phl. shathrōyār, shatrō-yār, Av. shoithra, city and avobāra, helper.
 See (shāhangshāh).
 Ruler, chief, brilliant, resplendent.
 Av. khshaēta, O.P. khshāyathiya, king.
 Lion, the sign Leo. Phl. shēr, Av. kshshathrya
 Milk. Phl. shūr, Av. khshūr, Sans. kshūra.
 Hundred. Phl. sat, O.P. sata, Av. satem, Sans. S'atam, Lat. centum, Gk. hekaton.
 (old scholars like Al-Biruni connected the word with Gk. sophia, wisdom, others with safā, purity).
 Arabised form of Av. azdahāka, originally a mythological figure, appears in

سرود :	(sarūd)	he holds a very exalted rank. He stands between God and man. He instructs the prophet in the good religion, shows the way to heaven and pronounces judgement on human actions after death.
سرين :	(surin)	Horn. Cf. Sans. s'ringa.
سفيد :	(sa'fid)	Buttocks. Av. saraoni, hip, Sans. 'sroni.
سگ :	(sag)	See (sapid).
سگستان :	(sigistān/sagistān)	Dog. Phl. sag. Cf. Sans. sunaka.
		Sistān, a province in persia; possibly Av. ishkatā, skythia, Cun. Saka, tribes of skythians, Sans. S'aka, s'aka-dwipa, skythia.
سنگ :	(sang)	Stone. Phl. sang. O.P. athongaiana, Sans. 'san, a'sman.
سوار :	(sawār)	Horseman, cavalier. Phl. asōbār, O.P. asabāra, Av. aspobūra.
سوزن :	(suzan)	Needle. Sans. sūchī.
سوسمار :	(sūsmaṛ)	A kind of lizard. Cf. Sans. 'sis'umūra, porpoise, dolphin.
سوغند :	(saugand)	Oath. Phl. sōgand, Av. saokenta.
سه :	(sih)	Three. Phl. se, O.P. thri, Av. thri, Sans. tri.
سی :	(sī)	Thirty. Phl. Sīh, O.P. thrisat. Av. thrisat, Sans. trinsati.
سیاه :	(siyāh)	Black. Phl. siyak, Av. syāva, Sans. 'syāma.
سیستان :	(sīstān)	See (sagistān)
سیمرغ :	(sīmurgh)	A fabulous bird. Av. sacnameregho.
شاپور :	(shāpūr)	Shapur. Phl. Shāhpuhr, Shāhpūr lit. king's son. See (shāh) and (pūr).
شاخ :	(shākh)	Branch. Phl. shāk, Sans. śukhā.
شادمان :	(shādmān)	Joyous, glad. Phl. shatmān, Av. shātōmano.
شام :	(shām)	Evening. Av. khshafnva, Sans. sayabna.
شاه :	(shāh)	King. Phl. shāh, O.P. Khshūyathiya, khashayathiyānam, Aram. malkanmalka.
شاهنشاه :	(shāhangshāh)	Emperor. O.P. Khshayathiya Khshayathiyānam; Aram. malkanmalka.
شایگان :	(shāygan)	Kindly. originally (shāhgān) from Phl. shāhikān. Phl. kān for nisba [relation] has been softened in neo-Persian into gān.
شب :	(shab)	Night. Phl. shap, shaw. O.P. Khushap Sans. S'apā.
شیان :	(shabān/shabān)	Shepherd. Phl. shapān, Av. shu-pāna.
		Fshu = Sans. pas'u = Lat. pecus. Mod.

سپاه : (sipāh)	Army, militia. Phl. spāh, O.P. spāda, Av. spādha.
سپاهبد : (sipāhbud)	Commander of an army. Phl. spāhpat, O.P. spāda-pati, Av. spādha-paiti.
سپنج : (sipanj)	Guest house, inn, hotel. Phl. aspanj, hospitality. The word comes from the Av. root spanj, to delay, to defer, to break the journey. Not si, se, three + panj, five.
سپنج سرای : (sipanj sarāy)	Guest house, inn, hotel. Both the words are synonymous.
سپهر : (sipihr)	Sphere. Phl. sphir, O.P. spithra.
سپید : (sapīd)	White. Phl. spet, Av. spaeta, Sans. S'veta.
ستاره : (sitāra)	Star. Phl. stārak, Av. stār, Sans. tāra, tārakā, nakṣatra, Gk. aster, Lat. stella.
ستان : (sitān) ¹	Place, Phl. stān, O.P. and Av. stāna = Sans. sthāna.
ستورب : (sitarb)	Satrap. Av. khshathrapāvan, Sans. kshatrapa.
سُتور : (sutur)	Animal, quadruped, cattle, beast of burden. Phl. stōr, Av. staora, big, cattle, beast of burden, Sans. sthūra, strong, Goth. stiur, Ger. stier.
ستون : (sutūn)	Pillar, post, column. Phl. stūn, Av. staona.
سخن : (sakhun/sukhan)	Word, speech. Phl. skhūn, Av. S(pl) Sākhvēnī, sah.
سد : (sad)	Same as (šad).
سر : (sar)	Head, Chief, end. Phl. sar, Av. sara, Sans. 'siras, 'sirsha.
سرخ : (surkh)	Red. Phl. sūkhār, Av. sukhra, O.P. thukhra.
سرد : (sard)	Cold. Phl. sart, Av. saret, O.P. tharda. Sans. sarat, autumn.
سرشت : (sirisht)	Creation, Constitution. Cf. Sans. sṛṣhti, creation.
سرشتف : (sarashf)	Mustard seed. Cf. Sans. sarshapa.
سرشک : (sirishk)	Tear. Phl. sarishk, Av. sraska, sraschinti, Sans. as'ru.
سروش : (sarūsh)	Angel, Gabriel. Phl. sarōsh, name of a Yazata. Av. sraosha (obedience to Divine will, Av. root sru = Sans. 'sru, to hear). An archangel vested with very high powers. Among the angelic hierarchy of zoroastrianism,

1. This is only used as a suffix in Persian.

زمین : (zamīn)	Earth, land. Phl. jamīk, earth, Av. zem, Gk. ge, Fr. chemin.
زن : (zan)	Woman, wife. Phl. zann, Av. jeni, jaini, ghenā, ghna, Sans. janī, janitrī, Lat. genitrix.
زند : (zand)	Zend. Av. āzainti, explanation, commentary or meaning. Originally the word signified the explanation given in the original language of the Avesta but afterwards the same term came to be applied to the Pahlavi translation and explanation of the sacred texts also. The correct phrase is Zend-e-Avesta, the commentary on the Avesta.
زندگان : (zindagān)	(pl) Living beings, the living. Phl. (pl) zevandakān, Av. (sing) jwant, living, Sans. (sing) jīvanta.
زنده : (zinda)	Living. Phl. zevandak, Av. jawant, Sans. jīvanta.
زندیقی : (zindiqi)	Heresy, infidelity. Phl. zandīkīh "thinking well of the devils".
زندیکه : (zandīk)	Heretic, a Manichæan. Phl. zandīk lit. a follower of the interpretation (zend) as opposed to the orthodox text. According to another view it is the persianised form of Aramaic saddīqī = Ar. Siddīq, faithful by which terms the fully initiated Manichæans were meant. But this derivation is unwarranted, the change of the initial "s" into "z" is inexplicable.
زنگبار : (zangbār)	Zanjibār. (zang) Negro, (bār) land, coast land, lit. the land of the Negroes.
زور : (zūr/zör)	Power, strength, energy. Phl. zōr, Av. zaōthra.
زیر : (zīr)	Down, below, under. Phl. ujcr, ujir, Av. adhairi.
زیره : (zira)	Cumin-seed. Sans. jīra, jīrak.
زین : (zīn)	Saddle. Phl. zīn, Av. zecna.
زرف : (zharf)	Deep. Phl. zōfak, zōfar, Av. jafra.
زرف : (zhand)	See (zand).
سال : (sāl)	Year. Phl. sāl, year, Av. saredha, "Year commencing from the vernal equinox". Sans. sarat, autumn, Year.
سالار : (sālār)	Leader, general, commander, O.P. saradara.
سایه : (saya)	Shade, shadow. Sans. chhāyā.

روزنه : (rūz)	Day. Phl. rūj, rūch, O.P. raucha, Av. ruch, to shine, Aram. rochik, Sans. rochi.
روزنه : (rauzan/rozan)	Window. Phl. rōchann, Av. raōchana.
روشن : (raushan)	Bright, shining, clear. Phl. rōshann, Av. raokhshana, Sans. rochi.
روشنی : (raushāni)	Brightness, light. Phl. rōshāni, Av. raokhshani.
روغن : (raughan)	Oil, butter, ghee. Av. raoghna.
روم : (rūm)	Greece, Byzantine Empire. Phl. arūm.
رومی : (rūmī)	Greek, Roman, Byzantine, Anotolian. Phl. arūmīk.
روی : (rūy)	Face. Av. raodha.
ری : (ray)	Ray, name of a city in persia near the modern capital, Tihran. Phl. Rag. O.P. Ragā, Av. Ragha.
زاد : (zād)	Birth. verbal noun from (zādan). Phl. zādann, to be born, to give birth to, Av. root zan, zā, Sans. Jan, ja.
زاد بوم : (zādbūm)	Birth place. See (zād) and (būm).
زاداک : (Zada)	Bron, offspring. Phl. zādak; Av. zāte = Sans. jīta.
زانو : (zānū)	Knee. Phl. zānūk, Av. zānu, zhnu, Sans. jānu, Lat. genu.
زبان : (zābān)	Tongue, language. Phl. Zūfān, hūzvān, zūbān, hūzvān, ōzvān, O.P. hizuvam, Av. hizvā, Sans. jihvā.
زبر : (zabar)	On, above. Phl. ajpar, Av. hachauparādh.
زر : (zar)	Gold. Phl. zar, Av. zairi, zairita, zarana, Sans. hiranya, hiran.
زرد : (zard)	Yellow, green. Phl. zard, zart, Av. zairita, Sans. harit, green.
زرتشت : (zartusht)	Zaroaster. Phl. zartūsht, Av. Zarathustra.
زردتشت : (zardusht)	See (zartusht).
زریه : (zirih)	Cuirass, armour. Phl. zrih, Av. zrāda.
زریون : (zaryūn)	Anemon, green and pleasant, Yellow. Phl. zargūn lit. Gold-cokwred.
زلف : (zalf)	See (zulūk).
زرم : (zam)	Cold, as in (zamisān). Av. zimō, Sans. hima.
زرمستان : (zamisān)	Winter. Phl. damasān, winter, Av. zimō, Sans. hima, Lat. heims, winter, Slav. Zima

دهان : (dihān/dahan)	Mouth, Phl. zafar, mouth, Av. zafar, zafan.
دهقان : (dihqān)	Country, square, farmer, peasant. Arabicised form of Persian (dihgān) from Phl. dēhkān, Phl. dēh, village, O.P. dahyu und Phl. kān for nisbat (relation). This kān appears as gān in neo-persian.
دهم : (dahum)	Tenth. Phl. dahūm, Av. dasema, Sans. das'ama.
دهن : (dahan)	See (dahān/dihān).
دیر : (dīr/dēr)	Late. Phl. dēr, O.P. darga, Av. darghya.
دیگر : (dīgar)	Cf. Sans. dīūra, slow, dirgha, long.
دیو : (dīv/dev)	Another, next, anymore. Phl. dati-gar; O.P. dvitīya-kara, making second, Sans. dwitīya.
را : (rā)	Devil, demon. Av. daēva, deman. Same as Sans. deva in root but opposite in sense.
رازی : (rāz)	(Postposition) For, for the sake of, on account of. Phl. rāy; O.P. rādiy.
رامشگری : (rāmishgarī)	Secret. Phl. rāj, Av. razah, Sans. rahas, rahasya.
راست : (rāst)	Right, true, straight. Phl. rāst, Av. razishta, eresh, Sans. rju, rajishtha, Lat. rect.
رامشگری : (rāmishgarī)	Music. Phl. rāmishn, joy, pleasure, Av. root ram = Sans. ram.
راه : (rāh)	Way, path. Phl. rās, Av. raithyā, Sans. ratha.
رایگان : (rāygān)	A thing obtained gratis, gratis. The original Persian form was (rāhgān) meaning a thing picked up on the road, (gān) being a suffix for relation.
رستاخیز : (rastākḥiz)	Resurrection of the dead. Phl. ristākḥiz, rist, ristak, dead. Av. irista, dead, khiz, imperative of (khāstan), to rise (Av. khac-añuha). To connect it with (rustan), to grow (as grass or plant) is wrong.
رستخیز : (rastākḥiz)	See (rastākḥiz).
رشک : (rashk)	Envy, malice, jealousy. Phl. arashik, Av. araska, from aresh = Sans. irshā.
رنجور : (ranjūr)	Afflicted, sorrowful, sick. Phl. ranjbar, lit. affliction-bearer. "B" has been transformed into "W" in neo-persian.
روان : (rawān)	Soul, Phl. rūbān, rōbān, Av. urvān.
رود : (rūd)	River. Phl. rōd, Av. urudh.

دروغ : (durugh)	False, untrue. Phl. darog, Av. draoga.
درویش : (darwish)	Darwish, a poorman, beggar. Phl. daryōsh, poor, needy. Phl. drivish, poverty, Av. drighu, Sans. daridra.
دریا : (daryā)	Sea, river, ocean. Phl. Zarch, drayāk, drayāv, O.P. drayah, Av. zrayah.
دزد : (dūzd)	Thief. Phl. duzhd, Av. duzdāh.
دژ : (dizh)	Fort, fortress. Phl. dij, fort, fortress, Av. daeza, building, Construction.
دست : (dast)	Hand. Phl. dast, O.P. dasta, Av. zasta, Sans. hasta.
دستور : (dastūr)	High priest. Phl. dastōbar.
دش : (dush)	Evil, bad. Phl. dush, Av. dush, Sans. dush, dosha, evil.
دشمن : (dushman)	Enemy, foe. Phl. dushman, dushmainyu, evil minded. Av. duzh, dush, evil, Av. mainyu = Sans. mana, mind.
دل : (dīl)	Heart. Phl. dīl, Av. zareshaya, zared, Sans. hridaya, hīrd, Lat. cor, cordes, Fr. coeur, Ger. herz, Eng. heart.
دندان : (dandān)	Tooth. Phl. dandān, Av. dantānō (n. Pl.); Sans. danta, Lat. dens, dentis, Fr. dent.
دو : (dū)	Two. Phl. do, Av. dva, O.P. dva, Sans. dvi.
دود : (dūd)	Smoke. Phl. dūdak, Sans. dhumra.
دور : (dūr)	Far, distant. Phl. dūr, O.P. dūrai, Sans. dūra.
دوزخ : (dūzakh)	Hell. Phl. dūshahū, dūshakhv, a bad abode, hell; Av. daožhanuha, daožhauhva, Sans. Ins. dūshaūi.
دوست : (dūst)	Friend. Phl. dōstār, O.P. daughtā.
دوش : (dūsh)	Last night. Phl. dōsh = Av. daōsha, to-night, Sans. dōshā, at night.
دول : (dūl)	Acquarius, bucket. Phl. dōl, Arabicised into dalv by transposition of letters.
دولاب : (dūlāb)	Wheel, especially for drawing water.
دویست : (duwīst)	Combination of (dōl) and (āb). Two hundred. O.P. dve-sata, dve is the dual of dva.
ده : (dah)	Ten. Phl. dah, O.P. dasa, Av. dasa, Sans. dasa, Gk. deka, Lat. decem.

the word with *dād*, justice and wrongly make the word mean just. The Avestan root *dā* (Phl. *dādann*, *dātann*) means to produce, form, create, hence *dātār* means maker, creator.

دار : (dār)

(1) (Suffix) keeper, possessor' as in (*zamīndar*) landlord, Av. *dere* = Sans. *dhṛ*, to keep.

دارا : (dārā)

(2) Stake. Av. *dauru*, trec, Sans. *dāru*, wood. Name of several kings of the Achaemenian dynasty (550-330 B.C.) O.P. *Dārayavush*.

دام : (dām)

Snare, net Cf. Sans. *dāman*, rope, string.

داماد : (dāmād)

Son-in-law. Phl. *dāmād*, Av. *zāmatar*, Sans. *jāmatar*.

داور : (dāwar)

Just, judge. Phl. *dātobar*, judge, Av. *dāta*, law.

دایه : (dāya)

Nurse. Cf. Sans. *dhātṛi*.

دبستان : (dabistan)

School. Phl. *dapīr*, *dawīr*, writer, scribe.

pers. *dabīr*, scribe. Phl. *dupīrih*, writing, calligraphy, Cuneiform, *dipi*, Sans. *lipi*.

Cf. pers. (*daftar*), book, volume, register.

Pers. *istān*, place. Phl. *stān*, place.

دبیر : (dabīr)

Writer, secretary. Phl. *dapīr*, *dawīr*.

دختر : (dukhtar)

Daughter. Phl. *dukht*, O.P. *dukhtar*,

Av. *dughdhar*, *dugedar*, Sans. *duhitar*,

Gk. *thygater*, Teut. daughter.

دخمه : (dakhme)

Tower of silence. Phl. *dakhmak*, catacomb, sepulchre, tomb, Av. *dakhma*.

در : (dar)

(1) Door. Phl. *dar*, O.P. *duvarū*, Av. *dvara*,

Sans. *dvāra*. (2) In, see (*andar*).

دراز : (darāz)

long. Phl. *drāz*, length, Av. *drājah*, *darega*,

Sans. *dīrgha*, long.

دراز : (drāz)

See (*drāzī*).

دراز : (darāz)

Length. Phl. *darāna*, length, Av. *drājah*.

درخت : (dirakht)

Tree. Phl. *darakht*.

درست : (dūrust)

Proper, correct. Phl. *dūrust*, Av. *drwa*,

Sans. *dhurūva*.

درفش : (dirafsh)

Cobblers awl, standard, banner. Phl. *drafsh*,

Av. *drafsha*.

دیرنگ : (dirang)

Delay, procrastination. Phl. *dirang*, from

Av. *daregha*, Cf. Sans. *dīrgha*, long.

خُسر :	(<u>khūsar</u>)	Father-in-law. Av. <u>khvasur</u> , Sans. s'wasura, Gk. hekyr, Lat. socer.
خُسر :	(<u>khūsrau</u>)	King. Phl. <u>Khusrōb</u> , Av. <u>husrava</u> .
خُشت :	(<u>khisht</u>)	Brick. Phl. <u>khishtak</u> , Av. <u>ishtya</u> , Sans. <u>ishtaka</u> .
خُشک :	(<u>khushk</u>)	Dry. Phl. <u>khushk</u> , Av. <u>hushka</u> , O.P. <u>hushka</u> , Sans. <u>Sushka</u> .
خُفتن :	(<u>khuftan</u>)	To sleep. Phl. <u>khuftann</u> , Av. <u>khaf</u> , Sans. swap.
خُم :	(<u>khum</u>)	Jar. Phl. <u>khumb</u> , Av. <u>khumba</u> , Sans. <u>kumbha</u> .
خُمب :	(<u>khumb</u>)	See (<u>khūm</u>).
خواب :	(<u>khwab</u>)	Sleep, dream. Av. <u>khvafna</u> , Sans. <u>swapna</u> , Lat. <u>sonnus</u> , Gk. <u>hypnos</u> .
خوارسته :	(<u>khvāsta</u>)	Goods, wealth, property. <u>khvāstak</u> .
خواهر :	(<u>khvahar</u>)	Sister. O.P. <u>khvahar</u> , Av. <u>khvanhar</u> , Sans. <u>swasar</u> , <u>swasr</u> .
خوب :	(<u>khūb</u>)	Good. Phl. <u>khvavi</u> , O.P. <u>U</u> , Av. <u>hu</u> , Sans. <u>su</u> , Gk. <u>eu</u> . Cf. Av. <u>havapah</u> .
خود :	(<u>khud</u>)	Self, oneself. Phl. <u>khvat</u> , Av. <u>khvato</u> , Sans. <u>swatas</u> , Av. <u>khva</u> = Sans. <u>swa</u> , <u>own</u> .
خور :	(<u>khūr</u>)	Sun. Phl. <u>khūr</u> , Av. <u>hvare</u> , Sans. <u>Swar</u> , <u>sūryya</u> , Lat. <u>Sol</u> .
خوردن :	(<u>khūrdan</u>)	To eat. Phl. <u>khūrdann</u> , Av. <u>khvere</u> , to eat.
خورشید :	(<u>khūrshīd</u>)	Sun. Phl. <u>khūrshēd</u> , <u>khūrshūt</u> , Av. <u>hvarekhshaeta</u> , <u>hvare</u> , <u>sun</u> , <u>kshaeta</u> , <u>ruler</u> , <u>chief</u> , <u>brilliant</u> .
خوش :	(<u>khūsh</u>)	Good, pleasant. Phl. <u>khōsh</u> .
خوشبو :	(<u>khushbū</u>)	Fragrance, sweet-smelling. Phl. <u>hū-boē</u> , Av. <u>hu-baodhi</u> .
خوشنود :	(<u>khūshnūd</u>)	Pleased, happy. Phl. <u>khāshnūda</u> , Av. <u>khāshnūta</u> .
خوک :	(<u>khūk</u>)	Pig. Cf. Sans. <u>s'ukara</u> .
خون :	(<u>khūn</u>)	Blood. Phl. <u>khūn</u> , Av. <u>vōhuna</u> , Sans. <u>S'ōna</u> , <u>S'ōnita</u> .
خوی :	(<u>khay</u>)	Sweat, Cf. Sans. <u>Sveda</u> .
خویش :	(<u>khish</u>)	Self, own. Phl. <u>khvEsh</u> , Av. <u>khavaetush</u> , Av. <u>khva</u> = Sans. <u>swa</u> , <u>own</u> .
دادن :	(<u>dādan</u>)	To give, Phl. <u>dādann</u> , to give, to bestow, to create, to produce, Av. <u>dā</u> , <u>dath</u> , Sans. <u>dā</u> , <u>dātā</u> , Lat. <u>dare</u> .
دادار :	(<u>dādār</u>)	Creator, God. Phl. <u>dātār</u> , creator, Av. <u>dātār</u> , Sans. <u>dātār</u> . Persian lexicographers associated

چرم :	(charm)	Skin, hide. Phl. <u>charm</u> , Av. <u>chareman</u> , Sans. <u>charman</u> .
چشم :	(chashm)	Eye. Phl. <u>chashm</u> , Av. <u>chashman</u> .
چنوک :	(chughūk)	Same as (<u>chutūk</u>).
چندل :	(chandal)	Sandal wood. Sans. <u>Chandana</u> . Arabicised into sandal which has travelled west.
چندن :	(chandan)	Same as (<u>chandal</u>).
چنود :	(chinūd)	See (<u>chinawad</u>).
چوگان :	(chaugān)	The game of polo. Phl. <u>chuvigān</u> .
چهار :	(chahār)	Four. Phl. <u>chihār</u> , O.P. <u>chathuvār</u> , Av. <u>chathvar</u> , Sans. <u>chatur</u> .
چهل :	(chihal/chihil)	Forty. Phl. <u>chahal</u> , O.P. <u>chatvaresata</u> , Av. <u>chathvaresatem</u> , Sans. <u>chatvarinsat</u> .
چیز :	(chīz)	Thing. Phl. <u>thigh</u> ; O.P. <u>chishchity</u> .
چین :	(chīn)	China. Phl. <u>chīn</u> , Av. <u>Sāini</u> .
چینواد :	(chīnawad)	The bridge across hell. Phl. <u>chīnīvād</u> , <u>chīnivad</u> , Av. <u>chinvato</u> -Peretu, the bridge of <u>chinvat</u> mentioned in the Gathas.
خاشاک :	(khashāk)	Straw. Cf. Sans. <u>Kus'a</u> .
خاشه :	(khāsha)	See (<u>khashāk</u>).
خامنان :	(khanamān/ khanuman)	House and home (<u>khāna</u>), house, (<u>mān</u>), house, Phl. <u>mān</u> , house, Av. <u>nmāna</u> , house, household, family.
خدا :	(khudā)	God. Phl. <u>Khwadāy</u> or <u>khwatāy</u> , Av. <u>khavadā</u> , <u>khavadāta</u> lit. self-governed, corresponding to Sans. <u>Swadhā</u> . <u>Swadhūta</u> .
خمر :	(khar)	Ass, Av. <u>khara</u> . Cf. Sans. <u>khara</u> .
خمراسان :	(khurāsān)	<u>Khurāsān</u> , a province in the east of persia. Phl. <u>khūrāsān</u> , east, <u>khurāsān</u> .
خمرچنگ :	(kharchang)	Crab, cancer. Phl. <u>karchang</u> , <u>kalachang</u> . Cf. Sans. <u>Karkata</u> .
خرد :	(khirad)	Wisdom, knowledge, intelligence, insight. Phl. <u>khard</u> , <u>khirad</u> , Av. <u>khartu</u> , Sans. <u>kratu</u> . Cf. Gk. <u>kratus</u> .
خرد :	(khurd)	Small, little. Phl. <u>khūrdak</u> . Cf. Sans. <u>kshudraka</u> .
خرم :	(khurram)	Cheerful, joyous, glad. Phl. <u>khuram</u> , Av. <u>urvāmana</u> .
خرید :	(kharīdan)	To buy. Phl. <u>kharītan</u> , Av. <u>khri</u> , to buy, Sans. <u>krī</u> , to buy.

تارک : (tārak)	Top, erown of the head. Cf. Sans tālu, palate.
تاک : (tāk)	Tendril of a vine, vine Cf. Sans. drākshā.
تپ : (tap)	Fever. Av. tap = Sans. tap, to be hot.
تقم : (tukhm)	Seed, origin, lineage, parentage. Phl. tōkham, Av. taokhman.
تس : (tars)	Fear. Phl. tars, Av. teres, Sans. trās.
تشنه : (tashna/tishna)	Thirsty. Phl. tishnak, thirsty, Av. tarshna, thirst, Sans. trshnā.
تن : (tan)	Body. Phl. tann, Av. tanu, Sans. tanu.
تنها : (tanhā)	Alone. Phl. tanihā. Īhā is an adverbial suffix.
تور : (tūr)	Tūr, the legendary ancestor of the Turanians. Av. Tūra.
تورانی : (tūrāni)	Turanian, Tartar. From (tūr).
تیز : (tīz)	Sharp. Phl. tizh, Av. tizhi, teežha. Cf. Sans. tikshna.
جادو : (jādū)	Magic. Phl. Yādūk, Av. Yaū.
یخت : (juft)	Couple, union, joining. Phl. Yukht, Av. Yakhta. Cf. Sans. yukta, joined.
جگر : (jigar)	Liver. Phl. jikar, Av. Yākare, Sans. Yakrit.
جم : (jam)	See (jamshid).
جمشید : (Jamshid)	Jamshed. Av. Yima-kshaeta. Yima is the same as Sans. Yama of the Hindu mythology and kshaeta means ruler, chief, brilliant.
جنگل : (jāgal)	Jungle. Same as Sans. Jangala.
جو : (jau)	Barley. Av. Yava, Sans. Yava.
جوان : (jawān)	Young, a youth. Phl. Joyān or juyān, Av. Yavan, Yvan, Sans. Yuvan, lat. juvenus, Fr. juenc.
جوغ : (jūgh)	Yoke. Sans. Yūgam; Gk. Zugon, Goth. juk, Ger. Joch.
جهان : (jahān)	World. Phl. gchān, World, Av. gaethanam, gaetha, World, material World.
جهانداز : (jahāndār)	The protector of the world. Phl. gchāndār. See (chahār).
چار : (chār)	Well. Phl. chāh, Av. chat.
چاه : (chāh)	Sparrow. Cf. Sans. chatikā.
چوک : (chutuk)	Sky. Phl. chākhr; Av. chakhra, wheel; Sans. chakra (wheel). A case of transposition of letters.
چرخ : (charkh)	

پود :	(pūd)	Woof. Cf. Sans. byuti, weaving.
پور :	(pūr)	Son. Phl. pūr, puhṛ, Av. Puthra, Sans. Putra, Cf. Lat. puer, child.
پول :	(pūl)	See (pul).
پهلوی :	(pahlū)	Side. Phl. pahlūk, Av. peresu, Sans. pārswa.
پهلوی :	(pahlavi)	Pahlavī, Middle persian, pārthian. From pahlaw. Simplified form of Pārthawa. O.P. name of Pārthia. (yā) for relation.
پی :	(pai/pay)	Foot. Phl. pāc, O.P. pāda, Av. pādha, Sans. Pada, pāda.
پیاده :	(piyāda)	Pedestrian, foot-soldier, pawn in the chess. Phl. Piyādak, Pādak, Av. pādhaayant, Sans. Padāti pedestrian see (pā)
پیام :	(payām)	See (paighām).
پیامبر :	(payāmbār)	See (Paighāmbār).
پیدا :	(paidā)	Manifest, clear. Phl. Pādāk, Pitak, Sans. Ins. patyāk, paityāk.
پیرامن :	(pīrāman)	See (Peerāmūn).
پیرامون :	(pīrāmūn)	Round about, around, complete.
پیش :	(pīsh)	Phl. pērāman, Av. Pāri, Sans. pari, Gk. peri. Before, in the presence of, in front of.
پیغام :	(paighām)	Phl. pēsh, O.P. patish, Av. paitish.
پیغامبر :	(paighāmbār)	Message. Phl. pēdam, Pētām.
پیکار :	(paikār)	Message-bearer, prophet. Phl. pētambur, pēdambar.
پیکر :	(paikar)	Dispute, quarrel, battle. Phl. patkār.
پیمانه :	(paimāna)	picture, figure. Phl. patkar, O.P. paitikara.
پیامبر :	(payambar)	Cup, goblet, measure. Phl. patmānak.
پیمودن :	(Paimūdan)	See (paighāmbār).
پیوستن :	(paiwastan)	To measure. Phl. Padmūdān, Av. paiti + ma, Av. mā = Sans. mā, to measure.
پیوند :	(paiwand)	To join, to attach, to be joined or attached. Phl. padvastān, Av. paiti + band = Sans. prati + bandh.
تا :	(tā)	Connection, relation, junction. Phl. padvand.
تاب :	(tāb)	Av. paiti + band = Sans. prati + bandh.
تار :	(tār)	To, upto, so that. Phl. tāk, O.P. Yāku.
		Heat, lustre, strength. Cf. Sans. tap, heat.
		String, thread, wire. Phl. tār, Av. tathra, cf. Sans. tāra.

پامخ :	(pāsukh)	When the Avesta character is used for this transcription, the result is called pāzand". Reply, answer. Phl. pāakhvi, O.P. pati Sakhvan.
پای :	(pāy)	See (pā).
پختن :	(pukhtan)	To cook. Phl. pōkhtann, Av. pach = Sans. pach, to cook.
پدر :	(pidar)	Father. Phl. ped, pīdar, O.P. pitar, Av. pita, pitar, Sans. pitā, Lat. pater. Gk. patēr, Teut. fadar, Kelt. fathir, Fr. pire.
پذیرفتن :	(padhiruftan)	To receive, to accept. Phl. pati-raftann. Phl. pat = O.P. pati = Av. paiti = Sans. prati, towards, to, near etc. Av. paitigerev = Sans. prati-grah.
پر :	(par/parr)	Feather. Phl. par, Av. parena, Sans. Parnā.
پُر :	(pur)	Full. Av. perena, full, Sans. pūrna, Lat. plenus.
پرسیدن :	(pursīdan)	To ask, to question. Phl. pursidann, Av. peres, fras, to ask, Sans. prchh, prachh, to ask.
پروردن :	(parwardan)	To bring up, to nourish. Phl. parvardann, Av. pairibere, Sans. bhr̥, bharan.
پرهیزگفتن :	(parhīkhtan)	To abstain, to restrain. Phl. pahrikhtann, Av. paitirich, paotithyadh = Sans. pari-tyaj.
پری :	(parī)	Fairy. Phl. parīk, witch, fairy, Av. pairikā.
پس :	(pas)	After, behind. Phl. Pas, O.P. pasā, Sans. paschāt.
پسر :	(pisar)	Son. Phl. pūs, Av. puthra, O.P. puthra, Sans. putra. Cf. Lat. puer, child.
پشت :	(pusht)	Back, support. Phl. pusht, Av. parshti, Sans. prashtha.
پل :	(pul)	Bridge. Phl. pōhl, Av. peretu.
پیل :	(pūpil)	Pepper. From Sans. pipali.
پناه :	(panāh)	Protection, shelter. Phl. panāh. Av. pā, to protect, Sans. Pā, to protect.
پنج :	(panj)	Five, Phl. Panj; O.P. Pancha; Av. Pancha; Sans. Pancha.
پنجاه :	(panjāh)	Fifty. Phl. panchāh, panjāh, O.P. pañchāsāt, Av. pañchāsata, Sans. Panchāsai.
پند :	(pand)	Advice, counsel. Av. Pānta.

بیابان :	(biyābān)	of the world of the righteous hereafter, i.e., paradise". Not (bi + hisht). Desert, wilderness. Phl.viyāpān, viyāvan, Av.wiāpa, wīwāpa.
مید :	(bīd)	willow, rattan, cane. Cf.Sans.vetra, Cane rattan, Beng. bet.
میدار :	(bīdār)	Aware, wakeful. (bīd) consciousness, Av. vidhya, wit, knowledge, Sans.vidyā.pers (ar) possessor.
بیست :	(bīst)	Twenty. Phl. vīst, (O.P. and Av.visaiti, Sans. Vins'ati.
بیم :	(bīm)	Fear. Phl.bīm; Av. bī = Sans. bhī, to fear. Cf. Sans. bhīma, fearful, awe-inspiring.
بیمار :	(bīmār)	Sick. Phl.vīmār.
بیوه :	(bcwa)	widow. Sans. vidhavā, Lat.viduas, Goth. widuwō, Ger.wittwe, Eng.widow.
پا :	(pā)	Foot, step. Phl.pāc, (O.P.pāda, Av. pādha, Sans. pāda, pada.
پاپکان :	(pāpakān)	Descendant of pāpak. Son of pāpak. Phl. pāpakān, (ān) for relation.
پاداش :	(pādāsh)	Retribution. (pā) prefix = Phl.pāt, (O.P. pati, back, again, (dāsh) is the reduction of Phl. dahishn, giving.
پادشاه :	(pādshāh)	Ruler, sovereign. Phl.Pātakshāy. pati. Av. paiti akin to Sans. pati, master, Lord, Phl. khshāy from O.P.Khshāyathiya, king.
پادشاهی :	(pādshāhi)	Rulership, sovereignty, kingship, Phl. pātakshāih. See (Pādshāh).
پار :	(pār)	Last Year. O.P. para, other, Sans. Para.
پارس :	(pārs)	Persia, Fārs. Phl.Pārs, O.P.pārsa, name of the province of Fārs.
پارسی :	(pārsī)	Persian. Phl.Pārsīk.
پازند :	(pāzhand) ¹	pāzand. Av.paiti-zainti. pā for Av. paiti meaning at the foot. Zhand or zand for Av. zainti = Pahlavi Commentary on the Avestan text. Pāzand means the "re-explanation of a Pahlavi text by transcribing it into a character less ambiguous than the pahlavi script, and substituting the proper Persian words for their huzvārish equivalents.

1. The more common spelling is پازند (Pazand).

بغداد : (baghdād)

Baghdād. Phl. Bagho-dāt, set by Bagha i.e., God. Av. bagha = O.P. бага = Sans. bhaga, god. Not (bāgh), garden and (dād), justice as given in ghyāsu'l Lughāt, Burhān-i-Qāṭi' etc.

بلغار : (bulghār)

Name of a town on the Volga, about 100 miles south of Kazan (See Geographic d'Aboul Fidā). It is this Bulghār that is often mentioned by persian poets. It should not be confused with Bulgaria as is often unfortunately done.

بلند : (buland/baland) High, tall, great. Phl. buland, Av. berezant, Sans. brhat.

بن : (ban)

Shrub, bush, field, Cf. Sans Vana, forest.

بن : (bun)

Root, basis. Phl. būn, Av. būna; Sans. budhna.

بند : (band)

Band, tie, binding. Av. banda, Sans. bandh, to bind, to tie.

بندبه : (band bih)

Name of a bull in the Kalila wa Damna. Sans. Pingalaka.

بنده : (banda)

Slave. Phl. bandak, O.P. bandaka,

بندھشن : (bundahishn)

Original creation. Phl. būn, beginning, origin, Av. būna, Phl. dahishn, creation.

بودن : (budan)

To be. Phl. Būdann, Av. bū = Sans. bhū, to be.

بوز : (būz/Box)

See (buz)

بوم : (būm)

Country, land. Av. būmīm, Sans. bhūmim.

بوی : (būy/boy)

Scent. Phl. būc, Av. baodhi.

به : (bih)

Good, excellent, Phl. vēh, O.P. vahyah, Av. vahu, Sans. vasu.

بهار : (bahār)

(1) Spring. Phl. vahār, O.P. vahāra, Av. vanra.

(2) Temple. Buddhist monastery. Sans. vihāra, Buddhist monastery. Muslim historians and lexicographers have wrongly called it a fire-temple or idol-temple. Its use in the sense of an idol-temple is illustrated by the following verse:

فخت سوی درت خزان آید

راست چون بت پرست سوی بیار

Fortune comes creeping to thy door, just as does the idolater to Bahār.

بمشت : (bihisht)

Heaven, paradise. Phl. vahisht, Av. vahisht-mahum, the best world, Corresponding to Sans. Vasiṣṭamahum. The two words are invariably found together in the special sense

بامدادان : (bāmdādān)	In the morning. See (bāmdād). (an) is an adverbial suffix.
بان : (bān)	Protector, keeper, possessor, Phl. pān, Pānak, O.P. and Av. Pāna from the root pā, to guard, to protect.
بانگ : (bāng)	Sound, voice, Phl. vāng. Akin to Sans. vākam, speech.
بانو : (bānū)	Lady. Phl. bānūk.
بته : (but)	Idol, Av. būiti, the demon of idolatry. The word būiti occurs three times in the Avesta invariably accompanied by the word dačva.
بچه : (bachcha)	Child, young of an animal. Phl. vachhak. of Sans. vatsa.
بخت : (bakht)	Destiny, fortune. Phl. bakht, Av. bakhta.
بد : (bad)	(ending, as in mūbad, ispahbad etc.)
بر : (bar)	Phl. pat, Av. Paiti corresponding to Sans. Pati, master.
برتر : (bartar)	On, above, over, Phl. avar. (O.P. upariy, Av. upari; Sans. upari. (abar) old form of bar.
برادر : (birādar)	Higher. Phl. avaratar, Av. uparatara, Sans. uparatara.
بردون : (burdan)	Brother, Phl. brad brādar, (O.P. brādar, Av. lbratar, Sans. bhrātār, Lat. frater, Teut. brother, kelt. brathir, Fr. frere.
برف : (barf)	To bear to carry. Phl. būrdann, Av. bere; Sans. bhr̥.
برگ : (barg)	Snow. Phl. varf, Av. vafra, Sans. vapra.
برنا : (barna)	Leaf. Phl. varg, Av. vareka.
برنج : (birinj)	Young. Phl. apornāk.
بوز : (buz)	Rice. Cf. Sans. vīhi.
بزرجمهر : (buzurchmīhr)	Goat. phl. būj, Av. buza, Sans. bukka, Ger. Bock, Fr. bouc.
بزرگ : (buzurg)	Name of the famous minister of nūshirwān the Just. Phl. Vazōrg mitro.
بس : (bas)	Great. Phl. vajurg, O.P. vazarka.
بستر : (bistar)	Much, very. Phl. vas, O.P. vasiy.
بسیار : (bisyar)	Bed. Phl. vastarg, bed-clothes, dress, Av. vastra, Sans. vastra.
	Many, much, very. Phl. vasyār.

انگشته : (angusht)	Finger. Phl. angūsh, Av. angushta, Sans. angushtha.
انگلیوب : (angilyūn)	The Gospels, the evangle, from GK. evangelion pronounced as evangelion, good news.
اهرمین : (ahraman)	See (ahrīman).
اهریمن : (ahrīman)	Ahriman, Satan of the Zeroastrian mythology, Av. angramainyu, the evil spirit. Thus. Phl. aēdunn, Av. aeta, this and Phl. gūn, manner.
ایدون : (idūn)	Iran, persia. Phl. airān, Av. airyanavacja, the cradle of the Aryans.
ایزد : (izid/izad)	see (yazdan)
با : (bā)	With. Phl. apāk, awāk, abāk, (abā) old from of neo-Persian.
بابکان : (bābakān)	See (pāpakān).
باد : (bād)	Wind. Phl. vād, Av. vātō, Sans. vātā, Lat. ventis.
بار : (bār)	Burden, weight. cf. Sans. bhāra.
باران : (bārān)	Rain. Phl. varan Av. vāra, vārenti, Sans. vār, vāri, water, varshā, vr̥ṣhti, rain, varshan, to shower.
بارش : (bārish)	Rain, raining. Sec (bārān).
باز : (bāz)	Back, again. phl. avāj, avāz, Av. apashā, apāsh, Sans. apa.
بازار : (bāzār)	Market. Phl. bāchār, O.P. abāchari. Not abā-broth and zār place.
بازارگان : (bāzārgān)	Merchant. Phl. vāchārkān. Here the Phl. ending kān has been softened in neo-persian into gān. The same is the case with words like (shāigān), kingly, (shāpūrgān), belonging to or befitting shāpūr, (mihragān) belonging to the sun.
بازو : (bāzū)	Arm. Phl. bajae Av. bāzawo, bāzu, Sans. bāhū.
باش : (bāsh)	Be, remain. O.P. Vabishiya cf. Sans. bhavishya.
بال : (bāl)	Wing, feather, cf. Sans. bāla, hair.
بالا : (bālā)	High. Phl. balac, Av. berczať, berezant, Sans. v̥hat.
بام : (bām)	Morning, dawn. See (bāmdād).
بامداد : (bāmdād)	Morning, dawn. Phl. tāmtāt, Av. bāma + tāt, morning. Av. bāma corresponding to Sans. bhama, brightness, splendour.

اسپنتمان : (ispantmān)	Name of the ninth ancestor of Zoroaster. It generally follows the name of Zoroaster indicating the family to which he belonged. Phl. spitamān, Av. spitama.
اسپنج : (ispanj)	See (sipanj)
اسپهد : (ispahbud)	Commander-in-chief, general. Phl. spāh-pat, O.P. Spāda-Pati. See (sipāh) and (bud).
استاره : (istāra)	See (sitāra).
استان : (istān)	See (sitān).
استر : (astar)	Mule. cf. Sans. asva-tara.
استه : (asta)	Bone. Av. asta, Sans. asthi, GK. Osteon.
اسروش : (usrosh)	See (sarosh).
اسفنتمان : (isfantamān)	See (ispantamān).
اسفهان : (isfahān)	Isfahan. Phl. spāhān, lit. "the military town".
اسوار : (aswār)	See (sawār).
اشتر : (ushtur)	See (shutur).
استخر : (ištākhr)	Persipolis, Phl. Stākhar.
افتادن : (uftādan)	To fall. Phl. ōftadann, Av. ava, down = Sans. ava + fta transposition of pat = Sans. pat, to fall.
افراسیاب : (afrāsiyāb)	Name of a great legendary leader of the Turanians. Phl. frāsiyav, frāsiyuk, Av. franrasyūn.
افریدون : (afriḍūn)	See (faridūn).
امروز : (imruz)	Today. O.P. ima, this + rūz, rūz, day. see (rūz).
امبار : (ambār)	Collection, warehouse, granery. Phl. anbār, Av. ham + here, corresponding to Sans. Sam + bhṛ.
انبار : (anbāz)	Partner, comrade, associate. Phl. hambāz.
انجمن : (anjuman)	Assembly, meeting, congregation, Council. Phl. hanjaman, Av. hanjamana, corresponding to Sans. Sangamana. It has nothing to do with Ar. anjum pl. of najm, star, and pers. indicating place which latter is an invention to keep the imaginary solution.
اندام : (andām)	Body, limb. Av. Pandāma, limb.
اندر : (andar)	In, within. Phl. andar, O.P. antar; Av. antare, Sans. antar, Lat. inter, Fr. entre.

آشنا : (āshnā)	Familiar. Phl. āshnāk, Av. Zhnā.
آفتاب : (āftāb)	Sun. āf from and O.P. word akin to Sans. ābhā, light and tāp, corresponding to Sans. Tāp, heat. Av. tap = Sans. Tap, to be not. Not a combination of āfat and āb as given in Burhān-i-Qāṭi'.
آفرین : (āfrīn)	Benediction, blessing, praise. Phl. ārfīn, Av. āfrīna.
آگاه : (āgāh)	Aware. Phl. ākās, Av. ākāh.
آواز : (āwāz)	Sound. Phl. Āvāch, Av. root vach, corresponding to Sans. Vach, to speak.
آوردن : (āwardan)	To bring. Phl. āvōrdann, Av. ā + bere = Sans. ābhar.
آهن : (āhan)	Iron. Av. ayarih, corresponding to Sans. ayas, iron.
آینه : (āyna)	Mirror. From Av. ayarih, iron. Before the invention of glass, polished pieces of iron were used to reflect the face in.
آینه : (āyīna)	See āyna.
آبا : (abā)	With. Old form of bā. Phl. apāk, awāk, abāk.
ابر : (abr)	(1) Cloud. Connected with Sans. abhra. (2) On, over. Old form of bar. Cf. Sans. upara.
آبرو : (abrū)	Eyebrow. Cf. Sans. bhrū.
ابستا : (abistā)	Avesta, the Zoroastrian Bible. Phl. avastāk. Arabicised form are abastāq, abastā, wastāq, bastak.
اختر : (akhtar)	Star. Phl. akhtar, Av. akhtara, Sans. nakshatra.
اردشیر : (ardshīr)	Ardashīr (Proper name), Phl. Artakshīr; Av. Aretakshathra.
اورمزد : (urmuzd)	God. Phl. āūharmazd, Sah. Ins. āūharmazd; O.P. aura-Mazdā, Av. ahura-mazdā.
از : (az)	From, than. Phl. aj, O.P. hačhā, Av. hačha.
ازهدار : (azhdar)	See (azhdahā).
ازهدارها : (azhdarha)	See (azhdahā).
ازدها : (azhdahā)	Dragon. Av. azhi-dahāka, lit. a biting serpent, corresponding to Sans. ahi-dansaka.
اسب : (asb)	Horse. Phl. asp, O.P. asa, Av. aspa, Sans. asva.
اسب : (asp)	See (asb).

DICTIONARY

- Preface

Conjecture is hardly a sure guide. It makes one generally grope in the dark and shoot wide of the mark. Due to the ignorance of ancient Iranian Languages, Muslim Lexicographers of the neo-persian language had to work with an unavoidable handicap and had, to a certain extent, to depend upon their fancy and guess in deriving many Persian words. Their case is like that of one who, not knowing that the x in Xmas stands for the Greek letter khi (represented by Ch in Latin script) the initial letter in spelling Gk. Khristos (transcribed Christos with Latin letters) goes to connect it with the cross.

A Persian Dictionary is yet to be written in which the result of the up to date linguistic investigations of the Iranian Branch should be incorporated.

In the following pages I have tried to give correct derivation and Philological affinity of a number of words mainly Persian, a few being of Arabic or Turkish origin.

If this humble work help in any way to open the eyes of the students of Persian I shall deem my venture successful and my labour amply rewarded.

G.M. HILLALI
Rajshahi, 2.5.1945

آئین : (ā'in)
آئینه : (ā'ina)
آب : (ab)

Custom, usage, law, phl. āvinak

See (āyna).

(1) Water. Phl. āv, O.P. api; Av. ap, ap;
āp, Sans. ap.

(2) Lustre. Connected with Sans. abha
Cultivated, inhabited, Prosperous,
Phl. āvādān from Av. āp and vant,
having lit. having water.

See (abistā).

آبستا : (ābistā)
آبستان : (ābistan)
آتش : (ātish)
آذر : (ādhār)

Pregnant. Phl. apōch, upaspathrya.

Fire, Phl. ātāsh, Av. ātarsh, ātar.

Fire, Phl. āthro, ādar, Av. āthrō, the angel
presiding over fire, fire, sacred fire.

آذربایجان : (Ādharbāijān)

Azarbāijān, name of the north western
(mist) province of persia, Phl. āthropādgān.

آرامش : (ārāstan)

To adorn, to arrange, Phl. ārāstaan,
Av. ā + rāth, rāz, corresponding to Sans. rāj.

آز : (āz)

Avarice, Phl. āj, āz, Av. azhi, āzi.

آزاد : (āzād)

Free-born, Phl. āzādak, Av. āzāta.

آسمان : (āsmān)

Sky, heaven, Phl. āsmān, sky, heaven,
O.P. and Av. asman, stone, heaven.

Cf. Sans. āsmān, stone. āsmān and sang
are derivatives. The word has nothing to
do with (ās) = āsyā, mill, mill-stone and
(mān) = (mānind), like.

آشکارا : (āshkāra)

Evident, manifest. Phl. āshkarak. Cf. Sans.
āvishkāra.

[illegible]

ABBREVIATIONS

Ar.	Arabic	Mod.	Modern
Aram.	Aramaic	Mod. Pers	Modern Persian
Arm.	Armenian	N. Pl.	Nominative plural
Av.	Avestic	O.G.H.	Old High German
Baby.	Babylonian	O. P.	Old Persian
Beng.	Bengali	Orig.	Originally
Copt.	Coptic	Paz.	Pazand
Cun.	Cuneiform	Pers.	Persian
Eng.	English	Phl.	Pahlavi
Fr.	French	Pl.	Plural
Ger.	German	Prak.	Prakrit
Gk.	Greek	S.	Singular
Goth.	Gothic	Sans.	Sanskrit
Guj.	Gujrati	Sas.	Sassanian
H.	Hindi	Sas. Ins.	Sassanian- Inscription
Heb.	Hebrew	Slav.	Slavonic
Imp.	Imperative	Sp.	Spanish
Ins.	Inscription	T.	Turkish
Kelt.	Keltic	Term.	Termination
Lat.	Latin	Teut.	Teutonic
Lit.	Literally	Ved.	Vedic

* * *

Part-II: Unpublished

A. English:

1) Gleanings from the Qur'an:

This booklet of 55 pages deals with the interpretations of the Holy Qur'an and was written in 1963.

2) Anecdotes from Islamic History:

It includes twenty seven historical stories describing Islamic events.

3) Hindi-Urdu Elements in Bengali:

It is a booklet which deals with the Hindi and Urdu elements in Bengali Language.

4) Manners in Islam:

It deals with the different manners and ways as laid down in the Islamic code of life.

B. Bengali

5) Jahan Ara Begum:

This is a Bengali translation of an Urdu book rendered by Dr.Hilali during 1928-29. It consists of 49 pages on foolscap size. The original author of the book is Maulvi Ziyauddin Barni.

6) Khialer Dhara: (Streams of Stray thoughts):

This is a collection of certain passages on various topics as expressed from time to time relating to stray thoughts.

7) Rubaiyat of Khaiyam:

This is a Bengali translation of eighty one quatrains of the famous Persian poet Omar Khaiyam.

8) Zarb-i-Kalim:

This is a Bengali translation of different poems of Zarb-i-Kalim by Allama Muhammad Iqbal, a famous philosopher-poet of Urdu and Persian.

9) Bengali verses:

It is a collection of Bengali verses composed by Dr.Hilali himself during the period from 1925 to 1941 AD.

10) Persian verses:

These verses were composed by Dr.Hilali while he was posted at Chittagong in 1938 as it appears from the manuscript. It also includes one poem under the title of "The Decline of the Muslims of Bengal" and a Mathnawi in the metre of the famous Mathnawi of Maulana Rumi bearing the title of "Jam-i-Jam" (The cup of Jamshed). The writer uses his pen name as 'Hilali' in the verses.

5) Perso-Arabic Elements in Bengali:

This is a commendable work of Dr. Hilali consisting of 310 pages edited by late Dr. Muhammad Enamul Haq with an introduction in Bengali and published posthumously by the then Central Board for the Development of Bengali at Dacca, in 1967.

The author with his life-long labour has collected several thousands Bengali words and etimologically pointed out Persian and Arabic elements mixed with Bengali words which, in true sense of the term, indicates the impact of Perso-Arabic Languages on Bengali Language.

B. Bengali

6) Halida Hanum: (Khalida Khanam)

This booklet includes biographical sketch and achievements of the famous Turkish Lady known as Khalida Edib Khanam. It consists of 52 pages and published in 1933 (1340 Bengali Era) from New Saraswati Press, 25/A, Muchhwa Bazar Street, Calcutta.

7) Al-Biruni:

It is a booklet of 64 pages describing the life sketch and contributions of the famous Muslim Philosopher-scientist, Al-Biruni and was published from Abinas Press, 40 Mirzapur Street, Calcutta in 1937 (1344 Bengali Era)

8) Hazrater-Jiban-Nity (Ideals of the Prophet's life):

This booklet of 96 pages describes of the moral teachings of the Prophet of Islam(Sm). It was published from Rajshahi in 1965.

9) Hilali Rachanabuli (Collection of Hilali's writings vol.1)

It contains two published booklets viz; Khalida Edib Khanam and Al-Biruni, six articles in English and eleven in Bengali (both published and unpublished), letters of learned personalities addressed to Dr. Hilali including his life and works. Among these celebrated figures the names of a few, as for example Dr. Suniti Kumar Chatterji of Calcutta University, Dr. J. S. Taraporewala of Bombay, Dr. U. M. Daudpota (Bombay), Seyama Prasad Mookerjee of Calcutta, Nawab Sir Amin Jang Bahadur (Hyderabad) and Dr. Muhammad Enamul Haq, Director, Bengali Academy of Dhaka may be mentioned. It consists of 233 pages and was published by his son, Mr. Humayun Khalid from Rajshahi in September, 1981.

His works:

The scholarly personality of Dr. Sheikh Ghulam Maqaud Hilali in various fields of knowledge may be assessed from his writings in different languages and on varied subjects. These may be divided into following categories:

Part - I (Published)**A. English****1) A Manual of Persian Grammar:**

This book was compiled for the students of Matriculation and Intermediate classes and published by the author from the Alexandra S.M. Press, Dacca, in 1934. It consists of 223 pages.

2) Ash'ar-i-Taran:

It is a compilation of Persian verses of Ramtaran Mukherji (1793-1860), a contemporary of Raja Ram Mohan Roy of West Bengal. These verses were also rendered into English with an introduction by Dr. Hilali and published in 1938. It consists of 46 pages. It also includes Persian prose compositions of the poet.

3) Islamic Attitudes towards Non-Muslims:

This is a booklet of 55 pages which deals how the Muslims behaved with the Non-Muslims within the frame work of Islam. It was published by the author from Rajshahi Printing Works, Rajshahi, in 1952.

4) Iran and Islam: Their Reciprocal Influence:

This is the doctoral thesis of Dr. Hilali submitted in the University of Calcutta in 1949. It was published in the journal of the Asiatic Society of Pakistan (Dacca), vol. VIII, nos. I & II, in 1963. Its Bengali translation appeared from the Bengali Academy, Dacca, in 1979.

The author has critically examined the influence of Iran on Islam with numerous examples and at the same time the impact of Islam on Iran in various aspects of life specially in historical, religious and cultural perspectives. This is actually a unique type of book which shows the wide range of knowledge of the author and his painstaking labour in research work.

books. Apart from other subjects i.e history, biography, Islam, Qu'ran and literature, his profound learning and high intellectual attainments provided him with an opportunity to specialise himself in the field of Philology as it is evident from his following books:

- 1) Perso-Arabic Elements in Bengali,
- 2) Hindi-Urdu Elements in Bengali,
- 3) Iranian Philology,
- 4) Iran and Islam: Their Reciprocal Influence.

After the first quarter of the 20th Century, there were a few educationists in Bengal who were interested in the Science of Languages among whom Dr.Suniti Kumar Chatterji, Dr.Muhammad Shahidullah, Dr.Muhammad Enamul Haq, Dr.Sheikh Ghulam Maqsum Hilali, Dr.Din Mohammad and Professor Abdul Hay's name be mentioned.

Dr.S.K.Chatterji, apart from being the senior most, was a top ranking philologist of Asia as well as an internationally known figure. He was equally qualified in the Semetic, Indo-Aryan and Iranian group of Languages. The field of the other philologists was mostly confined to Bengali or broadly speaking to the Indo-Aryan group of languages. Dr.Hilali, besides Indo-Aryan, also extended the horizon of his study towards the Indo-Iranian as well as the Semetic group of languages in which he still stands unrivalled among the Bengali writers. It was a long felt gap which was filled by Dr.Hilali in the midst of the 20th century and appreciated by his contemporaries specially by Dr.S.K.Chatterji and Dr.Muhammad Enamul Haq. It is up to his readers to judge how far he was successful in his efforts which was achieved with hard labour and great patience. It is beyond doubt that he was a secluded, calm and quiet scholar who could not see most of his important works in published form.

Last days:

After his retirement from the Degree College, Sirajganj in 1960, Dr.Hilali enjoyed his free life for about a year. He expired on Monday, the 17th December, 1961 in the evening and was buried at Sirajganj.

His son, Mr.Hamayun Khalid, an Assistant Engineer in the University of Rajshahi has been organising a seminar at Rajshahi and Sirajganj every year in memory of Dr.Hilali and holding ceremonies of awarding 'Hilali Prize' among the successful students after essay competition.

When the Christian missionaries criticised Islam, Dr. Hilali could not but protest against it and wrote its rejoinder in the 'Light', a weekly magazine published by the Ahmadi Mission at Lahore.

While studying in the University, Dr. Hilali formed an association under the title of 'Tanzim'. The aims and objects of the association was to remove superstitions from the Muslim Society and to advise the people to adopt various professions so that the society may not suffer from any handicap.

When Saifuddin Kitchlu a famous Muslim leader came to Sirajganj on the invitation of 'Tanzim' he delivered his speech in Urdu, which was translated by Dr. Hilali in Bengali in an impressive way. Thus Dr. Hilali came in contact with an all-India fame personality on one hand and was introduced to the public as an orator had on the other hand.

Teaching life:

Dr. Hilali started his teaching career from the Sa'adat College in Karatia, the present district of Tangail in the year 1926. During 1928-30, he practiced in the Judges' Court at Pabna. But due to his mental aptitude towards knowledge and learning he left his profession of law and again joined the Sa'adat College at Karatia.

Later on he joined the Government College at Krishnagar and served the presidency College at Calcutta and Government College at Chittagong. He was transferred to the Government College, Rajshahi in 1943 from where he retired as Professor of Arabic and Persian on 30th November, 1956. He also worked as an Assistant Inspector of Schools for Muslim Education, Chittagong Division for about a year and while at Rajshahi as Curator of Varendra Research Museum for a short period.

He was re-employed in the Degree college at Sirajganj where he served during 1957 and 1958. Then he was appointed as Research Officer in the Bengali Academy at Dacca in the year 1959. He again joined the Degree college, Sirajganj where he taught till the end of 1960.

As Scholars:

Dr. Hilali, as I know him, was keenly interested in the pursuit of knowledge since his student life. Even during his teaching profession, Dr. Hilali, used to devote his time in regular study and believed in the dictum that labour makes a man perfect. His intelligence Combined with labour crowned his knowledge with success. Bengali was his mother tongue where as English was his medium of teaching. Arabic and Persian being his special subjects of study, he learnt through his personal efforts certain other languages e.g., Phalavi, Avesta, Sanskrit, Hindi, Urdu, French, Turkish, Italian and German. He had a small but very useful personal collection of

Life & Works of Dr.Hilali

Early life:

The illustrious son of Sheikh Abdul Jabbar Munshi, Dr.Sheikh Ghulam Maqsood Hilali was born on the 30th of November, 1900, in village Phulbari of Sirajganj sub-division, in the district of Pabna. The name of his grandfather was Sheikh Zakiuddin Munshi who was a teacher. As his fore-fathers belong to an educated class better known as 'Munshi', his house was famous as 'Munshi Bari'. Mother of Dr.Hilali, Khush Mahal, was the daughter of the celebrated Saikh family of Sirajganj.

Educational Career:

Dr.Hilali started his student life from the school of Janab Ali Khan situated in a village near Phulbari. Maulana Abdul Hamid Khan Bhashani, the famous socio-political leader, though a few years senior to him, was his class fellow there and used to live by the side of the same school. Thereafter he studied in Islamia Middle English School of Sirajganj and Passed his Matriculation Examination in 1918 from Sirajganj Victoria High School. He passed the I.A and B.A examinations from Edward College, Pabna in 1920 and from Rajshahi College in 1922 respectively. He took his M.A. degree in Persian Language and Literature in the year 1924 from Calcutta University and was placed Second in first Class. In 1932 he appeared as a private candidate at the M.A. Arabic of Calcutta University securing first position in First Class and was awarded a Gold Medal. He received his D.Phil degree from the University of Calcutta in the year 1949, the subject of his doctoral thesis being 'Iran and Islam: Their Reciprocal Influence'. He also completed the Bachelor of Law from the University of Calcutta in 1927.

Social activities:

From his very boyhood Dr.Hilali was interested in Social welfare activities. It so happened that in 1915 he opened a school in a room of his house for the illiterate children of his locality. This initiative of Dr.Hilali was encouraged by his elders. After some time the school was transferred to a better place by the school authority there and gradually it was established as a standard school.

On his success in the different examinations, Dr.Hilali used to get books as prizes which inspired him to establish a Library for the local people in his own house.

without the authentic source books. Unfortunately, in this respect Bangladesh is very poor.

While editing the present manuscript I have adopted the following methods:

- 1) Persian words at certain places have been arranged alphabetically.
- 2) Pronunciation of Persian words have been given in Roman Letters so that who are not acquainted with persian may be benefited.
- 3) Diacritical marks have been used according to the internationally accepted rules in order to facilitate the readers for correctly pronouncing the words.
- 4) Punctuation has been put as per rules of grammar for clarifying the meaning of words.
- 5) Spelling of a few words e.g., 'Pahlawi' and 'Sasanian' have been revised as 'Pahlavi' and 'Sassanian' wherever necessary.
- 6) Phonetical signs over 'n' e.g., n, n, have been dropped as this is a work of philology and not of phonetics. Moreover, it will be difficult to maintain it in printing.
- 7) For ascertaining the exact form, meaning and pronunciation of each and every word, from beginning to end, I have tried to consult the books as mentioned above.
- 8) As Dr.Hilali is still not much known in Bangladesh, India and Pakistan, a separate chapter on his life and works has been added to introduce him.

Now I would like to mention one important point here. The learned author has named the book as 'Iranian Philology' on the plea that he has based it with Persian wrdps and provided its equivalents of different languages. But the main thing is that the words used for comparative meaning belong not only to the Indo-Iranian Family of Languages but also to the Indo-Aryan as well as Indo-European Families of Languages. It would, therefore, be justified, in my opinion, to name the book as 'Etymological Dictionary' which can cover the area of all the families of Languages used in it.

My thanks are due to Mr.Humayun Khalid for providing me with the manuscript and my son Engineer Ijaz Kalim for translating the Bengali materials related to the biography of the author. I would be unfair if I do not thank Mr.Rustam Ali Sheikh of Rajshahi University who took interest in neatly and correctly typing the manuscript with diacritical marks.

Introduction

The present work is based on a manuscript compiled by Dr. Sheikh Ghulam Maqsud Hilali in the year 1945. Dr. Hilali was a devoted teacher, a seeker of knowledge who was keenly interested in philology. During his teaching career he used to study regularly. This book is the result of his painstaking effort. Mr. Humayun Khalid (son of Dr. Hilali), an Assistant Engineer in the University of Rajshahi, is to be congratulated that inspite of his pre-occupations in his professional work, he took care of preserving the manuscript for about 34 years after the death of his father in 1961.

Though apparently a short script, it was not, in fact, an easy job to go through this manuscript and confirm its contents with full confidence without having proper knowledge of various languages used by its author. The source materials at my disposal were also limited. Non-availability of dictionaries specially of Pahlavi, Avesta and old Persian Languages made my work difficult. Under the circumstances, the job of editing of the manuscript became impossible at Rajshahi. I had to go, therefore, for the purpose to Dhaka, but the source materials there also were not easily available because of their misplacement in book-shelves also for declining interest with the Iranian Languages.

I have, however, consulted *Lughatname-i-Dehkhuda* (incomplete), *Farhang-i-Farsi* by S. Haim, *Farhang-i-'Amid* by Hasan 'Amid, *Farhang-i-Nizam* (incomplete) by Aghai Sayed Muhammad Ali, *Persian Dictionary* edited by F. Steingass and the dictionaries of various European and Indian Languages. In spite of that I can not say that as an Editor I have discharged my duties perfectly.

Dr. Hilali has not mentioned his sources in the manuscript. I believe that he has learnt most of the languages through his personal efforts and not by attending any institution in this connection. I have found in his personal collection a booklet in three parts entitled 'Lessons in Pahlavi-Pazend' by Sheriarji Dadabhai Bharucha, an Honourary Fellow of the University of Bombay and his correspondence with Dr. I. J. S. Tazaporwala of Bombay University. Dr. Hilali, as it appears, has utilised these sources in respect of Pahlavi, Avesta, old Persian and Sanskrit languages. But while exactly putting the words of these languages, he has confused at certain places. I have ascertained them with the help of the above mentioned sources. I have my limitations too, as my knowledge of Iranian Languages which I learnt at the University of Tehran (Iran) is not sufficient enough for editing

THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

THE FUTURE OF THE FUTURE
THE FUTURE OF THE FUTURE

A Concise Etymological Dictionary of Persian Language

By

Dr. Sheikh Ghulam Maqsood Hilali

(d. 1961)

Edited by

Dr. M. Kalim Sahasrarni
Rajshahi University, Rajshahi

Bangladesh

CONTENTS

Journal No. 103

English Section

Farhang-i Hilali	Ed. by Dr.Kalim Sahsrami	1
An Early Source for Arab Historiography	F.M.Donner	33

Urdu/Persian Section

The Problem of Urdu Language: A discussion		1
---	--	---

Participants:

<i>Dr.Masood Husain Khan, Mr.Jamna Das Akhtar, Mr.Syed Hamid, Prof.Md.Mohsin, Mr.Syed Hashim Ali, Dr Abul Faiz Sahar, Dr.Khaliq Anjum, Dr.Gopi Chand Narang,Nawab Rahmatullah Khan Sherwani, Mr.Taqi Rahim, Dr.Ansarullah, Mr.Rashid Hasan Khan,Mr.Masood Ahmad Barakati, Mr.Adbul Latif Azmi, Miss Qurratul Ain Haider, Mr.Mazhar Imam, Dr.Ejaz Ali Arshad, Mr.Ghulam Sarwar, Dr.Hanif Kaifi, Dr.Mohammad Hasan & others</i>		1
---	--	---

An Urdu Encyclopaedia of Islam: Index of Burhan		113
Dr.Kidwai's two Urdu Articles, <i>Written half a Century Back</i>		193
Shia Sunni Issue & Nadir Shah		221
Rationalist Ulema of India	Abdus Salam Khan	231
Jinnah	M.R.A.Baig	323
Hindus under Muslim Rule		367
Commentary on Surah Fatiha & Surah Ikhlas	Khuda Bakhsh Khan	395
Two Urdu Translations	Khuda Bakhsh	427
Love Offerings	Khuda Bakhsh	447
Shah Abdul Aziz & Shia Sunni Issue	Shah Faizre Alam	449
My Prophet	Munazir Ahsan Gilani	452
Manuscript of Aina-i Kalpi	Altaf Husain Sherwani	455

1996

Price Rs. 75/-

Printed by Pakeeza Offset Press, Muhammadpur, Shahganj, Patna
and published by Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna.

Khuda Bakhsh Library Journal

103

**Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna**

